اَلصَّبْرُ شَجَرَةٌ ثَمَرُهَا حُلْوٌ

صبر و شکر کے میٹھے پھل

ترجمہ

عدة الصابرين وذخيرة الشاكرين

تالیف

محمد بن ابي بكر معروف بابن القيم الجوزي

مترجم

مولانا مستقیم بن مشتاق بن عبدالکریم کپڑونجی
(فاضل جامعہ حسینیہ راندیر سورت، گجرات)

تصحیح و نظر ثانی

مولانا مفتی محمد قاسم بن حسن مانگرولی
(استاذ الحدیث والفقہ والافتاء جامعہ حسینیہ راندیر سورت، گجرات)

مکتبۃ الحفیظ، تراج، گجرات

﴿جملہ حقوق بحق مترجم محفوظ ہیں﴾

تفصیلات

نام کتاب	:	صبر وشکر کے میٹھے پھل
		(ترجمہ) عدة الصابرين وذخيرة الشاكرين
مصنف	:	علامہ ابن قیم الجوزیؒ
مترجم	:	مولانا مستقیم بن مشتاق کپڑونجی
		(فاضل: جامعہ حسینیہ راندیر سورت)
تصحیح ونظر ثانی	:	حضرت مفتی محمد قاسم بن حسن صاحب مانگرولی
		(مدرس: جامعہ حسینیہ راندیر سورت)
کمپوزنگ	:	عبداللہ بن حاجی ادریس بالواپالنپوری (ڈنڈرولوی)
		موبائل نمبر: ۹۹۰۹۳۱۵۳۷۰
صفحات	:	۳۹۹

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اِنَّ فِیْ ذَالِکَ لَآیَاتٍ لِّکُلِّ صَبَّارٍ شَکُوْرٍ

﴿سورۃ ابراھیم : ۱۴﴾

حضرت علیؓ فرماتے ہیں خوب سن لو، صبر ایمان میں وہی مقام ودرجہ رکھتا ہے جو مقام سر جسم میں رکھتا ہے کہ اگر سر کٹ جائے تو جسم بھی ہلاک ہو جاتا ہے، پھر حضرت علیؓ کی آواز بلند ہوگئی اور فرمایا اس شخص کا ایمان (کامل) نہیں جس کو (صفت) صبر حاصل نہیں، اور فرمایا صبر ایسی سواری ہے جو کبھی ٹھوکر کھا کر گرتی نہیں۔

☆ فہرس ☆

رقم	ابواب	صفحہ نمبر
۱	انتساب	۱
۲	عرض مترجم	۲
۳	دعائیہ کلمات از مولانا مفتی احمد صاحب خانپوری	۵
۴	تقریظ از مفتی محمد قاسم صاحب مانگرولی	۶
۵	تقریظ از مولانا الیاس صاحب کپڑونجی	۸
۶	تشکر وامتنان	۱۰
۷	تعارف (ابن قیم الجوزیؒ)	۱۱
۸	مقدمہ	۱۵
۹	پہلا باب: صبر کے معنیٰ لغوی اور اس لفظ کے اشتقاق و تحقیق۔	۲۶
۱۰	دوسرا باب: صبر کی حقیقت اور صبر کے بارے میں علماء کے اقوال۔	۲۸
۱۱	تیسرا باب: صبر کے متعلقات کی طرف نسبت کے اعتبار سے اسماءِ صبر۔	۳۲
۱۲	چوتھا باب: صَبَرَ، تَصبّر، اصطبار اور مصابرة کے مابین فرق۔	۳۴
۱۳	پانچواں باب: مقاماتِ صبر کے اعتبار سے اقسام صبر۔	۳۷
۱۴	چھٹا باب: صبر کے قوّت وضعف کے اختلاف کے اعتبار سے اور صبر کا خواہشِ نفس کا مقابلہ کرنے اور اس سے عاجز ہونے کے اعتبار سے اقسامِ صبر۔	۴۰
۱۵	ساتواں باب: صبر کے متعلقات کے اعتبار سے اقسامِ صبر۔	۴۶
۱۶	آٹھواں باب: صبر کے ساتھ احکام خمسہ کے تعلق کے اعتبار سے تقسیمِ صبر۔	۵۱
۱۷	نواں باب: درجات صبر کے تفاوت۔	۵۴

۱۸	دسواں باب: صبر کا محمود و مذموم ہونے کے اعتبار سے تقسیمِ صبر۔	۶۸
۱۹	گیارہواں باب: شرفاء کے صبر اور کمینوں کے صبر کے مابین فرق۔	۷۸
۲۰	بارہواں باب: وہ اسباب جو صبر کے لئے معین و مددگار رہے۔	۸۰
۲۱	تیرہواں باب: انسان اپنے احوال میں سے کسی بھی حال میں صبر سے مستغنی نہیں۔	۹۴
۲۲	چودہواں باب: صبر نفوس پر زیادہ شاق اور گراں ہے۔	۱۰۲
۲۳	پندرہواں باب: وہ قرآنی آیات جو صبر کے متعلق وارد ہوئی ہے۔	۱۰۵
۲۴	سولہواں باب: وہ احادیثِ نبویہ جو صبر کے بارے میں مروی ہے۔	۱۱۱
۲۵	سترہواں باب: وہ آثارِ صحابہ جو فضیلتِ صبر کے متعلق منقول ہے۔	۱۳۵
۲۶	اٹھارواں باب: ان امور کا ذکر جو مصیبت سے متعلق ہیں مثلاً آہ و فغاں کرنا، ماتم کرنا، کپڑوں کو پھاڑنا اور زمانۂ جاہلیت کی طرح چیخ و پکار کرنا وغیرہ۔	۱۴۲
۲۷	انیسواں باب: صبر نصف الایمان ہے، اور ایمان دو حصہ ہے، نصف صبر، نصف شکر۔	۱۵۴
۲۸	بیسواں باب: صبر و شکر میں سے افضل ہونے میں علماء کا اختلاف۔	۱۵۷
۲۹	اکیسواں باب: صابرین و شاکرین کے مابین حَکَم اور ان کے مابین فیصلہ۔	۲۰۷
۳۰	بائیسواں باب: غنیٔ شاکر اور فقیر صابر میں سے کون افضل ہے؟ اور اس میں علماء کا اختلاف اور ترجیح۔	۲۴۵
۳۱	تیئیسواں باب: وہ آیات و احادیث اور آثار و قیاس جس سے فقراء استدلال کرتے ہیں۔	۲۵۳
۳۲	چوبیسواں باب: وہ آیات و احادیث اور آثار و قیاس جس سے اغنیاء استدلال کرتے ہیں۔	۳۴۹
۳۳	پچیسواں باب: وہ امور جو صبر کے مخالف، صبر کے منافی اور صبر میں ناپسندیدہ ہے۔	۳۷۸
۳۴	چھبیسواں باب: صبر صفاتِ رب میں سے ہے، اور اللہ کا نام صبور اور شکور ہے۔	۳۸۴
۳۵	خاتمہ	۳۹۵

انتساب

(۱) مخدوم محترم، مطاع مکرم، والد مشفق مشتاق بن عبدالکریم کے نام جنہوں نے نہایت دلسوزی، ایثار وقربانی اور اخلاص وللّٰہیت کیساتھ آج مادیت پرست اور پرسوز دور میں دنیا کی ہنگامہ آرائیوں پر کان نہ دھر کر دینی تعلیم سے مجھے وابستہ کیا، جن کی لیل ونہار کی متضرعانہ دعاؤں، پدرانہ شفقتوں، مربیانہ اصولوں اور سرپرستانہ رہنمائیوں سے مجھ بے نوا وناتواں کو کچھ لکھنے پڑھنے کی سجھ بجھ نصیب ہوئی۔

(۲) اور مادر مشفقہ کے نام جن کی پاکیزہ تربیت، پرسوز دعاؤں، نیک تمناؤں، صالح آرزوؤں اور سایۂ خیر وبرکت نے ہر موڑ پر میری شاہراہ زندگی پر رواں دواں رہنے کا پرعزم حوصلہ بخشا۔

(اللہ ان کے سایۂ عاطفت کو میرے سر پر تادیر بعافیت قائم رکھے)

(۳) اور ماہرین علم وفن، سلاطین فضل وکمال، معزز ومشفق اساتذہ کرام کے نام جن کے فیضان نظر اور علمی تربیت ورہنمائی نے علمی پرپیچ وادیوں میں قدم رکھنے اور درس وتدریس کا شعور وادراک عطا فرمایا۔

(اکرمهم الله ونفعنا بعلومهم وبركاتهم)

(۴) اور علامہ ابن قیمؒ اور ان علماء سلف کی روحوں کے نام جنہوں نے علم کی خدمت کیلئے خود کو وقف کردیا، اور علم کے سمندر میں غوطہ زنی اور غواصی کر کے علمِ الٰہی کے اسرار ولطائف کو دریافت کیا، جن کے افاداتِ علمیہ اور نکات عرفانیہ کے نتیجہ میں اس گلشن علم وحکمت کو بایں صورت پیش کرنے کی سعادت میسر آرہی ہے۔

(فجزاهم الله كلهم عنا فى الدارين جزاءً خيراً)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

﴿عرض مترجم﴾

الحمد لله رب العالمين والصلوة والسلام على اشرف الخلق سيدنا محمد وعلى آله وصحبه اجمعين ۔

امابعد:۔ اللہ تعالیٰ مؤمنین کو حکم دیتے ہوئے اپنی کتاب محکم میں فرماتے ہیں۔

یاایھاالذین آمنوا اصبروا الخ اور واشکروالی ولاتکفرون.

اسماءِ حسنٰی اللہ تعالیٰ کے ان صفاتی ناموں کو کہتے ہیں جو قرآنِ کریم میں آئے ہیں، ابن قیمؒ نے لکھا ہے کہ اسماءِ حسنٰی کے ورد سے اللہ پر توکل اور اسکی قدرت ورحمت پر جو یقین حاصل ہوتا ہے وہ ہمارے اندر ہر شر سے مدافعت کی قوت پیدا کردیتا ہے خواہ امراض ہو یا زندگی کی عام مشکلات، محدثین ومفسرین نے لکھا ہے کہ اسماءِ حسنٰی براہین نظر آئیں گے اوران سے ایمان مستحکم ہوگا ان تمام باتوں کا انحصار معنویت ہی کے شعور اورادراک پر ہے، ان صفاتی اسماء کی حقانیت کے جودلائل ہیں وہ بھی معانی پر غور کرنے کے بعد واضح ہوں گے۔

انہی اسماءِ حسنٰی میں سے اللہ کا ایک نام ''صبور'' ہے (اگرچہ یہ لفظ قرآن شریف میں کسی جگہ نہیں آیا) اسکے معنی ہے بہت صبر کرنے والا، مگر اسماءِ الٰہی میں اسکے معنی تحمل وضبط کرنے والے کے ہیں، یعنی اعدادِ الٰہی کے بارے میں انہیں مبتلاءِ عذاب کرنے میں ضبط وتحمل اور درگزر کرنے والا ہے، بلاشبہ اللہ صبور ہیں، ورنہ ہم اس قابل کہاں کہ ہمارے ناپاک وجود سطحِ زمین کو ناپاک کرتا رہے، سطحِ زمین پر ہر آن اور ہر گھڑی اتنے بڑے بڑے مظالم ہوتے رہتے ہیں کہ حیرت ہوتی ہے، اس صاحبِ جلال کو باوجودیکہ قادر، جبار، قھار ہیں کیوں غضب نہیں آتا کہ وہ زمین کے تختے کو ایک دم الٹ کر رکھ دے۔

طوفانِ نوح نے تو ڈبوئی زمین فقط . میں ننگِ خلق ساری خدائی ڈبو گیا

بس وہ صبور ہم سے اور آپ سے انتقام لینے میں ضبط وتحمل سے کام لیتا ہے، اس طرح باوجود جرائم سے بھرپور رہنے کے دنیا صحت وسلامتی کے ساتھ رواں دواں ہے، اور وہ ''الصبور'' اپنی مخلوق سے بھی ایسے ہی ضبط وتحمل کا تقاضی کرتا ہے جیسا کہ جگہ جگہ قرآن مجید میں صبرِ جمیل کا حکم دیا ہے۔

صبر تلخ است ولیکن برشریں دارد . میوہ چین چمن خلد ہر اک صابر ہے

اسی طرح اللہ کا ایک نام ''شکور'' بھی ہے یعنی شکر کو قبول کرنے والا، اور یہ بھی اسکا فرمان ہے کہ شکر کروگے تو ہم زیادہ دیں گے، انسان بھی اپنے شکر گزار کو اور زیادہ ممنون کرنا چاہا کرتا ہے تو اللہ تو اسکے زیادہ حقدار ہیں کہ وہ شاکرین بندوں کو زیادہ عطا کرے، انسان شکریہ کو قبول کرتا ہے تو اللہ کیوں نہ کریگا؟ وہ خالق رازق جو خود یہ کہتا ہے کہ میں تمہارے شکر کو قبول کرتا ہوں تو ایسے کرم فرماں کا شکر ادا کرنے میں کیا خسارہ ہے اور کیا دشواری ہے؟

حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ فرماتے ہیں کہ ایک عابد وزاہد بندہ اگر ٹھنڈے پانی سے پرہیز کرتا ہے اور ہمیشہ نفس کشی کے لئے گرم پانی پی کر شکر ادا کرتا ہے ایسے بندے سے اس بندے کا شکر بڑھا ہوا ہے جو ٹھنڈا میٹھا پانی پی کر شکر ادا کرتا ہے کیوں کہ اسکا شکر دل کی ایسی گہرائی سے نکلتا ہے کہ گرم پانی پینے والے زاہد کے دل سے ایسا شکر نہیں نکل سکتا، اس بات کے لکھنے کا مقصد یہ کہ دراصل شکر تو وہ ہے جو تہہِ دل سے نکلے۔

الغرض زیرِنظر کتاب ''عدۃ الصابرین وذخیرۃ الشاکرین'' میں علامہ ابن قیمؒ نے انہی دو موضوع یعنی صبر وشکر کو بڑی تفصیل کے ساتھ چھبیس ابواب میں جمع کر کے کتاب کی شکل میں پیش کیا ہے، اور علامہ چونکہ صرف محدث ہی نہیں بلکہ بلند پایہ مفسر وفقیہ بھی تھے اس لئے انھوں نے صرف الفاظ حدیث ہی کو جمع کرنے پر اکتفی نہیں کیا بلکہ آیات و حدیث کی تشریح اور الفاظ کے مفہوم کی وضاحت اور فقہی احکام اور تربیتی نکات ولطائف سے کتاب کو آراستہ کیا ہے، اور علامہ چونکہ ظاہری علم رکھنے والے اور گفتار کے غازی نہیں ہے بلکہ صاحب دل اور مقامات عالیہ سے سرفراز بزرگ ہیں اسلئے کتاب بہت ہی مفید وپر اثر ہے اور مذکورہ بالا خصوصیات نے علامہ کی اس کتاب کو اس موضوع پر لکھی جانے والی تمام کتابوں سے منفرد وممتاز بنادیا ہے، یہ کتاب تقریباً سات سوسال سے عربی دان طبقہ کے درمیان متداول وعام ہے اور یہ کتاب اپنی افادیت وجامعیت اور ثقاہت ونقات کی وجہ سے اس قابل تھی اسکا اردو ترجمہ منظر عام پر لایا جائے تاکہ اردوداں طبقہ کے لئے اس سے استفادہ آسان ہو اور طالبین وشائقین کے لئے سہولت کا سامان فراہم ہو، لہذا بندے کے دل میں اس کتاب کو اردو میں منتقل کرنے کا خیال ہوا، اور سچ یہ ہے کہ قلب میں کسی کارِخیر کا جذبہ اٹھنا محض حق تعالیٰ کی توجہ اور عنایت کا ثمر ہوتا ہے جو اس دارالاسباب میں کسی سبب سے مسبب ہوکر رونماء ہوتا ہے، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اس خیال کو ارادہ اور ارادہ کو عزم کی شکل میں تبدیل کردیا، اور اللہ کا نام لیکر کام شروع کردیا، اور کام کو شروع کرنے کے بعد اس کام کی ضرورت واہمیت اور افادیت کے متعلق بندے نے اپنے اساتذہ اور مختلف ماہرین علم وفضل سے مشورہ لیا، تو ان تمام علماء نے مثبت اور مفید مشوروں اور دعاؤں سے نوازتے ہوئے اپنی قلبی وروحانی مسرت وخوشی کا اظہار فرمایا۔

الغرض ترجمہ کرتے وقت بندے نے اس بات کا خیال رکھا کہ ترجمہ سلیس، سہل اور عام فہم ہو ہر خاص وعام کی سمجھ میں آجائے، اور اردو عبارت میں عربی و فارسی الفاظ کی بیجا آمیزش نہ ہو کہ قارئین اسے اپنے ذہن پر بارِگراں محسوس کریں یا سمجھنے میں دقت پیش آئے، اور ترجمہ کرنے میں بندے نے چند امور کو ملحوظ رکھا جو یہ ہے۔

آیات کا ترجمہ حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ کی بیان القرآن سے ماخوذ ہے کہیں کہیں کچھ جزوی ترمیم کی گئی ہے۔

جہاں کہیں مفہوم کی وضاحت یا فقہاء ومحدثین کے اختلاف کو اجاگر کرنے کی ضرورت محسوس ہوئی اسکو بین القوسین میں لکھ کر وضاحت کرنے کی کوشش کی ہے۔

کتاب چونکہ عملی مقصد سے مرتب کی گئی ہے اسلئے سندوں کے طویل سلسلوں کو حذف کیا گیا ہے جسکی افادیت صرف اہلِ علم کے لئے ہوا کرتی ہے۔

کتاب میں اصلاً موضوع سے متعلق مباحث کو حل کرنے اور انکی تسہیل وتفہیم پر زور دیا گیا ہے اسلئے دورانِ مطالعہ زبان اور ادب کی چاشنی کے بجائے اپنی نگاہ اصل مباحث پر مرکوز رکھیں اور اسی کو اپنا ہدف بنائے۔

اخیر میں میں پھر سے حق جل مجدہ کا بصمیم قلب شکر گزار ہوں کہ اس نے محض اپنے فضل وکرم اور توفیق ومہربانی سے اپنے اس بندۂ ظلوم وجہول کو اپنے علم کی خدمت کا مبارک موقع عنایت فرمایا، اور اسی کی بارگاہِ مجیبی میں اپنی دلی آرزوؤں کو پیش کرتے ہوئے دست بدعاء ہوں کہ وہ اپنے پاکیزہ علم دین کے خدّام میں میرا بھی شمار فرماوے اور انہیں کے زمرے میں مجھے بھی محشور فرماوے، اور علم دین کے انوار وبرکات سے پورا پورا حصہ نصیب فرماوے، اور قبر وحشر میں میرے لئے اور میرے والدین اور اساتذہ کے لئے ذریعۂ نور رہبری اور باعثِ نجات بنائے، آمین یارب العالمین۔

گزارش:۔ گو پیشِ نظر کتاب بہت ہی مفید ونافع ہے، تاہم اخذ ونقل اور طرزِ تحریر وغیرہ میں کمی کوتاہی اور نقص وخامی کا رہ جانا تقاضۂ بشریت کے منافی نہیں اسلئے قارئین کرام سے بصد آداب واحترام گزارش ہے کہ دورانِ مطالعہ جہاں کہیں بھی جس قسم کی غلطی اور خامی نظر آئے تو از راہِ کرم براہِ راست بندے کو مطلع فرماوے تاکہ آئندہ اصلاح وترمیم کی جاسکے خیر خواہانہ تنبیہ پر آپ کا تہہِ دل سے ممنوع ومشکور رہوں گا۔

بندہ: مستقیم بن مشتاق شیخ کپڑونج

دعائیہ کلمات

ازحضرت مولانا مفتی احمد صاحب خانپوری مدظلہ العالی

(استاذ الاساتذہ صدر المفتی ، مدرسہ تعلیم الدین ڈابھیل،نوساری)

عزیزم سلمہ اللہ تعالیٰ وعافاہ

اسلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

آپ کا خط ملا یہ معلوم ہو کر خوشی ہوئی کہ آپ نے علامہ ابن قیم جوزیؒ کی کتاب عدۃ الصابرین وذخیرۃ الشاکرین کا اردو زبان میں ترجمہ کیا اور آپ کے استاذ محترم مولانا مفتی محمد قاسم صاحب (مانگرولی) زیدمجدہم نے اسکی تصحیح ونظر ثانی کی ، اللہ تعالیٰ آپ کی اس علمی خدمت کو حسن قبول عطا فرمائے اور اس کتاب سے لوگوں کو زیادہ سے زیادہ فائدہ پہونچائے ، اب تو ان اخلاق وصفات کو حاصل کرنے کی طرف دھیان اور توجہ بھی کم ہوتی جارہی ہے بلکہ انکے حقائق سے بھی لوگ ناواقف ہوتے جارہے ہیں اللہ تعالیٰ ہم سب کو ان صفات واخلاق سے آراستہ ہونے کے لئے مطلوبہ محنت ومجاہدہ کرنے کی توفیق وسعادت عطا فرمائے ، آمین یارب العالمین۔

فقط والسلام

املاہٗ : احمد خانپوری

﴿تقریظ﴾

از حضرت مولانا مفتی محمد قاسم صاحب مانگرولی مدّ ظلہ العالی

(استاذ الحدیث والفقہ والافتاء، مدرسہ جامعہ حسینیہ راندیر، سورت، گجرات)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد لله وحده والصلاة والسلام على من لا نبي بعده

زیرِ نظر کتاب دو مضمون پر مشتمل ہے، اوّل صبر جو اہم عبادتوں میں سے ہے، ایزد تعالیٰ نے اسکو فرض قرار دیا ہے﴿يا ايها الذين آمنوا اصبروا﴾ نیز اسکے فضائل مختلف مواقع میں بیان فرمائے ہیں، کہیں فرمایا﴿ان الله مع الصابرين﴾ کہیں نیک بندوں کے اوصاف میں فرمایا﴿الصابرين والصادقين الخ﴾ اور کہیں فرمایا﴿ولئن صبرتم لهو خير للصابرين﴾ ویسے صبر ہمت کا کام ہے، بے ہمت لوگوں سے ممکن نہیں، صبر ایک عمل ہے بے عمل لوگوں سے محال ہے، صبر ایک فتح ہے جو سبکو حاصل نہیں ہوتا اور صبر ایک تدبیر ہے جو دور اندیش حضرات کو میسر ہوتا ہے۔

دوسرا مضمون شکر ہے یہ بھی عبادت ہے اور فرض ہے باری تعالیٰ کا ارشاد ہے﴿واشكروا لي ولا تكفرون﴾ اور اسکے فضائل بھی قرآن پاک میں موجود ہیں، فرمایا﴿لئن شكرتم لازيدنكم﴾ فرمایا﴿اعملوا آل داؤد شكرا . وقليل من عبادي الشكور﴾ شکر رضاء الٰہی ہے، نعمتوں کا اضافہ ہے، قناعت و بندگی کا ذریعہ ہے۔

دراصل یہ علامہ ابن القیم الجوزیؒ کی کتاب ''عدۃ الصابرین وذخیرۃ الشاکرین'' کا ترجمہ ہے جس میں علامہ موصوف نے ان دونوں مضمون کو مفصل بزبان عربی بیان فرمایا ہے، افادۂ تام کے لئے عزیزم مولوی مستقیم کپڑونجی نے ترجمہ کیا، بندہ نے درسی وتدریسی مشغولیت کے ساتھ جلدی جلدی دیکھا ہے نظرِ عمیق کے باوجود سبقتِ نظر سے انکار نہیں سہو وخطا شیوۂ انسان ہے اصل محنت مترجم صاحب کی ہے اللہ تبارک وتعالیٰ قبول فرمائے اور تازہ قلم رو کی قلم روی میں روانی عطا فرمائے، مزید قلمی ولسانی خدماتِ مقبولہ سے سرفراز فرمائے اور خود کے لئے اور انکے سرپرستوں کے لئے ذریعہ نجات بنائے (آمین)۔

فقط والسلام

محمد قاسم مانگرولی

یکم ربیع الاوّل ۱۴۳۱ھ

﴿تقریظ﴾

از حضرت مولانا الیاس صاحب کپڑونجی دامت برکاتہم

(استاذ الحدیث والفقہ ، مدرسہ ھدایت الاسلام عالیپور، نوساری)

باسمہ تعالیٰ

الحمد لله الذی اعان عباده بالتوفیق لمحاب الاخلاق والاعمال. ونورقلوبهم بهدایة الصبر علی الطاعة والبلاء وعن سیئی الاعمال . والصلاة والسلام علی سیدنا وحبیبنا محمد الذی قال:" الصبر ردائی" فی الصبر من الفضائل وعلی اله وصحبه الذین تخلقوا الصبر فی جمیع المزایا والخصائل ـ **امابعد**

مذکورہ کتاب دین کے اہم المقاصد اور ایمان کے نصف المبانی صبر پر مشتمل ہے جس صبر کے بارے میں لسانِ رسالت اس طرح گویا ہے کہ ﴿**لا ایمان لمن لا صبر له**﴾ صبر کا لفظ قرآنِ معظم میں نوے (۹۰) مقامات پر استعمال ہوا ہے اسکا لفظی مطلب ہوتا ہے روکنا، تھام لینا جب کسی انسان پر کوئی مصیبت آتی ہے تو وہ طبعًا کچھ جزع وفزع بھی کرتا ہے، اسکے اعضاء وجوارح میں بےقراری آجاتی ہے اور اسکی زبان پر شکوے جاری ہوجاتے ہیں ایسے مشکل حالات میں اپنے آپ کو روک لینا تھام لینا اور زبان پر شکوہ، شکایت کا کوئی لفظ نہ لانا صبر کہلاتا ہے، بےصبری کی یہی دو علامتیں ہوتی ہیں پہلی بات یہ کہ مصیبت آنے پر انسان مخلوق کے سامنے اپنے خالق کے شکوے کرے اور دوسری بات یہ ہے کہ اسکے اعضاء وجوارح میں بےقراری ہو اگر یہ دونوں چیزیں انسان میں نہ پائی جاتی ہوتو اسے صابر کہتے ہیں۔

نبی علیہ الصلاۃ والسلام کی الحاح وتضرع پر مشتمل مقبول دعاؤں میں جو لفظ بکثرت استعمال ہوا ہے بلکہ جوامع الکلم بلکہ اس سے بڑھ کر قریب من حد الاعجاز جو جملہ مبارکہ ہے وہ ''الحمد للہ علی کل حال'' ہے یہ جملہ اپنی پنہائیوں میں بیش بہا گوہر لئے ہوئے ہیں کہ مؤمن صرف حالتِ رجاء میں شکر کا مکلّف نہیں ہے بلکہ احوال ملائمِ نفس ہو کہ مخالفِ نفس بلکہ دنیا کا کوئی انسان ایسا نہیں جسے زندگی میں ناموافق حالات برداشت نہ کرنے پڑتے ہوں نامناسب حالات میں وہ بندہ اللہ کے لئے شکر کا زیادہ مکلّف ہے کیونکہ جب بندہ اس بات کا ایمان رکھتا ہے کہ اللہ نے جو کچھ مقدر میں لکھ دیا ہے وہ آکر رہے گا اور اللہ کی قضاء کو کوئی رد نہیں کرسکتا اور اللہ تبارک وتعالیٰ نے میرے لئے جو بھی قضاء وقدر فرمایا ہے وہ حکمت سے خالی نہیں ہے اسکے ساتھ ساتھ مزید ثواب بھی ملیگا کیونکہ مصیبات الدنیا مثوبات الاخری ہے تو وہ اللہ تعالیٰ کے اس عطیہ پر شکر کا زیادہ مکلّف ہے تو معلوم یہ ہوا کہ جس طرح شکر استجلاب نفع کرتا ہے اسی طرح صبر بھی دنیا میں دفع مضار کے ساتھ ساتھ آخرت میں سرمدی وابدی منفعتوں کا

جالب ہے اسی لئے تو سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ اکثر فرمایا کرتے تھے کہ "خبر عیش أدر كناه بالصبر" ہم نے خوشی کی خبر ہمیشہ صبر کے بعد سنی لہٰذا ناموافق احوال میں بندہ صبر سے زیادہ شکر کا مکلّف ہے اس لئے کہ صبر خود اللہ کی طرف سے ایک نعمت ہوگئی، اللہ کے سچے رسول کا سچا فرمان ہے کہ ﴿اذا أحب الله عبدا ابتلاه فان صبر اجتباه وان رضی اصطفاه﴾ (جب اللہ کسی بندے سے محبت کرتے ہیں تو اسکو مصیبت میں مبتلاء کردیتے ہیں اگر وہ صبر کرلے تو اسے اپنا مجتبیٰ بنالیتے ہیں اور اگر اس پر وہ خوش ہو تو اپنا مصطفی بنالیتے ہیں) معلوم یہ ہوا کہ صبر محبوبیت کے مقام پر پہونچانے والی معراج ہے لہٰذا مؤمن بندے کے آدھے ایمان کا مدار صبر پر ہے اور یہ صبر ایسا ہو جو اپنے اندر شکر کی مایہ لئے ہوئے ہو۔

فی زماننا اس وقت لوگ مصائب کو دیکھ کر مایوس ہوجاتے ہیں اور ڈپریشن میں چلے جاتے ہیں اور ساری دنیا گویا اس وقت ڈپریشن کا شکار ہے اور انکو اس انجان اور نامعلوم غیر محسوس ڈپریشن کے لئے جس علاج کی ضرورت ہے وہ ہے صبر کی نعمت میرے محبّ وعزیزم مولانا مستقیم زیدت معالیھم نے اپنے ابتدائی تدریسی دور میں جہدِ مسلسل اور سعی پیہم کے ساتھ غایتِ انہاک ونہایت اجتہاد سے جو ذخیرہ بروئے کار لاکر منصۂ شہود پر پیش کیا ہیں اسے وقت کے درد کا درمان تصور کیا جاسکتا ہے، دنیا کی درد دکھتی رگ کے لئے ایک بہترین مداوی پیش کردیا کہ صبر کے فضائل قرآن واحادیث کی روشنی میں اور اکابر کی تصانیف کے اقتباسات کے ذریعہ مؤثر اور دلنشین انداز میں جمع فرما کر ترتیب دی ہے احقر نے ایک سرسری نظر مسودہ پر ڈالی جس سے اسکی افادیت کا احساس ہوا اللہ تعالیٰ کی بارگاہِ بے نیاز میں نیازمندی کے دست بستہ کئے ہوئے دعاء گو ہوں کہ بارِالٰہی اس مجموعہ کو مستفدین وقارئین کے لئے مفید اور عزیزم مستقیم کے لئے صدقۂ جاریہ بنائیں، ساتھ ہی اپنی قلم کو بھی تھامتے ہوئے شدت سے اپنی کم مائیگی وبے بضاعتی کا احساس بلکہ اقرار کرتا ہوں اور کچھ تحریری نقوش کی شکل میں عزیزم کے اصرار کو سرور کا جامہ زیب کررہا ہوں اور مبارک بادی کے ساتھ اختتام کررہا ہوں کہ دارین میں کتاب کی نافعیت میں سے کچھ حصہ احقر کو بھی مل جائیں کہ "فللأرض من كأس الكرام نصيب"۔

محمد الیاس غفرلہٗ
خادم التدریس
جامعہ ھدایت الاسلام عالیپور

تشکر و امتنان

سب سے پہلے رب ذوالجلال کا ثناخواں اور شکر گزار ہوں کہ اس نے مجھ ذرۂ بے مقدار کو ایسے عظیم و مبارک کام کی توفیق بخشی، اس کے بعد سیدنا رسول اللہ ﷺ کے ارشاد گرامی ﴿من لم یشکر الناس لم یشکر اللہ﴾ کے مطابق ان تمام حضرات کا شکریہ ادا کرتا ہوں جنہوں نے اس کتاب کی ترتیب وتالیف میں قولاً و فعلاً و مشورۃً کسی بھی قسم کا تعاون فرمایا ہے کیوں کہ ان کے تعاون اور ان کی مفید راہنمائیوں اور قیمتی آراء سے مجھے کافی توانائی ملی اور یہ مبارک کام انجام پذیر ہوا۔

خصوصاً محترم المقام مرشدی ومطاعی حضرت مولانا مفتی احمد صاحب خانپوری دامت برکاتہ کا شکر گزار ہوں کہ آنجناب نے اس مسودہ کے بارے میں حوصلہ افزوں کلمات اور قلبی دعاؤں کے ذریعہ اس کتاب کو استناد واعتماد کا جامہ پہنایا۔

بعدۂ سب سے زیادہ جس شخصیت کے احسانات، توجہات وعنایات اور تربیتی ہدایات کے سبب دل ممنونیت کے احساس اور جذبات تشکر وفدائیت سے مملوء ولبریز ہے، وہ میرے مشفق ومربی استاذ گرامی حضرت مولانا مفتی محمد قاسم بن حسن صاحب مانگرولی مدّ ظلہ العالی کی ذات گرامی ہے کہ حضرت والا نے اپنی گوناگوں مصرفیات ومشاغل کے باوجود کتاب کے مسودات پر نظر ثانی اور اصلاح کی زحمت گوارا فرمائی اور ضروری ومفید مشوروں سے نوازا اور تأثر وتقریظ سے اس کتاب کو استناد واعتماد کا جامہ پہنایا۔

نیز حضرت مولانا الیاس صاحب کپڑونجی دامت برکاتہ کا بھی ممنون ومشکور ہوں کہ انہوں نے اپنے احساسات وجذبات نیز حوصلہ افزا کلمات کے ذریعہ اس بندے کی پوری ہمت افزائی کی اور کتاب کی افادیت وضرورت کے متعلق اپنے پاکیزہ اور بلند خیالات کا اظہار فرما کر میرے عزم وارادہ کو قوت بخشی۔

دعا بہ بارگاہ الٰہی: اب میں ربّ کریم سے دستِ بدعا ہوں کہ اے مولائے کریم! اپنے اس حبیب پاک حضور سرورِ کائنات حضرت محمد ﷺ کے صدقہ طفیل میں جن پر آپ نے علوم نافعہ نازل فرمائے دین کی یہ ادنیٰ خدمت قبول فرما کر میرے لئے اور میرے والدین ومیرے مشائخ واساتذۂ کرام کے لئے نجات اور بلندئ درجات کا ذریعہ بنا دیجئے، اور ہمارے سینہ کو نور ہدایت اور تقویٰ وطہارت سے معمور کر دیجئے، اور صبر وشکر کے زیور سے آراستہ ومزین کر دیجئے، اس کتاب میں جو خطا ونسیان اور لاپرواہی وبے اعتنائی کا شمول ہو گیا ہو اسے درگزر فرما کر صحت وصواب میں تبدیل کر دیجئے اور آئندہ مزید حسن وخوبی اور اخلاص وللّٰہیت کے ساتھ دینی خدمت میں دوام واستمرار عطا کیجئے، اس کو ہر خاص وعام کیلئے نافع بنا دیجئے، خدایا! اس کتاب کے قابل استفادہ ہونے تک کے مراحل میں بہت سارے محبین ومخلصین حضرات نے اپنی مساعی وخدمات اور معاونات ودعوات کا سہارا دیا ہے آپ انکی خدمات کو قبول فرما کر ان کیلئے دارین میں سہارا بن جایئے اور اس کتاب کو ان کیلئے بھی ذخیرہ آخرت بنا دیجئے۔

آمین یا مجیب الدعوات ویارب العلمین والصلوۃ والسلام الاتمان الاکملان علی سید الانبیاء والمرسلین وعلی آلہ الطاہرین واصحابہ الکاملین اجمعین۔

مستقیم بن مشتاق کپڑونجی غفرلہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

علامہ ابن قیمؒ کا مختصر

تعارف

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَ کَفٰی وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی

اسلام اللہ تعالیٰ کا آخری پیغام ہے اور کامل و مکمل طور پر دنیا کے سامنے آچکا ہے اور اعلان کیا جاچکا ہے کہ

اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ وَرَضِیْتُ لَکُمُ الْاِسْلَامَ دِیْناً ط (المائدہ : ۳)

آج کے دن میں نے تمہارے لئے تمہارا دین مکمل کردیا اور تم پر اپنی نعمت تام کردی، اور دین کی حثیت سے اسلام کو تمہارے لئے پسند کرچکا۔

﴿مذہب کو زندہ اشخاص کی ضرورت﴾

ایک طرف تو اللہ کا دین مکمل ہے، دوسری طرف یہ حقیقت ہے کہ زندگی متحرک اور تغیر پزیر ہے اور اسکا شباب ہر وقت قائم ہے، لہٰذا کوئی مذہب اس وقت تک زندہ نہیں رہ سکتا، ان خصوصیات کو زیادہ دنوں تک برقرار نہیں رکھ سکتا، بدلتی ہوئی زندگی پر اثر نہیں ڈال سکتا جب تک کہ وقتاً فوقتاً اس میں ایسے اشخاص پیدا نہ ہوتے رہیں جو اپنے غیر معمولی یقین، روحانیت، بے غرضی وایثار اور اپنی اعلیٰ دماغی اور قلبی صلاحیتوں سے اسکے تنِ مردہ میں زندگی کی نئی روح پھونک نہ دے، اور اسکے ماننے والوں میں نیا اعتماد اور جوش اور قوتِ عمل پیدا نہ کردے، لہٰذا ماحول کے اثرات کا مقابلہ کرنے کے لئے اور مکان وزمین کی تبدیلیوں سے عہدہ برآ ہونے کے لئے اللہ جل جلالہ نے اس امت کیلئے دو انتظام فرمائے ہیں، ایک تو یہ کہ اس نے جناب رسول ﷺ کو ایسی کامل و مکمل اور زندہ تعلیمات عطا فرمائی ہے، جو ہر کشمکش اور ہر تبدیلی کا بآسانی مقابلہ کرسکتی ہے اور اس میں ہر زمانہ کے مسائل ومشکلات کو حل کرنے کی پوری صلاحیت ہے، دوسرا یہ کہ اس نے ذمہ لیا ہے (اور اس وقت کی تاریخ اس کی شہادت دیتی ہے) کہ وہ اس دین کو ہر دور میں ایسے زندہ اشخاص عطا فرماتا رہے گا جو ان تعلیمات کو زندگی میں منتقل کرتے رہیں گے، اور مجموعاً یا انفراداً اس دین کو تازہ اور اس امت کو سرگرمِ عمل رکھیں گے، یہ محض اتفاقی بات نہیں بلکہ انتظامِ خداوندی ہے کہ جس دور میں جس صلاحیت وقوت کے آدمی کی ضرورت تھی اور زہر کو جس ”تریاق“ کی حاجت تھی وہ اس امت کو عطا ہوا۔

﴿علامہ ابن قیمؒ﴾

انہیں زندہ اشخاص میں سے ایک شخصیت علامہ ابن قیمؒ بھی ہے جنہوں نے تحریف وتاویل کا پردہ چاک کیا اور حقیقتِ اسلام اور دین خاص کو اجاگر کیا، بدعات کے خلاف آواز اٹھائی، اور سنت کی پرزور تائید کی، عقائد باطلہ کی بے باکانہ تردید اور مشرکانہ اعمال ورسوم کے خلاف اعلانیہ جہاد کیا، مادیت ونفس پرستی پر کاری ضرب لگائی، اور اسلام میں نئی قوت وحرکت اور مسلمانوں میں نیا ایمان اور نئی زندگی پیدا کردی اور یہ شخصیت دماغی، علمی، اخلاقی اور روحانی اعتبار سے اپنے زمانہ کے ممتاز ترین فرد تھے، علامہ ابن قیمؒ کی سوانح عمری اور تعارف کے لئے چند اوراق ناکافی ہیں تاہم یہاں طوالت سے صرفِ نظر کرتے ہوئے مختصراً آپ کی حیاتِ مبارکہ کے چند اہم اور روشن اوراق پیش کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔

﴿نام ونسب﴾

آپ کا نام محمد بن ابوبکر بن ایوب بن سعد حریز الزرعی الدمشقی شمس الدین المعروف بابن القیم الجوزی ہے، علامہ ابن قیمؒ ۶۹۱ھ میں پیدا ہوئے اور علم وفضل اور ادب واخلاق کے گہوارے میں پرورش پائی، آپ نے مدرسہ ''جوزیہ'' میں جو امام جوزی کا قائم کردہ تھا اور اس میں آپ کے والد قیم نگراں وناظم تھے اسی میں علوم وفنون کی تعلیم وتربیت حاصل کی، نیز دوسرے علماء سے بھی استفادہ کیا جن میں شیخ الاسلام ابنِ تیمیہؒ کا نامِ گرامی سب سے زیادہ اہم اور قابل ذکر ہے، ان کے شاگردِ رشید کی حثیت سے زندگی بھر رفیقِ صادق، قیدخانہ کے ساتھی، میدانِ جہاد میں ان کے دوش بدوش اور استاذ کے بعد ان کے علوم کو نہایت قیمتی اضافہ کے ساتھ بہترین اسلوب پر شائع کرنے والے تھے۔

﴿علمی مرتبہ﴾

حافظ ابن رجب لکھتے ہیں کہ علامہ ابن قیمؒ کو تمام علومِ اسلامیہ میں دخل تھا لیکن فنِ تفسیر میں اپنا جواب آپ تھے، اصولِ دین کے رمز شناس تھے، حدیث، فقہ میں نہایت گہری نظر رکھتے، استنباط واستخراجِ مسائل میں یکتائے روزگار تھے، اور عربیت اور علمِ کلام میں بھی کمال حاصل تھا، علمِ سلوک اور اہل تصوف کے اشارات ودقائق پر بھی وسیع نظر تھی، میں نے قرآن وسنت کے معانی اور حقائقِ ایمانی کا ان سے بڑا عالم نہیں

پایا، وہ معصوم تو نہیں تھے لیکن میں نے ان خصوصیات میں ان کے جیسا آدمی نہیں دیکھا، متأخرین میں شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ کے بعد ابن قیمؒ کے پائے کا کوئی محقق نہیں گزرا۔

قاضی برہان الدین کا بیان ہے کہ ''اس آسمان کے نیچے کوئی بھی ان سے زیادہ وسیع العلم نہ تھا''

ابن قیمؒ کے رفیقِ درس حافظ ابن کثیرؒ فرماتے ہیں کہ

> ''ابن قیمؒ نے حدیث کی سماعت کی اور زندگی بھر علمی مشغلہ میں مصروف رہے، اُنہیں متعدد علوم میں کمال حاصل تھا خاص طور پر علمِ تفسیر اور حدیث وغیرہ میں غیر معمولی دسترس تھی، استادِ محترم شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ کے علوم کے صحیح وارث اور انکی مسندِ تدریس کے کما حقہ جانشین تھے''

﴿زہد و عبادت﴾

حافظ ابن رجب کا بیان ہے کہ وہ کثیر العبادات تھے، آداب سحر گاہی سے آشنا اور صبر و شکر کے زیور سے آراستہ و پیراستہ تھے، وہ اللہ کی عبادت و انابت کی صفت سے اس قدر متصف تھے کہ شاید ہی اس دور میں ان سے زیادہ کوئی عبادت گزار ہو، وہ ہر وقت ذاکر شاغل رہتے تھے، اور ان میں محبتِ الٰہی کا ایک جوش اور انابت کی ایک خاص کیفیت تھی، انہوں نے کئی حج کیئے اور عرصہ تک مکہ معظّمہ میں قیام کیا، اہل مکہ انکے کثرتِ عبادت اور کثرتِ نوافل کے ایسے حالات سناتے ہیں جو موجبِ حیرت ہے! علامہ ابن کثیرؒ فرماتے ہیں کہ ابن قیمؒ بڑی محبت کے آدمی تھے نہ کسی سے حسد رکھتے نہ کسی کو ایذاء پہونچاتے اور نہ کسی میں عیب نکالتے! خلاصۂ کلام یہ ہے کہ مجموعی حثیت سے اپنے احوال و امور میں انکی نظیر کم ہوگی۔

﴿ابتلاء و آزمائش﴾

علامہ ابن قیمؒ مصیبتوں اور ابتلاؤں کو بڑی خندہ پیشانی سے برداشت کرتے تھے، صبر و شکر کے زیور سے مزین تھے، انکی توحید اتنی شدید، خالص اور واضح تھی کہ انکے دشمنوں نے اُنہیں ہدفِ ستم بنانے میں کوئی دقیقہ اُٹھا نہیں رکھا تھا، اُنہیں طرح طرح سے تکالیف دی گئی، ان پر ناروا پابندیاں عائد کی گئی، نظر بندی، جلاوطنی کے مصائب سے دوچار کیا گیا، اُنہیں بھی اپنے استاذ شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ کی طرح قید و بند کی صعوبتوں سے گزارا گیا، لیکن انکے عزم و استقامت میں ذرہ برابر بھی فرق نہیں آیا، آخری بار جب شیخ ابن تیمیہؒ کو قلعہ میں قید

کیا گیا تو وہ بھی محبوس ہوئے اور ان سے علیحدہ رکھے گئے ، شیخ کے انتقال کے بعد انکی رہائی ہوئی ،اس پوری مدتِ اسارت میں وہ تلاوتِ قرآن اور اسکے معانی میں تدبر وتفکر میں مشغول رہے۔

﴿تصنیفات﴾

علامہ کی تصنیفات کی فہرست طویل ہے ان میں سے اہم ومشہور کتابیں حسبِ ذیل ہیں۔

(۱) تهذيب سنن ابى داؤد (۲)اعلام الموقعين (۳) مدارج السالكين (٤) زاد المعاد (٥) مفتاح دار السعادة (٦) بدائع الفوائد (٧)الوابل الصيب (٨)تحفة المودود فى احكام المولود (٩) الصواعق المرسلة على الجهمية والمعطلة (١٠) كتاب الروح (١١) الداء والدواء (١٢) الصراط المستقيم (١٣) عدة الصابرين وذخيرة الشاكرين .

ان کے علاوہ بھی کئی ایک گراں قدر تصنیفات ہیں جو زیورِطبع سے آراستہ ہوچکی ہیں۔

﴿علامہ ابن قیمؒ کی تصنیفات کی خصوصیات﴾

علامہ ابن قیمؒ نے بہت بڑا علمی ذخیرہ چھوڑا ہے جو ایک طرف علامہ ابن تیمیہؒ کے علم کا خلاصہ ہے اور دوسری طرف استاد کی تحقیقات کے نتائج وثمرات میں علمی توجیہات کا بہترین لبِ لباب بھی، علامہ نے مختلف فنون وعلوم پر قابل قدر کتابیں تصنیف کی ہے جن میں فکر کی گہرائی ،قوتِ استدلال، حسنِ ترتیب اور جوشِ بیان پورے طور پر نمایا ہے انکی کتابوں میں کتاب وسنت کا نور اور سلف کی حکمت وبصیرت موجود ہے،اور علامہ کی تصنیفات حسنِ ترتیب اور تالیفی سلیقہ میں اپنے شیخ ابن تیمیہؒ کی تصنیفات سے بھی ممتاز ہے،اس کے علاوہ ان کی کتابوں میں تصوف کی حلاوت،عبارت کی سلاست اور دل آویزی زیادہ پائی جاتی ہے یہ غالبًا ان کے مزاج کا نتیجہ ہے جس میں جلال سے زیادہ جمال ہے۔

﴿وفات﴾

آپ کی وفات ۲۳ رجب ۷۹۱ھ یا ۱۳ رجب ۷۵۱ھ میں ہوئی، چہار شنبہ،رات کا وقت تھا، اگلے روز نمازِ ظہر کے بعد جامع مسجد میں نمازِ جنازہ پڑھی گئی ،اور دمشق کے الباب الصغیر کے مقبرہ میں اپنے والد کے پہلو میں مدفون ہوئے۔

رحمه الله تعالىٰ ورفع درجاته وجعل الجنة مثواه۔(آمين)

مُقَدِّمَة

الحمد لله الصبور الشكور،العلى الكبير.السميع البصير.العليم القدير.الذى شملت قدرته على كل مخلوق وجرت مشئته فى خلقه بتصاريف الامور.وأسمعت دعوته لليوم الموعود أصحاب القبور.قدر مقادير الخلائق وآجالهم.وكتب آثارهم وأعمالهم.وقسم بينهم معا يشهم وأموالهم.وخلق الموت والحياة ليبلوهم أيّهم أحسن عملا وهو العزيز الغفور.القاهر القادر. فكل عسير عليه يسير وهو المولى النصير.فنعم المولى ونعم النصير.يسبح له ما فى السموات وما فى الارض.وله الملك وله الحمد.وهو على كل شىء قدير.هو الذى خلقكم فمنكم كافر ومنكم مؤمن.والله بما تعملون بصير.خلق السموات والارض بالحق.وصوّركم فأحسن صوركم.وإليه المصير. يعلم ما تسرون وما تعلنون والله عليم بذات الصدور .

وأشهد ان لا اله الا الله وحده لاشريك له . إله جل عن الشبيه والنظير وتعالىٰ عن الشريك والظهير وتقدس عن تعطيل الملحدين كما تنزه عن شبه المخلوقين فليس كمثله شىء وهو السميع البصير .

وأشهد أن محمدا عبده ورسوله وخيرته من بريته وصفوته من خليقته. وأمينه على وحيه وسفيره بينه وبين عباده. أعرف الخلق به. وأقومهم بخشيته. وأنصحهم لأمته وأصبرهم لحكمه وأشكرهم لنعمه وأقربهم إليه وسيلة وأعلاهم عنده منزلة وأعظمهم عنده جاهاً. وأوسعهم عنده شفاعة . بعثه الى الجنة داعيا.وللايمان مناديا. وفى مرضاته ساعيا وبالمعروف آمرا وعن المنكر ناهيا. فبلغ رسالات ربه وصعد بأمره وتحمل فى مرضاته مالم يتحمله بشر سواه وقام لله بالصبر والشكر حق القيام حتى بلغ رضاهٗ فثبت فى مقام الصبر حتى لم يلحقه أحد من الصابرين وترقى فى درجة الشكر حتى علا فوق جميع الشاكرين.فحمده الله وملائكته ورسوله وجميع المؤمنين ولذلك خص بلواء الحمد دون جميع العالمين . فآدم تحت لوائه ومن دونه الأنبياء والمرسلين. وجعل الحمد فاتحة كتابه الذى أنزله عليه كذلك فيما بلغنا وفى التوراة والإنجيل .

وجعله آخر دعوى أهل ثوابه الذين هداهم على يديه. وسمى أمته الحامدين قيل أن يخرجهم إلى الوجود. لحمدهم له على السواء والضراء. والشدة والرجاء. وجعلهم أسبق الأمم إلى دار الثواب والجزاء. فأقرب الخلق إلى لوائه أكثرهم حمداً لله وذكراً. كما أن أعلاهم منزلة أكثرهم صبراً وشكراً فصلى الله وملائكته وأنبياؤه ورسله وجميع المؤمنين عليه كما وحد الله وعرف به ودعا اِليه. وسلم تسليماً كثيراً.

امّــا بعــد : یقیناً اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے صبر کوایک ایسا تیز رفتار گھوڑا بنایا ہے جو کبھی منھ کے بل نہیں گرتا، اور ایک ایسی سیفِ قاطع بنایا ہے جو کبھی کند نہیں ہوتی اور ایک نا قابل شکست لشکر بنایا ہے، اور ایسا مستحکم قلعہ بنایا ہے جو نہ کبھی منہدم ہوتا ہے اور نہ کبھی بوسیدہ ہوتا ہے، لہٰذا صبر و نصر یہ دونوں حقیقی بھائی ہیں لہذا نصرت صبر کے ساتھ، اور فراخی تنگی کے ساتھ، اور آسانی مشکلی کے ساتھ ہے، اور صبر صابرین کے لئے بغیر ہتھیار ولشکر کے معین ومددگار رہے، اور کامیابی کے لئے صبر کا مقام ایسا ہی ہے جیسے سر کا جسم میں مقام ہے۔

اور وعدوں کے پورا کرنے والے صادق (یعنی اللہ تعالیٰ) نے اپنی کتابِ محکم (قرآن کریم) میں صابرین کے لئے اس بات کا ذمہ لیا ہے کہ وہ صابرین کو مکمل بے شمار اجر دیگا، نیز اللہ تعالیٰ نے صابرین سے یہ فرمایا: کہ وہ اپنی ہدایتِ کاملہ اور نصرتِ قویہ اور فتحِ مبین کے ساتھ ان کے ہمراہ موجود ہی ہے، لہٰذا اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔

وَاصۡبِرُوۡا اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الصَّابِرِيۡنَ ط (الأنفال : ٤٦) — تم صبر کرو بیشک اللہ تعالیٰ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔

لہٰذا صابرین اس معیت کی وجہ سے دنیا وآخرت کی خیر وبرکت کے ساتھ فلاح پا گئے ہیں، اور اس معیت کی وجہ سے اللہ کی ظاہری وباطنی نعمتوں کے ساتھ کامیاب ہوگئے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے امامت فی الدین کو صبر ویقین پر ہی معلق کیا ہے، لہٰذا اللہ عزّوجلّ نے فرمایا: (اُسی کے فرمان سے ہدایت پانے والے ہدایت پاتے ہیں)۔

وَجَعَلۡنَا مِنۡهُمۡ اَئِمَّةً يَّهۡدُوۡنَ بَاَمۡرِنَا لَمَّا صَبَرُوۡا وَكَانُوۡا بِآيَاتِنَا يُوۡقِنُوۡنَ ط (السجده : ٢٤) — اور ہم نے ان میں بہت سے پیشوا بنائے تھے جو ہمارے حکم سے ہدایت کرتے رہے جب کہ وہ لوگ صبر کئے رہے۔

نیز اللہ نے تاکیدی قسم کے ساتھ فرمایا کہ صبر صابرین کے لئے خیر ہی خیر ہے لہٰذا اللہ جل جلالہ نے فرمایا۔

وَلَئِنۡ صَبَرۡتُمۡ لَهُوَ خَيۡرٌ لِّلصَّابِرِيۡنَ ط (النحل: ۱۲۶) — اور اگر تم صبر کرو تو وہ صابرین کے حق میں بہت ہی اچھی بات ہے۔

اللہ عزوجل نے فرمایا کہ صبر وتقویٰ کے ساتھ دشمن کی کوئی تدبیر ومکر مضر نہیں، اگرچہ وہ دشمن کتنا ہی صاحبِ قدرت ہو لہٰذا اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔

وَاِنۡ تَصۡبِرُوۡا وَتَتَّقُوۡا لَا يَضُرُّكُمۡ كَيۡدُهُمۡ شَيۡئًا اِنَّ اللّٰهَ بِمَا يَعۡمَلُوۡنَ مُحِيۡط ط (آل عمران: ۱۲۰) — اور اگر تم صبر وتقویٰ کے ساتھ رہو تو ان لوگوں کی تدبیر تم کو ذرا بھی ضرر نہ پہونچا سکے گی بلاشبہ اللہ تعالیٰ ان کے اعمال پر احاطہ رکھتے ہیں۔

نیز اللہ جل جلالہ نے اپنے نبی یوسف صدیق علیہ السلام کے بارے میں اطلاع دی کہ ان کے صبر وتقویٰ نے ان کو عزت وحکومت کے مقام پر پہونچا دیا لہٰذا اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔

اِنَّهٗ مَنۡ يَّتَّقِ وَيَصۡبِرۡ فَاِنَّ اللّٰهَ لَا يُضِيۡعُ اَجۡرَ الۡمُحۡسِنِيۡنَ ط (یوسف: ۹۰) — واقعی جو شخص گناہوں سے بچتا ہے اور صبر کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ ایسے نیک کام کرنے والوں کا اجر ضائع نہیں کرتا۔

اور اللہ تعالیٰ نے فلاح وکامیابی کو صبر وتقویٰ پر معلق رکھا ہے، سو مؤمنین نے اُس کو منجانب اللہ محسوس کیا، لہٰذا اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوا اصۡبِرُوۡا وَصَابِرُوۡا وَرَابِطُوۡا وَاتَّقُوۡا اللّٰهَ لَعَلَّكُمۡ تُفۡلِحُوۡنَ ط (آل عمران: ۲۰۰) — اے ایمان والو! خود صبر کرو اور مقابلہ میں صبر کرو، اور مقابلہ کے لئے مستعد رہو، اور اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو تاکہ تم پورے کامیاب ہو۔

اور اللہ تعالیٰ نے صابرین کے لئے اپنی محبت کا اعلان کیا ہے، اور اس میں رغبت کرنے والوں کے لئے رغبت کا عظیم الشان سامان ہے، لہٰذا اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔

وَاللّٰهُ يُحِبُّ الصَّابِرِيۡنَ ط (آل عمران: ۱۴۶) — اللہ صابرین سے محبت کرتے ہیں۔

اور اللہ ﷻ نے صابرین کے لئے ایسی تین چیزوں کی بشارت سنائی ہے، جس میں سے ہر ایک اس دنیا و مافیہا سے بہتر ہے جس پر اہلِ دنیا حسد کرتے ہیں، لہٰذا اللہ ﷻ نے فرمایا۔

وَبَشِّرِ الصَّابِرِيْنَ . اَلَّذِيْنَ اِذَا اَصَابَتْهُمْ مُّصِيْبَةٌ قَالُوْا اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ . اُولٰئِكَ عَلَيْهِمْ صَلَوَاتٌ مِّنْ رَّبِّهِمْ وَرَحْمَةٌ وَاُولٰئِكَ هُمُ الْمُهْتَدُوْنَ ؕ (البقرة: ۱۵۵ـ۱۵۷)

اور آپ ایسے صابرین کو بشارت سنادیجئے کہ ان پر جب کوئی مصیبت پڑتی ہے تو وہ کہتے ہیں کہ ہم تو اللہ ہی کی ملک ہے اور ہم سب اللہ ہی کے پاس جانے والے ہیں، ان لوگوں پر خاص خاص رحمتیں بھی ان کے پروردگار کی طرف سے ہوگی اور عام رحمت بھی ہوگی اور یہی لوگ ہیں جن کی (حقیقتِ حال تک) رسائی ہوگئی۔

اللہ ﷻ نے اپنے بندوں کو تاکیدی حکم دیا ہے کہ وہ دنیا و دین کی تکالیف پر صبر و صلوٰۃ کے ذریعہ مدد طلب کریں اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔

وَاسْتَعِيْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلَاةِ وَاِنَّهَا لَكَبِيْرَةٌ اِلَّا عَلَى الْخَاشِعِيْنَ ؕ (البقرة: ۴۵)

اور مدد طلب کرو صبر و نماز سے اور بیشک وہ نماز دشوار ضرور ہے مگر جن کے قلوب میں خشوع ہو ان پر کچھ بھی دشوار نہیں۔

اللہ ﷻ نے فرمایا کہ جنت کی کامیابی اور جہنم سے نجات صابرین ہی حاصل کر سکتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔

اِنِّىْ جَزَيْتُهُمُ الْيَوْمَ بِمَا صَبَرُوْا اَنَّهُمْ هُمُ الْفَائِزُوْنَ ؕ (المؤمنون: ۱۱۱)

میں نے آج ان کو انکے صبر کا یہ بدلہ دیا کہ وہی کامیاب ہوئے۔

اور اللہ ﷻ نے یہ بھی فرمایا کہ ثواب کی رغبت اور دنیا اور اس کی زینت سے اعراض انہی لوگوں کو حاصل ہوتی ہے جو مؤمنین صابرین ہیں، اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔

قَالَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ وَيْلَكُمْ ثَوَابُ اللّٰهِ خَيْرٌ لِّمَنْ آمَنَ وَعَمِلَ صَالِحاً وَمَا يُلَقَّاهَا اِلَّا الصَّابِرُوْنَ ؕ (القصص: ۸۰)

اور جن لوگوں کو فہم عطا ہوئی تھی وہ کہنے لگے ارے تمہارا ناس ہو اللہ کے گھر کا ثواب ہزار درجہ بہتر ہے جو ایسے شخص کو ملتا ہے جو ایمان لائے اور نیک عمل کرے اور وہ انہی کو دیا جاتا ہے جو صبر کرنے والے ہیں۔

اور اللہ جل جلالہ نے یہ بھی بتلایا کہ بدسلوکی کا دفع حسنِ سلوک سے کرنا دشمن کو بھی انیس و مونیس بنا دیتا ہے، اللہ عزوجل نے فرمایا۔

وَلَا تَسْتَوِی الْحَسَنَةُ وَلَا السَّيِّئَةُ اِدْفَعْ بِالَّتِیْ هِیَ اَحْسَنُ فَاِ ذَا الَّذِیْ بَيْنَكَ وَبَيْنَهٗ عَدَاوَةٌ كَاَنَّهٗ وَلِیٌّ حَمِيْمٌ ط (فصلت: ٣٤)

اور نیکی و بدی برابر نہیں ہوتی آپ نیک برتاؤ سے ٹال دیا کیجئے پھر یکا یک آپ میں اور جس شخص میں عداوت تھی، وہ ایسا ہو جایئگا جیسے کوئی دلی دوست ہوتا ہے۔

اور یہ خصلتِ حسنہ بھی صابرین کو حاصل ہے۔

وَمَا يُلَقَّاهَا اِلَّا الَّذِيْنَ صَبَرُوْا وَمَا يُلَقَّاهَا اِلَّا ذُوْ حَظٍّ عَظِيْمٍ ط (فصلت: ٣٥)

اور یہ بات انہی لوگوں کو نصیب ہوتی ہے جو بڑے صابر ہیں اور یہ بات انہی کو نصیب ہوتی ہے جو بڑا صاحبِ نصیب ہے۔

اور اللہ عزوجل نے تاکیدی قسم کے ساتھ باخبر کیا ہے۔

اِنَّ الْاِنْسَانَ لَفِیْ خُسْرٍ اِلَّا الَّذِيْنَ آمَنُوْا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ وَتَوَاصَوْا بِالْحَقِّ وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ ط (سورة العصر: ٢، ٣)

کہ انسان بڑے خسارے میں ہے مگر جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے اچھے کام کئے اور ایک دوسرے کو حق کی فہمائش کرتے رہے اور ایک دوسرے کو صبر کی فہمائش کرتے رہے۔

اور اللہ عزوجل نے اپنی مخلوق کی دو قسم بیان کی ہے، بابرکت جماعت اور منحوس جماعت، اور اللہ عزوجل نے اصحاب میمنہ (بابرکت جماعت) کو ان لوگوں کے ساتھ مخصوص کیا ہے جو صبر و رحمت کی تلقین کرنے والے ہیں، اور اللہ تعالیٰ نے اہل صبر اور اہل شکر کو اسی حظِّ وافر سے ممتاز کرنے کے لئے اپنی آیات سے انتفاع کو انہی کے ساتھ مخصوص کیا ہے لہٰذا اللہ تعالیٰ نے قرآنِ مجید کی چار آیات میں ارشاد فرمایا۔

اِنَّ فِیْ ذَالِكَ لَآيَاتٍ لِّكُلِّ صَبَّارٍ شَكُوْرٍ ط (سورة ابراهيم: ٥)

بیشک اس میں ہر صابر شاکر کے لئے بڑی بڑی عبرتیں ہیں۔

اور اللہ تعالیٰ نے مغفرت اور اجر کو عملِ صالح اور صبر پر موقوف و معلق رکھا ہے اور یہ ان لوگوں پر آسان ہے جس پر اللہ تعالیٰ نے صبر کا بھید ظاہر کر دیا ہو اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔

اِلَّا الَّذِیۡنَ صَبَرُوۡا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ اُولٰٓئِكَ لَهُمۡ مَّغۡفِرَةٌ وَّاَجۡرٌ كَبِيۡرٌ ؕ (سورۃ ہود : ۱۱)

مگر جو لوگ صابر ہیں، اور نیک کام کرتے ہیں (وہ ایسے نہیں ہوتے) ایسے لوگوں کے لئے بڑی مغفرت اور بڑا اجر ہے۔

اور اللہ ﷻ نے فرمایا کہ صبر اور معافی ان پختہ و کامل تجارت میں سے ہے جو اپنے تاجر کو کبھی گھاٹے سے دوچار نہیں کرتی، اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔

وَلَمَنۡ صَبَرَ وَغَفَرَ اِنَّ ذٰلِكَ لَمِنۡ عَزۡمِ الۡاُمُوۡرِ ؕ (سورۃ الشوریٰ : ۴۳)

اور جو شخص صبر کرے اور معاف کر دے یہ البتہ بڑے ہمت کے کاموں میں سے ہے۔

اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ کو بھی تجویزِ خداوندی پر صابر رہنے کا حکم فرمایا، اور فرمایا کہ آپ ﷺ کا صبر کرنا محض اپنے رب کے لئے ہے اور اُسی سے تمام مصائب آسان ہو جاتے ہیں، اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔

وَاصۡبِرۡ لِحُكۡمِ رَبِّكَ فَاِنَّكَ بِاَعۡيُنِنَا ؕ (سورۃ الطور : ۴۸)

اور آپ اپنے رب کی تجویز پر صبر سے بیٹھے رہیئے کہ آپ ہماری حفاظت میں ہے۔

اور اللہ نے فرمایا۔

وَاصۡبِرۡ وَمَا صَبۡرُكَ اِلَّا بِاللّٰهِ وَلَا تَحۡزَنۡ عَلَيۡهِمۡ وَلَا تَكُ فِىۡ ضَيۡقٍ مِّمَّا يَمۡكُرُوۡنَ ۔ اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الَّذِيۡنَ اتَّقَوا وَّالَّذِيۡنَ هُمۡ مُّحۡسِنُوۡنَ ؕ (سورۃ النحل : ۱۲۷، ۱۲۸)

اور آپ صبر کیجئے اور آپ کا صبر کرنا خاص خدا ہی کی توفیق سے ہے، اور ان پر غم نہ کیجئے، اور جو کچھ یہ تدبیریں کیا کرتے ہیں ان سے تنگ دل نہ ہوئیے، اللہ ایسے لوگوں کے ساتھ ہوتا ہے جو پرہیز گار ہوتے ہیں، اور جو نیک کردار ہوتے ہیں۔

اور صبر مؤمن کا وہ مضبوط کیل و میخ ہے جس کے ارد گرد وہ گشت لگاتا ہے پھر وہی اس کا مرجع بھی ہوتا ہے اور اسکے ایمان کا تنہ اسی (صبر) پر قائم ہوتا ہے لہٰذا ﴿لَا اِيۡمَانَ لِمَنۡ لَا صَبۡرَ لَهٗ﴾ اس شخص کا ایمان کامل نہیں

جس کوصبر جیسی خصلتِ حسنہ حاصل نہیں ،اوراگرکسی درجہ میں ایمان ہےتو وہ نہایت ضعیف اور کمزور ہےاور ایسے ایمان والاان لوگوں میں سے ہے جوایک کنارہ پراللہ کی عبادت کرتا ہےاگر بھلائی حاصل ہوئی تو ایمان پر قائم ہےاوراگرکوئی تکلیف و پریشانی پہونچی تو وہ منہ پھیر کر (کفر کی طرف) چل دیتا ہےاور دنیاوآخرت دونوں سے محروم ہوجاتا ہے،اوران کودنیاوآخرت میں سوائے گھاٹے کے سودا کے کچھ حاصل نہیں ہوتا۔

بس بہترین عیش وہ ہےجس کو نیک بختوں نے اپنے صبر کے ذریعہ حاصل کیا ہےاورانہوں نے اپنے شکر کے ذریعہ اعلیٰ منازل کوطے کیا ہےلہٰذاوہ حضرات نعمتوں والے باغات میں صبروشکر کے بازوؤں سے سیر وتفریح کرتے ہیں۔

﴿ذَالِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيهِ مَنْ يَّشَاءُ وَاللّٰهُ ذُوالْفَضْلِ الْعَظِيْم﴾

فصل

اور جب ایمان کے دو حصے ہیں: نصف صبر، نصف شکر، تو ضروری ہے اس شخص پر جو اپنے نفس کا خیر خواہ ہو اور اس کی نجات کا طالب ہو اور اسکی نیک بختی کا شائق ہو کہ وہ اِن دونوں اصل عظیم سے لا پرواہی اختیار نہ کرے، اور نہ ان دو سیدھی راہوں سے کنارہ کشی اختیار کرے اور یہ کہ اللہ تک پہونچنے کے لئے اپنا سفر انہی دو راہوں پر طے کرے، تاکہ اللہ تعالیٰ اپنی ملاقات کے دن خیر الفریقین (شاکرین وصابرین میں سے کسی) کے ساتھ شامل فرمائے۔

لہٰذا صبر وشکر کی شدتِ حاجت وضرورت بتانے کے لئے اور یہ سمجھانے کے لئے کہ دنیا وآخرت کی سعادت انہی پر موقوف ہے اس کتاب کی تصنیف ظہور پذیر ہوئی، لہٰذا یہ ایک ایسی کتاب ہے جو جامع، محیط اور نافع ہے، اس میں وہ فوائد ہیں جو اس بات کے حقدار ہیں کہ اس کو مضبوطی سے تھام لیا جائے اور اس پر اعتماد کیا جائے، جو اس کے پڑھنے والے کے لئے لطف اندوزی کا سامان ہے، اور اس میں متفکر کے لئے بعد خفاء کے وضاحت ہے، غمگین کے لئے تسلی ہے، مقید لوگوں کے لئے رہائی ہے اور عازمین کو ابھارنے والی ہے، جو تفسیرِ قرآن کے بہترین نکات پر مشتمل ہے، اور ان احادیثِ نبویہ پر مشتمل ہے جو حوالوں کی طرف منسوب ہے، اور ان آثارِ سلف پر مشتمل ہے جو ان کے قائلین کی طرف منسوب ہے، اور ان مسائلِ فقہیہ پر جو دلائل سے ثابت شدہ ہے، اور ان دقائق ونکات پر جو سیدھی راہ پر گامزن کرنے والے ہے، لہٰذا جو لوگ مفکرین ومتحضرین ہیں ان پر اس کی حقیقت مخفی نہیں رہے گی۔

اس کتاب میں صبر کے اقسام اور شکر کے انواع واقسام مذکور ہیں، اور غنیٔ شاکر اور فقیرِ صابر کے مابین افضل ومفضول کا اختلاف تفصیلاً مذکور ہے، اور دنیا اور وہ چیزیں جس کو اللہ اور اس کے رسول اور اسلاف نے دنیا جیسی قرار دی ہے ان کی حقیقت کا ذکر ہے اور ان امثال کے محملات اور ان مثالوں کا حقیقتِ حال کے مطابق ہونے پر کلامِ مفصل مذکور ہے، اور دنیا کی مذمت اور مدح بھی مذکور ہے، اور ان چیزوں کا بھی ذکر ہے جس سے بندہ اپنے رب سے قریب وبعید ہوتا ہے اور بد بخت کیسے ان چیزوں سے شقی بنتا ہے اور کس طرح نیک بخت ان چیزوں سے سعید بنتا ہے، اور اس کے علاوہ بھی بہت سارے ایسے فوائد اس کتاب میں مذکور ہیں جسکا دیگر کتب میں حاصل ہونا بھی مشکل ہے۔

اور یہ محض اللہ کی جانب سے اس کے بندہ پر فضل ہے اور اس کے عطایا میں سے ایک عطیہ ہے، نیز یہ کتاب بادشاہوں وامراء کے لئے اور اغنیاء وفقراء کے لئے، اور صوفیاء وفقہاء کے لئے بھی لائق انتفاع اور مفید ہے، اور یہ کتاب قاعد کو چلنے پر آمدہ کرتی ہے، اور مسافر کے لئے انیس ومونیس ہے، اور سالک کو مقصود پر متنبہ کرتی ہے، اور اس کے باوجود یہ کتاب ایک غریب، کمزور کی جدوجہد ہے، اور ایک مفلس کی کاوش ہے، جس میں اس نے بیماری سے بچایا ہے اگرچہ وہ (مصنف) خود صاحبِ مرض ہے، اور اس میں دواء کا بیان بھی ہے اگرچہ خود کو اپنے ظلم وجہل کی وجہ سے دواء کے کھانے کی ہمت نہیں ہے، اور وہ اکرم الاکرمین اور ارحم الراحمین سے امیدوار ہے کہ وہ اپنے مؤمن بندوں کی خیرخواہی کے سبب اس کے نفس کی گمراہی کو معاف کردے (آمین)۔

لہٰذا جو کچھ اس کتاب میں درست وصحیح ہو تو وہ صرف اللہ وحدہ کی طرف سے ہے، اور وہی قابل ستائش اور مستعان ہے، اور اس میں جو کوئی خطاء ونسیان ہو تو وہ اس کے مصنف اور شیطان کی طرف سے ہے، اور اللہ اور اس کے رسول اس سے بری ہیں اور یہ کتاب اس کے مصنف کے جانب سے قلیل سرمایہ ہے جو تیرے پاس پہونچا ہے اور یہ انکا متاعِ قلیل ہے جو پیشِ خدمت ہے، لہٰذا یہ اس کے پڑھنے والے کے لئے مالِ غنیمت ہے، اور اس کے مصنف کے لئے قرض کی ادائیگی ہے، اور یہ مصنف کے تفکرات ہیں جو تجھ کو سپرد کئے جاتے ہیں پھر اگر تو اسکو معزز ومکرم پائے تو اسکی سعادتمندی ہے، ورنہ تو یہ ایک نوجوان عورت ہے جو عنّین کو سپرد کی جانے والی ہے۔

اور میں (مصنف) نے اس کتاب کو چھبیس ابواب پر اور ایک خاتمہ پر مرتب کیا ہے۔

﴿جیسا کہ فہرست میں مذکور ہے﴾

اور میں (مصنف) نے اس کتاب کا نام "عدۃ الصابرین وذخیرۃ الشاکرین" رکھا اور اللہ تعالیٰ سے دعاگو ہوں کہ وہ اس کتاب کو اپنے لئے خالص فرماوے، اور اپنی رضاء کا ذریعہ بناوے، اور اس کتاب کو اس کے مصنف، کاتب اور پڑھنے والے سب کے لئے نافع بناوے۔

﴿إِنَّهُ سَمِيعُ الدُّعَاءِ وَاَهْلُ الرَّجَاءِ وَهُوَ حَسْبُنَا وَنِعْمَ الْوَكِيلُ﴾

﴿پہلا باب﴾

صبر کے معنیٔ لغوی اور اس لفظ کے اشتقاق و تحقیق

اس کلمہ کی اصل مَنعٌ اور حَبسٌ ہے، لہٰذا صبر نفس کو جزع و فزع سے اور زبان کو شکوٰی و شکایت سے اور اعضاء کو رخساروں پر مارنے سے اور کپڑے پھاڑنے وغیرہ سے روکنے کو کہتے ہیں، لہٰذا کہا جاتا ہے، صَبَرَ یَصْبِرُ صَبْرًا (خود کو روکنا) اللہ تعالیٰ نے فرمایا:﴿وَاصْبِرْ نَفْسَكَ مَعَ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ﴾ اور آپ اپنے آپ کو ان لوگوں کے ساتھ مقید (روکے) رکھا کیجئے جو صبح شام اپنے رب کی عبادت کرتے ہیں۔

اور عنترہ شاعر کہتا ہے۔

فَصَبَـرْتُ عَارِفَةً لِذَالك حُرَّةً ترسُو إذا نَفْسُ الجِبَانِ تَطلَعُ

میں نے عارف (باللہ) نفس کو محبوس رکھا جو آزاد وغیور ہے پر سکون ہے جبکہ بزدل کا دل مضطرب ہوتا ہے

شاعر کہتا ہے میں نے عارف باللہ نفس کو محبوس رکھا، اور وہ نفس آزاد وغیرتمند ہے عاجز اور غلام نہیں جس کو غیرت نہ ہو، اور وہ نفس قوی اور پرسکون ہے جبکہ بزدل کا نفس خوفزدہ ہوتا ہے اور بے چین ہوتا ہے۔

اور جب تو کسی کو محبوس رکھے تو کہا جاتا ہے "صَبَرْتُ فُلَانًا" اور جب تو کسی کو صبر پر آمدہ کرے تو کہا جائیگا "صَبّرْتُ فُلَاناً" (بالتشدید) اور حدیث میں اس شخص کے بارے میں جو کسی کو روک لے اور دوسرا اس کو قتل کردے یہ الفاظ آئیں ہیں "يَقْتُلُ القَاتِلُ وَيَصْبِرُ الصَّابِرُ" یعنی اس نے موت کے لئے محبوس رکھا جیسے کوئی شخص اس کو موت کے لئے محبوس کرتا ہے اور جب تو کسی کو قتل کے لئے محبوس رکھے تو کہا جاتا ہے "صَبَّرْتُ الرَّجُلَ" اور "صَبّرْتُهٗ" بھی کہا جاتا ہے اور جب قسم وحلف کے لئے محبوس رکھے تو کہا جاتا ہے "اَصْبَرْتُهٗ" حدیث صحیح میں اس لفظ کے یہی معنی ہے ﴿مَنْ حَلَفَ عَلٰى يَمِيْنٍ صُبْرٍ لِيَقْطَعَ بِهَا مَالَ امْرِئٍ مُسْلِمٍ لَقِيَ اللّٰهُ وَهُوَ عَنْهُ مُعْرِضٌ﴾ اور اسی معنی کو حدیث قسامہ بھی ادا کرتی ہے ﴿وَلَا تَصْبِرُ يَمِيْنَهٗ حَيْثُ تُصْبَرُ الْاَيْمَانُ﴾ اور مصبورہ اس یمین کو کہا جاتا ہے جس کے لئے کسی کو محبوس رکھا جائے اور حدیث میں ہے ﴿نَهٰى عَنِ الْمَصْبُوْرَةِ﴾ اور مصبورۃ اس بکری اور مرغی وغیرہ کو بھی کہا جاتا ہے جس کو مارنے کے لئے محبوس رکھا جائے پھر اس کو باندھ دے، پھر اس طرح اس کا نشانہ لے کر تیر مارا جائے کہ وہ مرجائے۔

اور اس فعل کے ابواب صَبَرَ یَصْبِرُ (باب ضرب سے) اور صَبَرَ یَصْبُرُ (باب نصر سے) بمعنی کفیل بنانا ضامن بنانا اور صبیــر کفیل کو کہا جاتا ہے گویا کہ اس نے اپنے آپ کو قرض ادا کرنے کے لئے محبوس رکھا اور اسی معنی میں ہے اہل عرب کا قول "اُصْبُرْنِی" مجھکو کفیل بناؤ۔

اور بعض حضرات فرماتے ہیں کہ اس کلمہ کی اصل "شِدَّةٌ وقُوَّةٌ" ہے اسی معنی میں ہیں "اَلصَّبِرُ لِلدَّوَاءِ" جبکہ دواء میں شدت سے تلخی ہو، اصمعی فرماتے ہیں جب کسی آدمی کو سخت تکلیف پہونچے تو اس وقت کہا جاتا ہے "لَقِیَهَا بِاَصْبَارِهَا" اور اسی معنی میں ہے "الصُبْرُ" اس زمین کو کہتے ہیں جو اپنی شدت وسختی کی وجہ سے کنکیر یوں والی ہو اسی وجہ سے سخت گرمی کو "اُمُّ صَبَّارٍ" کہا جاتا ہے اور اسی معنی میں ہے اہل عرب کا قول "وَقَعَ الْقَوْمُ فِیْ اَمْرٍ صَبُوْرٍ" یعنی لوگ سخت معاملہ میں واقع ہو گئے، اور اسی معنی میں ہے "صَبَّارَةُ الشِّتَاءِ" سخت سردی کا زمانہ۔

اور بعض حضرات فرماتے ہیں کہ صبر یہ "جَمْعٌ وضَمٌّ" سے ماخوذ ہے لہٰذا صابر وہ ہے جو اپنے نفس کو جمع کرے اور جزع وفزع سے نفس کو سمیٹ لے اور اسی معنی میں ہے "صُبْرَةُ الطَّعَامِ ، صَبَّارَةُ الْحِجَارَةِ" بمعنی غلہ کا ڈھیر اور پتھروں کا ڈھیر۔

خلاصۂ کلام یہ ہے کہ صبر میں تین معانی ہے منع، شدة، ضم لہٰذا جب کوئی آدمی صبر کرے تو کہا جاتا ہے "صَبَرَ" اور جب بتکلف اور بناوٹی صبر کرے تو کہا جاتا ہے "تَصَبَّرَ" (تفعّل) اور جب صبر کو حاصل کر لے اور صفتِ صبر پر مضبوط ہو جائے تو کہا جاتا ہے "اِصْطَبَرَ" اور جب میدانِ صبر میں اپنے خصم کے مقابل کھڑا ہو تو کہا جاتا ہے "صَابَرَ" (مفاعلہ) اور جب دوسرے کو صبر کی تلقین کرے اور صبر پر آمادہ کرے تو کہا جاتا ہے "صَبَّرَ" (تفعیل) اسم فاعل صَبَرَ سے صَابِرٌ اور صَابَرَ سے مُصَابِرٌ اور اصْطَبَرَ سے مُصْطَبِرٌ آتا ہے، اور صَبَّارٌ اور صَبُوْرٌ یہ ثلاثی سے صیغِ مبالغہ ہے جیسے ضَرَّابٌ اور ضَرُوْبٌ ۔

واللہ اعلم۔

﴿دوسرا باب﴾

صبر کی حقیقت اور صبر کے بارے میں علماء کے اقوال

صبر کا معنی لغوی اور اس کی تحقیق ما قبل میں گذر گئی ہے، اور صبر کی حقیقت یہ ہے کہ وہ اخلاقِ نفس میں سے ایک بہترین خُلق و عادت ہے، جس سے آدمی ناپسند اور بدسیرت افعال سے رُک جاتا ہے، اور نفس کی قوتوں میں سے ایک قوت ہے جس پر نفس کے کاموں کی اصلاح اور امورِ نفس کا مدار ہے۔

حضرت جنید بغدادیؒ سے صبر کے بارے میں پوچھا گیا تو فرمایا، کہ صبر ترش روئی کے بغیر تلخ گھونٹ کو اتار لینا ہے۔

حضرت ذوالنون مصریؒ نے فرمایا: صبر ممنوع اور خلجان والی چیزوں سے بُعد و دُوری اختیار کرنا ہے، اور بلاء و مصیبت کے جام کے گھونٹ کو اتارتے وقت پُرسکون رہنا ہے، اور غنی و مالدار کا فقر کے وقت وسعتِ معاش کا اظہار کرنا ہے۔

بعض حضرات نے فرمایا کہ صبر کہتے ہے بلاء و مصائب کے وقت حسنِ ادب کے ساتھ قائم رہنا۔

بعض حضرات فرماتے ہیں کہ صبر نام ہے غنی و مالدار کا فقر و مصیبت کے وقت شکویٰ و شکایت نہ کرنا۔

حضرت ابو عثمانؒ فرماتے ہیں کہ صبّار وہ شخص ہے جو اپنے نفس کو اچانک پیش آنے والے حادثات کا عادی بنائے۔

بعض حضرات فرماتے ہیں کہ صبر بلاؤں کے ساتھ حسنِ اعمال پر قائم رہنا ہے، جیسے کے عافیت کے ساتھ قائم رہتا ہے، اور اس قول کا مطلب یہ ہے کہ بندے پر عافیت و مصیبت دونوں حالت میں اللہ کی بندگی لازم ہے، لہٰذا اس پر ضروری ہے کہ حالتِ عافیت کو شکر سے حسین بنائے اور حالتِ تکلیف کو صبر سے خوب صورت بناوے۔

حضرت عمرو بن عثمان مکیؒ فرماتے ہیں کہ صبر اللہ تعالیٰ کے معاملہ میں ثابت قدمی ہے، اور اس کی جانب سے آنے والی تکلیفوں کو فراخ دلی اور سکون کے ساتھ قبول کرنا ہے، اور اس کا مطلب یہ ہے کہ بلاؤں و تکالیف کو وسعتِ ظرف کے ساتھ قبول کرنا ہے، جس میں تنگدلی، ناراضگی، شکویٰ نہ ہو۔

حضرت خواصؒ فرماتے ہیں کہ صبر کتاب اللہ اور سنتِ رسول اللہ ﷺ کے احکام پر مستقیم رہنے کا نام ہے۔

حضرت رویم بغدادیؒ فرماتے ہیں کہ صبر ترکِ شکایت ہے، رویم نے صبر کی تعریف لازم سے کی ہے۔

دیگر حضرات فرماتے ہیں کہ صبر استعانت باللہ کا نام ہے۔

ابو علیؒ فرماتے ہیں کہ صبر ایسا ہی ہے جیسا اس کا نام ہے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ صبر ایسی سواری ہے جو ٹھوکر کھا کر گرتی نہیں۔

حضرت ابو محمد الجریریؒ فرماتے ہیں، صبر یہ ہے کہ نعمت و مشقت کے وقت سکونِ قلب میں کوئی فرق نہ آوے، دونوں حالت میں سکونِ قلب حاصل ہو۔

میں (مصنفؒ) کہتا ہوں کہ یہ (جو ابو محمد نے صبر کے بارے میں کہا ہے وہ) بندے کی استطاعت میں نہیں ہے، اور نہ ہی اس کا حکم ہے اس لئے کہ اللہ جل جلالہ نے طبیعتوں کو دونوں حالتوں کے فرق کے ساتھ پیدا کیا ہے، بندے کی استطاعت میں یہ تو ہے کہ وہ نفس کو جزع وفزع سے قابو میں رکھے نہ یہ کہ دونوں حالتوں میں برابر ومستوی رہے، اور میدانِ عافیت بندے کے لئے میدانِ صبر سے زیادہ وسیع ہے، جیسا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی مشہور دعا میں فرمایا: "اِنْ لَّمْ يَكُنْ بِكَ غَضَبٌ عَلَيَّ فَلَا اُبَالِيْ غَيْرَ اَنَّ عَافِيَتَكَ اَوْسَعُ لِيْ" اور یہ دعا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے قول ﴿وَمَا اُعْطِيَ اَحَدٌ عَطَاءً خَيْرًا وَاَوْسَعُ مِنَ الصَّبْرِ﴾ کے مخالف نہیں، اس لئے کہ نزول بلاء کے بعد بندے کے لئے صبر سے بہتر کوئی چیز نہیں، ورنہ نزولِ بلاء سے قبل بندے کے لئے عافیت ہی بہتر ہے۔

حضرت ابو علی دقاقؒ فرماتے ہیں، صبر کی تعریف یہ ہے کہ بندہ تقدیر پر اعتراض نہ کرے لہٰذا مصائب کا بغیر شکویٰ کے اظہار کرنا یہ صبر کے خلاف نہیں ہے، اللہ تعالیٰ نے حضرت ایوب علیہ السلام کے بارے میں فرمایا: ﴿إِنَّا وَجَدْنَاهُ صَابِرًا﴾ باوجودیکہ حضرت ایوب علیہ السلام نے فرمایا: ﴿أَنِّي مَسَّنِيَ الضُّرُّ﴾۔

حضرت ابو علیؒ نے جو فرمایا کہ بغیر شکویٰ کے ہو تو شکویٰ دو قسم پر ہے۔

(اوّل) شکویٰ الی اللہ: تو یہ صبر کے منافی نہیں ہے، جیسے کہ حضرت یعقوب علیہ السلام نے فرمایا: ﴿اِنَّمَا اَشْكُوْبَثِّيْ وَحُزْنِيْ اِلَى اللّٰهِ﴾ باوجودیکہ حضرت یعقوب علیہ السلام نے فرمایا: ﴿فَصَبْرٌ جَمِيْلٌ﴾ اور حضرت ایوب علیہ السلام نے فرمایا: ﴿اَنِّيْ مَسَّنِيَ الضُّرُّ﴾ باوجویکہ اللہ تعالیٰ نے ان کو صفتِ صبر کے ساتھ متصف فرمایا ہے، اور حضرت سید الصابرین صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ﴿اَللّٰهُمَّ اَشْكُوْ اِلَيْكَ ضَعْفَ قُوَّتِيْ وَقِلَّةَ حِلْيَتِيْ﴾ اور حضرت

موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا: ”اللھم لَکَ الحمدُ والیك المُشْتَکیٰ وانتَ المستعانُ وبِكَ المُسْتَغَاثُ وعلیكَ التُکْلَانُ ولا حول ولا قوۃ الا بِكَ“۔

(دوم) مبتلائے مصیبت کا زبانِ حال وقال سے شکایت کرنا: یہ صبر کے موافق نہیں ہے، بلکہ یہ صبر کے مخالف ہے اور مفہومِ صبر کو باطل کر دیتا ہے، بس شکویٰ الی اللہ اور شکویٰ میں فرق ہے، اور اس مسئلہ کو ہم (مصنف) انشاءاللہ پچیسویں باب میں ذکر کریں گے۔

اور بعض حضرات فرماتے ہیں کہ صبر نفس کی شجاعت اور بہادری کو کہتے ہیں اور اسی معنی میں کہنے والے نے کہا کہ ”اَلشُّجَاعَۃُ صَبْرُ سَاعَۃٍ“ ایک گھڑی کا صبر شجاعت و بہادری ہے۔

اور بعض حضرات فرماتے ہیں کہ صبر اضطراب و پریشانی کے وقت قلب کو مضبوط رکھنا ہے۔

صبر اور جزع وفزع آپس میں متضاد ہیں، لہٰذا یہ ایک دوسرے کے مقابلہ میں بولے جاتے ہیں، لہٰذا اللہ جل جلالہ نے جہنم والوں کے بارے میں فرمایا ﴿سَوَاءٌ عَلَيْنَا اَجَزِعْنَا اَمْ صَبَرْنَا مَالَنَا مِنْ مَّحِيْص﴾ ہم سب کے حق میں دونوں صورتیں برابر ہے خواہ ہم پریشان ہوں، خواہ صبر کریں، ہمارے بچنے کی کوئی صورت نہیں ہے۔

اور جزع یہ عجز کا ساتھی اور نظیر ہے اور صبر عقلمندی کا ساتھی اور بنیاد ہے لہٰذا اگر جزع سے پوچھا جائے کہ تیرا باپ (اصل) کون ہے؟ تو جزع کہے گا کہ عجز اور اگر عقل سے پوچھا جائے کہ تیرا باپ (اصل) کون ہے؟ تو عقل کہے گی کہ صبر۔

اور نفس بندے کی وہ سواری ہے جس پر بندہ اپنے جنت یا جہنم کے سفر کو طے کرتا ہے اور صبر اس سواری کے لئے بمنزلۂ نکیل اور باگ ڈور کے ہے، لہٰذا سواری کی کوئی لگام اور باگ ڈور نہ ہو تو وہ ہر طریقہ ومسلک میں سرگرداں و پریشان ہوگی۔

حجاج کے خطبوں میں سے یہ بات محفوظ ہے کہ وہ فرماتے تھے کہ اپنے نفوس کو قابو اور قبضہ میں رکھو اس لئے کہ وہ ہر غلط اور برے راہ کی طرف لنگڑا کر بھی چلنے والا ہے اللہ رحم فرمائے اس شخص پر جس نے اپنے نفس کو بالگام اور بانکیل کیا کہ اس کی لگام سے اس کو اللہ کی اطاعت پر آمدہ کرتا ہے اور اس کی نکیل سے اللہ کی نافرمانی سے برگشتہ کرتا ہے اس لئے کہ اللہ کے محارم سے بچنے پر صبر کرنا یہ اللہ کے عذاب پر صبر کرنے سے آسان ہے۔

میں (مصنف) کہتا ہوں کہ نفس میں دو قوت وطاقت ہے، (اوّل) اقدام کی قوت، (دوم) بچنے کی قوت لہٰذا صبر کی حقیقت یہ ہے کہ قوتِ اقدام کو ان افعال میں صرف کریں جو نافع ومفید ہو اور قوتِ احجام (بچنے کی قوت) کو ان افعال سے بچنے پر صرف کریں جو مضر ونقصان دہ ہے۔

اور بعض لوگ وہ ہیں جن کی قوتِ صبر ان افعال پر صرف ہوتی ہے جو نافع ہیں، اور ان کا ان افعال پر استقامت کرنا مضر افعال سے احتراز کرنے کے بنسبت زیادہ قوی ہوتا ہے، لہٰذا وہ اطاعت کی مشقت پر تو صبر کرتا ہے لیکن وہ اپنے نفس کو ممنوع کا ارتکاب کرانے والے اسباب سے روکنے پر صبر نہیں کرتا اور بعض لوگوں کی ممنوعات اور خواہشات سے بچنے کی قوتِ صبر اطاعت کی مشقت پر صبر کرنے کی بنسبت زیادہ قوی ہوتی ہے، اور بعض لوگ وہ ہیں جو نہ اس پر صبر کر سکتے ہیں اور نہ اس پر، لہٰذا لوگوں میں سب سے افضل واشرف وہ ہے جو دونوں پر صبر کرتے ہیں۔

پھر بہت سے لوگ وہ ہیں جو سردی اور گرمی دونوں میں تہجد کی اور روزوں کی مشقت پر صبر کرتے ہیں لیکن وہ بدنظری سے نہیں بچ سکتے، اور بہت سے لوگ بدنظری اور غیر محرم کی صورتوں کی طرف دیکھنے سے بچتے ہیں لیکن امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی مشقت پر اور کفار ومنافقین کے ساتھ جہاد کی مشقت پر صبر نہیں کر سکتے بلکہ وہ اس سے زیادہ ضعیف اور عاجز ہوتے ہیں، اور اکثر وہ ہیں کہ ان کو دونوں میں سے ایک پر بھی صبر کی استطاعت اور طاقت نہیں، اور لوگوں میں سب سے زیادہ کم افراد وہ ہیں جو دونوں مقام میں صبر کرنے والے ہیں۔

اور بعض حضرات فرماتے ہیں کہ صبر کہتے ہیں عقل ودین کے لشکر کا خواہشات وشہوات کے لشکر کے مقابلہ میں ڈٹ جانا، جم جانا، اور اس کا مطلب یہ ہے کہ طبیعت محبوب چیزوں کا تقاضا کرتی ہے اور عقل ودین اس سے منع کرتے ہیں اور ان کے درمیان جنگ ومقابلہ قائم ہوتا ہے اور وہ جنگ تو ہار جیت ہے، اور اس جنگ کا میدانِ جنگ بندے کا دل، صبر، شجاعت اور ثابت قدمی ہے۔

﴿تیسرا باب﴾

صبر کے متعلقات کی طرف نسبت کرنے کے اعتبار سے اسماءِ صبر

جب صبرِ محمود کی حقیقت یہ ہے کہ خواہشِ مذموم کے سبب کو قبول کرنے سے اختیاراً صبر کرنا تو اس کے متعلقات کے اعتبار سے مراتب اور مخصوص اسماء ہیں۔

لہٰذا اگر بندہ فرجِ حرام (زنا) کی شہوت سے بچتا ہے تو اس کو عفت کہتے ہیں اور اس کی ضد فجور، زنا، بدکاری ہے۔

اور اگر بندہ شہوتِ بطن (شکم سیری) سے بچتا ہے اور کھانے کی طرف جلد بازی اور سبقت نہیں کرتا اور نہ ذخیرہ اندوزی کر کے کھاتا ہے تو اس کو شرفِ نفس اور شبعِ نفس کہتے ہیں اس کی ضد نفس کی حرص، کمینگی اور گھٹیا پن ہے۔

اور بندہ اگر کلام کے اظہار سے بچتا ہے جس کا اظہار بہتر نہیں تو اس کو راز داری کہتے ہیں اور اسکی ضد اشتہار، اعلان، اظہارِ فحش، شب وشتم، کذب بیانی اور تہمت وغیرہ ہے۔

اور اگر بندہ عیش وعشرت سے صبر کرتا ہے تو اس کو زہد کہتے ہیں اور اس کی ضد حرص ہے، اور اگر وہ بقدرِ کفایت دنیا کی چیزوں پر صبر کرتا ہے تو اس کو قناعت کہتے ہیں اور اس کی بھی ضد حرص وطمع ہے۔

اور اگر وہ غصہ کے تقاضوں سے بچتا ہے تو اسکو حلم کہتے ہیں اور اسکی ضد جلد بازی، تعجیل ہے۔

اور اگر وہ جلد بازی اور تعجیل کے تقاضوں سے بچتا ہے تو اس کو وقار واستقامت کہتے ہیں اور اسکی ضد طیش اور خفت العقل ہے۔

اور اگر وہ فرار کے تقاضوں سے بچتا ہے تو وہ شجاعت ہے اور اسکی ضد بزدلی، کمزوری ہے۔

اور اگر وہ انتقام کے تقاضوں سے بچتا ہے تو اسکو عفو وصفح کہتے ہیں، اور اس کی ضد انتقام وسزا دینا ہے۔

اور اگر وہ بخل، کنجوسی کے تقاضوں سے بچتا ہے تو اس کو جود وسخاء کہتے ہیں اور اس کی ضد بخل ہے۔

اور اگر وہ مخصوص وقت میں کھانے پینے کے تقاضوں سے بچتا ہے تو اس کو صوم وروزہ کہتے ہیں۔

اور اگر وہ عجز و کسل کے تقاضوں سے بچتا ہے تو اس کو ہوشمندی وعقلمندی کہتے ہیں۔

اگر وہ لوگوں پر بوجھ ڈالنے سے اور ان پر بوجھ بننے سے بچتا ہے تو یہ مروت وانسانیت ہے۔

خلاصۂ کلام یہ ہے کہ ہر فعل اور ترکِ فعل پر صبر کے متعلقات کے اعتبار سے اس کے مخصوص نام ہیں اوران تمام کو ایک ہی لفظ جامع ہیں وہ ہے ''صبر'' اور یہ خلاصہ تجھے باخبر کردیگا کہ دین کے تمام امور اول تا آخر صبر کے ساتھ مربوط ہیں۔

اسی طرح صبر کو عدل بھی کہتے ہیں جب کہ دو متماثل چیزوں میں برابری کرنے میں صبر متعلق ہو اور اس کی ضد ظلم ہے۔

اور صبر کو سماحت وسخاوت بھی کہتے ہیں جبکہ صبر کو واجب ومستحب کی ادائیگی میں رضامندی اور اختیار سے صرف کریں اسی طرح تمام امورِ دین اور شعبۂ دین کو قیاس کرلیں۔

﴿چوتھا باب﴾

صَبَرَ، تَصَبَّرَ، اِصْطِبَار، مُصَابَرَہ کے مابین فرق

ان اسماء کے مابین فرق خود بندہ کے احوال اور بندے کا دوسروں کی معیت کے احوال کے اعتبار سے ہے، لہٰذا بندہ اپنے نفس کو ناپسندیدہ اور ناگوارا شیاء سے محبوس رکھتا ہے، تو اگر یہ بندہ کی صفت وعادت اور ملکہ ہے تو اس کو "صَبَرَ" سے تعبیر کرتے ہیں، اور اگر یہی کام وہ بتکلف کرتا ہے اور یہ تلخ گھونٹ بتکلف اتارتا ہے، تو یہ "تَصَبَّرَ" ہے جیسے کہ اس باب (تفعّل) کا خاصہ اسی معنی پر لغۃً دال ہے کہ وہ معنیٔ تکلف کے لئے ہی موضوع ہے، جیسے "تَحَلَّمَ" (بتکلف حلیم بننا) "تَشَجَّعَ" (بتکلف بہادر بننا) "تَكَرَّمَ" (بتکلف کرم کرنا) "تَحَمَّلَ" (بتکلف برداشت کرنا) وغیرہ۔

اور جب بندہ بتکلف وبناوٹی صبر کرتا ہے اور صبر کو لازم پکڑتا ہے تو پھر صبر اس کی طبیعت وخصلت بن جاتی ہے جیسے کہ حدیث میں ہے آپ ﷺ نے فرمایا: ﴿وَمَنْ يَتَصَبَّرَ يُصَبِّرُهُ اللّٰهُ﴾ اسی طرح بندہ بتکلف پاکدامنی اور عفت اختیار کرتا رہتا ہے تو عفت اس کی طبیعتِ ثانیہ اور خصلت بن جاتی ہے، اور اسی طرح تمام اخلاق کا حال ہے۔

اور یہ مسئلہ مختلف فیہ ہے کہ ان اخلاق میں سے کسی خُلق کا اکتساب ممکن ہے؟ یا حصولِ اخلاق بتکلف ہے جو کبھی طبعی خلق نہیں ہوسکتا، جیسے کہ شاعر کہتا ہے۔

يَا أَيُّهَا الْمُتَحَلِّي غَيْرَ شِيْمَتِهٖ إِنَّ التَّخَلُّقَ يَأْتِي دُوْنَهُ الْخُلُقُ

اے آراستہ ہونے والے جس نے اپنی عادت کو متغیر کردیا ہے کہ اخلاق بتکلف حاصل ہیں طبعی خُلق نہیں بس تکلف نے طبعی عادت کو قبیح کردیا ہے۔

تو ایک جماعت کہتی ہیں کہ حقیقۃً اللہ تعالیٰ جس طرح تخلیق، تقدیرِ رزق، تعیینِ اجل سے فارغ ہو چکے ہیں اسی طرح ودیعتِ اخلاق سے بھی فارغ ہوچکے ہیں (گویا اخلاق وھبی ہے کسبی نہیں ہے)۔

اور دوسری جماعت کہتی ہے کہ (اخلاق وھبی نہیں) بلکہ اس کا اکتساب اور حصول ممکن ہے جیسے کہ عقل

حلم، جود وسخا، شجاعت و بہادری اکتسابی ہے، اور تجربات ومشاہدات اسکے شاہد ہیں، اور دوام علی الاخلاق یہ ملکات کو پیدا کرتا ہے، اس کا مطلب یہ ہے کہ کسی چیز کو بار بار کرنا، اسکی مشق کرنا، اور اس پر استمرار کرنا تو وہ چیز بندہ کے لئے ملکہ بن جاتی ہے، اور عادت اور طبیعت ثانیہ بن جاتی ہے، یہ حضرات فرماتیں ہیں کہ عادتیں طبیعتوں کو بدل دیتی ہے لہٰذا بندہ بتکلف صبر کرتا رہتا ہے، یہاں تک کہ صبر اس کی طبیعت ثانیہ بن جاتی ہے جیسا کہ وہ بتکلف حلم اختیار کرتا ہے اور باوقار و پرسکون رہتا ہے اور بتکلف استقامت کرتا رہتا ہے یہاں تک کہ وہ اس کے لئے اخلاق بن جاتے ہیں اور بمنزلۂ طبیعت کے ہو جاتے ہیں، وہ حضرات فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے انسان میں قوتِ قبول اور قبولِ تعلّم (سیکھنا) ودیعت فرمائی ہے لہٰذا طبیعتیں اپنے مقتضیات کے اعتبار سے بدلتی رہتی ہیں، یہ بعید و مستبعد نہیں ہے، ہاں! یہ انتقال وتبدل کبھی کبھی ضعیف و کمزور ہوتا ہے کہ بندہ ادنی سبب سے بھی اپنی طبیعتِ اصلی کی طرف عود کر آتا ہے اور کبھی کبھی یہ طبیعت کی تبدیلی قوی ہوتی ہے اور طبیعت واپس عود نہیں کرتی، ہاں جب سبب بھی قوی وشدید ہو تو اس وقت بندہ واپس اپنی طبیعتِ اصلی کی طرف منتقل ہو جاتا ہے، اور کبھی تو یہ طبیعت کی تبدیلی اتنی مضبوط و مستحکم ہوتی ہے کہ وہ صاحبِ طبیعت کی طبیعتِ ثانیہ ہی بن جاتی ہے پھر یہ کبھی طبیعتِ اصلی کی طرف عود نہیں کرتا، الغرض جماعتِ ثانیہ اخلاق کے کسبی ہونے کے قائل ہے۔

اور اصطبار تو یہ "تصبّر" سے زیادہ پائیدار ہے اس لئے کہ صبر یہ افتعال واکتساب کے حکم میں ہے، لہٰذا "تصبّر" یہ اصطبار کے لئے مبداء ومقدمہ ہے جیسے کہ "تکسب" (حصول کی سعی) یہ اکتساب (حاصل شدہ) کا مقدمہ ہے لہٰذا "تصبر" تکرار کی وجہ سے اصطبار ہو جاتا ہے۔

اور مصابرہ کہتے ہیں میدانِ صبر میں مقابلۃً خصم پر غالب آجانا اس لئے کہ یہ (مصابرہ) باب مفاعلۃ سے ہے جو جانبین سے وقوعِ فعل کا متقاضی ہے جیسے کہ مشاتمۃ، مضاربۃ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اصْبِرُوا وَصَابِرُوا وَرَابِطُوا وَاتَّقُوا اللَّهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ﴾ لہٰذا اللہ تعالیٰ نے مؤمنین کو صبر کا حکم دیا، اور وہ فی نفسہ صابر کی حالت ہے، اور مصابرہ بندے کا صبر میں اپنے خصم کے تقابل کی حالت ہے، اور مرابطۃ صبر ومصابرہ پر ثبوت ولزوم اور اس پر استقامت کی حالت ہے لہٰذا بندہ کبھی کبھی صابر ہوتا ہے لیکن مصابر نہیں ہوتا، اور کبھی مصابر ہوتا ہے اور مصطبر نہیں ہوتا، اور کبھی کبھی صابر بھی ہوتا ہے اور مصابر اور مصطبر بھی ہوتا ہے لیکن

بغیر تقویٰ کے اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ان سب کا مدار و مخزن تقویٰ ہے اور فلاح اُسی پر موقوف ہے لہٰذا اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿وَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ﴾ لہٰذا مرابطہ کی مثال ایسی ہی ہے جیسے کہ ظاہری سرحد جس سے دشمنوں کے آنے کا خوف ہو اس سرحد کی حفاظت کو لازم پکڑنا لہٰذا مرابطہ کہتے ہیں قلب کی سرحد کی حفاظت کو لازم پکڑنا تاکہ اس سے خواہشات و شیطان داخل نہ ہو جائے جو دل کی رعیت و مملکت کو زائل و ختم کر دیتے ہیں۔

﴿پانچواں باب﴾

مقاماتِ صبر کے اعتبار سے اقسامِ صبر

صبر دو قسم پر ہے، صبر بدنی، صبر نفسی، اور ان میں سے ہر ایک کی دو قسم ہے، اضطراری، اختیاری، لہٰذا کل چار قسمیں ہوئی۔

اوّل:۔ صبر بدنی اختیاری جیسے ان اعمال کو قصداً و عمداً انجام دینا جو بدن پر شاق و مشکل ہو۔

دوم:۔ صبر بدنی اضطراری جیسے مار پیٹ کی تکلیف، مرض و زخم کی تکلیف اور سردی گرمی کی تکلیف وغیرہ پر صبر کرنا۔

سوم:۔ صبر نفسی اختیاری جیسے کہ نفس کو ان افعال سے روکنے پر صبر کرنا جو نہ شرعاً بہتر ہے نہ عقلاً۔

چہارم:۔ صبر نفسی اِضطراری جیسے کہ نفس کو اس کی محبوب اشیاء سے مجبوراً باز رکھنا جب کہ نفس اور اس چیز کے مابین کوئی چیز حائل ہو۔

جب آپ نے ان قسموں کو جان لیا تو جان لو کہ یہ اختیاری صرف انسانوں کے ساتھ خاص ہے جانور اور بہائم میں نہیں ہوتی، اور ان چار قسموں میں سے دو قسم میں جانور و بہائم بھی شریک ہیں، اور وہ صبر بدنی اضطراری، صبر نفسی اضطراری ہے اور کبھی تو ان دو قسموں میں جانور و بہائم انسان کی بنسبت صبر میں زیادہ قوی ہوتے ہیں، اور انسان اِن چار اقسام میں سے صرف دو قسم (اختیاری) سے ممتاز ہے اور بہت سے لوگ وہ ہیں کہ ان کی قوتِ صبر اس قسم میں سے ہوتی ہے جس میں جانور و بہائم بھی شامل ہے، اور اس قسم میں (بالکل قوتِ صبر) نہیں ہوتی جو صرف انسان کے ساتھ مخصوص ہے، پھر وہ صابر تو ہوگا (لیکن) صابرین کی فہرست سے خارج ہوگا۔

پھر اگر پوچھا جائے کہ کیا اس صبر میں جِنّ بھی شریک ہیں؟

تو کہا جائے گا کہ ہاں! یہ تکلیف (شرعی) کے لوازمات میں سے ہے اور وہی (تکلیفِ شرعی) امر و نہی کا منبع و مدار ہے اور جِنّ بھی اوامر کی ادائیگی اور نواہی سے پرہیز پر صبر کے مکلّف ہیں جیسے کہ ہم اس کے مکلّف ہیں۔

پھر اگر پوچھا جائے کہ کیا جنّ بھی اسی طرح مکلّف ہیں جس طرح ہم ہیں یا کسی اور طریق سے ہیں؟

تو کہا جائے گا کہ نفس کے جو لوازمات ہیں جیسے محبت وعداوت، ایمان وتصدیق، دوستی ودشمنی تو اس میں ہم اور وہ سب برابر ہیں، اور جو بدن کے لوازمات ہیں جیسے غسلِ جنابت، وضوء میں غسلِ اعضاء، استنجاء، ختنہ، غسلِ حیض ونفاس وغیرہ تو اس میں ہماری اور ان کی برابری ضروری نہیں، اور یہ احکام ان کے ساتھ اُسی طریق سے متعلق ہوں گے جو طریقہ اُن کی تخلیق وحیات کے مناسب ہوگا۔

پھر اگر پوچھا جائے کہ کیا ان اقسامِ صبر میں سے کسی قسم میں ملائکہ ہمارے ساتھ شریک ہیں یا نہیں؟

تو کہا جائے گا کہ ملائکہ ایسی خواہش میں مبتلا نہیں ہوتے جو اُن کی عقل ومعارف کے مخالف ہوں، بلکہ عبادت وطاعت ان کے لئے ایسی ہی ہے جیسے کہ ہمارے لئے سانس ہے، لہٰذا ملائکہ کے حق میں وہ صبر متصور نہیں ہوسکتا جس کی حقیقت خواہشات وشہوات کے مقابلہ میں دین وعقل پر ثابت قدمی ہے، اور اگر ان کیلئے کوئی صبر ہے تو وہ انہیں کی شایانِ شان ہے وہ یہ کہ ملائکہ کا بغیر اکتاہٹ اور بغیر چون وچراں کے ان اعمال پر دائم وقائم رہنا ہے جس کے لئے وہ پیدا کئے گئے ہیں۔

لہٰذا ہم میں سے جس انسان کا صبر شہوات وخواہشات کے لشکر پر غالب آجاتا ہے تو وہ ملائکہ کے ساتھ لاحق ہو جاتا ہے اور اگر شہوات وخواہشات اسکے صبر پر غالب آجائیں تو وہ شیطان کے ساتھ شامل ہو جاتا ہے اور اگر اس کے کھانے پینے، جماع کی طبیعت صبر پر غالب آجائے تو وہ جانور وحیوان کی فہرست میں داخل ہو جاتا ہے۔

حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اللہ عزوجل نے ملائکہ کو بلا عقل وبلا تقاضا کے پیدا فرمایا ہے اور جانور وحیوان کو شہوات بلا عقل کے پیدا کیا ہے اور انسان کو پیدا کیا تو اس کو عقل وشعور اور شہوات وتقاضیں بھی عطا فرمائے، لہٰذا وہ شخص جس کی عقل اس کی شہوات پر غالب آگئی تو وہ ملائکہ کے ساتھ ہو جاتا ہے اور جس کی شہوات اس کے عقل پر غالب آگئی تو وہ جانور کی طرح ہو جاتا ہے، اور جب انسان ابتداً ناقص العقل پیدا ہوتا ہے تو اس میں صرف اس غذا ہی کی خواہش ہوتی ہے جس کی اس کو حاجت ہوتی ہے تو اس وقت اس کا صبر بہائم وجانور کے صبر کی طرح ہوتا ہے اور عقل وتمیز سے قبل اس کو صبرِ اختیاری کی قوت حاصل نہیں ہوتی، پھر جب اس میں کھیل کود

کی خواہش ظاہر ہوتی ہے تو اس عمر میں قوتِ صبر کے ضعیف ہونے کے باوجود اس میں صبرِ اختیاری کی قوت تیار ہوتی ہے، پھر جب انسان کے ساتھ نکاح کی خواہش متعلق ہوتی ہے تو اس میں قوتِ صبر ظاہر ہوتی ہے اور اس وقت عقلی حکومت متحرک ہوتی ہے اور جیشِ صبر کی استعانت سے قوی ہوتی ہے، لیکن یہ عقلی حکومت اور جیشِ صبر نفسانی حکومت اور اسکے لشکر کے مقابلہ میں خود مختار نہیں ہوتے اس لئے کہ نورِ ہدایت کی روشنی سَنِ تمیز کے شروع ہی سے اس پر ظاہر ہوتی ہے اور وہ بتدریج سَنِ بُلوغ تک بڑھتی ہی رہتی ہے جیسے کہ فجر (صبح صادق) کی سفیدی ظاہر ہوتی ہے پھر اس سفیدی کا ظہور بڑھتا ہی رہتا ہے، اور یہ سب ہدایتیں آخرت کے مصالح ومفاسد کو معلوم کرنے میں ناقص وغیر مستقل ہیں، بلکہ اس کی انتہا یہ ہے کہ وہ (ہدایت قاصرہ) بعض دنیوی منافع ومفاسد کو جان لیتی ہے لیکن پھر جب اس پر نبوت ورسالت کا آفتاب طلوع ہوتا ہے اور اس پر اس کا نور روشن ہوتا ہے تو وہ اس کی روشنی میں دارین کے مصالح ومنافع اور مفاسد ونقصانات کی تفصیل کو دیکھتا ہے پھر نتائج ظاہر ہوتے ہیں، اور وہ جنگی زرہ سے ملبوس ہوتا ہے اور انواع واقسام کے اسلحہ کو اختیار کرتا ہے اور وہ جیشِ طبیعت وخواہشات اور جیشِ عقل وہدایت کے مابین میدانِ کارزار میں کود پڑتا ہے اور فاتح وہ ہوتا ہے جس کی اللہ نصرت کرتا ہے اور ذلیل وہ ہوتا ہے جس کو اللہ ذلیل کرتا ہے اور اہل حرب اپنے ہتھیار سے دست بردار نہیں ہوتے یہاں تک کہ جنگ دو صورت (فتح وشکست) میں سے کسی ایک صورت کو اختیار نہ کر لے، اور وہ دو مقام (جنت وجہنم) میں سے اس مقام تک پہنچ جاتا ہے جس کے لئے پیدا کیا گیا ہے۔

﴿چھٹا باب﴾

صبر کی قوت وضعف کے اختلاف کے اعتبار سے اور صبر کا خواہشِ نفس کا مقابلہ کرنے اور اس سے عاجز ہونے کے اعتبار سے اقسام صبر

جیشِ دین کی جیشِ ہوا کی طرف نسبت کریں تو اس کی تین حالتیں ہیں۔

اول:۔ یہ ہے کہ مکمل شوکت وغلبہ دین کو حاصل ہو اس طور پر کہ جیشِ دین جیشِ ہوا کا مقابلہ کرے اور جیشِ ہوا کو مغلوب کردے، اور یہ مقام دوامِ صبر سے حاصل ہوتا ہے، اور اس مقام تک پہونچنے والا ہی دنیا و آخرت میں فاتح ومنصور ہوتا ہے اور یہ وہی لوگ ہیں جو کہتے ہیں، ﴿رَبُّنَا اللّٰہُ ثُمَّ اسۡتَقَامُوۡا﴾ اور یہ وہ لوگ ہیں جن کو ملائکہ موت کے وقت کہیں گے ﴿أَلَّا تَخَافُوۡا وَلَا تَحۡزَنُوۡا وَاَبۡشِرُوۡا بِالۡجَنَّۃِ الَّتِیۡ کُنۡتُمۡ تُوۡعَدُوۡنَ. نَحۡنُ اَوۡلِیَـآئُکُمۡ فِی الۡحَیَاۃِ الدُّنۡیَا وَفِی الۡاٰخِرَۃِ﴾ اور یہ وہی لوگ ہیں جنہوں نے صابرین کے ساتھ اللہ کی معیت حاصل کرلی ہے، اور یہ وہی حضرات ہیں جنہوں نے اللہ کی راہ میں کما حقہ سعی ومحنت کی ہے اور اللہ نے انہی کو اپنی ہدایت کے ساتھ خاص کیا نہ کہ دیگر حضرات کو۔

دوم:۔ یہ ہے کہ طاقت وغلبہ تقاضاءِ شہوت کو حاصل ہو اس طور پر کہ یہ شہوت پرست دین کو بالکلیہ مغلوب کردے اور وہ شکست خوردہ شیطان وجیشِ شیطان کا مطیع ہو جائے، تو شیاطین اسکو جہاں چاہتے ہیں لیجاتے ہیں، اور ان کے ساتھ اس کی دو حالت ہوتی ہیں ایک تو یہ کہ وہ (شکست خوردہ) ان کے لشکر کا ایک فرد ہو جائے اور یہ ایک عاجز وضعیف کی حالت ہے دوسرا یہ کہ شیطان اس (شکست خوردہ) کے لشکر میں شامل ہو جائے اور یہ ایک مغلوب الحال اور سخت فاجر اور مبتدع کی حالت ہے۔

جیسے کہ کہنے والے نے کہا ہے۔

کُنۡتُ إمرأً مِنۡ جُنۡدِ إبۡلِیۡسَ فَارۡتَقٰی	بِیَ الۡحَالُ حَتّٰی صَارَ إبۡلِیۡسُ مِنۡ جُنۡدِی
میں لشکرِ ابلیس کا ایک سپاہی تھا پھر گردشِ زمانہ نے	مجھ کو ترقی دی حتی کہ ابلیس میرے لشکر کا سپاہی ہو گیا

لہٰذا ابلیس اور جیشِ ابلیس اس انسان کے معاونین وتابعین ہو جاتے ہیں اور یہ وہی لوگ ہیں جن پر

ان کی شقاوت اور بدبختی غالب آ گئی ہو اور انہوں نے آخرت کے مقابلہ میں دنیوی زندگی کو ترجیح دی ہو، اور یہ لوگ اس مقام وحال کو اسی وقت پہونچے جب وہ صبر سے مفلس اور کورے تھے اور یہی "جُهْـدِ الْبَلَاءِ وَدَرُكِ الشَّقَاءِ وَسُوْءِ الْقَضَاءِ وَشَمَاتَةِ الْاَعْدَاءِ" کی حالت ہے، اور ان کا جیش مکروفریب، خیالی پلاؤ وتمنائیں، غرور، عمل کو ٹال مٹول کرنا، لمبی امیدیں اور دنیا کو آخرت پر ترجیح دینا وغیرہ ہیں اور یہ وہی اوصاف ہیں جن کے بارے میں نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ﴿اَلْعَاجِزُ مَنِ اتَّبَعَ نَفْسَهٗ هَوَاهَا وَتَمَنّٰى عَلَى اللّٰهِ الْاَمَانِىِ﴾۔

اور اس حالت والوں کی مختلف قسمیں ہیں، ان میں سے بعض وہ ہوتے ہیں جو اللہ اور اسکے رسول کے مقابلہ میں اعلانِ جنگ کرتے ہیں اور ان چیزوں کو جس کو اللہ کے رسول ﷺ لیکر آئے ہیں اس کو مٹانے کی سعی ومحنت کرتے ہیں، اللہ کی راہ سے اعراض کرتے ہیں اور اس میں کجی اور تحریف کو تلاش کرتے ہیں تاکہ دوسرے لوگوں کو بھی اس سے دور کریں، اور بعض لوگ وہ ہیں کہ ان چیزوں سے جو رسول اللہ ﷺ لے کر آئے ہیں اس سے صرف اعراض کرتے ہیں، اور اس کے مقابلہ میں دنیا اور شہواتِ دنیا پر چھائے رہتے ہیں، ان میں سے بعض دورخے منافق ہوتے ہیں جو کفر واسلام دونوں کو اختیار کرتے ہیں اور ان میں سے بعض ایسے بے حیاء اور اوباش اور لہولعب میں مبتلا ہوتے ہیں کہ وہ بے حیائی اور اوباشی اور لہولعب ہی میں اپنی زندگی پوری کرتے ہیں، اور ان میں سے بعض وہ ہیں کہ جب ان کو نصیحت کی جاتی ہے تو وہ کہتا ہے کہ کاش کہ مجھ کو توبہ کا شوق ہوتا لیکن توبہ مجھ کو بہت دشوار معلوم ہوتی ہے نیز مجھ کو توبہ میں کوئی دلچسپی بھی نہیں ہے، اور ان میں سے بعض تو وہ ہیں جو کہتے ہیں کہ اللہ میری نماز اور میرے روزے کا محتاج نہیں اور میں تو اپنے عمل سے نجات پانے والا نہیں ہوں کیونکہ اللہ غفور رحیم ہے، اور بعض تو ایسے ہیں جو ایسا کہتے ہیں کہ ترکِ معاصی تو اللہ کی صفتِ عفو ومغفرت کی توہین ہے۔

فَكَثِّرْ مَا اسْتَطَعْتَ مِنَ الْخَطَايَا — إِذَا كَانَ الْقُدُوْمُ عَلٰى كَرِيْمٍ

لہٰذا تو جتنے زیادہ ہوسکے گناہ کر — اس لئے کہ پیشی تو کریم کے سامنے ہی ہوگی

اور ان میں سے بعض ایسے ہیں جو کہتے ہیں کہ میں جو کچھ (گناہ) کر چکا ہوں اس کے مقابلہ میں میری اطاعت کی کیا حیثیت ہوگی، اور ایک غرق ہونے والے کو اسکی انگلی کی نجات کیا نفع دیگی جب کہ اسکا باقی بدن غرق درآب ہو! ان میں سے بعض تو وہ ہیں جو کہتے ہیں کہ میں عنقریب توبہ کرلونگا، اور جب موت آئیگی اور

میرے گھر میں اتر آئیگی تو توبہ کرلوں گا اور وہ قبول بھی کرلی جائیگی (حالانکہ اب توبہ قبول نہیں ہوگی) اوراس کے علاوہ بھی ان لوگوں کی جوخودفریبی میں مبتلا ہیں بہت سی قسمیں ہیں جن کی عقلیں ان کی شہوات کے قبضہ میں ہے، لہٰذا ان میں سے ہرایک اپنی عقل کوصرف انہی دقیق تدبیروں میں استعمال کرتا ہے جوتدبیریں ان کی شہوات کی تکمیل میں معین ہوتی ہے. بس ان کی عقل شیطان کے ساتھ ایسی ہی ہے جیسے کافر کے قبضہ میں قیدی کہ وہ کافران کوخنزیر چرانے میں اور شراب نچوڑنے میں اور صلیب کو اٹھانے میں استعمال کرتا ہے، اوروہ اپنی عقل کومغلوب کردینے اور دشمن کے حوالہ کردینے کی وجہ سے عنداللہ اس شخص کی طرح ہوجاتا ہے جس کوزبردستی مسلمان بنایا ہواوراسکو کافروں کے ہاتھ بیچا ہواوران کے سپرد کردیا ہواوراس کوان کا اسیر وقیدی بنادیا ہو۔

﴿فصل﴾

اور یہاں ایک عجیب نکتہ ہے جس کا سمجھنا ضروری ہے اوراس کے لئے فارغ البال ہونا ضروری ہے، وہ یہ ہے کہ اس دھوکہ خوردہ نے اللہ کی حجت جس کواللہ نے عزت وشرافت بخشی ہے اورقدرومنزلت اور رفعت بخشی ہے اسکورسوا کیا، اوراس کواللہ کے مبغوض دشمن کے حوالہ کردیا، اوراس دشمن نے اسکواپنے غلبہ وتصرف اورقوت کے تابع کرکے قیدی بنادیا تواللہ تعالیٰ نے اس پراس شیطان کومسلط کردیا کہ اسی کے لئے مناسب تھا کہ وہ اس پر مسلط ہوں، الغرض شیطان نے اس دھوکہ خوردہ کواپنے غلبہ وقوت وتصرف کے تابع کردیا کہ وہ جہاں چاہتا ہے بیگاری میں لگادیتا ہے، اوروہ اوراس کا گروہ اورلشکراس کا تمسخر کرتے ہیں، توجس طرح اس نے اللہ کی حجت کوذلیل اوردشمن کے تابع کردیا اللہ نے بھی اسکوذلیل کیا اور اُس پر اُس کے دشمن کومسلط کردیا جسکو اللہ نے حکم دیا کہ وہ اس پر مسلط رہے اوراسکوذلیل کرے اوراسکو اپنے زیرقہر رکھے تو یہ دھوکہ خوردہ اس شخص کی طرح ہوگیا جس نے خودہی اپنے آپ کو بدترین دشمن کے حوالہ کردیا ہوجوایذاءرسانی کرتا رہتا ہے، ہونا تو یہ چاہیئے تھا کہ وہ اُس شیطان کوقیدی ومغلوب بناتا اوراپنے غیض وغضب کوسکون پہونچاتا لیکن اسی نے اسکے مقابلہ کواورجنگ وجدال کوترک کیا اورتابعدار بن گیا تووہ اس پر سزابن کرمسلط ہوگیا اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿فَاِذَا قَرَأْتَ الْقُرْآنَ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيْمِ . اِنَّهُ لَيْسَ لَهُ سُلْطَانٌ عَلَى الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَلٰى رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُوْنَ . اِنَّمَا سُلْطَانُهُ عَلَى الَّذِيْنَ يَتَوَلَّوْنَهُ وَالَّذِيْنَ هُمْ بِهٖ مُشْرِكُوْنَ﴾

ترجمہ: ''تو جب آپ قرآن پڑھنا چاہے تو شیطان مردود سے اللہ کی پناہ مانگ لیا کرے یقیناً اس کا قابو ان لوگوں پر نہیں چلتا جو ایمان رکھتے ہیں اور اپنے رب پر بھروسہ رکھتے ہیں بس قابو تو صرف ان ہی لوگوں پر چلتا ہے جو اس سے تعلق رکھتے ہیں اور ان لوگوں پر جو اللہ کے ساتھ شرک کرتے ہیں''۔

پھر اگر اشکال کیا جائے کہ مذکورہ آیت میں اللہ نے شیطان کا غلبہ اسکے دوستوں پر ثابت کیا ہے حالانکہ خود اللہ نے اس غلبہ کا دوسری آیت میں انکار کیا ہے ﴿وَقَالَ الشَّيْطَانُ لَمَّا قُضِيَ الْأَمْرُ إِنَّ اللَّهَ وَعَدَكُمْ وَعْدَ الْحَقِّ وَوَعَدتُّكُمْ فَأَخْلَفْتُكُمْ وَمَا كَانَ لِيَ عَلَيْكُم مِّن سُلْطَانٍ إِلَّا أَن دَعَوْتُكُمْ فَاسْتَجَبْتُمْ لِي﴾ ترجمہ: ''اور جب تمام مقدمات فیصل ہو چکیں گے تو شیطان کہے گا کہ اللہ تعالیٰ نے تم سے سچے وعدے کئے تھے اور میں نے بھی کچھ وعدے کئے تھے سو میں نے وہ وعدے تم سے خلاف کئے تھے اور میرا تم پر اور کچھ زور چلتا نہ تھا بجز اسکے کہ میں نے تم کو بلایا تھا سو تم نے میرا کہنا مان لیا'' اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿وَلَقَدْ صَدَّقَ عَلَيْهِمْ إِبْلِيسُ ظَنَّهُ فَاتَّبَعُوهُ إِلَّا فَرِيقًا مِّنَ الْمُؤْمِنِينَ . وَمَا كَانَ لَهُ عَلَيْهِم مِّن سُلْطَانٍ إِلَّا لِنَعْلَمَ مَن يُؤْمِنُ بِالْآخِرَةِ مِمَّنْ هُوَ مِنْهَا فِي شَكٍّ﴾ ترجمہ: ''اور واقعی ابلیس نے اپنا گمان ان لوگوں کے بارے میں صحیح پایا کہ یہ سب اُسی راہ پر ہو لئے مگر ایمان والوں کا گروہ، اور ابلیس کا ان لوگوں پر تسلط بجز اسکے اور کسی وجہ سے نہیں کہ ہم کو ان لوگوں کو جو کہ آخرت پر ایمان رکھتے ہیں ان لوگوں سے معلوم کرنا ہے جو اس کی طرف سے شک میں ہیں''۔

تو جواب دیا جائیگا کہ وہ تسلط جو اللہ نے شیطان کے صاحبوں پر شیطان کا ثابت کیا ہے وہ اس تسلط کے علاوہ ہے جس کی آیات میں نفی ہے یہ دو طرح (سے ثابت ہوتا) ہے۔

اول:۔ یہ ہے کہ جو تسلط ثابت ہے وہ وہ تسلط ہے جو شیطان کو اپنے صاحبوں پر حاصل ہوتا ہے اور شیطان ان کے ساتھ کھلواڑ کرتا ہے اور ان لوگوں کا شیطان کی اطاعت اور دوستی قبول کرنے کی وجہ سے شیطان ان کو جس طرح چاہتا ہے اپنی اطاعت و پیروی کے ذریعہ نچاتا ہے اور وہ تسلط جس کی نفی ہے وہ تسلط بالحجہ ہے، لہٰذا ابلیس کو ان کے خلاف کوئی حجت نہیں جس کی وجہ سے وہ ان پر مسلط ہو مگر صرف دعوت دیتا ہے اور وہ اس کی دعوت پر بلا حجت و دلیل کے لبیک کہتے ہیں۔

دوم:۔ اللہ تعالیٰ نے حقیقتاً شیطان کو ابتداً کوئی تسلط نہیں دیا لیکن وہ لوگ خود شیطان کو اپنی ذاتوں پر

اسکی اطاعت کر کے اسکے لشکر اور گروہ میں داخل ہوکر تسلط کا موقع دیتے ہیں تو شیطان نے اپنی قوت وطاقت سے ان پر تسلط حاصل نہیں کیا اس لئے کہ اس کے مکر وفریب تو کمزور ہے اور شیطان نے تو ان ہی کے ارادوں اور اختیار سے تسلط حاصل کیا ہے، مقصد یہ ہے کہ جو شخص شیطان کا سب سے بڑا دوست اور محبوب اور ہمدرد بننا چاہے تو وہ اس (شیطان) کو اور اس کے چیلوں کو اختیار کرلے اور اپنے دشمن کا تقرب حاصل کرلے اسکی سزاؤں میں سے یہی کافی ہے کہ اس نے خود ہی اپنے اوپر دشمن کو مسلط کیا۔

﴿فصــــل﴾

حالت سوم:۔ یہ ہے کہ دونوں (دین وہوا) کے جیش کے مابین حرب وجنگ ہو کہ کبھی میدان اسکے ہاتھ میں تو کبھی اسکے خلاف اور اکثر غلبہ کا موقع آتا ہے تو کبھی مغلوبی کی نوبت آتی ہے اور یہی ان اکثر مومنین کا حال ہے جن کے اعمال صالحہ اور اعمال سیۂ مختلط ہے۔

اور قیامت کے دن تینوں احوال کا وزن برابر سرابر ہوگا کہ بعض وہ لوگ ہونگے جو جنت میں داخل ہونگے اور جہنم میں دخول نہ ہوگا اور بعض وہ لوگ ہونگے جو جہنم میں داخل ہونگے اور جنت میں ان کا داخلہ نہ ہوگا اور بعض وہ لوگ ہونگے جو جہنم میں اوّلاً داخل ہونگے پھر جنت میں داخل ہونگے۔

اور یہی تینوں احوال لوگوں کی صحت ومرض کے احوال ہے، لہٰذا بعض لوگ وہ ہیں کہ ان کی قوت ان کی بیماری کا مقابلہ کرتی ہے تو وہ قوت اس (مرض) کو مغلوب کردیتی ہے اور غلبہ قوت کا ہوتا ہے، اور بعض لوگ وہ ہیں کہ ان کا مرض ان کی قوت کو مغلوب کردیتا ہے اور غلبہ مرض کا ہوتا ہے اور ان میں سے بعض وہ ہیں کہ انکی بیماری اور قوت کے مابین جنگ کی نوبت آتی ہے بس وہ صحت ومرض کے مابین متردد رہتا ہے۔

﴿فصــــل﴾

اور بعض لوگ وہ ہیں جن کو صبر محنت ومشقت سے حاصل ہوتا ہے اور بعض وہ ہیں کہ نفس پر ادنیٰ مشقت کے ذریعہ ہی صبر کو حاصل کرلیتے ہیں، اور پہلے شخص کی مثال اس شخص کی طرح ہے جو کسی قوی شخص سے کشتی لڑے اور اس کو بہت ہی محنت ومشقت کے بعد مغلوب کرے اور دوسرا شخص اس شخص کی طرح ہے جو کسی ضعیف وکمزور سے کشتی لڑے اور بغیر مشقت کے ہی اس کو مغلوب کردے بس اسی طرح جیشِ رحمٰن اور جیشِ شیطان کے مابین مبارزت وکشتی ہوتی ہے اور جو جیشِ شیطان کو مغلوب کردیتا ہے تو وہ شیطان کو بھی شکست دے دیتا ہے۔

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ انسان میں سے ایک آدمی کی ملاقات ایک جِنّ سے ہوئی اور دونوں میں کشتی ہوئی تو انسان نے جِنّ کو پچھاڑ دیا تو جِنّ نے کہا کہ مجھ کو کیا ہوا ہے کہ میں تو تجھ کو کمزور سمجھتا تھا، تو انسان نے کہا کہ میں صحابہ میں سب سے قوی ہوں تو جِنّ کی جماعت نے اس جِنّ سے پوچھا کیا وہ حضرت عمر ابن خطاب رضی اللہ عنہ تھے؟ تو اس جِنّ نے کہا کہ وہ جس کو تم عمر سمجھتے ہو وہ عمر رضی اللہ عنہ کے علاوہ کوئی اور تھے۔

بعض صحابہ فرماتے ہیں کہ مومن اپنے شیطان کو لاغر و کمزور کر دیتا ہے جیسے کہ تم اپنے اونٹ کو سفر میں لاغر و کمزور کر دیتے ہو۔

حضرت ابن ابی الدنیاؒ نے بعض اسلاف سے ذکر کیا ہے کہ ایک شیطان کی دوسرے ایک شیطان سے ملاقات ہوئی تو پہلے نے کہا کہ کیا بات ہے کہ میں تجھ کو لاغر و کمزور دیکھتا ہوں؟ تیرے چہرے کا رنگ پھیکا اور زرد پڑ گیا ہے؟ تو دوسرے نے کہا کہ میں ایک ایسے آدمی کے ساتھ ہوں کہ وہ بسم اللہ پڑھ کر کھاتا ہے تو میں اسکے ساتھ نہیں کھا سکتا، اور اگر وہ پیتا ہے تو بسم اللہ بولتا ہے تو میں اسکے ساتھ نہیں پی سکتا اگر وہ اپنے گھر میں داخل ہوتا ہے تو بسم اللہ بولتا ہے تو میں گھر کے باہر شب بیداری کرتا ہوں تو پہلے نے کہا کہ میں تو ایک ایسے آدمی کے ساتھ ہوں کہ اگر وہ کھاتا ہے تو بسم اللہ نہیں بولتا تو میں بھی اسکے ساتھ کھاتا ہوں اور وہ پیتا ہے تو بسم اللہ نہیں بولتا تو میں بھی اس کے ساتھ پیتا ہوں اگر وہ گھر میں داخل ہوتا ہے تو بسم اللہ نہیں بولتا تو میں بھی اس کے ساتھ داخل ہوتا ہوں اور اگر وہ اپنی بیوی کے ساتھ جماع کرتا ہے اور بسم اللہ نہیں بولتا تو میں بھی اس کے ساتھ جماع کرتا ہوں۔

لہٰذا جو شخص صبر کی عادت ڈالتا ہے تو اسکا دشمن (شیطان) اس سے ڈرتا ہے اور جو شخص کہ اس کو صبر مشکل لگتا ہے تو اس کا دشمن اس میں حرص و طمع کرتا ہے اور ہو سکتا ہے کہ وہ اس سے اپنی غرض حاصل کر لے۔

﴿ساتواں باب﴾

صبر کے متعلقات کے اعتبار سے اقسام صبر

صبر اپنے متعلقات کے اعتبار سے تین قسم پر ہے، (اوّل) اوامر وطاعات پر صبر کرنا یہاں تک کہ اس کو ادا کرلے، (دوم) نواہی اور مخالفات پر صبر کرنا حتی کہ وہ اس میں واقع نہ ہو، (سوم) تقدیر وقضاء پر صبر کرنا یہاں تک وہ اس سے دل برداشتہ نہ ہو۔

اوران تینوں اقسام کو شیخ عبدالقادر جیلانیؒ نے اپنی کتاب ''فتوح الغیب'' میں ذکر فرمایا ہے کہ بندے کے لئے اوامر میں ضروری ہے کہ وہ اس کو ادا کرے اور نواہی میں ضروری ہے کہ وہ اس سے اجتناب کرے اور تقدیر کے بارے میں ضروری ہے کہ اس پر صبر کرے۔

اور یہ کلام دو جہتوں کے ساتھ متعلق ہے، (اوّل) من جہت الرب (دوم) من جہت العبد۔

من جہت الرب:۔ وہ یہ ہے کہ اللہ عزّوجلّ کے اسکے بندوں پر دو حکم ہیں ایک حکمِ شرعی دینی اور دوم حکمِ تکوینی تقدیری، لہٰذا حکمِ شرعی اللہ کے حکم وامر کے ساتھ متعلق ہے اور حکم تکوینی اسکے خلق وتخلیق کے ساتھ متعلق ہے اور وہی اللہ سبحانہ وتعالیٰ ہے کہ اُسی کے لئے خلق وامر ہے اور اللہ عزّوجلّ کا حکم جو حکمِ دینی طلبی ہے وہ اپنے مطلوب کے اعتبار سے دو قسم پر ہے، (اول) مطلوب اگر اللہ عزّوجلّ کو محبوب و پسندیدہ ہے تو مطلوب کو ادا کرنا واجب ہوگا یا مستحب ہوگا، اور یہ تام نہیں ہوسکتا مگر صبر ہی سے، (دوم) اگر مطلوب اللہ کو مبغوض و ناپسند ہے تو مطلوب کو ترک کرنا ہوگا وہ کام حرام ہوگا یا مکروہ! اور یہ بھی صبر ہی پر موقوف ہے تو یہ اللہ کا حکم شرعی دینی ہے، اور اللہ کا حکم تکوینی تو وہ وہ مصائب و آلام ہیں جس میں بندہ کا کوئی دخل واختیار نہیں، اور وہ بندے کے لئے مقدر ہو چکے ہیں، لہٰذا اس پر بھی بندے کو صبر کرنا فرض ہے، اور ان مصائب وآلام پر رضاء واجب ہے یا نہیں؟ تو اس میں علماء کے دو قول ہیں اور امام احمدؒ کے اس میں دونوں قول ہیں، اور اس میں اصح یہ ہے کہ رضاء علی المصائب مستحب ہے، بس مکمل دین کا مرجع و مدار انہیں تین قواعد پر ہے، مامورات کا ادا کرنا، ممنوعات ونواہی کو ترک کرنا، مقدرات پر صبر کرنا۔

من جہت العبد:۔ وہ یہ ہے کہ بندہ ان تینوں احوال سے کبھی آزاد نہیں ہوتا، جب تک کہ وہ مکلّف ہے اور اس سے یہ تینوں احوال ساقط نہیں ہونگے یہاں تک کہ اس سے تکلیف (شرعی) ساقط ہوجائے۔

لہٰذا امرونہی اور تقدیر کی بندگی کا قیام صبر ہی کے تنے پر ہے اور وہ صبر ہی پر مستوی ہونگے، جیسا کہ خوشہ اور بالیں تنے پر ہی مستوی ہوتے ہیں، لہٰذا صبر مامورات، محذورات، مقدرات بالامر والخلق کے ساتھ متعلق ہے، اور شیخ عبد القادرؒ ہمیشہ ان ہی تین اصول پر چلتے تھے جیسے کہ انہوں نے فرمایا اے میرے بیٹے ماموارت کو ادا کر، ممنوعات سے اجتناب کر، اور مقدرات پر صبر کر۔

اور یہی تین اصول ہیں جس کی حضرت لقمان علیہ السلام نے اپنے بیٹے کو نصیحت فرمائی تھی ﴿یٰبُنَیَّ اَقِمِ الصَّلٰوۃَ وَاْمُرْ بِالْمَعْرُوْفِ وَانْهَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَاصْبِرْ عَلٰی مَآ اَصَابَكَ﴾ لہٰذا حضرت لقمان علیہ السلام نے اس کو بھلائی کرنے کا حکم دیا جو اس بات کو شامل ہے کہ وہ خود بھی اس پر عامل ہے اور دوسروں کو بھی اس کا حکم دیتے ہے، اسی طرح منکرات سے روکا جو لفظ کے مطلق ہونے کی وجہ سے ان کو بھی شامل ہے اور انکے علاوہ لوگ بھی داخل ہے اور لزوم شرعی کے اعتبار سے تو حکم دینے والا اور روکنے والا اس کے لئے حکم دینا اور روکنا بالکل درست نہیں ہے جب تک کہ وہ خود پہلے ادا کرنے والا، رکنے والا نہ ہو۔

اور خود اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے بھی ان تین اصولوں کو اپنے قول میں ذکر کیا ہے ﴿اِنَّمَا یَتَذَكَّرُ اُولُوا الْاَلْبَابِ . الَّذِیْنَ یُوْفُوْنَ بِعَهْدِ اللّٰهِ وَلَا یَنْقُضُوْنَ الْمِیْثَاقَ . وَالَّذِیْنَ یَصِلُوْنَ مَآ اَمَرَ اللّٰهُ بِهٖٓ اَنْ یُّوْصَلَ وَیَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ وَیَخَافُوْنَ سُوْٓءَ الْحِسَابِ . وَالَّذِیْنَ صَبَرُوا ابْتِغَآءَ وَجْهِ رَبِّهِمْ وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاَنْفَقُوْا مِمَّا رَزَقْنٰهُمْ سِرًّا وَّعَلَانِیَةً وَّیَدْرَءُوْنَ بِالْحَسَنَةِ السَّیِّئَةَ اُولٰٓئِكَ لَهُمْ عُقْبَی الدَّارِ﴾۔

بس اللہ گ نے انکے لئے ان اوصاف میں ایمان واسلام کے مقام ودرجات کو جمع کر دیا، اور اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے اپنے عہد وپیان کے ایفاء پر جو اللہ نے ان سے کئے تھے ان کی تعریف فرمائی اور یہ عام ہے اللہ کے اس امر ونہی کو بھی جس کا عہد ان سے بھی ہوا تھا، جو ان کے اور اللہ کے مابین اور بندہ اور مخلوق کے مابین ہیں، اور اللہ نے یہ بھی فرمایا کہ وہ اس عہد وپیمان کے ایفاء پر ایسے قائم ودائم رہیں کہ ان کی جانب سے کبھی نقض وبے وفائی واقع نہیں ہوئی۔

پھر اللہ نے اس بات پر بھی تعریف فرمائی کہ وہ لوگ ان حقوق وتعلقات کو قائم رکھتے ہیں جس کے قائم رکھنے کا اللہ نے ان کو حکم دیا ہے، اور اس میں دین کا ظاہر و باطن دونوں داخل ہیں، اور حقِ خالق اور حقِ مخلوق دونوں شامل ہیں لہٰذا وہ حقوق جو ان کے اور ان کے رب کے مابین ہیں اس کو قائم رکھتے ہیں یعنی اللہ وحدہ لاشریک لہ کی عبادت و بندگی کرتے ہیں اور اس کی اطاعت کو قائم رکھتے ہیں، اسکی طرف رجوع کرتے ہیں، اس پر ہی توکل و بھروسہ رکھتے ہیں، اس سے محبت کرتے ہیں، اور اس سے ڈرتے ہیں، اور اس سے ہی امید رکھتے ہیں، اس سے ہی توبہ کرتے ہیں، اسی کے لئے عاجزی اور خشوع اور خضوع کرتے ہیں، اُس کی نعمتوں کا اعتراف کرکے شکر بجالاتے ہیں، اور خطاؤں اور قصوروں کا اقرار کرکے اس سے مغفرت چاہتے ہیں، یہ عابد ومعبود کے مابین حقوق وروابط ہے، اللہ اور بندے کے درمیان یہی تعلقات ہیں جن کے جوڑنے کا اللہ نے حکم دیا ہے، اور اللہ نے یہ بھی حکم دیا ہے کہ ہم (بندے) ان تعلقات کو قائم رکھیں جو ہمارے اور رسول ﷺ کے مابین ہیں یعنی آپ پر ایمان لائے، آپ کی تصدیق کرے اور ہر معاملہ میں آپ کا حکم مانیں، آپ کے حکم پر راضی رہ کر تسلیم کریں، اور اپنی ذات کی اولاد کی والدین کی اور تمام لوگوں کی محبت پر آپ کی محبت کو مقدم کریں، لہٰذا ان تمام چیزوں کے قیام میں اللہ اور اس کے رسول کا حق داخل ہیں، اور اللہ نے یہ بھی حکم دیا ہے کہ ہم ان تعلقات وحقوق کو بھی قائم رکھیں جو ہمارے اور والدین اور رشتہ داروں کے مابین ہیں، یعنی ان کے ساتھ نیکی اور بھلائی اور صلہ رحمی کرے لہٰذا اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے والدین کے ساتھ نیکی اور بھلائی اور رشتہ داروں کے ساتھ صلہ رحمی کا حکم دیا ہے، یہ سب ان چیزوں میں سے ہے جس کے قائم کرنے کا اللہ نے ہم کو حکم دیا ہے، نیز اللہ نے ان حقوق کو بھی قائم کرنے کا حکم دیا ہے، جو ہمارے اور زوجہ کے مابین ہیں یعنی اسکے حقوق کو ادا کریں اور اس کے ساتھ عمدہ طریقہ سے زندگی گزاریں، اور اللہ نے ان حقوق کو بھی قائم کرنے کا حکم دیا ہے جو ہمارے اور غلاموں کے مابین ہیں، یعنی ان کو وہ کھانا کھلائیں جو ہم کھاتے ہیں، اور ان کو وہ لباس پہنائیں جو ہم پہنتے ہیں اور یہ کہ ہم ان کو ان کی طاقت سے زیادہ مکلّف نہ بنائیں، اور اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے ان حقوق کو بھی قائم رکھنے کا حکم دیا ہے جو ہمارے اور قُرب وبُعد کے پڑوسی کے مابین ہیں، یعنی ہم ان کے حق کی رعایت کریں اور ان کی جان اور ان کے مال واولاد کی اس طریقہ سے حفاظت کریں جس طریقہ سے ہم اپنی جان اور اپنے مال واولاد کی حفاظت کرتے ہیں،

اوراللہ ﷻ نے ان حقوق کو بھی قائم کرنے کا حکم دیا ہے جو ہمارے اور ہمارے حضر وسفر کے رفیق کے مابین ہیں، اوران حقوق کو بھی قائم کرنے کا حکم دیا ہے جو ہمارے اور عام لوگوں کے درمیان ہیں یعنی جس رویہ کی ہم ان سے خواہش رکھتے ہیں ویسا رویہ ہم بھی ان کے ساتھ اختیار کریں اور اللہ ﷻ نے ان حقوق کو بھی قائم کرنے کا حکم دیا ہے جو ہمارے اور کراماً کاتبین کے مابین ہیں، یعنی ہم ان کا اکرام واحترام کریں اوران سے اس طرح شرم وحیاء کریں جس طرح کہ ایک آدمی اپنے جلیس سے کرتا ہے اوراس شخص سے کرتا ہے جو اسکا اکرام واحترام کرتا ہو، یہ سب کے سب وہ حقوق ہے جس کے بارے میں اللہ نے حکم دیا ہے کہ اس کو قائم رکھیں۔

پھر اللہ ﷻ نے ان حضرات کو ان حقوق کی ادائیگی پر اکسانے والی چیزوں کو بھی بیان کیا اور وہ اللہ کی خشیت اور قیامت کے دن سوء حساب کا خوف ہے، اورکسی شخص کے لئے ہرگز ممکن نہیں کہ وہ اللہ کی خشیت کے بغیر ان حقوق کو قائم کریں جس کا اللہ نے حکم دیا ہے اور جب خشیت ہی قلب سے رحلت کر جائے گی تو یہ وصل وتعلق بھی منقطع ہوجائیگا۔

پھر اللہ ﷻ نے ان سب کو ایک اصل وجڑ پر جمع کردیا جو ان سب کے لئے میخ وکیل اور ان کے لئے بنیاد اور مدار ہیں جس پر یہ سب کے سب دائر ہوتے ہیں، اور وہ ہے ''صبر'' اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿وَالَّذِيۡنَ صَبَرُوا ابۡتِغَاءَ وَجۡهِ رَبِّهِمۡ﴾ تو اللہ نے ان بندوں کی جانب سے محض صبر پر اکتفی نہیں کیا بلکہ وہ بھی خالص رضاء الٰہی کے لئے ہونا چاہئے۔

پھر اللہ ﷻ نے ان کے لئے اس چیز کو بھی ذکر فرمایا جو ان کو صبر پر معین و مددگار ہے اور وہ نماز ہے، لہٰذا اللہ ﷻ نے فرمایا: ﴿وَاَقَامُوا الصَّلَاةَ﴾ اور وہ دو چیزیں جو دنیا وآخرت کے مصالح ومنافع کے لئے معین ہیں وہ صبر وصلوۃ ہیں، لہٰذا اللہ ﷻ نے فرمایا: ﴿وَاسۡتَعِيۡنُوۡا بِالصَّبۡرِ وَالصَّلَاةِ وَاِنَّهَا لَكَبِيۡرَةٌ اِلَّا عَلَى الۡخَاشِعِيۡنَ﴾ اور فرمایا: ﴿يَاۤ اَيُّهَا الَّذِيۡنَ آمَنُوا اسۡتَعِيۡنُوۡا بِالصَّبۡرِ وَالصَّلَاةِ اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الصَّابِرِيۡنَ﴾۔

پھر اللہ ﷻ نے ان حضرات کے اس حسن سلوک کو بھی ذکر فرمایا کہ وہ دوسروں پر ظاہراً وسراً مال کو خرچ کرتے ہیں، لہٰذا ان لوگوں نے خود کے ساتھ صبر وصلوۃ کے ذریعہ اور دوسروں کے ساتھ انفاق کے ذریعہ حسن سلوک کیا۔

پھر اللہ جل جلالہ نے ان کے اس حال کو بھی بیان فرمایا کہ جب ان پر ظلم کیا جاتا ہے اور ایذاء پہونچائی جاتی ہے تو وہ لوگ اس کا بدلہ نہیں لیتے بلکہ برائی کو اچھائی سے دفع کرتے ہیں، لہٰذا یہ حضرات ان لوگوں کے ساتھ احسان و بھلائی کرتے ہیں جو ان کے ساتھ برائی سے پیش آتے ہیں، لہٰذا اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿وَيَدْرَؤُنَ بِالْحَسَنَةِ السَّيِّئَةَ ﴾ اور بعض حضرات نے اس آیت کی یہ بھی تفسیر کی ہے کہ وہ (بندے) گناہ کو اس کے بعد نیکی کر کے دفع کرتے ہیں جیسے کے اللہ جل جلالہ نے فرمایا: ﴿إِنَّ الْحَسَنَاتِ يُذْهِبْنَ السَّيِّئَاتِ﴾ اور نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ﴿إِتَّبِعِ السَّيِّئَةَ الْحَسَنَةَ تَمْحُهَا﴾ اور صحیح بات یہ ہے کہ آیت ان دونوں تفسیر کو عام و شامل ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ یہ آیتیں ایمان و اسلام کے تمام مقام و مرتبہ اور حقوق کو شامل ہے اور وہ فعلِ مأمور ترکِ محذور اور صبر علی المقدور پر مشتمل ہے۔

اور تحقیق کہ اللہ جل جلالہ نے ان تینوں اصولوں کو اپنے قول: ﴿بَلٰى إِنْ تَصْبِرُوا وَتَتَّقُوا﴾ میں اور ﴿إِنَّهُ مَنْ يَتَّقِ وَيَصْبِرْ﴾ میں اور ﴿يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا صْبِرُوا وَصَابِرُوا وَرَابِطُوا وَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ ﴾ میں ذکر کیا ہے لہٰذا ہر جگہ اور ہر مقام میں تقوی صبر کے ساتھ متصل ہے جو ان تین اصول ہی پر مشتمل ہے اس لئے کہ تقوی کی حقیقت بھی فعلِ مامور اور ترکِ محذور ہے۔

﴿ آٹھواں باب ﴾

صبر کے ساتھ احکام خمسہ کے تعلق کے اعتبار سے تقسیمِ صبر

اور صبر اس اعتبار سے واجب، مستحب، ممنوع، مکروہ، مباح، میں منقسم ہوتا ہے۔

پس صبر واجب تین قسم پر ہے، (اوّل) محرمات (حرام چیزوں) سے (رکنے پر) صبر کرنا واجب ہے، (دوم) واجبات کی ادائیگی پر صبر کرنا واجب ہے، (سوم) ان مصائب پر صبر کرنا واجب ہے جس میں بندے کو کوئی اختیار نہیں جیسے امراض، فقر وغیرہ۔

اور صبر مستحب تو وہ مکروہات (سے بچنے) پر صبر کرنا ہے اور مستحبات کی ادائیگی پر صبر کرنا ہے اور تکلیف دینے والے کے مقابلہ میں اس جیسا فعل کرنے سے صبر کرنا ہے۔

اور صبر ممنوع تو اسکی چند صورتیں ہے، کھانے پینے (سے رکنے) پر صبر کرنا حتی کہ وہ مر جائے اسی طرح مخمصہ اور اضطرار کے حالت میں میتہ، خنزیر کا گوشت کھانے (سے بچنے) پر صبر کرنا حرام و ممنوع ہے جب کہ اس کے ترک سے موت کا خوف ہو حضرت طاؤسؒ اور امام احمدؒ فرماتے ہیں کہ جو شخص میتہ کھانے اور خون پینے پر مجبور اور مضطر ہو پھر نہ کھائے پیئے اور مر جائے تو وہ جہنم میں داخل ہوگا۔

پھر اگر کہا جائے کہ اس اضطرار کی حالت میں مانگنے اور سوال کرنے (سے بچنے) پر صبر کرنا اس کے بارے میں کیا کہتے ہیں؟

تو جواب دیا جائیگا کہ اس کے حکم میں اختلاف ہے کہ سوال کرنا حرام ہے یا مباح؟ اور یہ دونوں قول اصحاب امام احمدؒ سے منقول ہے اور امام احمد سے ظاہری نص یہ ہے کہ سوال کرنے (سے رکنے) پر صبر کرنا مباح و جائز ہے، تو اگر کہا جائے کہ اگر وہ سوال نہیں کریگا تو خوف ہے کہ مر جائے تو......؟ تو فرماتے ہے کہ وہ نہیں مریگا اللہ اس کو اپنی طرف سے رزق عطاء کریگا، الغرض امام احمد نے سوال کرنے سے منع فرمایا ہے اور جب اللہ تعالیٰ ضرورت کو اور اس کے ترکِ سوال میں اسکے صدق کو جانتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے رزق کو مقدر کردے گا۔

اور اکثر حنابلہ اور شوافع حضرات فرماتے ہیں کہ اس پر سوال کرنا مانگنا واجب ہے، اگر اس نے سوال نہیں کیا تو وہ عاصی اور گنہگار رہوگا اس لئے کہ سوال کرنا یہ ہلاکت سے نجات کو متضمن و مشتمل ہے۔

﴿فصل﴾

اور صبر ممنوع کی ایک صورت یہ بھی ہے کہ انسان ان چیزوں پر صبر کرے جو اس کے ہلاک کرنیکا قصد وارادہ رکھتی ہو، جیسے درندے، سانپ، آگ، پانی، اور وہ کافر جو اس کے قتل کا ارادہ رکھتا ہو اس (کے مقابلہ سے رکنے) پر صبر کرنا ممنوع ہے، بر خلاف کسی بندے کا سرِ تسلیم خم کر دینا اور اس بندے کا فتنوں میں صبر کرنا اور مسلمانوں کے مابین قتل وقتال (میں مقابلہ) سے صبر کرنا وہ اسکے لئے مباح ہے بلکہ مستحب ہے جیسا کہ اس پر بہت سے نصوص واحادیث دال ہے، اور تحقیق کہ بعینہ اس مسئلہ کے بارے میں آپ سے پوچھا گیا؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ﴿كُنْ كَخَيْرِ ابْنِ آدَمَ﴾ اور فرمایا: ﴿كُنْ عَبْدَ اللّٰهِ الْمَقْتُوْلَ وَلَاتَكُنْ عَبْدَاللّٰهِ الْقَاتِلَ﴾ اور فرمایا: ﴿دَعْهُ يَبُوْءَ بِاِثْمِهٖ وَاِثْمِكَ﴾ اور فرمایا: ﴿فان بَهَرَكَ شِعَاعُ السَّيْفِ فَضَعْ يَدَكَ عَلٰى وَجْهِكَ﴾ اور تحقیق کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کے دونوں بیٹوں میں اچھے بیٹے کا سرِ تسلیم خم کر دینے کو بیان فرمایا، اور اس پر اس کی تعریف اور ثناء فرمائی، اور یہ حکم کافروں کے ساتھ قتل وقتال سے الگ ہے اس لئے کہ اس (مومن) پر اپنی ذات سے دفع کرنا ضروری اور واجب ہے، اس لئے کہ جہاد سے مقصود یہی ہے کہ اپنی ذات سے اور مسلمانوں کی ذات سے (شر اور تکلیف کو) دفع کیا جائے! اور چور ڈاکوؤں سے قتال تو اس میں دفع کرنا واجب ہے یا سرِ تسلیم خم کر دینا ہے؟ تو اگر کسی دوسرے بے قصور سے (تکلیف کو) دفع کرنا ہے تو واجب ہے اور خود اپنی ذات سے دفع کرنا ہے تو ظاہری نصوص اس بات پر دال ہے کہ دفع واجب نہیں، اور بعض حضرات اس کو بھی واجب کہتے ہیں، اور فرماتے ہیں کہ اس شخص پر صبر کرنا جائز نہیں جس کی ذات کے ساتھ یا اس کی عزت کے ساتھ بے حیائی کے کام سے کھلواڑ ہو۔

﴿فصل﴾

اور صبرِ مکروہ تو اسکی چند صورتیں ہیں (اوّل) یہ ہے کہ کھانے پینے اور اپنی زوجہ سے جماع کرنے (سے رکنے) پر صبر کرنا اس حد تک کہ اس سے بدن کو ضرر، نقصان ہو (یہ صبر مکروہ ہے) (دوم) یہ ہے کہ اپنی زوجہ سے جماع کی حاجت ہونے کے باوجود اس سے جماع کرنے (سے رکنے) پر صبر کرنا اگرچہ اس سے ضرر ونقصان کا

خوف نہ ہو(مکروہ ہے)(سوم) یہ ہے کہ مکارہ (سے بچنے) پر صبر کرنا، (چہارم) یہ ہے کہ فعل مستحب کی ادائیگی (سے رکنے) پر صبر کرنا (مکروہ ہے)۔

﴿فصــل﴾

اور صبر مباح تو ہر وہ فعل ہے جو مستوی الطرفین ہو جس کے کرنے میں بھی اختیار رہو اور ترک میں بھی اختیار رہو، اور اس پر صبر کرنیکا بھی اختیار رہو تو پھر ایسے فعل (سے رکنے) پر صبر کرنا مباح ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ واجب کی ادائیگی پر صبر کرنا واجب ہے اور واجب کی ادائیگی (سے رکنے) پر صبر کرنا حرام اور ممنوع ہے، اور حرام (سے رکنے) پر صبر کرنا واجب ہے اور حرام کے ارتکاب پر صبر (جرأۃ) کرنا حرام ہے، اور فعل مستحب کی ادائیگی پر صبر کرنا مستحب ہے اور اسکی ادائیگی (سے رکنے) پر صبر کرنا مکروہ ہے اور مکروہات (سے رکنے) پر صبر کرنا مستحب ہے اور مکروہات کے ارتکاب پر صبر (جرأت) کرنا مکروہ ہے، اور مباح کام (سے رکنے) پر صبر کرنا مباح ہے۔

واللہ اعلم۔

﴿نواں باب﴾

درجاتِ صبر کے تفاوت

جیسے کہ پہلے گزر چکا ہے کے صبر کی دو قسم ہیں اختیاری، اضطراری اور صبر اختیاری یہ صبر اضطراری سے اکمل و اعلیٰ ہے اس لئے کے صبرِ اضطراری تو اس میں عوام الناس بھی شریک ہے اور وہ لوگ بھی جو صبرِ اختیاری نہیں کر سکتے اور اضطراری کر لیتے ہیں وہ بھی شریک ہیں۔

اسی وجہ سے حضرت یوسف علیہ السلام کا امرأۃ عزیز کی اطاعت (سے رکنے) پر صبر کرنا اور اس قید و بند کی تکالیف پر صبر کرنا جو اس معاملہ میں آپ علیہ السلام کو پہونچی تھی ان تکالیف پر صبر کرنے سے اشرف و اعظم ہے جو تکالیف آپ علیہ السلام کے بھائیوں سے پہونچی تھی، جبکہ بھائیوں نے آپ علیہ السلام کو کنویں میں ڈال دیا اور آپ علیہ السلام کو آپ کے والد عزیز حضرت یعقوب علیہ السلام سے جدا کر دیا اور حضرت یوسف علیہ السلام کو غلاموں کی طرح فروخت کر دیا اور اسی صبر ثانی (اختیاری) ہی کے بدلہ و صلہ میں اللہ تعالیٰ نے حضرت یوسف علیہ السلام کو وہ نعمتیں عطا کی جو اللہ نے چاہی عزت و رفعت اور بادشاہت اور زمین پر اختیارات وغیرہ۔

اسی طرح حضرت ابراہیم خلیل اللہ اور حضرت موسیٰ کلیم اللہ کا صبر اور حضرت عیسیٰ مسیح کا صبر اور حضرت خاتم الانبیاء وسید ولد آدم علیہم الصلوۃ السلام کا صبر ہے یعنی اللہ کی طرف دعوت دینے پر تکالیف پر صبر کرنا اور اللہ کے دشمنوں سے جہاد کرتے وقت صبر کرنا یہ بھی صبر عظیم تھا، اسی وجہ سے ان حضرات کو اللہ تعالیٰ نے ''اولوالعزم'' کا لقب عطا فرمایا اور اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو انہیں حضرات جیسا صبر کرنے کا حکم دیا ﴿فَاصْبِرْ كَمَا صَبَرَ أُولُو الْعَزْمِ مِنَ الرُّسُلِ﴾ اور اولوالعزم وہی حضرات ہیں جو اللہ کے اس قول ﴿شَرَعَ لَكُم مِّنَ الدِّينِ مَا وَصَّىٰ بِهِ نُوحًا وَالَّذِي أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ وَمَا وَصَّيْنَا بِهِ إِبْرَاهِيمَ وَمُوسَىٰ وَعِيسَىٰ﴾ میں اور ﴿وَإِذْ أَخَذْنَا مِنَ النَّبِيِّينَ مِيثَاقَهُمْ وَمِنكَ وَمِن نُّوحٍ وَإِبْرَاهِيمَ وَمُوسَىٰ وَعِيسَىٰ﴾ میں مذکور ہیں اسی طرح حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ اور دیگر اسلاف نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو صاحب حوت (حضرت یونس علیہ السلام) کی مشابہت سے منع فرمایا، بایں وجہ کہ انہوں نے اولوالعزم حضرات کی طرح صبر نہیں کیا لہٰذا فرمایا: ﴿فَاصْبِرْ لِحُكْمِ رَبِّكَ وَلَا تَكُن كَصَاحِبِ الْحُوتِ إِذْ نَادَىٰ وَهُوَ مَكْظُومٌ﴾۔

اور یہاں ایک مفید سوال ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا قول ،اذ نادیٰ، میں ظرف کا عامل کون ہے؟ تو فعل نہی (لا تکن) کا عامل ہونا ممکن نہیں کیونکہ اس وقت معنی ہوگا "لا تکن مثله فی ندائه" کہ آپ نداء میں ان کی طرح نہ ہو جایئے حالانکہ اس نداء پر تو اللہ تعالیٰ نے ان کی تعریف فرمائی ،اور اللہ تعالیٰ نے اسی نداء پر ان کو نجات عطاء فرمائی ،جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ﴿وَ ذَاالنُّونِ اِذْ ذَّهَبَ مُغَاضِبًا فَظَنَّ اَن لَّن نَّقْدِرَ عَلَيْهِ فَنَادىٰ فِي الظُّلُمَاتِ اَن لَّآاِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ سُبْحَانَكَ اِنِّي كُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِينَ، فَاسْتَجَبْنَا لَهُ وَنَجَّيْنَاهُ مِنَ الْغَمِّ وَكَذَالِكَ نُنجِي الْمُؤْمِنِينَ﴾ اور ترمذی شریف میں آپ ﷺ سے مروی ہے ﴿دَعْوَةُ اَخِي ذَا النُّونِ اِذْ دَعَا بِهَا فِيْ بَطْنِ الْحُوْتِ مَادَعَا بِهَا مَكْرُوْبٌ اِلَّافَرَّجَ اللّٰه عَنْهُ لَااِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ سُبْحَانَكَ اِنِّي كُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِينَ﴾ لہٰذا یہ ممکن نہیں کہ اللہ تعالیٰ رسول اللہ ﷺ کو اس دعاء و نداء میں مشابہت سے منع فرماوے، حالانکہ وہ وہ نداء ہے جس سے انہوں نے اپنے رب کو پکارا تھا! اللہ نے تو اس سبب میں مشابہت اختیار کرنے سے روکا ہے جس کی وجہ سے حضرت یونس علیہ السلام کو اس نداء کی ضرورت پیش آئی تھی اور وہ سبب وہ خفگی ہے جس نے ان کو بطنِ حوت کی قید تک پہونچا دیا اور شدت و تکلیف تک پہونچا دیا حتیٰ کہ انہوں نے اپنے رب کو نداء دی اس حال میں کہ وہ مکظوم تھے، کظیم اور کاظم (اس شخص کو کہتے ہیں) جو غیض و غضب حزن و غم سے بھر گیا ہو اور اس پر سکوت طاری ہو گیا ہو کہ پھر وہ اس سے نہ نکلے۔

پھر اگر کہا جائے کہ اس معنی کے اعتبار سے عامل کون ہوا؟

تو جواب دیا جائیگا کہ جو معنیٰ فعل صاحب الحوت (کصاحب الحوت) میں ہے وہ عامل ہے!

پھر اگر کوئی کہے کہ سوال اب تک قائم ہے کہ جب فعل (نہی) کو کسی قید کے ساتھ یا زمان کے ساتھ مقید کیا جائے تو قید یا زمان نہی کے تحت داخل ہوتا ہے، تو اگر معنی یہ ہے کہ آپ ﷺ صاحب حوت کی طرح اس حالت میں یا اس وقت میں نہ ہویئے تو یہ تو اس حالت سے نفی ہوئی۔

تو (جواباً) کہا جائیگا کہ جب صاحبِ حوت ہونا ہی ان کی نداء کا سبب ہے تو نہی (نفی) اس حالت کے ساتھ مشابہت اختیار کرنے سے ہے جس نے صاحب حوت ہونے اور نداء تک پہونچایا اور وہ (حالت) ضعف عزیمت اور اللہ تعالیٰ کی تجویز پر ضعف صبر ہے، اللہ تعالیٰ نے یہ نہیں کہا کہ آپ صاحب حوت کی طرح نہ

ہوئیئے جب کہ وہ خفا ہو کر چلے گئے پھر مچھلی نے ان کو لقمہ بنالیا پھر انہوں نے پکارا نہیں، بلکہ قصہ کو مختصر کر دیا، اور اس طویل قصہ کو مقام آخر میں ذکر کیا اور (یہاں) اس کے مقصد و غایت پر اکتفاء کیا اور اسی پر انتہاء فرمادی۔

الغرض اللہ سبحانہ وتعالیٰ جس نے حضرت یونس علیہ السلام کی اور دیگر انبیاء علیہم السلام کی درخواست کرنے اور پکارنے پر انکی حمد وثناء فرمائی اور اللہ نے ان کی تکلیف و پریشانی کو دور کیا اور اللہ تعالیٰ نے حضرت یونس علیہ السلام کی تعریف فرمائی اپنے اس قول ﴿وَذَاالنُّونِ اِذْ ذَّھَبَ مُغَاضِبًا فَظَنَّ اَن لَّن نَّقْدِرَ عَلَيْهِ فَنَادىٰ فِي الظُّلُمَاتِ اَن لَّآاِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ سُبْحَانَكَ اِنِّی كُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِيْنَ، فَاسْتَجَبْنَا لَهٗ وَنَجَّيْنَاهُ مِنَ الْغَمِّ وَكَذَالِكَ نُنْجِی الْمُؤْمِنِيْنَ﴾ میں! تو اللہ تعالیٰ کیسے اس چیز میں مشابہت اختیار کرنے سے روکے گا جس پر ثناء و تعریف فرمائی ہو، اور اسی طرح حضرت ایوب علیہ السلام کی تعریف فرمائی اپنے اس قول ﴿مَسَّنِیَ الضُّرُّ وَاَنْتَ اَرْحَمُ الرَّاحِمِيْنَ﴾ میں! اور حضرت یعقوب علیہ السلام کی تعریف فرمائی اپنے اس قول ﴿اِنَّمَا اَشْكُوْ بَثِّی وَحُزْنِی اِلَی اللّٰهِ﴾ میں! اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کی تعریف فرمائی اپنے اس قول ﴿رَبِّ اِنِّی لِمَا اَنْزَلْتَ اِلَیَّ مِنْ خَيْرٍ فَقِيْرٌ﴾ میں! اور تحقیق کہ حضرت خاتم الانبیاء والمرسلین صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے قول ﴿اَللّٰهُمَّ اَشْكُوْ اِلَيْكَ ضَعْفَ قُوَّتِی وَقِلَّةَ حِيْلَتِی﴾ میں شکوی فرمایا ہے لہٰذا اللہ تعالیٰ سے شکوہ کرنا یہ صبر جزیل کے منافی نہیں ہے، بلکہ بندے کا تمام مخلوق سے شکوٰی کرنے سے اعراض کرنا اور محض اللہ سے شکوٰی کرنا وہی تو صبر ہے، اللہ تعالیٰ بھی اپنے بندے کو آزمائش و مشقت میں مبتلی کرتا ہے تا کہ اس کے شکوٰی کو سنے اور اس کی عاجزی، انکساری، دعاء کو سنے تحقیق کہ اللہ تعالیٰ نے اس شخص کی مذمت و برائی فرمائی ہے جو اس کی طرف عاجزی نہیں کرتا اور بلا و مصائب میں اللہ سے شکوٰی نہیں کرتا جیسے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿وَلَقَدْ اَخَذْنَاهُمْ بِالْعَذَابِ فَمَا اسْتَكَانُوْا لِرَبِّهِمْ وَمَا يَتَضَرَّعُوْنَ﴾ اور بندہ تو اس سے بھی زیادہ ضعیف و کمزور ہے کہ وہ اپنے رب کے مقابلہ میں مضبوطی کا اظہار کرے یا دکھائے اور اللہ بھی اپنے بندے سے یہ نہیں چاہتے کہ وہ مضبوطی کا اظہار کرے بلکہ یہ چاہتے ہے کہ وہ اس سے دب جائے، رجوع کرے، عاجزی، انکساری کرے، اور اللہ تعالیٰ اس بندے سے نفرت کرتے ہیں جو مخلوق سے شکوٰی کرتا ہے اور اس بندے سے محبت کرتا ہے جو تکالیف کا شکوٰی اس سے ہی کرتا ہے اور بعض حضرات سے یہ پوچھا گیا کہ جب تمہاری تکلیف اللہ سے مخفی نہیں تو پھر کیسے اس سے شکوٰی کرتے ہو؟ تو فرمایا کہ میرا رب اپنے سامنے بندے کی ذلت و انکساری کو پسند کرتا ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے اپنے رسول کو حکم دیا کہ وہ اللہ کی تجویز پر اختیاراً صبر کرے اولوالعزم حضرات کے صبر کی طرح جس طرح انہوں نے صبر کیا، اور یہی صبر کا اکمل وکامل درجہ ہے، اسی وجہ سے قیامت کے دن حق شفاعت ان تمام حضرات پر پیش کیا جائیگا یہاں تک وہ حضرات شفاعت کو اپنوں میں جو اعلیٰ وافضل ہے اور اللہ کی تجویز پر ان میں سے سب سے زیادہ صابر ہے ان کو سپرد کردینگے۔

پھر اگر کہا جائے کہ صبر کی ان تین قسموں میں سے افضل واکمل کون ہے، صبر علی المامور یا صبر علی ترک الممنوع یا صبر علی المقدور؟

تو (جواباً) کہا جائیگا کہ جو صبر تکلیفِ (شرعی) یعنی امر ونہی کے ساتھ متعلق ہے وہ صبر علی المقدور سے افضل ہے اس لئے کی تقدیر پر صبر کرنا یہ صبر تو فاسق ونیک کافر ومومن سب کرتے ہیں، لہٰذا ہر ایک کے لئے تقدیر پر صبر کرنا چاہے اختیاراً ہو یا اضطراراً سب کے لئے ضروری ہے، اور رہا اوامر ونواہی پر صبر کرنا تو وہ رسول کے متبعین کا صبر ہے، اور ان میں بھی جو اتباع میں آگے ہوگا وہ ان میں صبر میں بھی آگے ہوگا اور ہر صبر اپنے زمان ومکان کے تناسب سے افضل ہے، لہٰذا حرام (سے رکنے) پر صبر کرنا اپنے زمان ومکان میں افضل ہے، اور طاعت کی ادائیگی پر صبر کرنا اپنے زمان ومکان میں افضل ہے۔

پھر اگر کہا جائے کہ ان دو صبروں میں سے کون سا صبر اللہ کو زیادہ محبوب ہے؟ اس شخص کا صبر جو اوامر کی ادائیگی پر کرتا ہے یا اس شخص کا صبر جو محرمات سے بچنے پر کرتا ہے؟

تو کہا جائیگا کہ یہ مسئلہ مختلف فیہ ہے ایک جماعت کہتی ہے کہ محرمات ومکروہات سے بچنے پر صبر کرنا یہ افضل ہے اس لئے کہ یہ زیادہ شاق ومشکل ہے، اس لئے کہ اچھے ونیک کام تو نیک وفاجر دونوں کرتے ہیں اور محرمات سے بچنے پر صبر تو وہ صادقین اور سچے حضرات ہی کرتے ہیں، اور اسلئے بھی کہ محرمات سے بچنے پر صبر کرنا یہ نفس وخواہشات کی مخالفت ہے اور بہت شاق ومشکل ہے اور وہی کام افضل ہے۔

اور یہ حضرات فرماتے ہیں کہ محرمات سے بچنے پر صبر اس لئے بھی افضل ہے کہ وہ چیز جس کو نفس پسند کرتا ہے اس کی محبوب شئی کو ترک کرنا یہ دلیل ہے اس بات کی کہ وہ اللہ ہی کے لئے ترک کرتا ہے اور وہ

(اللہ) اس کو نفس وخواہش سے زیادہ محبوب ہے، برخلاف اس کام کو کرنا جس کو محبوب (اللہ) پسند کرتا ہے اس بات کو مستلزم نہیں نیز یہ حضرات فرماتے ہیں کہ سب کی سب مروت ومردانگی اسی صبر میں ہے امام احمدؒ فرماتے ہیں کہ مردانگی ان چیزوں کو چھوڑ دینا ہے جس کی تو خواہش کرتا ہے اس ذات کے لئے جس سے تو ڈرتا ہے لہٰذا بندہ کی مروت ومردانگی اسی صبر کے اعتبار سے ہے۔

نیز یہ حضرات فرماتے ہیں جو لوگ اوامر کو ادا کرتے ہیں ان پر کوئی تعجب نہیں اس لئے کہ اوامر میں سے اکثر احکام نفوس سلیمہ کو بھی محبوب ہوتے ہیں کیونکہ انہی اوامر میں عدل، احسان، اخلاص، نیکی اور بھلائی ہے، اور یہ اس نفس کے لئے جو تزکیہ وصفائی میں غالب ہو اسکی محبوب اشیاء ہے، بلکہ تعجب تو ان لوگوں پر ہے جو نواہی اور ممنوعات سے بچنے پر صبر کرتے ہیں جس (ممنوعات) میں سے اکثر نفس کی محبوب چیزیں ہیں، لہٰذا اس دار دنیا میں وہ بندہ محبوب چیزوں کو جو بلا تاخیر حاصل ہونے والی ہے ان محبوب چیزوں کی وجہ سے جو دار آخرت میں تاخیر سے حاصل ہونے والی ہے ترک کر دیتا ہے، اور وہ نفس جو بلا تاخیر حاصل ہونے والی محبوب چیز کے بھروسہ پر ہو پھر اسکو اس سے روکنا یہ طبیعت کے خلاف ہے!

نیز یہ حضرات یہ بھی فرماتے ہیں کہ نواہی اور ممنوعات اس کے داعی ومتقاضی چار ہیں جو ممنوعات کی طرف دعوت دیتے ہیں، انسان کا نفس، اسکا شیطان، اس کی خواہش، اس کی دنیا لہٰذا وہ ممنوعات کو ترک نہیں کرسکتا جب تک کہ وہ ان چاروں سے جہاد نہ کرے، اور یہی نفوس وغیرہ پر سب سے زیادہ شاق ہے بنسبت دوسری چیزوں کے!

نیز یہ حضرات فرماتے ہیں کہ نواہی اور ممنوعات یہ نفس کو اس کی مرغوب اشیاء اور اسکی لذتوں سے پرہیز کرانے کے باب سے ہے اور جب کہ ان لذتوں کے حاصل کرنے کا محرک اور داعی بھی موجود ہو اور وہ قوی بھی ہو، اس کے باوجود پرہیز کرانا یہ مشکل اور شاق امور میں سے ہے اسی وجہ سے قربانِ نہی کا مکمل سد باب کیا گیا ہے، اور اوامر تو مستطیع اپنی استطاعت کے مطابق اس کو ادا کرے جیسے کہ آپ ﷺ نے اس کو اپنے قول ﴿اِذَا اَمَرْتُكُمْ بِاَمْرٍ فَأْتُوا مِنْهُ مَا اسْتَطَعْتُمْ وَمَا نَهَيْتُكُمْ عَنْهُ فَاجْتَنِبُوْهُ﴾ میں ذکر فرمایا ہے، بس یہ دلالت کرتا ہے اس بات پر کہ منہیات کا دروازہ یہ مامورات کے دروازے سے زیادہ تنگ ہے اور منہیات میں سے کسی کے بھی ارتکاب میں

رخصت نہیں دی گئی ہے جیسے کہ عجز وعذر کے وقت بعض مامورات کے ترک کی اجازت دی گئی ہے، یہ حضرات فرماتے ہیں کہ اسی وجہ سے حدود وقصاص وغیرہ میں سزائیں عامۃً منہیات کے ارتکاب پر ہے برخلاف مامورات کے ترک کے! اس پر اللہ نے کوئی معین حد مرتب نہیں فرمائی! مامورات میں بڑا مرتبہ نماز کا ہے اور علماء کا اس بات میں اختلاف ہے کہ کیا تارک صلوۃ پر حد ہے یا نہیں؟ بس یہ کچھ دلائل ہے جس سے جماعت اولی استدلال کرتی ہیں۔

اور جماعت ثانیہ کہتی ہے کہ مامورات کی ادائیگی پر صبر کرنا یہ منہیات کے ترک پر صبر کرنے سے افضل اور زیادہ قابل عظمت ہے! اس لئے کہ مامورات کی ادائیگی اللہ تعالیٰ کو منہیات کے ترک سے زیادہ محبوب ہے، اور دونوں میں سے جو اللہ کو محبوب ہوگا اس پر صبر کرنا یہ اعلی وافضل ہوگا اور اس کی چند وجوہ ہے۔

پہلی وجہ:۔ یہ ہے کہ مامورات کی ادائیگی یہ مقصود لذاتہ ہے اور وہ مقاصدِ شرع میں سے ایک مشروع امر ہے اس لئے کہ اللہ کی معرفت، اسکی توحید، اس ایک اللہ کی عبادت، اسکی طرف رجوع وانابت، اسی پر توکل واعتماد، اور اسی کے لئے اخلاص واعمال، اسی کی محبت ورضا، اور اسی کی خدمت میں قیام ودوام یہی غایتِ مقصود ہے جس کے لئے مخلوق کو پیدا کیا ہے اور جسکی وجہ سے امر ثابت ہے اور یہی مقصود لنفسہ ہے اور منہیات وممنوعات تو اس سے صرف اس لئے روکا گیا ہے کہ وہ مامورات میں رکاوٹ ہوتے ہیں یا یہ کہ وہ (منہیات) مامورات سے غافل کردیتے ہیں یا مامورات کی کمالِ ادائیگی کو فوت کردیتے ہے، اسی وجہ سے نہی میں منہیات کے درجات ومراتب ان کا مامورات سے مانع ہونے اور مامورات سے غافل کردینے اور اس کے کمالِ ادائیگی کو فوت کردینے کے اعتبار سے ہے تو وہ منہیات مقصود لغیرہٖ ہوئے اور مامورات مقصود لذاتہ ہوئے، لہٰذا شراب وقمار جو اللہ کے ذکر سے، نماز سے اور اس مودت ومحبت سے جو اللہ نے اپنے بندوں کے مابین رکھی ہے اس سے مانع نہ ہوتے تو اللہ اسکو حرام نہ کرتے؟ اور اسی طرح وہ شراب جو بندے اور اسکی عقل کے درمیان جو عقل اللہ کی معرفت حاصل کرنے کا ذریعہ ہے اور جو بندہ اللہ کی عبادت کرتا ہے اور اللہ کی حمد وثناء کرتا ہے اور اس کے لئے نماز پڑھتا ہے اور سجدہ کرتا ہے اگر حائل نہ ہوتی تو اللہ اسکو حرام نہ کرتے؟ اور اسی طرح وہ تمام چیزیں جس کو اللہ نے حرام کیا ہے صرف اسی لئے حرام کیا ہے کہ وہ ان مذکورہ چیزوں سے مانع ہے جو اللہ کے محبوب ہے اور جس سے اللہ راضی ہوتے ہیں اور اس لئے کہ ممنوعات بندے اور اس کے کمال کے مابین حائل ہوجاتے ہیں۔

دوسری وجہ:۔ یہ ہے کہ ماموررات یہ اللہ کی معرفت،توحید،عبادت،ذکر،شکر،محبت،اوراس پر توکل اوراس کی طرف انابت ورجوع کے ساتھ متعلق ہے،لہٰذا ماموررات کا متعلّق اللہ رب العزت کی ذات وصفات اوراس کے اسماءِ حسنی ہیں،اورمنہیات وممنوعات کا متعلّق عینِ اشیاءِ ممنوعہ ہیں اوران دونوں کے مابین فرق اظہر من الشّمس ہے۔

تیسری وجہ:۔ یہ ہے کہ بندے کے لئے ماموررات کی ادائیگی کی حاجت وضرورت ترکِ محذورات کی حاجت وضرورت سے زیادہ عظیم واعلی ہے،اس لئے کہ اپنے رب کی معرفت اوراس کی توحیداوراسی کے لئے عمل واخلاص اورعبادت اورمحبت واطاعت میں اس کی وحدانیت کی جتنی زیادہ اور جتنی سخت ضرورت ہے اس سے زیادہ کسی اور چیز کی ضرورت نہیں، نیز بندے کوان چیزوں کی ضرورت اپنی ذات کی ضرورت سے زیادہ عظیم ہونی چاہیئے !اور بندے کونفس وحیات کی ضرورت بدن کو قائم رکھنے والی غذاء کی ضرورت سے زیادہ عظیم ہونی چاہیئے بلکہ یہ (اللہ کی معرفت وتوحیدوغیرہ)اس کے قلب وروح کے لئے ایسا ہی ہے جیسے بدن کے لئے حیات وغذاء اوروہ اپنے قلب وروح کی وجہ سے ہی انسان ہے نہ کہ اپنے جسم اورڈھانچہ کی وجہ سے جیسے کہ کہا گیا ہے۔

يَـاخَـادِمَ الـجِسْمِ كَـمْ تَشْـقَـىٰ بِخِدْمَتِـهِ	فَـأَنْـتَ بِـالْـقَـلْـبِ لَا بِـالْـجِسْمِ اِنْسَانٌ
اے جسم کے خادم اس کی خدمت سے کتنا شقی وبدبخت	بنے گا تو تو قلب کی وجہ سے انسان ہے نہ کی جسم کی وجہ سے

اورمنہیات کوترک کرنا تواس کی مشروعیت اسی امر کی تحصیل کے لئے ہے جو بندے کے لئے ضروری ہے جس کا بندہ زیادہ محتاج ہے۔

چوتھی وجہ:۔ یہ ہے کہ ترکِ منہیات یہ مروت وپرہیز کے باب سے ہے اورماموررات کی ادائیگی اس قوت وغذا کی حفاظت کے باب سے ہے جس کے بغیر جسم قائم نہیں رہ سکتا،اوراسی سے حیات حاصل ہوتی ہے،اورتحقیق کہ انسان اس ترک مروت وعدم پرہیز کے باوجود زندہ رہ سکتا ہے اگرچہ اس کا بدن سخت مریض ہو،اورانسان اس قوت وغذا کے بغیر جوجسم کی حفاظت کرتے ہیں زندہ نہیں رہ سکتا بس یہی ممنوعات وماموررات کی مثال ہے۔

پانچوی وجہ:۔ یہ ہے کہ سب کے سب گناہ انہی دو اصل کی طرف راجع ہوتے ہیں، اوّل ترکِ مامور، دوم فعلِ محذور، اگر بندے نے اوّل سے آخر تک سب کے سب گناہ کئے حتی کہ اس نے ایک مامور جو ذرّہ کے برابر اور ادنی ایمان ہے اس کو ادا کرلیا تو وہ اس کی وجہ سے جہنم میں ہمیشہ رہنے سے نجات پائیگا، اور اگر اس نے سب گناہ ترک کردئے اور اس نے ایک مامور جو ایمان ہے ادا نہیں کیا تو وہ ہمیشہ کے لئے جہنم میں ہوگا تو بندہ کی طرف سے ایک ذرّہ کے برابر موجود چیز یہی (مامور) ہے کہ اس کو جہنم سے خارج کردیا باوجودیکہ ممنوعات اس کی جانب سے پہاڑ کے وزن کے برابر کئی زیادہ پائے گئے تو اسکے لئے جہنم میں ہیشگی کا فیصلہ نہیں کیا گیا اس مامور کے پائے جانے کی وجہ سے یا اس کی جانب سے ادنی (ایمان) مامور بہ پائے جانے کی وجہ سے۔

چھٹی وجہ:۔ یہ ہے کہ تمام کے تمام محذورات (گناہ) اول سے آخر تک صرف ایک مامور ''توبہ'' سے ساقط ہوجاتے ہیں اور سب کے سب مامورات سواء شرک اور شرک پر موت کے کوئی معصیت ان کو ساقط نہیں کرتی، اور امت کا اس بات میں کوئی اختلاف نہیں کہ سب گناہ توبہ سے معاف وساقط ہوجاتے ہیں، اور اس میں اختلاف ہے کہ کیا اطاعت وثواب معصیت وگناہ سے ساقط ہوتے ہیں یا نہیں؟ اور یہ مسئلہ مختلف فیہ ہے اور یہ مقام تفصیل کا حامل نہیں۔

ساتویں وجہ:۔ یہ ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام کا گناہ فعل ممنوع کی وجہ سے تھا لہٰذا ان کا انجام یہ ہوا کہ انکے رب نے ان کو مقرب بنالیا ان پر توجہ فرمائی ان کی رہنمائی فرمائی! اور شیطان کا گناہ ترک مامور کی وجہ سے تھا تو اس کا انجام وہ ہوا جو اللہ نے ذکر کیا ہے اور اس کو قیامت تک کے لئے آدم کی اولاد وذرّیت کے لئے عبرت بنادیا۔

آٹھویں وجہ:۔ یہ ہے کہ مامورات اللہ کو محبوب ہے اور منہیات اللہ کو مبغوض ہے، اور اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے اس کو مقدر ومتعین کردیا ہے اس لئے کہ وہ بندے کے لئے محبت کے حصول کا ذریعہ ہے، اور خود اللہ کے لئے محبت کے حصول کا بھی ذریعہ ہے، بندے کے لئے محبت کے حصول کا ذریعہ وہ توبہ، استغفار، عاجزی، انکساری، وغیرہ کرے اور اللہ کے لئے محبت کے حصول کا ذریعہ تو وہ یہ ہے کہ وہ بندے کی توبہ کو قبول کرے، مغفرت فرمادے، اس

کومعاف کردے، معافی اورحلم کا معاملہ فرماوے اپنے حق سے تجاوز فرماوے وغیرہ، اوراس کے علاوہ بہت سی چیزیں ہیں جس کا حصول اللہ کواس کے فوت ہونے کے بنسبت زیادہ محبوب ہے مبغوض کے غیر مقدر ہونے کے وقت اور چونکہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے مبغوض چیزوں کو مقدر کردیا ہے کیونکہ وہی (مکروہ) اس چیز کا وسیلہ ہے جواسکو پسند ہے، تو معلوم ہوا کہ وہ محبوب وہی مقصود وغرض ہے، لہٰذا اس محبوب کا فوت ہونا اس مبغوض کے حصول سے زیادہ اللہ کو مبغوض وناپسند ہے بلکہ اس کے مبغوض کے حصول پر کسی طرح محبوب مرتب ہوجاتا ہے تو مبغوض بھی مقصود بن جاتا ہے گویا کہ اس کا مکروہ اور منہی عنہ ہونا اسی لئے ہوتا ہے، اور محبوب (مامورات) تو اللہ کے مقاصد میں سے ایک مراد ہے جیسے کہ پہلے گذرا بس اللہ تعالیٰ نے مخلوق کو اپنی محبت و مامورات کے لئے اور صرف اپنی عبادت کے لئے ہی پیدا کیا ہے، جیسے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْن﴾ اور اللہ نے مکروہات وممنوعات کواسی مقصد کی تکمیل کے لئے مقدر فرمایا ہے جس مقصد کے لئے مخلوق کی تخلیق ہوئی ہے، لہٰذا مکروہات وممنوعات کی تقدیر کے بغیر وہ چیز (توبہ وغیرہ) حاصل نہیں ہوگی جو مامورات میں سے اس پر مرتب ہوتی ہے، جیسے کہ جہاد اللہ کو محبوب عمل ہے اوراس کے لئے دوستی کراتا ہے اور دشمنی کراتا ہے! اگر اللہ کوان مامورات سے محبت نہ ہوتی تو مکروہ کو مقدر نہ کرتے جوان مامورات کے حصول کا ذریعہ ہے۔

نویں وجہ:۔ یہ ہے کہ ترکِ ممنوع یہ قربت وعبادت اس وقت تک نہیں ہوسکتا جب تک کہ اسکے ساتھ کسی فعلِ مامور کی ادائیگی نہ ہو، لہٰذا بندے نے سب کے سب ممنوعات کوترک کردیا تو اللہ اس کواس پر کوئی ثواب عطا نہیں کریگا جب تک کہ اس کے ساتھ مامور (ایمان) ملا ہوا نہ ہو اسی طرح مومن کہ اس کا ترکِ ممنوع اس وقت تک قربت وعبادت نہیں ہوگا جب تک کہ اسکے ساتھ مامورنیت ملی ہوئی نہ ہو بایں طور کہ اس نے اس کو صرف اللہ کے لئے ہی ترک کیا ہو! لہٰذا ترک ممنوع یہ ایسی عبادت بننے کے لئے جس پر ثواب مرتب ہوتا ہے فعل مامور کا محتاج ہے، اور فعل مامور ایسی عبادت بننے کے لئے کسی بھی ترک ممنوع کا محتاج نہیں اور اگر کوئی فعلِ مامور عبادت بننے کے لئے ترک ممنوع کا محتاج ہوتا تو اللہ اس شخص کی عبادت کو کبھی قبول نہ کرتا جو ہمیشہ گناہ ونافرمانی کرتا ہے! حالانکہ یہ باطل اور غلط ہے (یعنی اللہ تعالیٰ عاصی کی بھی عبادت قبول کرتا ہے)۔

دسویں وجہ:۔ یہ ہے کہ نواہی وممنوعات تو مطلوب اس کا عدم ہے اور مامورات تو مطلوب اس کا وجود

ہے غرض کہ اس کا وجوداور اسکا عدم مقصود ہے، تو اگر ان دونوں (ماموراتومنہیات) کا عدم فرض کرلیں یا دونوں کا وجود فرض کرلیں تو ان دونوں کا وجود ان کے عدم سے بہتر ہے، اس لئے کہ جب مامورات معدوم ہوتو منہیات کا عدم اس کو کچھ نافع نہیں اور جب مامورات موجود ہو (اور منہیات بھی) تو اس (وجود مامور) سے دفع ممنوع پر یا اثر ممنوع کے دفع پر مدد حاصل کی جاسکتی ہے، لہٰذا قوت ومرض کا وجود یہ حیات ومرض کے عدم سے بہتر ہے۔

گیارہویں وجہ:۔ باب مامور تو ایک مامور کی ادائیگی پر دس نیکی سات سونیکی تک بلکہ اس سے کئی زیادہ نیکی ملتی ہے، اور باب نواہی تو اس میں ایک سیئہ پر اسی کے برابر سزا ہوگی اور ایسی برائی بھی درپئے زوال ہوتی ہے توبہ واستغفار کے ذریعہ !اورنیکی کے ذریعہ گناہ زائل ہوجاتا ہے، اور تکالیف ومصائب یہ بھی گناہ کو مٹانے والے ہیں اور مومنین کے لئے ملائکہ کا استغفار اور بعض مومنین کا بعض کے لئے استغفار (یہ بھی گناہ کو مٹانے والے ہیں)اور یہ بھی دلیل ہے اس بات پر کہ مامورات کا وجود اللہ کو نواہی کے عدم سے زیادہ محبوب ہے۔

بارہویں وجہ:۔ یہ ہے کہ باب منہیات تو اللہ تعالیٰ اس کو مٹادیتے ہیں، اور اس کے اثر کو خود بندے وغیرہ ہی کے چند افعال سے ختم کردیتے ہیں، لہٰذا اللہ اس (گناہ، اثرِ گناہ) کو توبۂ نصوحہ سے، استغفار سے اور اس نیکی سے جو گناہ کو مٹانے والی ہے اور ان تکالیف ومصائب سے جو مکفّر ہیں اور ملائکہ کے استغفار سے اور دیگر مؤمنین کی دعا سے ختم کردیتے ہیں یہ چھ چیزیں تو اس کی حیات وزندگی کی حالت میں (مکفرات الذنوب) ہیں اور موت کی سختی سے اور اس (موت) کے غم وپریشانی سے اور اس پر موت کے طاری ہونے سے (اللہ اس کے گناہ، اثر گناہ کو ختم کردیتے ہیں)اور یہ چیزیں دنیا سے فراق وجدائیگی کے وقت (مکفرات الذنوب) ہیں اور قبر میں منکرنکیر کے آمد کی دہشت ورعب سے اور قبر کا اس کو دبانے اور تنگ کرنے سے اور محشر کی شدت اور اسکی تھکان اور سختی سے اور شفارش کرنے والوں کی شفارش سے اور ارحم الراحمین کا اس پر رحم کرنے سے (گناہ اور اثر گناہ کو اللہ ختم کردیتا ہے) پھر اگر بندہ ان (مکفرات الذنوب) سے بھی بے بس ومحروم ہوتو پھر اسکے لئے جہنم ضروری ہے، اور اس کو اپنے (گناہ کے) میل وخبث کے بقدر اس میں رہنا ہوگا، اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے سواء پاک لوگوں کے سب پر جنت کو حرام کردیا ہے لہٰذا جب تک اس میں گناہ کا میل وخبث ہوگا وہ پاک ہونے کی بھٹی میں رہے گا یہاں تک کہ وہ اس میل سے پاک ہوجائے، اور بابِ مامورات تو اس کو سواءِ شرک کے اسکو کوئی باطل اور ختم نہیں کرسکتا۔

تیرہویں وجہ:۔ یہ ہے کہ ماموارت کا بدلہ وصلہ ثواب ہے جو احسان و فضل کے باب سے ہے، اور منہیات کا بدلہ سزا و عقوبت ہے جو غضب و عدل کے باب سے ہے! اور اللہ کی رحمت اسکے غضب پر غالب ہے لہٰذا وہ چیز (مامورات) جو رحمت و فضل کے ساتھ متعلّق ہو وہ اللہ کو ان چیزوں سے جو غضب وعدل سے متعلِق ہو زیادہ محبوب و پسندیدہ ہوگی اور اسی چیز کا چھوڑ دینا جو رحمت سے متعلق ہے یہ اس چیز کے کر لینے سے جو غضب کے ساتھ متعلق ہے اللہ کو زیادہ مبغوض و ناپسندیدہ ہوگا۔

چودہویں وجہ:۔ یہ ہے کہ بابِ منہیّات تو اسکے ہزاروں ممنوع صرف ایک مامور سے ساقط ہو جاتے ہیں اور باب مامور تو ایک مامور ہزاروں منہیات سے بھی ساقط نہیں ہوتا۔

پندرہویں وجہ:۔ یہ ہے کہ مامورات کا متعلّق فعل ہے اور وہ صفت کمال ہے بلکہ مخلوق کا کمال اس کے افعال میں ہے، اس لئے کہ مخلوق نے کیا تو وہ کامل ہوگا اور نہی کا متعلّق ترک ہے اور ترک شئے معدوم ہے اور وہ اس حیثیت سے وہ کسی طرح کمال نہیں ہوگا، اس لئے کہ عدم محض بالکل کمال نہیں، اور وہ کمال اسی وقت ہوگا جب کہ کوئی فعل وجودی اس کو متضمن و مشتمل ہو جو کمال کا سبب ہے، ورنہ تو صرف ترک کرنا جو عدم محض ہے وہ کمال یا سببِ کمال بنے یہ کبھی نہیں ہوسکتا!۔

اس کی مثال یہ ہے کہ اگر کوئی شخص بت و صنم کو سجدہ کرنا ترک کردے تو یہ محض ترک کرنا یہ کوئی کمال نہیں جب تک کہ وہ اللہ کو سجدہ نہ کرے، اسی طرح اگر وہ اللہ کو اور بت دونوں کو سجدہ نہ کرے تو یہ بھی کوئی کمال نہیں، اسی طرح اگر وہ رسول کی تکذیب نہ کرے اور ان سے عداوت و دشمنی کو ترک کردے تو وہ اس کی وجہ سے مومن نہیں ہوگا جب تک کہ وہ اسکی ضد کو نہ کرے یعنی رسول کی تصدیق و محبت اور ان سے دوستی اور ان کی اطاعت! تو معلوم ہوا کہ سب کا سب کمال مامورات کی ادائیگی میں ہے، اور منہیات و ممنوعات جب تک اسکے ساتھ کوئی فعل مامور متصل نہ ہوگا نہ وہ کسی چیز کا فائدہ دیگا اور نہ وہ کمال ہوگا، اس لئے کہ اگر کوئی شخص رسول سے یہ کہے کہ ” لَا اُصَدِّقُكَ وَلَا اُكَذِّبُكَ “ (نہ میں آپ کی تصدیق کرتا ہوں اور نہ تکذیب کرتا ہوں) تو وہ کافر ہوگا اور رسول کی عداوت کو ان کی تکذیب کو ان سے لڑائی کو ترک کرنے سے وہ مومن نہیں ہوگا جب تک کہ اس کے ساتھ اس فعلِ وجودی کو نہ کرے جس کا حکم دیا گیا ہے۔

سولہویں وجہ:۔ یہ ہے کہ جب ماموارت کو کما حقہ ادا کرتا ہے تو وہ نواہی کو بالضرور ترک کردیتا ہے تو مقصود تو ماموارت کی ادائیگی ہے اور ماموارت کی کما حقہ ادائیگی کے ساتھ فعل نہی ممتنع و دشوار ہو جاتا ہے، کیونکہ منھی عنہ درحقیقت مامور کو اضاعت اور ضائع کرنے کے لئے پیش کرنا ہے، اس لئے کہ جب بندہ عدل وعفت کا مظاہرہ کرتا ہے جس کا اس کو حکم دیا گیا ہے تو وہ اس (عدل وعفت) کی وجہ سے ظلم و بے حیائی سے بچ جاتا ہے، لہذا نفسِ عدل یہ ترک ظلم کو اور نفسِ عفت یہ ترک بے حیائی کو متضمن و شامل ہے، لہذا ماموارت کی ادائیگی میں تبعاً وضمناً ترک نواہی داخل ہے، اوراس کا برعکس اس طرح نہیں ہے، اس لئے کہ ترک ممنوع یہ فعل مامور کو متضمن نہیں، بلکہ بندہ دونوں کا ایک ساتھ تارک ہوگا، تو معلوم ہوا کہ اصل ماموارت کی کما حقہ ادائیگی ہے اور اس کے ساتھ نواہی کا ارتکاب یقیناً ناممکن ہے اور ترک ممنوعات وہ ماموارت کی ادائیگی کو مستلزم نہیں۔

سترہویں وجہ:۔ یہ ہے کہ جب اللہ نے اپنے کسی بندے کو کسی فعل کا حکم دیا ہے اور کسی فعل سے روکا ہے، تو اگر بندہ نے دونوں کام کئے (کرنے کا کام بھی کیا اور نہ کرنے کا کام کیا) تو اسنے اللہ کی محبت وغصہ دونوں چیز کو حاصل کیا، لیکن کبھی بندہ کسی محبوب چیز کو مقدم کرتا ہے تو وہ اللہ کی ناراضگی وغصہ کے شر کو دفع کر دیتا ہے اور خاص کر اس وقت جب کہ اللہ کو اس کا فعلِ محبوب اسکے ترک ممنوع سے زیادہ پسندیدہ اور محبوب ہو تو اللہ اسکی جنایت وقصور کو اسکے فعل اطاعت کی وجہ سے معاف کردیتا ہے اور اللہ اسکے دیگر اعمال سے بھی تجاوز کرتا ہے اور مشاہدات میں اسکی نظیر یہ ہے کہ کوئی شخص بادشاہ کے ایسے دشمن کو قتل کردے جس کے قتل کا خود بادشاہ حریص اور خواہش مند ہو اور وہ (قاتل) شخص شراب بھی پیتا ہو جس سے بادشاہ نے منع کیا ہے تو بادشاہ اس کی اس چھوٹی سے لغزش کو نظر انداز کردیگا بلکہ اس جیسی دیگر لغزشوں کو بھی معاف کردیگا اس محبوب فعل کی وجہ سے جو اس نے کیا ہے اور اگر بندہ اللہ کے محبوب (فعل امر) کو ترک کردے اور فعل مبغوض کو بھی ترک کردے تو اس کا اللہ کی مبغوض چیز کو ترک کردینا اللہ کی محبوب چیز کو ترک کردینے کی تلافی نہیں کر سکے گا جیسا کہ بادشاہ اپنے غلام کو دشمن کے قتل کا حکم دے اور اس کو شراب پینے سے منع کرے پھر وہ غلام اس دشمن پر قدرت ہونے کے باوجود اسکو قتل نہ کرکے بادشاہ کی نافرمانی کرے اور شراب کو بھی نہ پیئے تو بادشاہ اسکے اس جرم کو جو اس نے ترک فعل (قتل) سے کیا ہے اس کو کبھی معاف نہیں کریگا، اس ممنوع کے صلہ میں جس سے وہ بچا ہے اور تحقیق کے اللہ تعالیٰ

نے اپنے بندوں کواسی فطرت پر پیدا کیا ہے اسی طرح سادات (امراء) اپنے غلاموں کے ساتھ، باپ اپنی اولاد کے ساتھ، بادشاہ اپنے لشکر کے ساتھ، اورشوہر اپنی بیوی کے ساتھ کرتا لہٰذا محبوب ومبغوض کوترک کرنے والا محبوب ومبغوض کوادا کرنے والے کی طرح نہیں ہوسکتا۔

اٹھارویں وجہ:۔ یہ ہے کہ اللہ کی محبوب چیزوں (ماموارت) کوادا کرنے والے سے یہ محال ہے کہ وہ تمام ممنوعات کا ارتکاب کرے، بلکہ مکروہات میں سے اتنی مقدار تو ترک کرہی دیگا جتنی مقدار میں وہ محبوب ادا کرتا ہے، لہٰذا تمام مکروہات کا ارتکاب ناممکن ہے وہ محبوبات کواور کچھ مبغوض کوادا کرتا ہوگا! خلاصہ یہ ہے کہ دوامر جمع ہو گئے کہ من وجہٍ اللہ اس سے محبت کرتے ہیں، اورمن وجہٍ اس سے ناراض ہے، اورجب وہ تمام ماموارت کوترک کردیگا تو اس کے پاس کوئی ایسی چیز نہیں کہ رب اس سے محبت کرے! اس لئے کہ محض ترک ممنوعات یہ اطاعت وعبادت نہیں ہوسکتی مگراس وقت جب کہ اس کے ساتھ کوئی مامور متصل ہو جیسے کہ پہلے گذر چکا! تو اللہ تعالیٰ محض ترک ممنوعات پر محبت نہیں کرتے بلکہ مامور کی مخالفت کی وجہ سے اللہ اسکو ناپسند ومبغوض رکھتے ہیں، تو یہ بندہ ہرطرح سے اللہ کا مبغوض وناپسندیدہ بن گیا، اس لئے کہ اس میں کوئی چیز ایسی نہیں جس پر اللہ اس سے محبت کرے۔

انیسویں وجہ:۔ یہ ہے کہ اللہ کی محبت صرف امر وجودی کے ساتھ متعلق ہے چاہے بطور وجوب ہو یا استحباب ہواوراس محبت کوترک کے ساتھ بحیثیت ترک متعلق نہیں کیا اور نہ کسی بھی جگہ میں! لہٰذا اللہ تعالیٰ توابین سے محبت کرتے ہیں، محسنین سے محبت کرتے ہیں، شاکرین سے محبت کرتے ہیں، صابرین سے محبت کرتے ہیں، طاہرین سے محبت کرتے ہیں، اوران لوگوں سے محبت کرتے ہیں جواس کی راہ میں لوہے کی دیوار کی طرح صف آراستہ ہوکر قتال کرتے ہیں، متقین سے محبت کرتے ہیں، ذاکرین سے محبت کرتے ہیں، صادقین سے محبت کرتے ہیں، تو اللہ تعالیٰ نے اپنی محبت کواوامر کے ساتھ معلق رکھا ہے اس لئے کہ وہی امر وخلق سے مقصود ہے جیسے کہ اللہ نے فرمایا:﴿وَمَا خَلَقۡتُ الۡجِنَّ وَالۡاِنۡسَ اِلَّا لِيَعۡبُدُوۡنِ﴾ لہٰذا اللہ نے مخلوق کواوامر کے قیام وادا کے لئے پیدا کیا ہے اوران کوصرف انہی کاموں سے روکا ہے جوان اوامر کی ادائیگی سے مانع اورحائل ہے۔

بیسویں وجہ:۔اگرمنہیات مامورات سے باز نہ رکھتے اور کماحقہٗ ادا کرنے سے جیسا کہ اللہ کا امر ہے مانع نہ ہوتے تو ان منہیات اور ممنوعات سے نہی اور روکنے کا کوئی معنی ہی نہیں ہوتا ، بلا شبہ ان منہیات سے اسی لئے روکا گیا ہے کہ یہ اوامر کی ضد ہے اوران کے لئے رکاوٹ و مانع ہے لہٰذا ممنوعات سے نہی یہ مامورات کے تکملہ اور تتمہ کے باب سے ہے، لہٰذا ممنوعات سے نہی یہ پانی کی نالیوں کی صفائی کے درجہ میں ہے تا کہ پانی اپنی نالیوں سے بلا رکاوٹ بہتا رہے، اوراوامر اس پانی کی طرح ہے جو حیات شہر یا حیات عبد کی نہر میں چھوڑا گیا ہو اورنواہی پانی کی نالیوں اورراستوں کی صفائی کی طرح ہے جو ان چیزوں کی صفائی کے لئے ہے جو پانی کے بہاؤ کے لئے رکاوٹ و مانع ہے، اوراوامر قوت وحیات کے منزلہ میں ہے اورنواہی قوت کے لئے محافظ اور بیماری سے پرہیز اوراوامر کے خادم کے درجہ میں ہے۔

لہٰذا جماعت ثانیہ فرماتی ہے کہ جب یہ بات واضح اورروشن ہوگئی کہ فعل مامور افضل ہے،تو فعل مامور پر صبر کرنا یہ بھی صبر کی تمام قسموں سے افضل ہوگا،اوراس کی وجہ سے بندہ پر ممنوعات سے بچنے پر صبر کرنا اور تقدیر پر صبر کرنا بھی آسان وسہل ہوجائیگا کیونکہ صبر اعلیٰ یہ صبر ادنیٰ کو متضمن وشامل ہوتا ہے اس کا برعکس نہیں ہوتا،اور تجھے معلوم ہوگیا کہ تینوں قسمیں لازم ملزوم ہے اور یہ کہ ان میں سے ہر قسم دوسری قسموں کے لئے معین و مددگار ہوتی ہے اور یقیناً بعض شخص تو وہ ہونگے جن کو تقدیر پر قوّتِ صبر حاصل ہوگی تو جب امرونہی پیش آئیں گے تو وہاں اس کی قوتِ صبر ضعیف ہوگی اور بعض وہ ہیں جو اس میں برعکس ہے اور بعض وہ ہیں کہ ان کی قوتِ صبر جانبِ اوامر میں قوی ہے اور بعض اس سے برعکس ہے۔.....

واللہ اعلم۔

﴿دسواں باب﴾

صبر کا محمود و مذموم ہونے کے اعتبار سے تقسیم

صبرِ مذموم یہ ہے کہ (بندے کا) اللہ سے اور اس کو اپنا مطلوب بنانے سے، اس کی محبت سے، اس سے دل لگانے سے اپنے آپ کو باز رکھنے پر صبر کرنا، اس لئے کہ یہ صبر (اعراض کرنا) بالکلیہ کمالِ عبدیت کو معطل کرنے کو و مقصدِ تخلیق کے فوت کرنے کو متضمن ہے، اور یہ گویا کہ سب سے زیادہ قبیح صبر ہے، لہٰذا یہ انتہائی قبیح اور بھاری صبر ہے، اس لئے کہ کوئی صبر اس صبر سے بلیغ نہیں جو خود کو اس ذات (اللہ) کی محبت سے باز رکھتا ہو جس کے بغیر یقیناً حیات و زندگی نہیں جیسے کہ کوئی بے رغبت شخص اللہ کی ان نعمتوں میں جو اس نے اپنے دوستوں کے واسطے تیار کر رکھی ہے جس کو نہ آنکھ نے دیکھا اور نہ کان نے سنا اور نہ کسی دل پر خیال گذرا بے رغبتی اور زہد اختیار کرے تو اس سے بڑھ کر بھی کوئی زہد (بے رغبتی نہیں ہے) جیسے کہ ایک شخص نے ایک زاہد سے کہا جس کو اسکے زہد پر تعجب تھا کہ میں نے آپ سے زیادہ زاہد کسی کو نہیں دیکھا تو اس نے کہا کہ تو مجھ سے زیادہ زاہد ہے کہ میں تو دنیا کی چیزوں میں زہد کرتا ہوں جو نہ باقی رہنے والی ہے اور نہ وفادار ہے اور تو تو آخرت کی چیزوں میں زہد کرتا ہے تو ہم میں سے کون بڑا زاہد ہے؟۔

یحییٰ بن معاذ رازیؒ فرماتے ہیں کہ محبین کا صبر زاہدین کے صبر سے زیادہ حیرت انگیز ہے، تعجب ہے وہ کیسے صبر کرتے ہونگے اور اسکے بارے میں کہا گیا ہے۔

اَلصَّبُرُ یُحۡمَدُ فِی الۡمَوَاطِنِ کُلِّهَا	اِلَّا عَلَیۡكَ فَاِنَّهٗ لَایُحۡمَدُ
صبر ہر مقام و محل میں محمود ہے	مگر تیرے خلاف صبر (جرأت) کرنا تو وہ محمود نہیں

ایک آدمی حضرت شبلیؒ کے پاس کھڑا تھا، اس نے کہا کہ صابرین پر کون سا صبر زیادہ شدید و سخت ہے؟ تو انہوں نے فرمایا: "**الصبر فی اللّٰہ**" (اللہ کی راہ میں صبر کرنا) تو اس نے کہا نہیں! تو حضرت شبلیؒ نے فرمایا: "**الصبر للّٰہ**" (اللہ کے لئے صبر کرنا) تو اس نے کہا نہیں! تو حضرت شبلیؒ نے فرمایا: "**الصبر مع اللہ**" (اللہ کے ساتھ صبر پر استقامت کرنا) تو اس نے کہا کہ نہیں! تو حضرت شبلیؒ نے فرمایا تو پھر کونسا صبر ہے؟ تو اس آدمی

نے کہا"الصبر عن الله" (اللہ کی محبت سے اعراض پر صبر کرنا) تو حضرت شبلی نے ایک چیخ ماری، قریب تھا کہ ان کی روح قبض ہو جاتی۔

اور بعض حضرات فرماتے ہیں کہ " الصبر مع الله وفاء "(اللہ کے ساتھ صبر کرنا وفاداری ہے) اور "الصبر عن الله جفاء " (اللہ سے اعراض کرنا دھوکہ بازی ہے) اور سب حضرات کا اس پر اجماع واتفاق ہے کہ " الصبر عن المحبوب" (محبوب سے اعراض کرنے پر صبر کرنا) غیر محمود یعنی مذموم ہے، پھر کیسے نہ ہو جب کہ بندے کا کمال اور اسکی فلاح اس (اللہ) کی محبت میں ہی ہے اور عاشقین ومحبین ہمیشہ ان محبت کرنے والوں کو جو اپنے محبوب سے اعراض کرنے پر صبر کرتے ہیں ان کو معیوب و مذموم قرار دیتے ہیں، جیسے کہ کہا گیا ہے۔

وَالصَّبْرُ عَنْكَ فَمَذْمُوْمٌ عَوَاقِبُهٗ　　وَالصَّبْرُ فِی سَائِرِ الْاَشْیَاءِ مَحْمُوْدٌ

تجھ سے اعراض کرنے پر صبر کرنا تو اس کا انجام　　بہت برا ہے اور ہر چیز میں صبر کرنا محمود ہے

اور دوسرا شاعر اپنے محبوب سے (اعراض) صبر کرنے کے بارے میں کہتا ہے۔

اِذَا لَعِبَ الرَّجُلُ بِکُلِّ شَیْئٍ　　رَاَیْتَ الْحُبَّ یَلْعَبُ بِالرِّجَالِ

جب لوگ ہر چیز کے ساتھ دل لگی اور لہو لعب کرتے ہوں تو　　تو محبت کو دیکھے گا وہ لوگوں سے دل لگی ولہولعب کرتی ہے

وَکَیْفَ الصَّبْرُ عَمَّنْ حَلَّ مِنِّی　　بِمَنْزِلَةِ الْیَمِیْنِ مَعَ الشِّمَالِ

اور میں کیسے اس سے (اعراض) صبر کروں جو مجھ میں حلول ہوگئی　　ہے جیسے دائیں ہاتھ (کی انگلیاں) بائیں ہاتھ (کی انگلیوں) میں

ایک شخص نے اپنے محبوب سے شکایت کی اپنی محبت کے بارے میں قساوت قلبی کی کہ اگر تو سچا ہوتا تو کیوں مجھ سے صبر (اعراض) کرتا۔

وَلَمَّا شَکَوْتَ الْحُبَّ قَالَتْ کَذَّبْتَنِی　　تَرَی الصَّبَّ عن مَحْبُوْبِهٖ کیف یَصْبِرُ

اور جب تو محبت سے شکوی کریگا تو وہ کہے گی تو نے مجھے جھٹلا دیا　　کہ تو عاشق کو دیکھ کہ اپنے محبوب سے کیسے صبر (اعراض) کرتا ہے

﴿فصل﴾

اور صبر محمود وہ دو قسم کا ہے "صبر لله" (اللہ کے لئے صبر کرنا) دوم "صبر با لله" (اللہ کی معیت سے صبر کرنا) اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿وَاصْبِرْ وَمَا صَبْرُكَ اِلَّا بِاللّٰهِ﴾ اور فرمایا: ﴿وَاصْبِرْ لِحُکْمِ رَبِّكَ فَاِنَّكَ بِاَعْیُنِنَا﴾۔

اور یہ مسئلہ بھی مختلف فیہ ہے کہ کونسا صبر کامل واکمل ہے، لہٰذا ایک جماعت کہتی ہے کہ "الصبر للہ" (اللہ کے لئے صبر کرنا) کامل واکمل ہے اس لئے کہ جو کام اللہ کے لئے کیا جائے وہ اللہ کی معیت سے کئے ہوئے کام سے اکمل ہے، اس لئے کہ جو کام اللہ کے لئے ہے وہی مقصود ہے، اور جو کام اللہ کی معیت سے کیا جائے تو وہ وسیلہ وذریعہ ہے، اور مقاصد وسائل سے اعلیٰ واشرف ہوتے ہیں اسی وجہ سے نذر کو پورا کرنا واجب ہے جب کہ وہ نذر قرب الٰہی اور حصول نیکی کے لئے ہو، اس لئے کہ وہ نذر اللہ کے لئے ہے اور وہ نذر جو یمین وقسم کے طور پر ہو تو اس کا پورا کرنا واجب نہیں، اس لئے کہ وہ حلف بالنذر ہے، لہٰذا جو چیز اللہ کے لئے ہو تو وہ اس کی الوہیت کے ساتھ متعلق ہے، اور جو اللہ کی معیت سے ہو تو وہ اس کی ربوبیت کے ساتھ متعلق ہے، اور جو چیز الوہیت کے ساتھ متعلق ہو وہ اس چیز سے جس کا تعلق ربوبیت سے ہو اشرف واعلی ہوتی ہے، اسی وجہ سے الوہیت کی وحدانیت کا اقرار وہی شرک سے خارج کرتا ہے نہ کہ محض ربوبیت کی وحدانیت کا اقرار! اس لئے کہ بت پرست اس بات کا اقرار تو کرتے تھے کہ اللہ ہی ہر چیز کو پیدا کرنے میں واحد ہے اور وہی رب ومالک ہے لیکن انہوں نے اسکی الوہیت کی وحدانیت کا اقرار نہ کیا اور وہ اسی وحدہ لاشریک لہ کی عبادت ہے تو انکو اس کی ربوبیت کے اقرارِ توحید نے کچھ نفع نہ دیا۔

اور جماعت ثانیہ کہتی ہے کہ "صبر باللہ" (اللہ کی معیت سے صبر کرنا) کامل واکمل ہے، بلکہ "صبر باللہ" کے بغیر تو "صبر للہ" بھی ممکن نہیں، اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿وَاصْبِرْ﴾ آپ صبر کیجئے تو اللہ تعالیٰ نے صبر کا حکم دیا تو مامور بہ وہی فعل ہوگا جو اس (اللہ) کے لئے کیا جاتا ہے پھر اللہ نے فرمایا: ﴿وَمَا صَبْرُكَ اِلَّا بِاللّٰهِ﴾ تو یہ جملہ خبریہ ہے جو اس جملہ انشائیہ کے علاوہ ہے جو ماقبل میں گذرا، جس جملہ خبریہ میں خبر دی ہے کہ صبر آپ کے لئے ممکن نہیں مگر اللہ کی معیت سے اور یہ دو باتوں کو متضمن ومشتمل ہے، اوّل استعانت باللہ، دوم معیت خاصہ، (خاص اللہ کی معیت) جس پر باء مصاحبت دلالت کرتا ہے جیسے کہ حدیث قدسی میں ہے ﴿بِیْ یَسْمَعُ بِیْ یُبْصِرُ بِیْ یَبْطِشُ بِیْ یَمْشِیْ﴾ اور یہ باء استعانت کا نہیں اس لئے کہ یہ امر اول مطیع وعاصی دونوں کو مشترک ہوگا، اس لئے کہ اللہ کی اعانت وتوفیق کے بغیر کوئی چیز نہیں ہوسکتی، بلکہ یہ باء مصاحبت ومعیت کا ہے جس کی وضاحت اللہ کے اس قول ﴿اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الصَّابِرِیْنَ﴾ میں ہے اور یہ وہ معیت ہے جو اللہ کے اس بندے کو

حاصل ہوتی ہے جونوافل کے ذریعہ اللہ کا تقرب حاصل کرتا ہے حتی کہ وہ اللہ کا محبوب ہو جاتا ہے، پھر اللہ اس کا کان بن جاتا ہے جس سے وہ سنتا ہے اللہ اس کی آنکھ بن جاتا ہے جس سے وہ دیکھتا ہے اسی طرح وہ اللہ کی معیت (کی وجہ سے) صبر کرتا ہے پھر اس کی ہر سکون و حرکت اور ہر سوچ و خیال میں اللہ اس کے ساتھ ہوتا ہے اور جو شخص ایسا ہو جائے تو پھر اللہ کے لئے صبر کرنا ممکن ہے، اور پھر وہ اللہ کے لئے ہی (اوامر کا) بوجھ اٹھاتا ہے جیسے کہ حدیث قدسی میں ہے ﴿ وَمَا يَتَحَمَّلُ الْمُتَحَمِّلُوْنَ مِنْ اَجَلِيْ ﴾ لہٰذا اللہ تعالیٰ کا قول ﴿ مَا صَبْرُكَ اِلَّا بِاللّٰهِ ﴾ اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ جس شخص کو اللہ تعالیٰ کی معیت خاص حاصل نہ ہو اس کے لئے صبر ممکن ہی نہیں، اور جس کے ساتھ اللہ نہ ہو تو وہ کیسے حکمِ امری پر صبر کرسکتا ہے چاہے اطاعت کے اعتبار سے ہو یا نافذ کرنے کے اعتبار سے ہو یا تبلیغ کے اعتبار سے ہو! اور وہ کس طرح حکمِ تقدیری پر صبر کریگا چاہے اس کے لئے قابلِ برداشت ہو یا نہ ہو، لہٰذا صبر محمود کے مرتبہ کی وہ شخص طمع اور خواہش نہ کرے جس کو "صبر باللہ" (صبر میں اللہ کی معیت) حاصل نہ ہو جیسے کہ محبوبیت کے تقرب کے مقام کی وہ شخص طمع و امید نہ کرے جس کا کان، آنکھ، ہاتھ، پاؤں اللہ کی معیت کے بغیر ہو، اور یہی مراد ہے اللہ کے قول ﴿ كُنْتُ سَمْعُهُ الَّذِيْ يَسْمَعُ بِهٖ وَبَصَرُهُ الَّذِيْ يَبْصُرُ بِهٖ وَيَدُهُ الَّتِيْ يَبْطِشُ بِهَا وَرِجْلُهُ الَّتِيْ يَمْشِيْ بِهَا ﴾ سے! یہ مراد نہیں کہ میں (اللہ) خود وہ اعضاء و جوارح ہوں جیسے کہ اللہ کہ دشمن اہل وحدۃ (فرقہ باطلہ) یہی گمان کرتے ہیں اور نہ یہ مراد ہے کہ بندے کی ذات وہی رب کی ذات ہے جیسے کہ نصاری کا قول ہے اور اللہ ایسی باتوں سے بلند تر ہے اگر ایسا ہی ہوتا جیسا کہ ان (فرقہ باطلہ) کا عقیدہ ہے تو پھر اس بندے میں اور دیگر بندوں میں کوئی فرق نہ ہوگا اور نوافل کے ذریعہ رب سے تقرب کی حالت اور معاصی کے ذریعہ ناراضگی کی حالت، ان دونوں حالتوں میں بھی کچھ فرق نہ ہوگا بلکہ یہاں متقرب و متقرب الیہ میں بھی فرق نہ ہوگا اور نہ عابد و معبود میں فرق ہوگا اور نہ محبّ و محبوب میں فرق ہوگا، لہٰذا پوری حدیث ان کے دعوۂ باطلہ کی تین طریقوں سے تردید و تکذیب کرتی ہے جو غور و فکر سے ظاہر ہے لہٰذا اللہ تعالیٰ کا قول ﴿ كُنْتُ سَمْعُهُ وَبَصَرُهُ وَيَدُهُ وَرِجْلُهُ ﴾ کے مراد کی تفسیر اس کے قول ﴿ بِيْ يَسْمَعُ وَبِيْ يَبْصُرُ وَبِيْ يَبْطِشُ وَبِيْ يَمْشِيْ ﴾ سے ہوتی ہے لہٰذا اللہ تعالیٰ نے اس مصاحبت و معیت کو جو اس (بندے) کو اللہ کی محبت کے ساتھ تقرب کے ذریعہ حاصل ہوتی ہے اس کو اپنی لطیف عبارت اور حسن عبارت سے تعبیر فرمایا جو مصاحبت

کی تاکید اور اسکے لزوم پر دلالت کرتی ہے، حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ اس بندے کے لئے بمنزلہ اس کے کان وآنکھ اور اس کے ہاتھ پیر ہو گئے ہیں۔

اور اس قول کی نظیر ﴿اَلْحَجَرُ الْاَسْوَدُ يَمِيْنُ اللّٰهِ فِيْ الْاَرْضِ فَمَنْ صَافَحَهٗ وَقَبَّلَهٗ فَكَاَنَّمَا صَافَحَ اللّٰهَ وَقَبَّلَ يَمِيْنَهٗ﴾ ہے۔

اور یہ طریقہ استعمال میں جائز ہے کہ خود کو اس شخص کے درجہ میں اتار لینا جس کے ساتھ مصاحبت ومقارنت ہو حتی کہ محبّ اپنے محبوب سے کہتا ہے کہ تو ہی میری روح ہے میرا کان ہے میری آنکھ ہے اور اس میں دو معنی ومطلب ہے اول یہ کہ وہ (محبّ) اس (محبوب) کا بمنزلہ اس کے روح وقلب اور اسکے کان وآنکھ کے ہو جائے دوم یہ ہے کہ اس (محبوب) کی محبت اور اسکا ذکر جب اس (محبّ) کے قلب وروح پر غالب ہو جاتا ہے تو وہ اس کا ساتھی اور اسکا جلیس ہو جاتا ہے جیسے کہ حدیث قدسی میں ہے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿اَنَا جَلِيْسُ مَنْ ذَكَرَنِيْ﴾ اور دوسری حدیث میں ہے ﴿اَنَا مَعَ عَبْدِيْ مَا ذَكَرَنِيْ وَتَحَرَّكَتْ بِيْ شَفَتَاهُ﴾ اور دوسری حدیث میں ہے ﴿فَاِذَا اَحْبَبْتُ عَبْدِيْ كُنْتُ لَهٗ سَمْعًا وَبَصَرًا وَيَدًا وَمُؤَيِّدًا﴾ اور اس معنی کو یہ عبارت اتم واحسن اور لطیف طریقہ سے ادا کرتی ہے اور اس عبارت کی وضاحت ان چیزوں میں سے ہے جو پوشیدگی اور کشیدگی کو بڑھاتی ہے، الغرض اللہ نے "صبر با للہ" کا ذکر کیا ہے اور یہ کہ بندے کو جتنی اللہ کی معیت حاصل ہوتی ہے اسی کے بقدر اسکا صبر ہوتا ہے اور جب بندے کو اللہ کی معیت حاصل ہوتی ہے تو وہ صبر کے ذریعہ ان اعمال کو انجام دیتا ہے جس کو انجام نہیں دے سکتا تھا، ابو علیؒ فرماتے ہیں کہ صابرین نے دارین کی عزت کو پالیا اس لئے کہ انہوں نے اللہ کی معیت کو حاصل کرلیا، اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الصَّابِرِيْنَ﴾۔

اور یہاں ایک عجیب وغریب راز ہے وہ یہ کہ جو شخص اللہ کی صفات میں سے کسی صفت کے ساتھ تعلق قائم کرلے تو وہ صفت اس میں داخل ہو جاتی ہے اور اس کو وہ وصف حاصل ہو جاتا ہے اور اللہ تعالیٰ صبور ہے، بلکہ کوئی بھی اس تکلیف پر اللہ سے زیادہ صابر نہیں جو اللہ کو پہونچتی ہے اور تحقیق کے کہا گیا ہے اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے حضرت داؤد علیہ السلام پر وحی فرمائی ﴿تَخَلَّقْ بِاَخْلَاقِيْ فَاِنَّ مِنْ اَخْلَاقِيْ اِنِّيْ اَنَا الصَّبُوْرُ﴾ اے داؤد میرے اخلاق کو اپنے اندر پیدا کر اور میرے اخلاق میں سے یہ ہے کہ میں صبور ہوں اور اللہ تعالیٰ اپنے اسماء وصفات کو

پسند کرتے ہیں اور اپنے صفات کے تقاضوں کو اور اس کے اثر کے ظہور کو بندے میں دیکھنا پسند کرتا ہے لہٰذا اللہ تعالیٰ جمیل ہے جمال کو پسند کرتے ہیں، اللہ تعالیٰ معاف کرنے والے ہیں معاف کرنے والے کو پسند کرتے ہیں، اللہ کریم ہے کرم (سخاوت) کرنے والے کو پسند کرتے ہیں، اللہ علیم ہے علماء کو پسند کرتے ہیں، اللہ وتر (یکتا) ہے وتر کو پسند فرماتے ہیں، اللہ قوی ہے وہ مؤمن قوی کو مؤمن ضعیف سے زیادہ پسند کرتے ہیں، اللہ صبور ہے صابرین کو پسند کرتے ہیں، اللہ شکور ہے شاکرین کو پسند کرتے ہیں اور جب اللہ تعالیٰ اپنی صفتوں سے آراستہ حضرات کو پسند فرماتے ہیں تو اللہ تعالیٰ انکے اتصاف کے بقدر ان کے ساتھ ہوتے ہیں یہی وہ معیت خاصہ ہے جس کو اپنے قول ﴿كُنْتُ لَهٗ سَمْعًا وَبَصَرًا وَيَدًا وَمُؤَيِّدًا﴾ سے تعبیر فرمایا ہے۔

﴿فصل﴾

اور بعض حضرات نے اقسامِ صبر میں ایک اور قسم کا اضافہ فرمایا ہے وہ ہے "الصبر مع الله" اور اسکو صبر کے سب اقسام میں اعلی وافضل شمار کیا ہے اور وہ فرماتے ہیں کہ وہی (الصبر مع الله) وفاداری ہے اور اگر (ان سے) اس صبر مع اللہ کے بارے میں پوچھا جائے تو مذکورہ تین قسموں کے علاوہ اس کی تفسیر ممکن نہیں ہے اور وہ تین قسم صبر علی التقدیر، صبر علی الاوامر، صبر علی النواہی ہے تو اگر وہ یہ تفسیر کرتے ہیں کہ صبر مع اللہ وہ اللہ کے احکام پر صبر کے ساتھ استقامت ہے جو ہر وقت اس پر کاربند ہے تو وہ ہر وقت اللہ کے ساتھ ہے نہ کہ اپنے ساتھ اور وہ اللہ کے ساتھ ہوتا ہے باعتبار محبت وموافقت کے تو یہ معنی وتفسیر حق وصحیح ہے لیکن اس صورت میں صبر کا مدار مذکورہ قسموں پر ہی رہتا ہے اور اگر وہ یہ تفسیر کرتے ہیں کہ صبر مع اللہ وہ صبر کی تمام قسموں کو جامع ہے تو یہ بھی درست وصحیح ہے لیکن وہ حضرات اسکو صبر کے اقسام میں سے ایک مستقل وعلیحدہ قسم قرار دیتے ہے جو صحیح ودرست نہیں۔

جان تو کہ اس صبر مع اللہ کی حقیقت یہ ہے کہ قلب ودل اللہ کی معیت میں استقامت کے ساتھ مستقیم وثابت رہے اور وہ (استقامت) یہ ہے کہ اللہ سے حیلہ بازی اور تدبیر اختیار کر کے اس سے علیحدگی اختیار نہ کرے جیسا کہ لومڑی حیلہ وتدبیر سے ادھر ادھر چلی جاتی ہے لہٰذا اسکی حقیقت صبر کے ساتھ استقامت ہے اور قلب کو اس پر جمانا ہے۔

اور بعض حضرات نے ایک دوسری قسم کا بھی اضافہ فرمایا ہے وہ ہے "الصبر فی الله" حالانکہ یہ بھی

مذکورہ اقسامِ صبر سے خارج نہیں ہے اور ” الصبر فی الله “ کا معنی ”الصبر لله“ کے معنی کے علاوہ مفہوم نہیں اور یہ ایسا ہی ہے جیسے کہا جاتا ہے ”فعلت هذا فی الله وله“ جیسے کہ حضرت خبیب رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔

وذٰلِكَ فِــى ذاتِ الاِلٰــهِ وَاِنْ يَشَــاْءُ يُبَـارِكْ عَـلٰـى اَوْصَـالِ شَلْوٍمُمَزَّعٍ

اور یہ جو کچھ ہو رہا ہے اللہ ہی کیلئے ہے، اور اگر وہ چاہے تو اعضاءِ متفرقہ کے اک اک جوڑ میں برکت عطا کردے

اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا:﴿وَالَّـذِيْنَ جَاهَدُوْا فِيْنَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا﴾ اور فرمایا:﴿وَجَاهِدُوْا فِى اللّٰهِ﴾ اور حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے ﴿اِنَّ اللّٰـهَ تَـعَـالٰى لَمَّا اَحْيَا اَبَاهُ وَقَالَ لَهٗ تَمَنَّ قَالَ يَارَبِّ اَنْ تَرْجَعُنِىْ اِلَى الدُّنْيَا حَتّٰى اُقْتَلَ فِيْكَ مَرَّةً ثَانِيَةً﴾ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:﴿لَقَدْ اُوْذِيْتُ فِىْ اللّٰهِ وَمَايُوْذِىْ اَحَدٌ﴾۔

اور یہ (صبر فی اللہ) اسکے دو معنی مفہوم ہوتے ہیں۔

(اوّل) یہ ہے کہ صبر اللہ کی مرضی، اسکی اطاعت اسکی راہ میں ہو اور یہ ان اعمال میں سے ہے جسکو انسان اپنے اختیار سے کرتا ہے جیسے کہ حدیث میں ہے ﴿تَعَلَّمْتُ فِيْكَ الْعِلْمَ﴾

(دوم) یہ ہے کہ صبر اللہ کے سبب سے اور اسکی وجہ سے کرتا ہے، اور یہ ان چیزوں میں سے ہے جو انسان کو اسکے اختیار کے بغیر پہونچتی ہے، اور غالبًا ان (حضرت خبیب رضی اللہ عنہ) کا قول ”ذَالِكَ فِىْ ذَاتِ الْاِلٰهِ“ اسی معنی کو ادا کرتا ہے، لہٰذا تو اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے قول ﴿وَلَـقَـدْ اُوْذِيْتُ فِىْ اللّٰهِ﴾ میں اور حضرت خبیب رضی اللہ عنہ کے قول ”ذَالِكَ فِــىْ ذَاتِ الْاِلٰـهِ“ میں اور حضرت عبداللہ بن حزام رضی اللہ عنہ کے قول ”حَتّٰـى اُقْتَلَ فِيْكَ“ میں اسی طرح اللہ کے قول ﴿وَالَّـذِيْنَ جَاهَدُوْا فِيْنَا﴾ میں غور و فکر کر اسلئے کہ اسمیں تکالیف اللہ کی جانب سے اور اللہ ہی کی وجہ سے مرتب ہوتی ہے۔

اور ”فــى“ یہاں نہ ظرفیت کے لئے ہے اور نہ محض سببیت کیلئے! اسلئے کہ اگر وہ سببیت کیلئے ہوتا جیسا کہ ”فی“ کا معنی اصلی ہے تو تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے قول ﴿فِىْ نَـفْـسِ الْمُؤْمِنِ مِائَةٌ مِنَ الْاِبِلِ﴾ میں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے قول ﴿دَخَلَتِ اِمْرَاةٌ النَّارَ فِىْ الْهِرَّةِ﴾ میں غور کر کہ کیسے اسمیں معنی سببیت سے بھی ایک معنی زائد پایا جاتا ہے اور نہ ”فی“ ظرفیت کے معنی میں ہے جیسے کہ تیرا قول ” فَـعَـلْـتُ فِىْ مَرْضَاتِكَ“ کہ اسمیں ایک معنی زائد ہے جو تیرے قول ”فَـعَـلْـتُ لِـمَرْضَـاتِكَ“ میں نہیں ہے! لہٰذا جب تو کہے ”اُوْذِيْتُ فِىْ اللّٰـهِ“ یہ تیرا قول ”اُوْذِيْتُ لِـلّٰـهِ“

اور "بِسَبَبِ اللّٰہِ" کے قائم مقام نہیں ہوسکتا، اور جب یہ معنی مراد لیں تو عبارت کا معنی حسن کے ساتھ باقی رہے گا، خلاصہ یہ ہے کہ "صبر فی الله" اگر اس سے یہی معنی ثانی (سببیت و وجہ) مراد ہو تو وہ صحیح درست ہے اور اگر یہ معنی مراد لیں کہ وہ (الصبر فی الله) یہ دیگر اقسامِ صبر "الصبر علی الاوامر، الصبر عن النواهی، الصبر علی التقدیر، الصبر لله، الصبر بالله" سے خارج و علیحدہ ہے تو یہ درست نہیں لہٰذا صابر فی اللہ یہ مجاہد فی اللہ کی طرح ہے اور جہاد فی اللہ (اللہ کی راہ میں جہاد کرنا) یہ جہاد للہ اور جہاد باللہ کے معنی سے خارج نہیں۔

اور بعض حضرات کا قول "الصبر لله غناء، الصبر بالله بقاء، الصبر فی الله بلاء، الصبر مع الله وفاء، الصبر عن الله جفاء" تو ان اقوال کے قائلین کے قول کو تسلیم کرنا ضروری نہیں، اسلئے کہ انہوں نے وہ بات ذکر کی ہے جو ان کے ذہن میں آئی اور جو ان کے تصور میں آیا، قول تو وہی تسلیم کریں گے جس کی تصدیق قائلِ معصوم کی طرف سے آئی ہو اور ہم ان مذکورہ کلمات کی تشریح کرتے ہیں۔

ان کا قول " الصبر لله غناء" کا مطلب یہ ہے کہ اللہ کے لئے صبر کرنا، نفس کی خوشیوں کو، نفس کی مراد کو اللہ کی مراد کیلئے ترک کرنا ہے، اور یہ نفس پر سب سے زیادہ شاق و مشکل ہے، اس لئے کہ ان گھاٹیوں کو اور وادیوں کو طے کرنا جو قلب اور اللہ کے مابین حائل ہیں بایں طور کہ ان (گھاٹیوں) سے اللہ تک پہونچنا یہ قطعِ سفر نفس پر بہت ہی شدید و سخت ہے، برخلاف اس سفر کہ جو آخرت کی طرف ہو وہ بہت سھل و آسان ہے جیسے کہ حضرت جنید بغدادیؒ فرماتے ہیں کہ دنیا سے آخرت کی طرف سفر کرنا بندۂ مؤمن پر بہت آسان ہے اور مخلوق کو حق (اللہ) کے لئے ترک کرنا بہت سخت ہے، اور نفس کا اللہ کی طرف سفر کرنا مشکل و کٹھن ہے، اور "الصبر مع الله" اور زیادہ شدید ہے۔

انکا قول "الصبر بالله بقاء" کا مطلب یہ ہے کہ بندہ جب اللہ کی توفیق سے صبر کرتا ہے تو اس پر ہر چیز آسان ہوجاتی ہے، اور وہ اوامر و نواہی کے بوجھ کو اٹھالیتا ہے، اور اسکو کوئی بار محسوس نہیں ہوتا، اس لئے کہ جب وہ (صبر) اللہ کی (توفیق) کی وجہ سے ہے نہ کہ مخلوق و نفس کی وجہ سے تو اسکے قلب و روح کے لئے ایک دوسرا ہی وجود ہوتا ہے اور ایک نئی ہی شان ہوتی ہے جو اس شان کے علاوہ ہوتی ہے، جو اسکو خلق و نفس کی وجہ سے صبر کرنے کی صورت میں حاصل ہوتی، اور اسی شان کی وجہ سے اسکو نہ صبر کی مشقت محسوس ہوتی ہے اور نہ صبر کی تلخی، اور تکالیف کی مشقت اس کے لئے نعمت اور آنکھ کی ٹھنڈک بن جاتی ہے، جیسے کہ بعض زھاد فرماتے ہیں

کے ایک سال کی تہجد کی نماز کو (علاجاً) انجام دیتا ہوں اور اسکی وجہ سے بیس سال تک راحت میں رہتا ہوں، اور جو شخص کہ نماز اسکی آنکھوں کی ٹھنڈک بن جائے تو اسکو نماز میں نہ کوئی مشقت محسوس ہوتی ہے اور نہ کوئی تکلیف۔

انکا قول "الصبر فی اللّٰه بلاء" کا مطلب یہ ہے کہ بلاء (گرفتارِ مصیبت ہونا) یہ عناء (محض مصیبت) سے اعلیٰ اور مافوق ہے اور "الصبر فی اللّٰه" یہ "الصبر للّٰه" سے اعلیٰ واخص ہے جیسے کہ ماقبل میں گزرا اس لئے کہ "الصبر فی الله" یہ "الجهاد فی الله" کے حکم میں ہے اور "الجهاد فی الله" یہ "الجهاد لله" سے زیادہ مشکل وشاق ہے، لہٰذا ہر مجاہد فی اللہ اور صابر فی اللہ وہ مجاہد للہ اور صابر للہ ہے لیکن اس کا برعکس نہیں ہوسکتا اس لئے کہ کبھی بندہ اللہ کے لئے جہاد اور صبر کرتا ہے تو اس کو یہ تو کہا جائیگا کہ وہ اللہ کے لئے جہاد کرنے والا ہے لیکن اس کو مجاہد فی اللہ نہیں کہا جائیگا وہ تو اسی کو کہا جائیگا جو جہاد وصبر میں (دائماً) مستغرق ہوجائے اور جنت میں داخل ہوجائے۔

ان کا قول "الصبر مع اللّٰه وفاء" کا مطلب یہ ہے کہ "الصبر مع الله" وہ اللہ کے احکام پر اللہ کی معیت میں استقامت کرنا ہے نہ قلب کو انابت ورجوع سے منحرف کرے اور نہ اعضاء وجوارح کو اطاعت سے بہکائے اور معیت کا پورا پورا حق ادا کرے جیسے کہ اللہ نے فرمایا: ﴿وَاِبْرَاهِيْمَ الَّذِىْ وَفّٰى﴾ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ان اوامر کا جس کا ان کو حکم دیا گیا تھا اللہ کی معیت میں صبر سے پورا پورا ادا کیا۔

ان کا قول "الصبر عن اللّٰه جفاء" تو اس صبر سے بڑھ کر کوئی ظلم اور سنگ دلی نہیں کہ کوئی بندہ اس ذات سے اعراض وانحراف کرے جو اس کا معبود ہے الہ ہے مولی ہے جس کا اس کے سواء کوئی مولی نہیں اور اس کی محبت وقرب کے بغیر نہ حیات (حقیقی) ہے اور نہ نیکی ہے اور نہ فضل ہے اور نہ اس کی مرضی کو ہر چیز پر ترجیح دیئے بغیر یہ چیزیں حاصل ہوگی لہٰذا اس ذات سے انحراف سے بڑھ کر اور کیا ظلم وسنگ دلی ہوگی یہی مطلب ہے اس قول کا جس نے کہا ہے کہ عابدین اور محبین کے صبر کے مابین تضاد ہے کہ عابدین کا صبر تو وہ احسن اور اچھا ہے بایں وجہ کہ وہ محفوظ ہے اور محبین کا صبر احسن واچھا ہے بایں وجہ کہ وہ متروک ہے۔

جیسے کہا گیا ہے۔ (شعر)

يُبَيِّـنُ يَـوْمَ الْبَيْـنِ اَنْ اعْتِـزَامُـهٗ   عَـلَـى الـصَّبْـرِ مِـنْ اِحْدَى الظُّنُوْنِ الْكَوَاذِبِ

وقت بتا دیگا کہ اس کا صبر پر جمنا   غلط خیالوں میں سے ایک خیال ہے

اور کسی نے کہا ہے۔(شعر)

وَلَمَّا دَعَوْتُ الصَّبْرَ بَعْدَكَ وَالْبُكَاءَ اَجَابَ الْبُكَاءُ طَوْعاً وَلَمْ يَجِبِ الصَّبْرُ

اور جب تیرے بعد میں نے صبر و بکاء(رونے) کو بلایا تو بکاء(رونے) نے میری اطاعت کی لیکن صبر نے میری دعوت پر لبیک نہیں کہا

وہ حضرات فرماتے ہیں کہ اس پر حضرت یعقوب علیہ السلام کا قول "فَصَبْرٌ جَمِيلٌ" اور آپ ﷺ کا قول ﴿اِذَا وَعَدَ وَفَا﴾ دلالت کرتا ہے، پھر حضرت یوسف علیہ السلام کے وجد و شوق نے حضرت یعقوب علیہ السلام کو یہ بات کہنے پر آمادہ کر دیا ﴿يَا اَسَفٰى عَلٰى يُوسُفَ﴾ لہٰذا حضرت یعقوب علیہ السلام کا یہ کہنے سے صبر نہ کرنا یہ ان کے قول "فصبر جمیل" کے منافی نہیں اس لئے کہ صبر جمیل وہ ہے کہ جس کے ساتھ شکوہ نہ ہو اور اللہ سے شکوہ اس کے منافی نہیں، اس لئے کہ حضرت یعقوب علیہ السلام نے یہ بھی کہا ﴿اِنَّمَا اَشْكُوْ بَثِّىْ وَحُزْنِىْ اِلَى اللّٰهِ﴾ اور اللہ نے اپنے رسول کو صبر جمیل کا حکم دیا اور آپ ﷺ نے اس حکم کی اطاعت بھی کی اور کہا ﴿اَللّٰهُمَّ اِلَيْكَ اَشْكُوْ ضَعْفَ قُوَّتِىْ وَقِلَّةَ حِلْيَتِىْ﴾۔

اور بعض حضرات فرماتے ہے کہ صبر جمیل یہ ہے کہ مصیبت زدہ شخص قوم میں گمنام ہو، پس یہ صبر جمیل ہے اس لئے کہ اس کے فقدان سے صبر جمیل مفقود ہو جاتا ہے اس لئے کہ بندے پر مصیبت کے اثر کا ظاہر ہونا ان چیزوں میں سے ہے جس کا دفع ممکن نہیں ہے......

اور بعض حضرات نے صبر میں ایک اور قسم کا اضافہ کیا ہے اور وہ "الصبر علی الصبر" ہے اور فرماتے ہیں کہ صبر علی الصبر یہ ہے کہ بندہ صبر میں اتنا مستغرق رہے کے صبر صبر سے عاجز آجائے جیسے کہ کہا گیا ہے۔

صَابِرُ الصَّبْرِ فَاسْتَغَاثَ بِهِ الصَّبْرَ فَصَاحَ الْمُحِبُّ بِا الصَّبْرِ صَبْرًا

صابر کا صبر یہ ہے کہ صبر اس سے مدد چاہتا ہے بس محبّ صبر سے صبر کو پکارتا ہے

اور یہ بھی اقسامِ صبر سے خارج نہیں اور یہ وہی صبر پر استقامت و ثابت قدمی ہے جس کو مصطبر کہتے ہیں۔

﴿ گیارہواں باب ﴾

شرفاء کے صبر اور کمینوں کے صبر کے مابین فرق

ہر شخص کے لئے ضروری ہے کہ وہ چند ناپسند اور مکروہ چیزوں پر صبر کرے چاہے اختیاراً ہو یا اضطراراً، لہٰذا کریم اور شریف النفس آدمی اختیاراً صبر کرتا ہے صبر کا اچھا انجام معلوم ہونے کی وجہ سے اور یہ بھی معلوم ہونے کی وجہ سے کہ اسپر صبر کرنا محمود ہے اور بے صبری کرنا جزع وفزع کرنا مذموم ہے، اور اس بات کا بھی علم ہونے کی وجہ سے کہ اگر وہ صبر نہیں کریگا تو اس پر جزع وفزع کرنے سے نہ فوت شدہ چیز واپس آنے والی ہے اور نہ مکروہ چیز دور ہو سکے گی، اور یہ کہ تقدیر کے دفع کی کوئی تدبیر نہیں اور جو تقدیر میں نہیں اسکو حاصل کرنے کا کوئی طریقہ بھی نہیں! لہٰذا جزع وفزع کرنے کا نقصان اسکے نفع سے زیادہ ہے، بعض عقلاء فرماتے ہیں کہ مصیبت پیش آنے کے وقت عقلمند وہ کام کرتا ہے جسکو بے وقوف ایک مہینہ کے بعد کرتا ہے جیسے کہ کہا گیا ہے۔

وَاِنَّ الْاَمْرَ يُفْضِيْ اِلیٰ آخر	فَيَصِيْرُ آخِرُهٗ اَوَّلَا
معاملہ آخر (صبر) تک پہونچتا ہی ہے	تو صابر کا آخر اول ہو جاتا ہے

اور جب آخر الامر صبر ہی کرنا ہے اور (اس وقت) بندہ قابل تعریف نہ ہوگا، تو کیا ہی اچھا ہوگا کہ بندہ اولِ مرحلہ ہی میں صبر کا استقبال کرلے کہ بے وقوف آخر میں اس (صبر) کو اختیار کر ہی لیتا ہے۔

اور بعض عقلاء فرماتے ہیں کہ جو شخص شریفوں کے صبر کی طرح صبر نہ کرے تو پھر جانوروں کے صبر کی طرح صبر کرتا ہے لہٰذا شریف آدمی مصیبت میں غور کرتا ہے پھر اگر وہ سمجھتا ہے کہ جزع وفزع کرنا مصیبت کو دفع کریگا (تو وہ کرتا ہے) تو اس وقت جزع وفزع نے اسکو نفع دیا، اور اگر (وہ سمجھتا ہے کہ) جزع وفزع نافع نہ ہوگا تو وہ ایک مصیبت کو دو مصیبت سمجھ لیتا ہے۔

﴿ فصــل ﴾

اور لئیم وکمینہ آدمی اضطراراً (مجبوراً) صبر کرتا ہے، اسلئے کہ وہ تو جزع وفزع کے میدان کے اطراف ہی میں گشت کرتا رہتا ہے، اور نہیں خیال کرتا کہ یہ میدانِ جزع وفزع اس کو کوئی نفع نہیں دیگا، بس وہ ایک

مارنے کے لئے باندھے ہوئے شخص کے صبر کی طرح صبر کرتا ہے! نیز شریف آدمی اللہ کی اطاعت میں صبر کرتا ہے اور کمینہ آدمی شیطان کی اطاعت میں صبر کرتا ہے لہٰذا کمینے لوگ اپنی خواہشات وشہوات کی اطاعت میں دیگر لوگوں سے زیادہ صابر ہوتے ہیں، اور اللہ کی اطاعت میں سب سے کم صبر کرنے والے ہوتے ہیں اور شیطان کی اطاعت میں صبر کرنے میں مکمل قوتِ صبر کو صرف کرتے ہیں، اور اللہ کی اطاعت کرنے میں تھوڑا بھی صبر کو کام میں نہیں لاتے، اور اپنے دشمن (شیطان) کی خوشنودی میں اپنی خواہشات کے لئے مشقتوں کو برداشت کرنے پر صبر کرتے ہیں اور اپنے رب کی خوشنودی کے لئے ادنی مشقت پر بھی صبر نہیں کرتے، اور گناہوں میں ذلیل ہونے کے بارے میں کچھ کہا جاوے تو صبر کرتا ہے، اور اللہ تعالیٰ کے بارے میں تکالیف پہونچنے سے بے عزتی کی بات ہو تو صبر نہیں کرتا، بلکہ وہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرنے سے اس ڈر سے فرار اختیار کرتا ہے کہ کہیں اللہ کے لئے کچھ کہنا ہوگا جس میں اس کی بے عزتی ہے! اور وہ اپنی عزت وآبرو کو نفس کی خواہشات اور اپنی مرضیات میں ذلیل کرتا ہے، اس بات پر صبر (جرأت) کرتا ہوا کہ چاہے اس کے بارے میں کوئی کچھ کہے! اور اسی طرح وہ اپنی خواہشات کی تکمیل میں اپنے جاہ ومرتبہ اور اپنی ذات تک کی قربانی دینے پر بھی صبر (جرأت) کر لیتا ہے اور وہ اللہ کی اطاعت اور اسکی حصولِ رضاء میں اللہ کے لئے قربانی دینے پر صبر نہیں کرتا، لہٰذا وہ شیطان کی اطاعت اور نفس کی خواہشات کی تکمیل میں کوشاں رہنے میں سب سے زیادہ صابر (جری) ہے اور اللہ کے معاملہ میں تکالیف پر صبر کرنے میں سب سے زیادہ عاجز ہے، اور یہ سب سے بڑا کمینہ پن ہے، اور یہ کمینہ پن والا شخص کبھی اللہ کے نزدیک شریف وکریم نہیں ہوسکتا، اور یہ شخص شرفاء کے ساتھ کھڑا نہیں ہوگا، اس وقت جب کہ قیامت کے دن ان شریفوں کو سب کے سامنے پکارا جائیگا کہ تاکہ سب لوگ جان لے کہ یہ حضرات کرم وشرافت میں بلند درجہ پر ہے (کہا جائیگا) "این المتقون" کہاں ہیں متقی حضرات۔

بارھواں باب

وہ اسباب جو صبر کے لئے معین و مددگار رہے

جب صبر مامور بہ ہے تو پھر اللہ نے اس کے لئے کچھ اسباب بھی مہیا فرمائے ہیں، جو صبر کے لئے معین و مددگار رہوتے ہیں، اور جن (اسباب) سے بندہ صبر تک پہونچ جاتا ہے اور اللہ تعالیٰ نے (جب) اوامر کا حکم فرمایا تو اس پر اعانت و مدد بھی فرمائی ہے، اور اس کے لئے ایسے اسباب کو مقرر فرمائے ہیں جو اس کو ترقی دیتے ہیں اور اسکے لئے مددگار رہوتے ہیں، جیسے کہ اللہ تعالیٰ نے مرض کو مقدر فرمایا ہے تو اس کے لئے دواء وعلاج کو بھی مقدر فرمایا ہے اور اس کے استعمال میں شفاء کو مضمر و پوشیدہ رکھا ہے۔

لہٰذا صبر اگر چہ نفس پر شاق اور ناپسند ہے لیکن حصول ممکن ہے اور وہ دو چیز سے مرکب ہے، علم، عمل، بس ان دونوں سے ہر وہ دواء (علاج) مرکب ہوتی ہے اور بنتی ہے جس دواء سے قلوب وابدان کا علاج ہوتا ہے، لہٰذا علمی و عملی اجزاء دونوں ضروری ہے، پھر ان دونوں سے وہ دواء تیار ہوتی ہے جو سب دواؤں سے زیادہ نافع ہے۔

پہلا جزءِ علمی:۔ تو وہ ان خیر و نفع کو اور اس لذت و کمال کو جاننا ہے جو احکام (مامورات) خداوندی میں موجود ہے، اور اس شر و نقصان کو اور اس عیب و کمی کو جاننا ہے جو ممنوعات (حرام چیزوں) میں موجود ہے، لہٰذا جب بندہ ان دونوں چیزوں کو کما حقہ جان لیتا ہے تو پھر دونوں چیزوں کے ساتھ حقیقی حوصلہ، بلند ہمتی، نرمی، مروت و انسانیت ملا دیتا ہے، اور یہ جز وان اجزاء میں منضم و شامل ہو جاتا ہے تو جب بندہ یہ کرتا ہے تو اسکو صبر حاصل ہو جاتا ہے اس پر مشقتیں آسان ہو جاتی ہے، اور تلخی اس کے لئے شیریں ہو جاتی ہے اور اسکی تکالیف لذتوں سے تبدیل ہو جاتی ہے۔

اور پہلے گزر چکا ہے کہ صبر یہ عقل و دین اور خواہشات و نفس کے لشکر کے مابین حرب و ضرب کا نام ہے اور ہر دو پہلوان چاہتے ہیں کہ ایک دوسرے کو مغلوب کردے، لہٰذا اسمیں طریقہ یہی ہے کہ اس پہلوان کو طاقتور بنائے جو اپنا غلبہ چاہتا ہے اور دوسرے کو کمزور کرنا چاہتا ہے ورنہ قوت و ضعف کے ساتھ تو حالت برابر و مساوی ہوگی۔

پھر جب زنا کی شہوت کا سبب قوی ہوگا، غالب ہوگا بایں طور کہ بندے کو اپنی شرمگاہ پر اختیار نہ ہو یا

اس پر اختیار تو ہو لیکن اپنی نگاہ پر قابو نہ ہو یا اس پر بھی قابو ہو لیکن قلب و دل پر قابو نہ ہو بلکہ ہمیشہ دل میں وہ چیزیں کھٹکتی ہوں جو بندے کو حرام کام پر تیار کرتی ہے اور آمدہ کرتی ہے اور وہ چیزیں (بندے کو) ذکر کی حقیقت سے اور ان چیزوں میں تفکر و تدبّر کرنے سے جس میں دنیا و آخرت کا نفع ہے اس سے پھیر دیتی ہے، تو جب بندہ علاج کا اور اس مرض سے مقابلہ کا عزم و پختہ ارادہ کرے تو سب سے پہلے اس (جیشِ شہوت) کو چند امور سے ضعیف و کمزور کریں۔

پہلا امر:۔ اگر قوت شہوت کے مادہ میں بندہ غور کریگا تو وہ ان غذاؤں کو پائیگا جو شہوت کو متحرک کرتی ہیں چاہے ان غذاؤں کی کیفیت (نوعیت) کی وجہ سے ہو یا اسکی کمیت (تعداد) کی وجہ سے ہو اور (اگر) اسکی کثرت کی وجہ سے ہو تو اس مادّہ کو کم کر کے اسکو جڑ ہی سے ختم کر دے، اور اگر جڑ سے ختم نہ ہو تو روزہ کی طرف رجوع کرے، اس لئے کہ روزہ شہوت کی قوتوں کو کمزور کر دیتا ہے اور اسکی تیزی کو توڑ دیتا ہے اور خاص کر اس وقت جبکہ افطار کے وقت بھی اس (بندے) کا کھانا معتدل ہو۔

دوسرا امر:۔ طلبِ شہوت کے محرک سے اجتناب کرے اور وہ نظر ہے لہٰذا حتی الامکان اپنی نظر کی لگام کو کوتاہ اور مقید رکھے اس لئے کہ ارادے اور شہوات کے محرک نظر سے مشتعل ہوتے ہیں اور نظر قلب کو حرکتِ شہوت دیتی ہے اور حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ﴿اَلنَّظَرُ سَهْمٌ مَسْمُوْمٌ مِنْ سِهَامِ اِبْلِيْسَ﴾ اور اس تیر کو شیطان دل کی طرف چھوڑ دیتا ہے جس کو کوئی ڈھال نہیں روک سکتی اور ڈھال غضِ بصر، قرار فی المکان اور تیر چلنے کے مواقع سے انحراف کے سواء کوئی نہیں ہے اسلئے کہ شیطان یہ تیر صورتوں کی کمان سے چلاتا ہے، لہٰذا جب بندہ اس صورت کی راہ پر کھڑا نہ ہوگا تو تیر خطا کر جائیگا اور اگر تو اپنے دل کو نشانہ بننے کے لئے پیش کر دیگا تو پھر خوف ہے کہ ان زہریلے تیروں میں سے کوئی تیر تجھے قتل کر دے۔

تیسرا امر:۔ نفس کو ان مباح چیزوں سے جو حرام کے مقابلہ میں ہے اور حرام کے عوض میں ہے تسلی دے اس لئے کہ ہر وہ چیز جس کی طبیعت کو خواہش ہوتی ہے ان میں سے بہت سی چیزوں کو اللہ تعالیٰ نے مباح کیا ہے جو حرام سے بے نیاز کر دیتی ہے اور یہی اکثر لوگوں کے لئے نافع دواء اور مفید علاج ہے، جیسے کہ آپ ﷺ نے اس کی طرف راہ نمائی فرمائی ہے لہٰذا (ان تینوں امر کی مثال) علاجِ اوّل وہ سرکش اور بے مہار

جانور کا چارہ پانی بند کردینے اوراس نقصان دہ کتے کا کھانا بند کردینے کے مشابہ ہے تاکہ اس کی قوت ضعیف ہوجائے اور علاجِ دوم وہ کتّے سے گوشت اور جانور سے جو وغیرہ کو غائب رکھنے کی طرح ہے تاکہ ان کی قوت اسکو دیکھنے کے وقت مشتعل اور متحرک نہ ہو، اور علاجِ سوم وہ جانوروں کو وہ غذاء وخوراک جس کی طرف انکی طبیعت مائل ہیں انکی حاجت وضرورت کے بقدر دیں تاکہ اس کی وجہ سے قوتِ اشتعال باقی اور معتدل رہے جو ان کو ان کے مالکوں کی اطاعت اور فرمابرداری کرائے گی اور ضرورت سے زائد غذاء نہ دینے کی وجہ سے وہ اس پر غالب نہ آئیں گے۔

چوتھا امر:۔ یہ ہے کہ ان حاجت اور خواہشات کے پورا کرنے کی صورت میں جو مفاسدِ دنیوی واقع ہونے والے ہیں اس میں غور وفکر کرے، اسلئے کے اگر بالفرض جنت وجہنم نہ ہوتب بھی مفاسدِ دنیوی ہی اس داعی کے قبول سے روک دیتی ہے، اگرتم مفاسدِ دنیوی کے شمار کرنے پر ہم کو مجبور کروتو یہ لاتعدولاتحصی ہے، لیکن خواہش پرست کی آنکھ اندھی ہوتی ہے۔

پانچواں امر:۔ یہ ہے کہ جو صورتیں (چہرے) اس کو اپنی طرف دعوت دیتے ہیں انکی قباحت کے بارے میں سوچے، خیال کرے کہ وہ (چہرہ) اپنے لئے اور دیگر لوگوں کے لئے سب کے لئے قابلِ قبول ہے تو اپنی ذات پر اس بات کو کوہِ گراں سمجھے کہ وہ اس حوض سے پانی پئے جہاں کتّے اور بھیڑیئے آتے رہتے ہیں۔

جیسے کہ کہا گیا ہے۔

سَأَتْرُكُ وَصْلَكُمْ شَرَفاً وَعِزًّا — لِخِسَّةِ سَائِرِ الشُّرَكَاءِ فِيْهِ

میں ضرور تیرے وصل کو شرافت وعزت کے لئے ترک کردوں گا اس میں سب شرکاء کے کمینہ پن کی وجہ سے

اور دوسرا شاعر کہتا ہے۔

اِذَا كَثُرَالذُّبَابُ عَلٰى طَعَامٍ — رَفَعْتُ يَدِىْ وَنَفْسِىْ تَشْتَهِيْهِ

جب کھانے پر مکھیاں زیادہ ہوجاتی ہے تو اپنے ہاتھ کو اٹھالیتا ہوں حالانکہ میرا نفس اس کا خواہشمند ہوتا ہے

وَتَجْتَنِبُ الْاَسُوْدُ وُرُوْدَ مَاءٍ — اِذَا كَانَ الْكِلَابُ يَلِغْنَ فِيْهِ

اور شریف النفس آدمی پانی پینے سے پرہیز کرتا ہے جبکہ اس پانی میں کتّے منھ ڈالتے ہو

اور بندے کو یاد رکھنا چاہئے کہ اپنے لعاب کو ہر خبیث لعاب کے ساتھ مخلوط نہ کرے کہ خبیث کا لعاب دائمی مرض ہے، اس لئے کہ فاسق کا لعاب بیماری ہے۔

جیسا کہ کہا گیا ہے۔

تَسَلِّ یَا قَلْبُ عَنْ سَمْحٍ بِمَهْجَتِهِ	مَبْذَلَ کُلِّ مَا یَلْقَاهُ یُقَرِّفُهُ
اے دل خونِ جگر کی سخاوت کر کے تسلّی پالے ایسی چیز	استعمال کرنے سے جسکو ہر کوئی پھینک دے اور چھیل دے
کَالْمَاءِ اَیُّ صَیْدٍ یَأْتِیهِ یَنْهَلُهُ	وَالْغُصْنِ اَیُّ نَسِیمٍ مَنْ یَعْطِفُهُ
اس پانی کی طرح کہ کوئی بھی شکاری (جانور) آئے اس سے پیتا ہے	اور اس شاخ کی طرح جس کو کوئی بھی (خوشگوار ہوا) موڑ دے
وَاِنْ حَلَا رِیقُ فَاذْکُرْ مَرَارَتَهُ	فِیْ فَمِ اَبْخَرٍ یُحْفِیهِ وَیَرْشِفُهُ
اور اگر لعاب میٹھا وشریں ہو تو بد بودار منھ میں اس کی تلخی	کو یاد کر جس منھ نے اس کو عیب دار کر کے چوس لیا ہے

اور جو شخص کہ اسکو ادنیٰ مروّت وانسانیت ہوگی وہ اپنی ذات کو ایسے تعلق سے باز رکھے گا، پھر اگر اس کا نفس اعراض کو قبول نہ کرے اور مشارکت وہم نشینی پر راضی ہو تو اس ظاہری خوبصورتی اور رنگ روپ کے پسِ پردہ جو بدصورتی ہے اس میں غور کرنا چاہئے، اس لئے کہ جو شخص اپنے نفس کو قبیح افعال پر قدرت دیدیتا ہے، تو اس کا نفس جانوروں کے نفس سے بھی زیادہ قبیح ہو جاتا ہے اس لئے کہ کوئی جانور اپنے لئے ایسی بات پسند نہیں کرتا، ہاں خنزیر کے لئے ایسی بات منقول ہے، لہٰذا جانور وحیوان میں کوئی بھی جانور وطی میں اسکا شریک نہیں، لہٰذا وہ (شخص) اپنے نفس کو اختیار دیکر اس بات پر راضی ہو گیا کہ اس کا نفس بمنزلۂ خنزیر کے ہو جائے۔

اور یہ قباحت چہرہ وبدن کی تمام خوبصورتی اور رنگ روپ کو چھپا دیتی ہے، مگر شئی کی محبت اندھا اور بہرہ کر دیتی ہے، اور اگر وہ کسی عورت کی صورت (چہرہ) ہے تو تحقیق کہ وہ (عورت) اللہ اور اس کے رسول ﷺ اور اپنے اہل اور شوہر اور اپنے نفس سب کے ساتھ خیانت کرتی ہے، اور یہ خیانت اسکے بعد اس کی اولاد میں بھی ودیعت ہوگی، اور اس عورت کے لئے بھی اپنی اولاد کے گناہوں اور بے شرمی میں سے حصہ ہوگا، اور اس قباحت کے سامنے اسکی خوبصورتی کی کوئی حثیت نہیں ہے، اور جب تو اس کی معرفت کو جاننا چاہے تو اس قباحت میں غور کر جوان (مرد، عورت) کے چہرہ پر بڑھاپے میں طاری ہوگی، کس طرح اللہ تعالیٰ اس حسن وخوبصورتی کو قباحت وبدصورتی میں تبدیل فرما دیں گے، حتیٰ کہ چہرے پر وحشت وقباحت غالب آجائیگی۔

جیسے کہ شعر میں ہے۔

لَوْ فَكَّرَ الْعَاشِقُ فِي مُنْتَهٰى حُسْنِ الَّذِيْ يَسْبِيْهِ لَمْ يَسْبِهِ

اگر عاشق اس حسن کی انتہاء میں جس نے اس کو دامِ محبت میں قید کرلیا ہے، غور کرتا تو وہ اس کا قیدی نہ بنتا

اوراس موضوع کی تفصیل بہت طویل ہے، اس کے اصول کے ذکر پر اکتفی کرتے ہیں۔

﴿فصل﴾

بہر حال جیش دین کی تقویت و مضبوطی تو وہ بھی چند امور سے ہوتی ہے

پہلا امر:۔ اللہ کے جلال اوراس کی عظمت کا استحضار: کہ اس کی نافرمانی کی جائے حالانکہ وہ دیکھتا ہے وہ سنتا ہے اور جو شخص کہ اس کے قلب میں اللہ کا جلال اوراس کی عظمت مستحضر ہو تو اس کا قلب اس گناہ میں بالکل اس کی اطاعت نہیں کرے گا۔

دوسرا امر:۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی محبت کا استحضار: کہ اس کی محبت کے پیش نظر معصیت و گناہوں کو ترک کردے اس لئے کہ محبّ محبوب کا مطیع وفرمابردار ہوتا ہے، اور ترک میں بھی افضل محبین کا ترک کرنا ہے جیسا کہ اطاعت میں افضل محبین کی اطاعت ہے، لہٰذا محبّ کا ترک واطاعت اور عذاب سے ڈرنے والے کا ترک واطاعت میں مشرق ومغرب کا بُعد ہے۔

تیسرا امر:۔ اللہ کی نعمتوں واحسانوں کا استحضار: اس لئے کہ شریف وکریم آدمی کہ جو ذات اس کے ساتھ احسان کرتی ہو اسکے ساتھ برائی کا معاملہ نہیں کریگا کیونکہ ایسا تو کمینے لوگ کرتے ہیں، لہٰذا اللہ تعالیٰ کے احسانات اوراسکی نعمتوں کا استحضار بندے کو اسکی نافرمانی سے روک دیگا اللہ کی ذات سے حیا کرتے ہوئے کہ اللہ کا فضل اوراسکی نعمتیں ہمیشہ اس پر نازل ہوتی رہتی ہو اوراس (بندہ) کے مخالفت اور معصیت اوراعمال بد اسکے رب کے پاس پہونچتے ہوں ایک فرشتہ رحمتیں لے کر نازل ہو اور ایک بداعمالیاں لے کر چڑھیں تو یہ تو بدترین مقابلہ ہے۔

چوتھا امر:۔ اللہ تعالیٰ کی صفت غضب وانتقام کا استحضار: اس لئے کہ جب بندہ اللہ کی نافرمانی میں بڑھتا رہتا ہے تو اللہ رب العالمین غضب ناک ہوتے ہے اور جب غضب ناک ہوتے ہیں تو پھر اس کے غضب کے سامنے کوئی چیز نہیں ٹھہر سکتی چہ جائیکہ یہ ضعیف وکمزور بندہ (ٹھہر سکے)۔

پانچواں امر:۔ نقصان کا استحضار: یعنی دنیا و آخرت کی وہ خیر و بھلائی جو نافرمانی اور معصیت سے فوت ہو جاتی ہے اس کا استحضار کرے اور ان گناہوں کی وجہ سے اس بندے کے نئے نئے برے نام پیدا ہو جاتے ہیں جو عقلاً و شرعاً و عرفاً ہر اعتبار سے برے ہوتے ہیں اور اس بندے سے اچھے نام زائل ہو جاتے ہیں جو عقلاً و شرعاً و عرفاً ہر اعتبار سے اچھے تھے اور اس فوت ہونے کے استحضار میں صرف اس ادنی ایمان کے فوت ہونے کا استحضار ہی کافی ہے جس کا ایک ذرہ بھی دنیا و مافیہا سے کئی گنا بہتر ہے لہذا کیسے کوئی بندہ اس ادنی ایمان کو ان شہوات کے بدلے میں فروخت کر دیگا اور فوت کر دیگا جن شہوات کی لذت ختم ہو جانی والی ہے اور اس کا اثر باقی رہ جائیگا اور شہوات ختم ہو جائیگی اور شقاوت باقی رہ جائیگی، اور نبی کریم ﷺ سے ثابت ہے آپ ﷺ نے فرمایا: ﴿لَا يَزْنِيْ الزَّانِيْ حِيْنَ يَزْنِيْ وَهُوَ مُؤْمِنٌ﴾ تو بعض صحابہ ﷺ فرماتے ہیں کہ اس شخص سے ایمان نکل جاتا ہے حتی کہ وہ ایمان اس کے سر پر سایہ کی طرح باقی رہتا ہے، پھر اگر وہ توبہ کرتا ہے تو وہ ایمان لوٹ آتا ہے، اور بعض تابعین فرماتے ہیں کہ اس سے ایمان نکال لیا جاتا ہے جیسے کہ قمیص نکال لیا جاتا ہے، پھر اگر وہ توبہ کرتا ہے تو اس کو پہنا دیا جاتا ہے، اسی وجہ سے نبی کریم ﷺ سے اس حدیث میں جس کو امام بخاریؒ نے روایت فرمایا ہے منقول ہے "اَلزُّنَاةُ فِيْ التَّنورِ عُرَاةٌ" اس لئے کہ وہ لباسِ ایمان سے برہنہ تھے اور اس شہوت کے تنّور (آگ) کو جو ان کے قلوب میں تھا ظاہری تنّور (آگ) سے بدل دیا جس پر جہنم میں انکو تپایا جائیگا۔

چھٹا امر:۔ غلبہ و کامیابی کا استحضار: اس لئے کے شہوات کا مغلوب ہونا اور شیطان پر فتح اور کامیابی کا حاصل ہونا یہ (غلبہ و کامیابی) اس (بندے) کو ایک خاص حلاوت و مسرّت عطا کرتے ہیں، اس ذائقہ کو جو چکھتا ہے اس کے نزدیک کسی انسانی دشمن پر فتح پانے سے بڑھکر ہے، اور موقع کے اعتبار سے بہت شیریں ہے، اور فرحت کے اعتبار سے بہت تام ہے، اور اسکا انجام تو بہت ہی اچھا انجام ہوگا، اور یہ تو ایسا ہی ہے جیسے اس نافع دواء کے پینے کا انجام جسکو پیکر جسم کی بیماری ختم ہو جائے، اور تندرستی و صحت واپس آجائے۔

ساتواں امر:۔ جزاء و عوض کا استحضار: جزاء و عوض وہ ہے جس کا اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے اس بندے سے وعدہ فرمایا ہے جو محارم و ممنوعات کو اللہ کے لئے ترک کر دے اور اپنے نفس کو شہوات و خواہشات سے روک دے، اور بندہ عوض (اللہ کی جانب سے صلہ) اور معوّض (بچنے کی تکلیف) کے مابین موازنہ و برابری کرے کہ ان دونوں میں سے کس کو ترجیح دے، اور اس کے لئے اپنے نفس کو رضامند کرلے، اور اسکو اختیار کرے۔

آٹھواں امر:۔معیت کا استحضار: اور یہ (معیت) دوقسم کی ہے،(۱) معیت عام (۲) معیت خاص۔

معیت عام:۔ وہ اللہ کا اپنے بندے سے باخبر رہنا ہے،اور بندے کا اللہ کی نظر میں رہنا ہے کہ اسکا کوئی حال اللہ سے مخفی نہیں،اور یہ پہلے گزر چکا ہے،اور یہاں مقصود معیت خاص ہے جیسے کہ اللہ تعالیٰ کے قول ﴿اِنَّ اللّٰہَ مَعَ الصَّابِرِیْنَ﴾ اور اللہ کے قول ﴿اِنَّ اللّٰہَ مَعَ الَّذِیْنَ اتَّقَوْا وَالَّذِیْنَ ھُمْ مُحْسِنُوْنَ﴾ اور اللہ کے قول ﴿وَاِنَّ اللّٰہَ لَمَعَ الْمُحْسِنِیْنَ﴾ میں ہے،بس یہی معیت خاص جو دنیا وآخرت میں سب سے بہتر ونافع چیز ہے ان چیزوں کی بنسبت جو بندے کو اپنی پوری عمر میں اپنی شہوتوں کے حاصل کرنے میں اور اپنی ضرورتوں کو پورا کرنے میں پاتا ہے،لہٰذا بندہ معیتِ خاصہ پر ان بے مزہ اور بے برکت لذتوں کو کیسے ترجیح دے سکتا ہے، جولذتیں اس عمرِ قصیر میں نہ تو مکمل ہونے والی ہے اور نہ پوری ہونے والی ہے، وہ تو خواب کی طرح ہے، جو سونے والا دیکھتا ہے،اور ختم ہونے والے سایہ کی طرح ہے۔

نواں امر:۔اچانک پکڑ اور مواخذہ کا استحضار: وہ یہ کہ بندہ اس بات سے ڈرے کہ کہیں اچانک مواخذہ (موت) نہ آجائے،اور اللہ اس کو اچانک پکڑ لے تو پھر یہ (دنیا کی لذتیں) بندے اور آخرت کی لذتوں کے مابین حائل ہو جائے، پھر (وہ کہے) ہائے افسوس کہ پکڑ کا معاملہ کتنا شدید ہے،لیکن بندہ اس کو تجربہ ہی سے پہچانتا ہے،بعض قدیم کتابوں میں ہے،اے وہ شخص جس کی ذات پر بھروسہ پلک جھپکنے کے برابر نہیں،اور جسکو ایک دن کی خوشی تام ہونے کا اعتماد نہیں پرہیز کرلے۔

دسواں امر:۔بلا اور مصیبت اور عافیت وراحت کا استحضار: اس لئے کے حقیقت میں بلاء تو وہ گناہ اور اس کا انجام ہے،اور حقیقی راحت وعافیت تو وہ اطاعت اور اس کا انجام ہے،لہٰذا اہلِ مصیبت وہی لوگ ہیں جو گنہگار ہیں اگرچہ ان کے بدن عافیت وراحت میں ہو،اور اہلِ عافیت وہی لوگ ہیں جو اطاعت گزار ہے اگرچہ ان کے بدن مرض وتکلیف میں ہو،بعض اہلِ علم حدیث **"اِذَا رَأَیْتُمْ اَھْلَ الْبَلَاءِ فَا سْئَلُوا اللّٰہَ الْعَافِیَۃَ"** (جب تم مصیبت زدہ کو دیکھو تو اللہ سے عافیت طلب کرو) کے بارے میں فرماتے ہیں کہ اہلِ بلاء وہ لوگ ہیں جو اللہ کی معصیت،اللہ سے اعراض اور غفلت میں مبتلاء ہیں،اور یہ اگرچہ بہت بڑی بلاء اور مصیبت ہے ورنہ لفظِ بلاء تو لوگوں کی تمام قسموں کو مشتمل ہے جو دینی ودنیوی (جسمانی وروحانی) بلاؤں میں مبتلا ہیں۔

گیارہواں امر:۔ یہ ہے کہ جیشِ دین کو اور مقتضیاتِ دین کو جیشِ ہوا کے ساتھ مقابلہ کی عادت ڈالے، اور انکو آہستہ آہستہ بتدریج مقابلہ کرائے، یہاں تک کہ کامیابی کی لذت حاصل ہونے لگے، تو اس وقت اس (بندے) کی ہمت بڑھے گی، اس لئے کہ جو شخص کسی شیٔ کی لذت کا ذائقہ چکھ لیتا ہے تو اس شیٔ کے حصول میں اس کی ہمت بڑھ جاتی ہے، اور اعمالِ شاقہ مکرّر کرنے کی عادت ڈالنے سے وہ قوت وطاقت زیادہ ہو جاتی ہے جس قوت سے یہ اعمال صادر ہوتے ہیں، اسی وجہ سے تم حمال (کلی) کو اور مشکل کام کرنے والے کو مضبوط و طاقتور پاؤں گے، برخلاف درزی اور کپڑا بیچنے والا وغیرہ، اور جو شخص بالکل مجاہدہ کو ترک کردے تو اس میں قوتِ دین کمزور وضعیف ہو جاتی ہے اور اس میں قوتِ شہوت مضبوط ہو جاتی ہے، اور جب بندہ اپنے نفس کو خواہشات کی مخالفت کا عادی بناتا ہے تو جب چاہتا ہے اس پر غلبہ پالیتا ہے۔

بارواں امر:۔ قلب کو خیالات اور اوھام سے روکنا اور جب خیالات اولاً دل پر سے گزرے تو اسکو دفع کرے اور اسکو دل میں قرار اور جگہ نہ دے، اسلئے کہ پھر وہ (خیالات) امیدیں ہو جاتی ہے اور یہی مفلس لوگوں کا سرمایہ ہے اور جب خیالات دل میں جم جاتے ہیں تو امانی اور خوش کن باتیں بن جاتی ہے، پھر اگر جمے رہے تو رنج وغم اور فکریں بن جاتی ہیں، پھر اگر یہ بھی جمے رہے اور مضبوط بن گئے تو پھر ارادیں بن جاتے ہیں، پھر اگر یہ بھی مقوی ہو گئے تو پھر عزمِ مصمم بن جاتے ہیں جسکے ساتھ مراد مل جاتی ہے تو پہلے ہی مرحلہ میں ان خیالات کو دفع کرنا آسان وسہل ہے، برخلاف اسکے وقوع کے بعد قرار شدہ کے اثر کو دور کرنا اور عادت کو چھوڑنا کہ یہ بہت مشکل ہے۔

تیرواں امر:۔ ان اسباب وتعلقات کو قطع کرنا جو خواہشات کے موافقت کے داعی ہو اور اس سے یہ مراد نہیں کہ اس کی کوئی خواہش نہ ہو بلکہ مراد یہ ہے کہ اپنی خواہشات کو ان چیزوں کی طرف پھیر دے جو نافع اور مفید ہو اور ان (خواہشات) کو اللہ تعالیٰ کی مرادوں کی تکمیل میں استعمال کرے، تو یہ (اللہ کے لئے استعمال کرنا) اس بندے سے ان خواہشات کا معصیت میں مستعمل ہونے سے دفاع کریگا، لہٰذا انسان کی ہر چیز جب اللہ تعالیٰ کے لئے استعمال ہوگی تو اللہ تعالیٰ اس چیز کو نفس وشیطان کے لئے استعمال ہونے سے محفوظ رکھے گا، اور جو چیز اللہ کے لئے مستعمل نہ ہوگی، تو وہ چیز ضروری طور پر نفس وخواہش کے لئے استعمال ہوگی، اور اس سے

کوئی چارۂ کار بھی نہیں، لہٰذا علم اگر اللہ کے لئے نہیں تو وہ نفس وھوا کے لئے ہے، اور عمل اگر اللہ کے لئے نہیں تو وہ ریا ونمود اور نفاق کے لئے ہے، اور اگر مال اللہ کی اطاعت میں خرچ نہ ہوگا تو وہ شیطان وھوا کی اطاعت میں صرف ہوگا، اور جاہ ومرتبہ اگر صاحب جاہ اس (جاہ) کو اللہ کے حکم میں استعمال نہیں کریگا تو وہ اسکو اپنی خواہشات اور اسکی لذتوں میں استعمال کریگا، اور قوت وطاقت اسکو اگر اللہ کے حکم میں استعمال نہیں کریگا تو وہ اللہ کی معصیت ونافرمانی میں مستعمل ہوگی، پس جو شخص اپنے نفس کو اللہ کے لئے عمل کا عادی بنائیگا، تو غیر اللہ کے لئے عمل کرنے سے بڑھکر کوئی عمل اس پر دشوار نہ ہوگا، (یعنی غیر اللہ کے لئے عمل کرنا اس پر بہت ہی شاق ہوگا) اور جو شخص نفس کو خواہش اور لذت کا عادی بنائیگا تو اللہ کے لئے اخلاص وعمل سے بڑھکر کوئی عمل اسپر دشوار نہ ہوگا، (یعنی اللہ کے لئے عمل کرنا اس پر بہت مشکل ہوگا) اور یہ اصول اعمال کے تمام ابواب میں ہے، لہٰذا اللہ کے لئے خرچ کرنے والے پر انفاق لغیر اللہ سے بڑھ کر کوئی چیز مشکل نہیں ہوتی، اور اسی طرح اس کا برعکس۔

چودہواں امر:۔ اللہ تعالیٰ کی آیات ونشانیوں کے عجائبات میں سوچ وفکر کو مشغول رکھنا جن آیات ونشانیوں میں اللہ نے تفکر وتدبر کی ترغیب دی ہے، اور وہ اللہ کی مخلوق اور واضح نشانیاں ہیں! اور جب بندہ اپنے (تفکر وتدبر) کو اپنے قلب پر تسلط وغلبہ دیدیتا ہے تو اس سے شیطان کا دائرہ دور ہو جاتا ہے، اور شیطانی خیالات ووساوس بھی ختم ہو جاتے ہیں، اور جو شخص ان فکروں کو قلب پر تسلط دیدے اس کا اس سے بڑھ کر اور کیا نفع ہو سکتا ہے کہ اسکا قلب ہمیشہ اللہ اور اس کی کتاب اور رسول اور صحابہ (کی باتوں) میں محفوظ وپناہ گزیں ہو جاتا ہے پھر بھی جو شخص اس پناہ سے اعراض کرے اور انس وجن اور شیطان کی پناہ کی رغبت کرے تو پھر اس نقصان سے بڑھ کر اور کوئی نقصان بھی نہیں ہے۔

پندرواں امر:۔ دنیا اور اسکے سرعتِ زوال وفناء کے بارے میں تفکر کرنا سوچنا، لہٰذا جس شخص کا نفس کم ہمت ہوگا اور جسکی مروت گھٹیا ہوگی اور قلب مردہ ہوگا وہی شخص اس بات کو پسند کریگا کہ وہ اس دار فانی سے جسکی چیزیں خسیس وکم نافع ہے اس سے اس دار بقاء اور ہمیشگی کے گھر کی طرف زادِراہ اختیار نہ کرے، اس لئے کہ اسکی حسرت اس وقت زیادہ ہو جائیگی جب وہ حقیقت کا مشاہدہ کرلے گا اور اسکے سامنے دنیا کا عدمِ نافع ہونا ظاہر ہو جائے گا، اور کیسے (حسرت) نہ ہو جبکہ اس نے اس زاد وتوشہ کو ترک کردیا جو اسکے لئے نافع تھا اس زاد و

توشہ کے لئے جواس کے لئے وبالِ جان ہے اور جو حصولِ تکلیف کا سبب ہے بلکہ جب اس نے اس زادو توشہ کواختیار کیا جواس کے لئے نافع تھا اوراس زادوتوشہ کوترک کردیا جواس سے بھی زیادہ نافع تھا تواس پر اورحسرت وخیالِ زیاں طاری ہوجائے گا۔

سولھواں امر:۔ خودکواس ذات کے حوالہ کردینا جس کی انگلیوں کے مابین سب کے قلوب ہیں اورتمام امور کی باگ ڈوراسی کے ہاتھ میں ہے اوروہی ہر چیز کا منتہی ہے، اور ہوسکتا ہے کہ بندے کوقبولیت کی گھڑی میسر ہوجائے جیسے کہ حدیث میں ہے ﴿إِنَّ اللّٰهَ فِيْ اَيَّامِ دَهْرِهٖ نَفَحَاتٌ فَتَعَرَّضُوْا لِنَفَحَاتِهٖ وَسَئَلُوااللّٰهَ اَنْ يَسْتُرَعَوْرَاتِكُمْ وَيُؤْمِنَ رَوْعَاتِكُمْ﴾ اور ہوسکتا ہے کہ بندے کا خودکوکثرت سے اللہ کے سامنے حاضری دینے میں ان اوقات میں سے کوئی وقت اور گھڑی میسر ہوجائے جس میں اللہ سے جو چیز طلب کرے وہ اس کوعطا کرتا ہے، لہٰذا جس شخص کودعاء کی توفیق ہوئی تو پھر قبولیت بھی عطاء ہوگی! اس لئے کہ اگر قبولیت مقصود نہ ہوتی تو اللہ ان کودعاء کی تلقین نہ کرتے ،توفیق نہ دیتے جیسے کہا گیا ہے۔

لَوْلَمْ تَرِدْنَيْلَ مَاارْجُوْ وَاطْلُبُهٗ   مِنْ جُوْدِ كَفِّكَ مَا عَوَّدْتَنِیْ الطَّلَبَ

اگرتواپنے سخی ہاتھوں سے وہ چیز جس کی میں امید رکھتا ہوں   اورطلب کرتا ہوں دینا نہ چاہتا تو تو مجھے مانگنے کا عادی نہ بناتا

اور بندہ بھی اپنے ظاہری حال سے نہ گھبرائے اس لئے کہ اللہ بھی اپنے بندے سے ایسا ہی معاملہ کرتے ہیں جن افعال میں اس کا کوئی مثل نہیں ہے جیسے کہ صفات میں اسکا کوئی مثل نہیں ہے، لہٰذا اللہ تعالیٰ بندے کواسی لئےمحروم کرتے ہیں تاکہ عطاء کرے، اوراس کواسی لئے بیمار کرتے ہیں تاکہ اسکوشفاء دے اوراس کواسی لئے فقیر محتاج بناتا ہے تاکہ اسکوغنی کردے اوراس کواسی لئے موت دیتے ہیں تاکہ اس کوحیات دے اوراسکے والدین آدم وحوا کواسی لئے جنت سے خارج کیا تاکہ ان کوحالِ کامل میں واپس اس میں داخل کرے جیسے کہ کہا گیا اے آدم میرا تجھ کو یہ کہنا ”اخرج منھا“ اس سے ناراض مت ہو، گھبرامت، اس لئے کہ میں نے تیرے لئے ہی جنت کو پیدا کیا ہے اور میں اس میں تجھ کوواپس پہونچادوں گا۔

بس اللہ رب العالمین اپنے بندے پر آزمائش کے ذریعہ انعام فرماتا ہے اوراس کومحرومیت کے ذریعہ عطا کرتا ہے اوراس کوسقم ومرض کے ذریعہ صحت وتندرستی عطاء کرتا ہے لہٰذا بندہ اپنی خستگی سے بالکل وحشت

نہ کرے اور نہ گھبرائے، ہاں! اس وقت خوف کرے جب کہ وہ حالت اللہ سے بغض و ناراضگی کا سبب بن جائے اور اللہ سے دور کردے۔

سترہواں امر:۔ یہ ہے کہ بندہ جان لے کہ اس امتثالِ اوامر اور اجتنابِ نواہی میں دو متضاد جاذبیت وطاقت ہے اور اس کی محنت وسعی دو طاقتوں کے مابین ہے ایک مقناطیسی طاقت ہے جو اسکو اہلِ علیین میں رفیقِ اعلیٰ کی طرف کھینچتی ہے اور ایک دوسری مقناطیسی طاقت ہے جو اس کو اسفل السافلین کی طرف کھینچتی ہے پھر جب وہ بندہ رفیق اعلیٰ کی طرف چلتا ہے تو درجہ بدرجہ بڑھتا ہی جاتا ہے حتی کہ وہ اس درجہ ومقام تک پہونچ جاتا ہے جو مقامِ اعلیٰ میں اس کے مناسب ہوتا ہے، اور جب وہ جاذبِ اسفل کی طرف مائل ہوتا ہے تو اترتا جاتا ہے حتی کہ وہ سجین میں اپنے مقام پر پہونچ جاتا ہے، اور جب بندہ یہ جاننا چاہے کہ کیا وہ رفیق اعلی کے ساتھ ہوگا یا اسفل السافلین میں؟ تو اسکو دیکھنا چاہیئے اور غور کرنا چاہیئے کہ اس کی روح (کا تعلق) اس عالم (دنیا) میں کس سے ہے؟ اس لئے کہ جب روح بدن سے جدا ہوگی تو وہ اس رفیق اعلی کے ساتھ ہوگی جس کی طرف روح اس عالم (دنیا) میں اس کو کھینچتی تھی، تو وہی اس کا بہتر مقام ہوگا تو آدمی اسی کے ساتھ ہوتا ہے جس کے ساتھ اسکو طبعاً یا عقلاً محبت ہو اور وہ شخص جو کسی شیٔ کو اہمیت دیتا ہے تو وہ اس کی طرف اور اس کے متعلقات کی طرف طبعی طور پر مائل ہوتا ہے ہر آدمی اسی کی طرف جھکتا ہے جس سے وہ مناسبت رکھتا ہے اور خود اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿قُلْ كُلٌّ يَّعْمَلُ عَلٰى شَاكِلَتِهٖ﴾ لہذا نفوس عالی وہ اپنی ذات وہمت اور اعمال سے بلندی وعلویت کی طرف مائل ہو ہی جاتی ہے اور نفوس سافلہ اسفل السافلین کی طرف۔

اٹھارواں امر:۔ یہ ہے کہ بندہ جان لے کہ مقام ومحل (دل) کو باران رحمت کے نزول کے لئے فارغ کرنا شرط ہے اسکو مفسدات سے صاف کرنا کمالِ پیداوار کے لئے شرط ہے لہذا جب محل (دل) فارغ نہیں ہوگا تو باران رحمت اس محل کو قابل نزول نہیں بنائے گی اور اگر وہ محل فارغ ہوگا تاکہ اس میں باران رحمت ہو لیکن اگر وہ مفسدات سے صاف نہیں ہوگا تو پیداوار کامل نہیں ہوگی بلکہ بسا اوقات مفسدات پیداوار پر غالب آجاتی ہے، اور اس (پیداوار) کا حکم بھی وہی (مفسدات کا) ہوجاتا ہے اور یہ قلب ودل بھی ایسا ہی ہے جیسے کہ بندہ اپنی زمین کو درست کرتا ہے اور اسکو قابلِ زرع بناتا ہے اور اس میں بیج ڈالتا ہے اور نزولِ باراں کا انتظار

کرتا ہے جب بندہ کا قلب پاک وصاف ہو جاتا ہے اور باطل ارادوں اور برے خیالات سے خالی اور فارغ ہو جاتا ہے اور اس میں ذکر ومحبت اخلاص کا بیج بوتا ہے اور رحمت کی ہواؤں کی گزرگاہ پر قائم کرتا ہے اور بارانِ رحمت کے نزول کا انتظار کرتا ہے تو پھر وہ حصولِ غلہ (معرفت) کی صلاحیت رکھتا ہے اور جیسے اپنے وقت پر بارانِ رحمت کے نزول سے امید قوی ہوتی ہے اسی طرح فضیلت والے اوقات میں اور مبارک مقامات میں اللہ تعالیٰ کے عطایا کے نصیب ہونے کی امید قوی ہوتی ہے خاص کر اس وقت جب کہ حوصلہ وعزم بھی جمع ہو جائے اور قلوب بھی مستعد ہو اور بڑا مجمع ہو جیسے کے عرفہ، صلاۃ استسقاء، صلاۃ جمعہ میں جمع ہوتے ہیں اس لئے کہ عزم وحوصلہ اور قلوب کا اجماع وہ اسباب ہیں جس کو اللہ نے حصولِ خیر اور نزولِ رحمت کے مقتضی مقرر فرمائیں ہیں، جیسے کہ دیگر تمام اسباب کا تعین اپنے مسبب کا مقتضی ہے بلکہ یہ اسباب حصولِ رحمت میں زیادہ قوی ہے دیگر ان حسی اسباب سے جو اپنے مسبب کے حصول کے مقتضی ہے لیکن بندہ اپنے جہل ونادانی کی وجہ سے خود پر حاضر (دنیا) کو اس سے بہتر غائب (آخرت) پر غالب کر دیتا ہے اور اپنے ظلم کی وجہ سے ان چیزوں کو جس کا دنیا فیصلہ کرتی ہے (اور اسکے تقاضوں کو) ان چیزوں پر جس کا آخرت میں فیصلہ ہونے والا ہے اور اسکے تقاضوں کو آخرت کے تقاضوں پر ترجیح دیتا ہے لہٰذا اگر بندہ محل کو فارغ کر لیتا ہے اور تیار ودرست کر لیتا ہے تو وہ نتائج کا مشاہدہ کرتا ہے اس لئے کہ اللہ کے فضل کو وہی چیز مانع ہوتی ہے جو بندے میں ہوتی ہے پھر اگر وہ مانع زائل ہو جاتا ہے تو پھر ہر طرف سے اللہ کا فضل اسکی طرف سرعت سے بہتا ہے لہٰذا تو نہر عظیم (دریا، سمندر) میں غور کر کہ وہ ہر اس زمین کو سیراب کر دیتی ہے جس پر سے یہ نہر گزرتی ہے پھر (بعض مرتبہ) اس نہر کے اور بعض بنجر اور اجڑ زمین کے مابین بڑا ڈیم اور بند حائل ہو جاتا ہے اور صاحبِ زمین اپنی زمین پر قحط ہونے کا یا نہر (کے پانی کے نہ آنے کا) شکوٰی کرتا ہے۔

انیسواں امر:۔ بندہ یہ جان لے کہ اللہ نے اس کو دارِ بقاء کے لئے پیدا کیا ہے جس کے لئے کوئی فناء نہیں، اور اس عزت کے لئے پیدا کیا ہے جس کے ساتھ کوئی ذلت نہیں، اور اس امن کے لئے پیدا کیا ہے جس میں کوئی خوف نہیں، اور اسکو اس غناء کے لئے پیدا کیا ہے جس کے ساتھ کوئی فقر نہیں، اور اس کو ان لذتوں اور راحتوں کے لئے پیدا کیا ہے جن کے ساتھ کوئی غم وتکلیف نہیں، اور اس کو اس کمال کے لئے پیدا کیا ہے جس

میں کوئی نقص نہیں، اور اللہ تعالیٰ اس دنیا میں بندے کا امتحان لیتا ہے اس بقاء کے ذریعہ جس کی طرف زوال وفناء سرعت وتیزی سے آتی ہے، اور اس عزت کے ذریعہ آزماتا ہے جس کے ساتھ ذلت متصل ہے اور ذلت اس کا تعاقب کررہی ہے، اور اس امن سے آزماتا ہے جس کے ساتھ خوف ہے اور اس کے بعد خوف ہے، اسی طرح غناء ولذت خوشی وراحت اور ان نعمتوں سے جو اپنے اضداد کے ساتھ مخلوط ہیں ان تمام سے آزماتا ہے تو بہت سے لوگ اس مقام میں غلطی کر بیٹھے کہ انہوں نے ان نعمتوں کو یعنی بقاء وعزت کو اور جاہ ومرتبہ کو غیرِ محل (دنیا) میں طلب کر لی تو یہ چیزیں محل (آخرت) میں مفقود ہوگئی اور بہت سے لوگ ان مطلوبہ نعمتوں کے حصول میں کامیاب نہ ہوئے اور جن چیزوں میں کامیاب ہوئے تو وہ متاعِ قلیل اور قریب الختم اور سریع الزوال تھی، اور انبیاء علیہم السلام دائمی نعمت اور بڑی سلطنت کی دعوت لے کر آئے، تو جن لوگوں نے انکی دعوت کو قبول کیا، انکو دنیا کی چیزوں سے بھی زیادہ لذیذ اور پاکیزہ چیزیں حاصل ہوئی، اور آخرت کا عیش بادشاہ وغیرہ کے عیش سے کئی زیادہ بہتر اور اچھا ہے، اس لئے کہ دنیا سے زہد وبے رغبتی ہی دنیا کی بادشاہی ہے، اور شیطان مؤمن سے زہد وبے رغبتی پر بہت حسد کرتا ہے، لہٰذا شیطان بے انتہاء خواہشمند ہوتا ہے کہ بندہ کو صفتِ زہد حاصل نہ ہو، اس لئے جب بندہ اپنی شہوات وغصہ پر قابو پالیتا ہے، تو وہ دونوں (شہوات وغصہ) بندہ کے ساتھ دین کے تقاضوں میں اتباع کرتے ہیں، اور یہی حقیقی بادشاہت وسلطنت ہے، اس لئے کہ یہی بادشاہ آزاد ہے، اور وہ بادشاہ جو اپنی شہوات وغصہ کا تابع ہے تو وہ اپنی شہوات وغصہ کا غلام ہے، پس وہ بادشاہی کے لباس میں مملوک و غلام ہے، جس کو شہوت وغصہ کی لجام لے چلتی ہے جیسے کہ اونٹ کو لے جایا جاتا ہے، لہٰذا یہ مغرور وفریب خوردہ اس ظاہری بادشاہت پر جس کا ظاہر بادشاہی اور باطن غلامی ہے اور ان شہوات پر جس کا اول وآخر سب حسرت وافسوس ہے انہی پر نظر جمائے رکھتا ہے، اور حقیقی بینا وتوفیق جس کے ساتھ شامل ہو وہ اپنی نظر کو ان چیزوں کے اوائل واواخر میں گھوماتا ہے، اور ان چیزوں کی ابتداء سے انجام تک میں غور کرتا ہے، اور یہ صرف اللہ کا فضل ہے، وہ جس کو چاہتا ہے عطا کرتا ہے، اور اللہ ہی فضل وعظمت والا ہے۔

بیسواں امر:۔ یہ کہ بندہ اپنے اعتقاد و گمان سے اس بھول اور غلطی میں نہ پڑ جائے، کہ صرف مذکورہ چیزوں کا علم حصولِ مقصد میں کافی ہے، بلکہ ضروری ہے کہ اس علم پر عمل کرنے میں سعئ بلیغ کرے، اور اس میں حتی المقدور طاقت وقوت کو صرف کرے، اور اس کا مدار ترکِ عادت پر ہے، اس لئے کہ یہی عادتیں کمال وفلاح کی دشمن ہے، لہٰذا کوئی بندہ ان عادتوں پر دوام واستمرار کے ساتھ فلاح حاصل نہیں کرسکتا، اور ان عادتوں کے ترک کیلئے حتی الامکان مواقعِ فتن سے بھاگ کر دوسرے مواقع کو اختیار کرکے مدد طلب کرے، اور نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ﴿وَمَنْ سَمِعَ بِالدَّجَّالِ فَلْيَنْأَ عَنْهُ﴾ کہ کوئی شخص دجال کے بارے میں سنے (کہ وہ آیا ہے) تو اس سے دور رہے، لہٰذا شر و برائی سے بچنے کے لئے برائی وشر کے اسباب ومقام وغیرہ سے بھی دور رہنا کیا ہی اچھا مددگار ہے۔

یہاں شیطان کی ایک باریک تدبیر ہے جس سے کوئی حاذق اور ہوشیار ہی نجات وخلاصی پا سکتا ہے، وہ یہ ہے کہ شیطان برائی کے مقام میں کچھ اچھی چیزیں بھی بندے کے سامنے ظاہر کرتا ہے اور اس کے حصول کی دعوت دیتا ہے جب وہ بندہ اچھی چیز کے حصول کے لئے قریب ہوتا ہے تو شیطان اس کو اپنی جال و پھندے میں پھانس لیتا ہے۔... واللہ اعلم۔

﴿ تیرہواں باب ﴾

انسان اپنے احوال میں سے کسی بھی حال میں صبر سے مستغنی نہیں

اس لئے کہ بندہ یا تو اوامر کی حالت میں ہوگا جس کا امتثال اوراس پر عمل کرنا واجب ہے اور یا تو نواہی کی حالت میں ہوگا جس سے اجتناب اوراس کا ترک ضروری ہے اور یا تو تقدیر کی حالت میں ہوگا جو بالاتفاق اس پر جاری ہوگی، اور یا تو نعمت کی حالت میں ہوگا جس پر منعم کا شکر واجب ہے اور جب یہ حالات ہے جو بندے سے کبھی جدا نہیں ہوتے تو پھر موت تک اس پر صبر لازم ہے۔

اور ہر وہ حالت جو بندے کو اس دنیا میں پہونچتی ہے وہ دو حال سے خالی نہیں، اوّل یہ کہ وہ حالت اس کی خواہش ومراد کے موافق ہوگی دوم یا تو وہ اس کے مخالف ہوگی اور ان دونوں حالتوں میں وہ صبر کا محتاج ہے۔

بہر حال وہ حالت جو اس کی غرض ومقصد کے موافق ہو جیسے صحت وتندرستی، سلامتی جاہ ومرتبہ اور مال ودولت اور تمام لذیذ مباح چیزیں، ان سب حالات میں بندہ چند وجوہ سے صبر کا محتاج ہوتا ہے۔

پہلی وجہ:۔ یہ ہے کہ بندہ ان حالت پر اعتماد نہ کرے اور نہ اس سے دھوکہ کھائے اور یہ حالات اس کو سرکشی اور اِترانے پر آمدہ نہ کرے اور نہ اس فرحت وخوشی پر آمدہ کرے جو مذموم ہے اور اللہ ایسے لوگوں کو پسند نہیں کرتے۔

دوسری وجہ:۔ یہ ہے کہ بندہ انہی چیزوں کے حصول میں منہمک نہ ہوجائے اور نہ ان چیزوں کی انتہاء تک پہونچنے میں مبالغہ کرے اس لئے کہ یہ اس کے برعکس کی طرف منتقل ہوسکتے ہیں، لہٰذا جو شخص کھانے، پینے، جماع میں مبالغہ کرتا ہے تو یہ اس کی ضد میں تبدیل کردیتا ہے اور وہ کھانے، پینے، جماع سے محروم ہوجاتا ہے۔

تیسری وجہ:۔ یہ ہے کہ بندہ ان حالات میں حقوق اللہ کی ادائیگی پر صبر کرے، اوراس کو ضائع نہ کرے کہ کہیں یہ نعمتیں سلب ہوجائے۔

چوتھی وجہ:۔ یہ ہے کہ بندہ ان نعمتوں کو حرام اور ممنوع افعال میں صرف کرنے سے باز رہے بس وہ نفس کو قدرت نہ دے ہر ایسے کام پر جس کو نفس چاہتا ہو اس لئے کہ وہ حرام میں واقع کریگا، پھر اگر وہ اس سے مکمل احتراز کریگا، تو وہ مکروہات میں ڈالے گا، اور فراخی اور خوشحالی میں تو صرف صدیقین ہی صبر کرتے ہیں۔

بعض اسلاف فرماتے ہیں کہ بلاؤ ومصائب پر تو مؤمن وکافر سب صبر کرتے ہیں اور عافیت وراحت میں تو صرف صدیقین ہی صبر کرتے ہیں۔

حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم تنگ دستی کی حالت کے ذریعہ آزمائے گئے تو ہم نے صبر کیا اور ہم خوشحالی کے ذریعہ آزمائے گئے تو ہم صبر نہ کر سکے۔

اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو مال وازواج واولاد کے فتنہ سے ڈرایا ہے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا ﴿یَا اَیُّهَا الَّذِیْنَ آمَنُوْا لَا تُلْهِکُمْ اَمْوَالُکُمْ وَلَا اَوْلَادُکُمْ عَنْ ذِکْرِ اللّٰهِ﴾ اور اللہ نے فرمایا ﴿یَا اَیُّهَا الَّذِیْنَ آمَنُوْا اِنَّ مِنْ اَزْوَاجِکُمْ وَاَوْلَادِکُمْ عَدُوًّا لَّکُمْ فَاحْذَرُوْهُمْ﴾ اور یہاں عداوت سے مراد وہ عداوت نہیں جو لوگ عامۃً سمجھتے ہیں کہ وہ بغض وعناد کو عداوت کہتے ہیں، بلکہ یہ محبت کی عداوت ہے جو ماں باپ کو ہجرت وجہاد سے روکتی ہے، اور علم سکھنے اور صدقہ کرنے سے مانع بنتی ہے، اور اس کے علاوہ دیگر امور دین اور اعمال خیر سے مانع بنتی ہے، جیسے کہ جامع ترمذی میں حدیث ہے ایک شخص نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے اسی آیت کے بارے میں پوچھا تو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ یہ اہل مکہ میں سے وہ لوگ ہیں جو اسلام لائے پھر انہوں نے چاہا کہ وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس (مدینہ) آجائے تو ان کو ان کی ازواج واولاد نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس (ہجرت کر) جانے سے روک دیا، پھر جب (بعد میں) وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور انہوں نے لوگوں کو دیکھا کہ انہوں نے دین کا فقہ حاصل کر لیا ہے، تو انہوں نے چاہا کہ وہ ان (ازواج واولاد) کو سزا دے، تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل کی ﴿یَا اَیُّهَا الَّذِیْنَ آمَنُوْا اِنَّ مِنْ اَزْوَاجِکُمْ وَاَوْلَادِکُمْ عَدُوًّا لَّکُمْ﴾ اور امام ترمذی نے فرمایا کہ یہ حدیث حسن صحیح ہے!

اور بہت سی مرتبہ بندہ (مقامِ) کمال وفلاح کو صرف اپنی زوجہ اور اولاد کی وجہ سے فوت کر دیتا ہے، اور حدیث میں ہے ﴿اَلْوَلَدُ مَبْخَلَةٌ مَجْبَنَةٌ﴾ اولاد (ذریعہ) بخل وجبن (بزدلی) ہے، حضرت امام احمدؒ فرماتے ہیں کہ حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہم کو خطبہ دے رہے تھے کہ اچانک حضراتِ حسنین رضی اللہ عنہ آگئے اور ان پر سرخ قمیص تھی اور وہ چلتے تھے لڑکھڑاتے تھے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم منبر سے اترے اور ان دونوں کو اچک لیا، اور اپنی گود میں رکھا پھر کہا کہ اللہ نے سچ کہا ہے ﴿اِنَّمَا اَمْوَالُکُمْ وَ اَوْلَادُکُمْ فِتْنَةٌ﴾ کہ میں نے ان دونوں بچوں کو

دیکھا کہ وہ چل رہے ہیں لڑکھڑا رہے ہیں تو مجھ سے رہا نہ گیا حتیٰ کہ میں نے اپنی بات کو قطع کر دیا اور ان کو اٹھا لیا، اور یہ آپ ﷺ کا چھوٹے بچوں پر کمالِ رحم ولطف اور ان پر کمالِ شفقت کی دلیل ہے، اور اس سے امت کو رحمت وشفقت اور چھوٹوں پر لطف ومہربانی کی تعلیم دینا مقصود ہے۔

فصل

بلاشبہ خوشحالی وفراخی میں صبر کرنا بہت شدید وسخت ہے اس لئے کہ وہ قدرت وطاقت کے ساتھ متصل ہے اسلئے کہ بھوکا آدمی کھانے کے نہ ہونے کے وقت صبر پر زیادہ قادر ہے بنسبت اس کے کہ کھانا موجود ہو، اسی طرح عورت کے نہ ہونے کے وقت شہوت پر زیادہ قادر ہے برخلاف اس وقت جب کہ عورت موجود ہو۔

فصل

اور دوسری وہ حالت جو خواہشات ونفس کے خلاف ہو، تو یہ بھی اس بات سے خالی نہیں کہ وہ حالات یا تو بندے کے اختیار کے ساتھ مربوط ہوں گے جیسے طاعات ومعاصی اور یا تو وہ حالات ابتداءً بندے کے اختیار کے ساتھ مربوط نہیں ہوں گے جیسے مصائب وغیرہ اور یا تو وہ حالات ابتداءً بندے کے اختیار میں ہونگے لیکن ان حالات کے پیش آجانے کے بعد اسکو رفع کرنا، ختم کرنا، بند کرنا بندے کے اختیار میں نہیں ہوگا، تو یہ تین قسمیں ہوئی۔

پہلی قسم:۔ وہ (حالات) ہیں جو بندے کے اختیار میں ہے اور وہ تمام افعال ہیں جو طاعات ومعاصی کی صفت کے ساتھ متصف ہیں، لہٰذا طاعات تو اس پر بھی بندہ صبر کا محتاج ہے اس لئے کہ نفس طبعی طور پر بہت سی عبادتوں سے گریز کرتا ہے جیسے کہ نماز تو نفس کی طبیعت میں سستی ہے اور راحت کا جذبہ ہے اور خاص کر اس وقت جب کہ اس (سستی) کے ساتھ قساوت قلبی ہو، گناہوں کا غلبہ، شہوات کی طرف میلان ہو اور غافلوں کے ساتھ اختلاط ہو تو بندہ ان امور کے ساتھ مشکل ہے کہ نماز کو ادا کرے، اور اگر اس نے ان (امور) کے باوجود نماز ادا کی تو وہ بتکلف ادا کریگا، حضورِ قلب بھی نہ ہوگا اور نماز سے بے رغبتی ہوگی، اور جلد چھٹکارا پانے کی نیت سے نماز پڑھیگا جیسے کہ کوئی شخص مردار کے پاس بیٹھا ہو، اور زکوٰۃ سے بھی گریز کرتا ہے اس لئے کہ نفس میں حرص وبخل بھرا پڑا ہے اور اسی طرح جہاد وحج سے بھی بخل وحرص کی وجہ سے نفس طبعاً گریز کرتا ہے، اور یہاں پر بندہ تین حالتوں میں صبر کا محتاج ہوتا ہے۔

حالتِ اوّل:۔ تو ان افعال کو شروع کرنے سے پہلے یعنی نیت کو صحیح کرنا، اخلاص، ریا ونمود کے اسباب سے احتراز کرنا اور عبادت کو کما حقہ ادا کرنے کا پختہ ارادہ وغیرہ۔

حالتِ دوم:۔ دورانِ عمل کی حالت میں، لہٰذا بندہ عمل میں افراط وتفریط کے اسباب سے پرہیز کو لازم پکڑے، اور نیت کے دوام پر صبر کو لازم پکڑے اور معبود کے سامنے حضورِ قلب پر صبر کرنا ہے اور وہ یہ ہے کہ اوامر کی ادائیگی کے دوران اللہ کو نہ بھولے، اس لئے کہ مامور کی ادائیگی میں کوئی کمال نہیں ہے، کمال تو یہ ہے کہ مامور کی ادائیگی کی حالت میں بندہ اللہ کو نہ بھولے بلکہ اس کی یاد کو دائم رکھے، تو یہ اللہ کے لئے اخلاص کے ساتھ عبادت کرنے والوں کی عبادت ہے، لہٰذا اس عبادت کو کما حقہ اس کے ارکان، واجبات وسنن کے ساتھ ادا کرنے میں بندہ صبر کا محتاج ہوتا ہے، اور اس عبادت وعمل میں اپنے معبود کو دائماً یاد رکھنے پر صبر کا محتاج ہوتا ہے، اور وہ اس کی عبادت میں اللہ سے غافل نہ ہو اور اپنے دل سے استحضار مع اللہ کو اعضاء سے عبادت انجام دیتے وقت بیکار کر کے نہ چھوڑے اور نہ اعضاء کے ذریعہ عبادت کے انجام دہی کو رب سبحانہ کے استحضار سے بیکار کر کے چھوڑے۔

حالتِ سوم:۔ عمل سے فارغ ہونے کے بعد کی ہے کہ اس وقت بھی چند وجوہ سے بندہ صبر کا محتاج ہوتا ہے، **پہلی وجہ:** یہ ہے کہ اپنے نفس کو ان چیزوں سے بچائے جو اس عمل کو باطل کر دیتی ہے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿ يَـٰٓأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تُبْطِلُوا صَدَقَاتِكُم بِالْمَنِّ وَالْأَذَىٰ ﴾ لہٰذا عمل کو صرف ادا کر لینا یہ عمل کی شان نہیں بلکہ اس کی شان یہ ہے کہ اس عمل کو ان چیزوں سے محفوظ رکھے جو عمل کو باطل کر دیتے ہیں۔

دوسری وجہ: یہ ہے کہ اپنے آپ کو اس عمل کی وجہ سے عجب وپسندی سے اور تکبر وبرائی سے بچائے اس لئے کہ یہ دیگر بہت سے ظاہری معاصی کے بنسبت زیادہ مضر ونقصان دہ ہے۔

تیسری وجہ: یہ ہے کہ جس عمل کو خفیہ وپوشیدہ طور پر کیا ہے اس کو خفیہ نامۂ اعمال سے ظاہری نامۂ اعمال کی طرف منتقل کرنے سے بچے، اس لئے کہ جب بندہ خفیہ عمل کرتا ہے جو اس کے اور اسکے رب کے مابین پوشیدہ ہو تو وہ مخفی نامۂ اعمال میں لکھ دیا جاتا ہے پھر اگر وہ اسکو بیان کرتا ہے تو وہ ظاہری نامۂ اعمال میں منتقل کر دیا جاتا ہے، لہٰذا بندہ یہ نہ سمجھے کہ صبر کا بستر عمل سے فارغ ہونے بعد لپیٹ لیا جاتا ہے۔

﴿فصــــل﴾

اور معاصی و گناہوں سے بچنے پر صبر کرنا تو وہ امرِ ظاہر ہے اور سب سے بڑی چیز جو اس (ترکِ معاصی) پر معین و مددگار رہے وہ یہ ہے کہ محبتوں اور تعلقات کا ختم کرنا اور ان مجالس اور مذاکرات کو ختم کرنا جو معاصی کے اسباب اور محرکات ہیں اور عادتوں کو ترک کرنا اس لئے عادت ایک خاص طبیعت ہے، اس لئے کہ شہوت جب عادت سے ضم ہوں تو پھر شیطان کے دو عسکری ظاہر ہوتے ہیں کہ ان کے قہر و غلبہ کے مقابلہ میں جیشِ دین بھی مقابلہ کی ہمت نہیں کرتا۔

﴿فصــــل﴾

دوسری قسم:۔ وہ (حالات) ہیں، جو بندے کے اختیار میں نہیں ہے اور بندے کو اس کے دفع میں کوئی تدبیر و طاقت بھی حاصل نہیں ہے، جیسے کہ مصائب، جس میں بندے کو کوئی دخل نہیں، اور جیسے اس شخص کی موت جو اس کو محبوب و عزیز ہو، اور مال کا چوری ہو جانا، بیمار ہو جانا وغیرہ، تو یہ بھی دو قسم پر ہے، اوّل وہ حالات جس کے پیش آنے میں کسی آدمی کا دخل نہیں ہوتا، اور دوم وہ حالات جس کے پیش آنے میں غیر آدمی کا دخل ہوتا ہے، جیسے گالی و گلوچ کرنا، مارنا وغیرہ۔

پہلی قسم تو اس میں بندے کی چار حالتیں ہیں، ایک عجز کی حالت اور وہ آہ و فغاں اور شکویٰ و ناراضگی کی حالت ہے، اور یہ وہی لوگ کرتے ہیں جو لوگوں میں سے زیادہ کم عقل اور دین سے کورے ہوتے ہیں جس میں غیرت نہیں ہوتی، اور یہ مصیبت میں سب سے بڑی مصیبت ہے۔

دوسری حالت صبر کی حالت ہے، یا تو وہ اللہ کے لئے (صبر کریگا) یا لوگوں سے انسانی مروت کی وجہ سے!

تیسری حالت رضاء کی حالت ہے، اور یہ حالتِ صبر سے بھی بڑی حالت ہے، ہاں اس کے وجوب میں اختلاف ہے، اور صبر متفق علیہ واجب ہے۔

چوتھی حالت حالتِ شکر ہے، اور یہ حالتِ رضاء سے بھی اعلیٰ حالت ہے اس لئے کہ وہ مصیبت کو بھی نعمت سمجھ رہا ہے پھر وہ اس پر شکر کر رہا ہے۔

دوسری قسم وہ حالات ہیں جو لوگوں کی طرف سے پیش آتے ہیں تو اس میں بھی بندے کی وہی (مذکورہ) چار حالتیں ہیں اور اس کے علاوہ دوسری چار حالتیں ہیں۔

پہلی:۔عفووصفح کی حالت ہے۔

دوسری:۔انتقام وبدلہ لینے کے ارادہ سے دل کے سلامت (مطمئن) رہنے کی حالت ہے،اس کا دل جنایتِ جرم کی تحقیق کی تکلیف سے بھی ہروقت خالی اور فارغ ہو،اوراس تحقیق سے تنگیٔ دل سے بھی فارغ ہو۔

تیسری:۔تقدیر کے استحضار کی حالت ہے کہ اگر چہ وہ شخص تجھکو یہ تکلیف پہونچانے کی وجہ سے ظالم ہوا، لیکن وہ ذات جس نے تیرے لئے تکلیف مقدر کردی تھی اور جس نے ظالم کے ہاتھ سے تجھ پر تقدیر کورواں کیاوہ ذات ظالم نہیں ہے اورلوگوں کی تکالیف وایذاء مثلِ سردی وگرمی کے ہے جس کے دفع کی کوئی صورت نہیں ،لہٰذا سردی ،گرمی کی تکلیف سے ناراض ہونے والا آدمی عقلمند نہیں ہے،اورسب کچھ تقدیرہی سے جاری ہوتا ہے اگر چہ اس کے طرق واسباب مختلف ہوتے ہیں۔

چوتھی:۔ برائی وتکلیف پہونچانے والے کے ساتھ احسان وبھلائی کرنے کی حالت ہے کہ اس کی برائی وایذاء کا بدلہ بھلائی اوراحسان سے دے،اوراس حالت میں بہت سے فوائد ومصالح ہیں،جسکو اللہ کے سواء کوئی نہیں جانتا،پھر اگر بندہ اس بلند مقام کوفوت کردے تو پھر وہ اپنے لئے گھٹیااور ذلیل حالت ومقام کوہی پسند کریگا۔

﴿فصل﴾

تیسری قسم:۔وہ حالات ہیں جس کا ورود بندے کے اختیار میں ہےلیکن وہ حالات جب جم جاتے ہیں تو اس کو دفع کرنا بندے کے اختیار میں نہیں رہتا،اور نہ اس کے دفع کی کوئی صورت ہوتی ہے، جیسے کہ عشق ومحبت، جوشروع میں تواختیاری ہے،اوراس کا آخرصرف اضطراربے چینی اوربے قراری ہےاور جیسے امراض وتکالیف دینے والے اسباب سے تعارض کرنا کہ پھر اسباب سے تعارض کرلینے کے بعداس مرض وتکلیف کے دفع کی کوئی صورت نہ ہو،جیسے کہ نشہ آور چیز کے پی لینے کے بعد نشہ کو دفع کرنے کی کوئی صوررت نہیں ، یہ وہ حالات ہیں جس سے اوّل مرحلہ ہی میں صبر (پرہیز) کرنا فرض اورضروری ہے، پھر جب یہ اوّل مرحلہ فوت ہوجائے تو پھراس کے آخری مرحلہ میں بھی اس پرصبر کرنا فرض رہے گا، کہ وہ خواہشات ونفسانیات کے تقاضوں کی اطاعت نہ کرے،اوراس مقام میں شیطان کی ایک عجیب چال اورسازش ہوتی ہے،وہ یہ ہے کہ شیطان بندے کو یہ خیال ڈالتاہے کہ بعض ممنوع اشیاء کو حاصل کرلیں جواس کے لئے معین ہیں یااس کے لئے بطورِعلاج مباح کی گئی

ہے، وہ تو شراب یا نجاست کے ذریعہ علاج کرانے کی طرح ہے اور اس کی اجازت تو بہت سے فقہاء نے دی ہے تو یہ بہت بڑا جہل ہے، اس لئے کہ یہ دواء وعلاج بیماری ومرض کو ختم نہیں کریگا، بلکہ اس کو اور بڑھائیگا، اور اس کو اور مضبوط کریگا، بہت سے لوگوں نے اس سے علاج کرایا تو انہوں نے اس دواء سے اپنے دین کو بھی برباد کیا اور اپنی دنیا کو بھی ہلاک کیا، بلکہ اس مرض کے لئے دواءِ نافع صبر وتقویٰ ہے، جیسے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿ وَاِنْ تَصْبِرُوْا وَتَتَّقُوْا فَاِنَّ ذَالِكَ مِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ ﴾ اور فرمایا: ﴿اِنَّهٗ مَنْ يَتَّقِ وَيَصْبِرْ فَاِنَّ اللّٰهَ لَا يُضِيْعُ اَجْرَ الْمُحْسِنِيْنَ ﴾ لہٰذا صبر وتقویٰ دین کی دواؤں میں سے ہر مرض کی دواء ہے، ان دونوں چیزوں میں سے ہر ایک اپنے شریک سے مستغنی نہیں۔

پھر اگر اشکال کیا جائے کہ کیا اس قسم کے حالات پر صبر کرنے پر ثواب کا مستحق ہوگا، جب کہ وہ اس کے اسباب کو استعمال کر کے عاصی اور حد سے نکلنے والا ہو گیا ہے، اور کیا اس کو اس (اثر) چیز پر جو اس سے ظاہر ہوگی سزا ملے گی حالانکہ وہ اس میں غیر مختار ہے۔

تو جواباً کہا جائیگا کہ ہاں! جب بندہ اللہ کے لئے صبر کرتا ہے اور اسبابِ ممنوعہ کے استعمال پر نادم ہوتا ہے تو اس کے صبر پر ثواب دیا جاتا ہے، اس لئے کہ یہ اپنے نفس سے جہاد کر رہا ہے، اور یہ عمل صالح ہے اور اللہ تعالیٰ اچھے عمل کرنے والے کے اجر کو ضائع نہیں کرتے اور اس اثر پر جو اسبابِ ممنوعہ کے استعمال سے ظاہر ہوا ہے اس پر سزا اور عقوبت تو اس سبب اور اس اثر پر جو اس سے پیدا ہوا ہے سزا کا مستحق ہوگا، جیسے کہ نشہ میں چُورا اور مدہوش آدمی کو اس جنایت کی سزا ملے گی جو اس نے حالتِ نشہ میں کی ہوگی، لہٰذا جب سببِ ممنوع (مثلاً شربِ خمر) ہوگا تو سبب (نشہ) معاف نہ ہوگا اس لئے کہ اللہ تعالیٰ جس طرح اسبابِ ممنوعہ پر سزا دیتا ہے اس اثر پر بھی سزا دیتا ہے جو اس سے ظاہر ہوتا ہے جیسا کہ مامورات کے اسباب پر ثواب دیتا ہے اور ان اسباب سے ظاہر ہونے والے اثر پر بھی ثواب دیتا ہے، اسی وجہ سے جو شخص بدعت وگمراہی کی طرف دعوت دیتا ہے اس کو بھی اتنا ہی گناہ ہوگا، جتنا اس کی اتباع کرنے والوں کو ہوگا، اس لئے کہ ان کی اتباع اسی دعوت کا اثر ہے اور اسی وجہ سے حضرت آدم علیہ السلام کے بیٹے کو جس نے اپنے بھائی کو قتل کیا تھا، اس کو قیامت تک قتل کرنے والوں کے گناہ میں سے حصہ ملے گا، اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿لِيَحْمِلُوْا اَوْزَارَهُمْ كَامِلَةً يَوْمَ

الْقِيَامَةِ وَمِنْ اَوْزَارِ الَّذِيْنَ يُضِلُّوْنَهُمْ بِغَيْرِ عِلْمٍ ﴾اور فرمایا:﴿وَلَيَحْمِلُنَّ اَثْقَالَهُمْ وَاَثْقَالاً مَّعَ اَثْقَالِهِمْ﴾ پھر اگر کہا جائے کہ بندہ اس ظاہر ہونے والے اثر سے کیسے توبہ کرے حالانکہ وہ اس کا فعل نہیں ہے، انسان تو انہی افعال سے توبہ کریگا، جو اس کے اختیار میں ہو۔

تو (جواباً) کہا جائیگا بندے کی توبہ اس گناہ پر ندامت اور اس گناہ کے تقاضوں اور اس کے اسباب کا ترک کرنا اور گناہوں سے اپنے آپ کو روکنے کا نام ہے، پھر اگر اس گناہ سے ظاہر ہونے والا اثر غیر کے ساتھ متعلق ہے، تو اس کی توبہ غیر سے اس اثر کو حتی الامکان دور کرنا ہے، لہٰذا بدعت وگمراہی کی طرف بلانے والے کی توبہ یہ ہے کہ وہ اس بات کو بیان کردے کہ وہ چیز جس کی طرف میں بلاتا تھا وہ بدعت وگمراہی ہے اور ہدایت اس کے برعکس میں ہے، جیسے کہ اللہ تعالیٰ نے اہل کتاب کے لئے جو اللہ کی نازل کردہ ہدایت اور دلائل کو چھپاتے تھے تاکہ لوگ اس کے ذریعہ گمراہ ہوں تو ان کی توبہ کے لئے یہ شرط بیان کی کہ سب سے پہلے وہ اپنے اعمال کی درستگی کرے اور لوگوں کے سامنے ان چیزوں کو بیان کردے جس کو وہ چھپاتے تھے اللہ نے فرمایا:﴿اِنَّ الَّذِيْنَ يَكْتُمُوْنَ مَا اَنْزَلْنَا مِنَ الْبَيِّنَاتِ وَالْهُدٰى مِنْ بَعْدِ مَا بَيَّنَّاهُ لِلنَّاسِ فِى الْكِتَابِ اُوْلٰئِكَ يَلْعَنُهُمُ اللّٰهُ وَيَلْعَنُهُمُ اللَّاعِنُوْنَ. اِلَّا الَّذِيْنَ تَابُوْا وَاَصْلَحُوْا وَبَيَّنُوْا فَاُوْلٰئِكَ اَتُوْبُ عَلَيْهِمْ وَاَنَا التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ﴾۔

اور یہی چیز منافقین کی توبہ میں شرط ہے جن منافقین کا گناہ ضعیف مؤمنین کے قلوب کو خراب کرنا ہے اور ان کا حیرت میں پڑا رہنا ہے، اور یہود ومشرکین جو رسول اللہ ﷺ کے دشمن ہے ان کیساتھ مضبوط دوستی رکھنا ہے اور انکا صرف ریاء ونمود کیلئے اسلام کو ظاہر کرنا ہے، ان کی توبہ کی شرط یہ ہے کہ وہ اپنے فساد کو اصلاح سے بدل دے، اور کفار اور مشرکین کے تعلق کے بدلہ میں اللہ تعالیٰ سے مضبوط تعلق پیدا کرلے اور اپنے ریا اور نمود کے اظہار کی تلافی اپنے دین وایمان کو خالص اللہ کے لئے کر کے کرلے، بس اسی طرح توبہ کی حقیقت اور شرائط کو سمجھے۔

﴿چودھواں باب﴾

جو صبر نفوس پر زیادہ شاق ہے

بندے پر فعل کے مقتضی کے قوی وضعیف ہونے کے اعتبار سے صبر مشکل وسہل ہوتا ہے، اور جب اس فعل میں یہ دونوں امر جمع ہو جائے تو اس پر صبر کرنا سب سے زیادہ شاق ومشکل ہوتا ہے، اور اگر دونوں امر مفقود ہو جائے تو اس پر صبر کرنا آسان وسہل ہوتا ہے، اور اگر ان دونوں میں سے ایک امر موجود ہو اور دوسرا مفقود ہو تو اس پر صبر کرنا من وجہ آسان ہوتا ہے اور من وجہٍ مشکل ہوتا ہے۔

لہٰذا کوئی شخص کہ اس کے لئے قتل، چوری، نشہ آور چیز کے پینے اور قسم قسم کے بے حیائی کے افعال کی طرف بلانے کے کوئی اسباب نہیں اور نہ یہ افعال اس پر آسان ہے تو اس شخص کا ان افعال سے بچنے کے لئے صبر کرنا زیادہ آسان ہوگا، اور جو شخص ایسا ہو کہ اس کے لئے ان افعال کے مقتضیات شدید ہیں اور اس پر یہ افعال آسان بھی ہیں، تو اس کا ان افعال سے صبر کرنا زیادہ مشکل ہوگا، اسی وجہ سے بادشاہ کا ظلم سے بچنے پر صبر کرنا اور جوان آدمی کا فحش وبرے کام سے بچنے پر صبر کرنا اور غنی آدمی کا لذتوں وشہوتوں کے حصول سے بچنے پر صبر کرنا اللہ کے نزدیک ایک مقام ومرتبہ رکھتا ہے۔

مسند احمد میں نبی کریم ﷺ سے منقول ہے ﴿عَجَبَ رَبُّكَ مِنْ شَابٍّ لَيْسَتْ لَهُ صُبْوَةٌ﴾ اسی لئے یہ بندہ کمالِ صبر اور مشقت کی وجہ سے ان لوگوں کی معیت کا مستحق ہو گیا جن کا ذکر حدیث ﴿اَلَّذِيْنَ يُظِلُّهُمُ اللّٰهُ فِيْ ظِلِّ عَرْشِهٖ الخ﴾ میں ہے، اس لئے کہ اس امام وحاکم کا صبر جو اپنی تقسیم، حکم، خوشی، غصہ سب حالتوں میں عدل پر قائم رہتا ہے، اور اس جوان کا صبر جو اللہ کی عبادت اور خواہشات کی مخالفت میں مشغول ہے، اور آدمی کا مسجد کے التزام پر صبر کرنا، اور صدقہ کرنے والے کا اپنے صدقہ کو چھپانے پر صبر کرنا حتی کہ اپنے عضو سے بھی پوشیدہ رکھنے پر صبر، اور اس شخص کا صبر جس کو فحش کاری کی دعوت دی جائے باوجود یہ کہ عورت بھی خوبصورت وباعزت ہو، اور ان محبین کا صبر جن کا اجتماع واقتران محض اللہ کی محبت پر ہوتا ہو، اور اس شخص کا صبر جو تنہائی میں خشیتِ الٰہی سے روتا ہو یہ (سب کا) صبر سب سے زیادہ کامل ومشکل ہے۔

اور اسی وجہ سے شیخِ فانی کے زنا کی سزا اور جھوٹے بادشاہ کی سزا دیگر سزاؤں کے مقابلہ میں سخت ہے، اس لئے کہ ان حرام کاموں سے بچنے پر ان کو صبر کرنا آسان وسہل ہے، کیونکہ ان گناہوں کے محرک اور اسباب ان کے حق میں ضعیف وکمزور ہے لہٰذا ان پر صبر آسان ہونے کے باوجود گناہوں سے بچنے پر ان کا صبر کو ترک کر دینا یعنی نہ بچنا یہ دلیل ہے ان کی اللہ پر سرکشی ونافرمانی کرنے کی! اور اس وجہ سے زبان وشرمگاہوں کے گناہوں سے بچنے پر صبر کرنا دیگر اقسام صبر سے زیادہ مشکل ہے ان دونوں کے شدتِ مقتضی اور ان دونوں کے گناہ آسان ہونے کی وجہ سے! اس لئے کہ زبان کے گناہ وہ تو گویا انسان کے لئے میوہ ہے جیسے چغل خوری، غیبت، جھوٹ، ڈنگیں ہانکنا، اپنے آپ کی تعریف چاہے کنایۃً ہو یا صراحۃً اور دوسرے لوگوں کی باتوں کی نقل کرنا اور جو ہمارے نزدیک مبغوض ہیں ان پر طعن وتشنیع کرنا اور جو ہمارے نزدیک محبوب ہیں ان کی تعریف کرنا وغیرہ تو قوی تقاضا بھی متفق ہوتا ہے اور حرکت زبان بھی آسان ہوتی ہے بس صبر کمزور ہو جاتا ہے، اسی وجہ سے آپ ﷺ نے حضرت معاذ رضی اللہ عنہ سے فرمایا تھا ﴿اَمْسِكْ عَلَيْكَ لِسَانَكَ﴾ تو حضرت معاذ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ کیا ہم جو کچھ کلام کرتے ہیں اس پر مواخذہ ہوگا؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا: ﴿وَهَلْ يَكُبُّ النَّاسُ فِي النَّارِ عَلٰى مَنَاخِرِهِمْ اِلَّا حَصَائِدَ اَلْسِنَتِهِمْ﴾ اور خاص کر اس وقت جب کہ زبانی گناہ بندے کی عادت بن جائے تو پھر اس سے بچنے پر صبر کرنا بہت مشکل ہو جاتا ہے، اسی وجہ سے تو اے مخاطب آدمی کو دیکھے گا کہ وہ رات میں تہجد پڑھتا ہے دن کو روزہ رکھتا ہے اور ریشم کے گاؤ تکیہ پر ایک لمحہ بھی ٹیک نہیں لگاتا وہ اپنی زبان کو چغل خوری میں اور غیبت میں آزاد چھوڑ دیتا ہے، اور مخلوق کی عزت وجاہ کے بارے میں ہنستا ہنساتا ہے، اور بعض اہل الصلاح والعلم اللہ اور دین کے بارے میں بلا دلیل باتیں کرنے میں ڈھیلے پڑ جاتے ہیں۔

اور لوگوں میں بہتوں کو تو اے مخاطب دیکھے گا کہ وہ حرام کی باریک چیزوں سے اور شراب کا ایک قطرہ سے اور سوئی کی نوک کے برابر نجاست سے بچتے ہوں گے اور حرام کام (زنا) کے ارتکاب کی پرواہ نہیں کریں گے، جیسے کہ بیان کیا گیا ہے کہ ایک شخص ایک اجنبیہ سے تنہائی میں ملا اور جب اس کے ساتھ زنا کا ارادہ کیا تو کہتا ہے کہ اے عورت اپنا چہرہ چھپا کہ اجنبیہ کے چہرہ کو دیکھنا حرام ہے، ایک آدمی نے حضرت

عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے مچھر کے خون کے بارے میں پوچھا کہ پاک ہے یا ناپاک؟ تو حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ ان لوگوں کی طرف دیکھو جو مجھ سے مچھر کے خون کے بارے میں پوچھتے ہیں؟ حالانکہ انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نواسے (حضرت حسین رضی اللہ عنہ) کو قتل کر دیا ہے۔

اور مجھ (مصنف رحمہ اللہ) کو بھی ایک واقعہ سے اتفاق پڑا ہے کہ میں (مصنف) حالتِ احرام میں تھا تو دیہاتیوں کا ایک وفد میرے پاس آیا، جو قتل وقتال اور لوٹ مار میں مشہور تھے اور مجھ سے حالتِ احرام میں جُوں کے قتل کرنے کا مسئلہ پوچھنے لگے؟ تو میں نے کہا کہ تعجب ہے لوگوں کے قتل وقتال سے جو کہ اللہ نے حرام قرار دیا ہے بچتے نہیں اور حالتِ احرام میں جُوں کو مارنے کا مسئلہ پوچھتے ہیں۔

خلاصہ یہ ہے کہ اقسام معاصی میں شدت صبر کا اختلاف اس معصیت کی طرف بلانے والے داعی کا قوت وضعف میں مختلف ہونے سے ہوتا ہے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مذکور ہیں وہ فرماتے ہیں کہ صبر تین قسم پر ہے (۱) مصائب پر صبر (۲) اطاعت پر صبر (۳) معاصی سے بچنے پر صبر کرنا، لہٰذا جس شخص نے مصیبت پر صبر کیا حتی کہ ان مصائب کا دفع بھی اچھی نیت سے کیا تو اللہ تعالیٰ اس بندے کے لئے تین سو درجات لکھ دیتا ہے، اور جو شخص اطاعت پر صبر کرتا ہے یہاں تک کہ اس کو ادا کرلے اسی طرح جس طرح اللہ نے حکم دیا ہے، تو اللہ تعالیٰ اس کے لئے چھ سو درجات لکھ دیتا ہے اور جو شخص گناہوں سے بچنے پر صبر کرتا ہے صرف اور صرف اللہ کے خوف سے اور اللہ کے پاس جو (ثواب) ہے اس کی امید پر تو اللہ تعالیٰ اس کے نو سو درجات لکھ لیتے ہیں۔

میمون بن مہران فرماتے ہیں کہ صبر دو قسم پر ہے، مصیبت پر صبر کرنا یہ اچھا اور بہتر ہے اور معصیت سے بچنے پر صبر کرنا یہ اس سے بھی اچھا و افضل ہے۔

حضرت فضیل رحمہ اللہ اللہ تعالیٰ کے قول ﴿سَلَامٌ عَلَيْكُمْ بِمَا صَبَرْتُمْ﴾ کی تفسیر کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ تم لوگ صبر کرو ان احکام پر جس کا تم کو حکم دیا گیا ہے اور ان چیزوں سے بچنے پر صبر کرو جس سے تم کو روکا گیا ہے؟ گویا انہوں نے صبر علی المصیبت کو مامورات میں داخل کرلیا ہے۔

﴿پندرہواں باب﴾
وہ قرآنی آیات جو صبر کے متعلق وارد ہوئی ہیں

امام احمدؒ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں نویں مقام میں صبر کو ذکر کیا ہے، اور ہم ان وجوہ کو ذکر کریں گے جس کے لئے صبر کو بیان کیا گیا ہے، اور وہ چند وجوہ ہیں۔

(۱) صبر کا حکم دیا گیا ہے جیسے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿وَاصْبِرْ وَمَا صَبْرُكَ اِلَّا بِاللّٰهِ﴾ ترجمہ: ''اور آپ صبر کیجئے اور آپ کا صبر کرنا بھی خدا ہی کی توفیق سے ہے'' اور ﴿وَاصْبِرْ لِحُكْمِ رَبِّكَ﴾ ترجمہ: ''اور آپ اپنے رب کی تجویز پر صبر کیجئے''۔

(۲) ان چیزوں سے روکا گیا ہے جو صبر کے مخالف ہے، لہٰذا اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿وَلَا تَسْتَعْجِلْ لَّهُمْ﴾ ترجمہ: ''اور آپ ان لوگوں کے لئے جلدی نہ کیجئے'' اور ﴿وَلَا تَهِنُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا﴾ ترجمہ: ''اور تم ہمت مت ہارو اور رنج نہ کرو'' اور ﴿وَلَا تَكُنْ كَصَاحِبِ الْحُوْتِ﴾ ترجمہ: ''اور آپ مچھلی والے کی طرح نہ ہو جائیئے'' خلاصہ یہ کہ ہر چیز جس سے منع کیا گیا ہے وہ اس صبر کے مخالف ہے جس کا حکم دیا گیا ہے۔

(۳) فلاح کو صبر کے ساتھ معلق کیا ہے لہٰذا اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے ﴿يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوْا اصْبِرُوْا وَصَابِرُوْا وَرَابِطُوْا وَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ﴾ تو فلاح کو ان تمام امور پر معلق رکھا ہے۔

(۴) صابرین کا اجر دوسروں کے مقابلہ میں دوگنا چوگنا ہونے کی خبر، لہٰذا اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے ﴿اُولٰئِكَ يُؤْتَوْنَ اَجْرَهُمْ مَّرَّتَيْنِ بِمَا صَبَرُوْا﴾ ترجمہ: ''اور ان لوگوں کو ان کے صبر کی وجہ سے دوہرا ثواب ملے گا'' اور فرمایا: ﴿اِنَّمَا يُوَفَّى الصَّابِرُوْنَ اَجْرَهُمْ بِغَيْرِ حِسَابٍ﴾ ترجمہ: ''صابرین کو ان کا صلہ بے شمار ہی ملے گا'' سلیمان بن قاسمؒ فرماتے ہیں کہ ہر عمل کا ثواب معلوم ہوسکتا ہے سواءِ صبر کے! اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿اِنَّمَا يُوَفَّى الصَّابِرُوْنَ اَجْرَهُمْ بِغَيْرِ حِسَابٍ﴾ یعنی بہتی ہوئی نہر کی طرح ہے۔

(۵) امامت فی الدین کو صبر و یقین پر معلق کرنا، اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿وَجَعَلْنَا مِنْهُمْ اَئِمَّةً يَّهْدُوْنَ بِاَمْرِنَا لَمَّا صَبَرُوْا وَكَانُوْا بِآيَاتِنَا يُوْقِنُوْنَ﴾ ترجمہ: ''اور ہم نے ان میں بہت سے پیشوا بنا دیئے تھے جو

ہمارے حکم سے ہدایت کرتے تھے جبکہ وہ صبر کئے رہے اور ہماری آیتوں کا یقین رکھتے تھے‘‘ لہٰذا صبر و یقین سے بندہ امامت فی الدین حاصل کرتا ہے۔

(۶) صابرین اللہ کی معیت کی وجہ سے کامیاب ہو گئے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿اِنَّ اللّٰـــهَ مَعَ الصَّابِرِیْنَ﴾ ابو علی دقاقؒ فرماتے ہیں کہ صابرین دارین کی عزتوں میں کامیاب ہو گئے اسلئے کہ انہوں نے اللہ کی معیت کو حاصل کرلیا۔

(۷) اللہ تعالیٰ نے صابرین کے لئے ایسے تین امور کو جمع کیا ہے جو دوسروں کے لئے جمع نہیں کیا، (۱) اللہ کی طرف سے ان پر خاص فضل (۲) ان پر اللہ کی رحمت (۳) اللہ کا انکو خصوصی ہدایت عطا کرنا، لہٰذا اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿وَبَشِّرِ الصَّابِرِیْنَ. اَلَّذِیْنَ اِذَا اَصَابَتْهُمْ مُّصِیْبَةٌ قَالُوْا اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَیْهِ رَاجِعُوْنَ. اُولٰئِكَ عَلَیْهِمْ صَلَوَاتٌ مِّنْ رَّبِّهِمْ وَرَحْمَةٌ وَّاُولٰئِكَ هُمُ الْمُهْتَدُوْنَ﴾ اور بعض سلف فرماتے ہیں انہوں نے مصیبت کے آنے پر صبر کیا، پھر فرمایا کہ مجھے کیا ہو گیا ہے کہ میں صبر نہ کروں حالانکہ میرے رب نے مجھ سے صبر پر ایسی تین چیزوں کا وعدہ فرمایا ہے جس میں سے ہر چیز دنیا و مافیہا سے بہتر ہے۔

(۸) اللہ نے صبر کو معین و ہتھیار قرار دیا ہے اور حکم دیا ہے کہ صبر کے ذریعہ مدد چاہو، لہٰذا اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿وَاسْتَعِیْنُوْا بِالصَّبْرِ وَصَّلَاةِ﴾ لہٰذا جس شخص کو صبر حاصل نہیں اسکا کوئی معین و مددگار نہیں۔

(۹) اللہ تعالیٰ نے نصرت و مدد کو صبر و تقوی پر معلق رکھا ہے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿بَلیٰ اِنْ تَصْبِرُوْا وَتَتَّقُوْا وَیَاْتُوْکُمْ مِّنْ فَوْرِهِمْ هٰذَا یُمْدِدْکُمْ رَبُّکُمْ بِخَمْسَةِ آلَافٍ مِّنَ الْمَلَائِکَةِ مُسَوِّمِیْنَ﴾ ترجمہ: ’’ہاں کیوں نہیں! اگر صابر رہو گے اور متقی رہو گے اور وہ تم پر ایک دم سے آپہونچ نگے تو تمہارا رب تمہاری امداد فرمائے گا پانچ ہزار فرشتوں سے جو ایک خاص وضع بنائے ہونگے‘‘ اسی وجہ سے نبی کریم ﷺ نے فرمایا: جان لو نصرت صبر کے ساتھ ہے۔

(۱۰) اللہ تعالیٰ نے صبر و تقوی کو دشمن کے مکر و فریب سے بچنے کے لئے بہت بڑی ڈھال قرار دیا، بس کسی بندہ نے اس مکر و فریب سے بچنے کے لئے ان دونوں سے بڑھکر کوئی ڈھال نہیں پائی، اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿وَاِنْ تَصْبِرُوْا وَتَتَّقُوْا لَایَضُرُّکُمْ کَیْدُهُمْ شَیْئًا﴾ ترجمہ: ’’اگر تم صبر و تقویٰ کے ساتھ رہو تو ان لوگوں کی تدبیر تم کو ذرا بھی ضرر نہ پہونچا سکے گی۔

(١١) اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ملائکہ جنت میں صابرین کو انکے صبر کی وجہ سے سلام پیش کریں گے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿وَالْمَلَائِكَةُ يَدْخُلُونَ عَلَيْهِمْ مِّنْ كُلِّ بَابٍ. سَلَامٌ عَلَيْكُمْ بِمَا صَبَرْتُمْ فَنِعْمَ عُقْبَى الدَّارِ﴾ ترجمہ: ''اور فرشتے انکے پاس ہر دروازے سے آتے ہوں گے کہ تم صحیح سلامت رہوں گے بدولت اسکے کہ تم صابر رہے تھے سو اس جہاں میں تمہارا انجام بہت اچھا ہے''۔

(١٢) اللہ تعالیٰ نے صابرین کیلئے اس بات کو جائز قرار دیا ہے کہ جتنی انکو تکلیف پہونچائی جائے تو وہ اتنا ہی بدلہ لے سکتے ہیں، (لیکن) اللہ تعالیٰ نے انتہائی تاکید کے ساتھ قسم کھا کر فرمایا کہ پھر بھی صابرین کیلئے صبر خیر ہی خیر ہے، لہٰذا اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿وَاِنْ عَاقَبْتُمْ فَعَاقِبُوا بِمِثْلِ مَاعُوْقِبْتُمْ بِهٖ وَلَئِنْ صَبَرْتُمْ لَهُوَ خَيْرٌ لِّلصَّابِرِيْنَ﴾ تو تم اس میں غور کرو کہ اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں قسم کو واوِ قسم سے پھر اسکے بعد لام تاکید سے مؤکد فرمایا پھر جوابِ قسم کو بھی لامِ تاکید سے مؤکد فرمایا۔

(١٣) اللہ تعالیٰ نے مغفرت کو اور اجرِ عظیم کو صبر اور اعمال صالحہ پر مرتب کیا، اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿اِلَّا الَّذِيْنَ صَبَرُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ اُولٰئِكَ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّاَجْرٌ كَبِيْرٌ﴾ اور اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کو مستثنیٰ کیا ہے ایسے لوگوں سے جو مذموم ہے جو مصیبت کے وقت نا امیدی اور کفر سے اور نعمت کے وقت فخر و تکبر سے موصوف ہوتے ہیں اور اس مذمت و برائی سے صرف اور صرف صبر اور عمل صالحہ ہی کے ذریعہ خلاصی اور نجات ہوسکتی ہے جیسے کہ مغفرت اور اجر عظیم انہی دو سے حاصل ہوتے ہیں۔

(١٤) اللہ تعالیٰ نے مصیبت پر صبر کو عزم الامور قرار دیا ہے یعنی یہ وہ امور ہے جو مقصود ہوتے ہیں اور مقصود بھی ذاتی شرافت کی وجہ سے ہے، لہٰذا اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿وَلَمَنْ صَبَرَ وَغَفَرَ اِنَّ ذَالِكَ لَمِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ﴾ ترجمہ: ''اور جو شخص صبر کرے اور معاف کردے یہ البتہ بڑے ہمت کے کاموں میں سے ہے'' اور حضرت لقمان علیہ السلام نے اپنے بیٹے سے فرمایا: ﴿وَأْمُرْ بِالْمَعْرُوْفِ وَانْهَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَاصْبِرْ عَلٰى مَا اَصَابَكَ اِنَّ ذَالِكَ لَمِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ﴾ ترجمہ: ''اور اچھے کاموں کی نصیحت کیا کر اور برے کاموں سے منع کیا کر اور تجھ پر جو مصیبت واقع ہو اس پر صبر کیا کر یہ ہمت کے کاموں میں سے ہے''۔

(١٥) اللہ تعالیٰ نے مومنین سے فتح و نصرت کا وعدہ فرمایا ہے اور یہ اللہ کا وہ وعدہ ہے جو ان کے لئے

پہلے ہو چکا ہے اور یہی کلمہ حسنیٰ ہے اور اللہ تعالیٰ نے اس بات سے بھی آگاہ کیا کہ یہ (فتح ونصرت) محض صبر ہی کی وجہ سے میں عطا کرتا ہوں، اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿وَتَمَّتْ كَلِمَةُ رَبِّكَ الْحُسْنٰى عَلٰى بَنِى اِسْرَائِيْلَ بِمَا صَبَرُوْا﴾ ترجمہ: ''اور آپ کے رب کا نیک وعدہ بنی اسرائیل کے حق میں انکے صبر کی وجہ سے پورا ہو گیا''۔

(۱۶) اللہ تعالیٰ نے اپنی محبت کو صبر پر معلق رکھا ہے اور اپنی محبت (کے اہل) صابرین ہی کو قرار دیا ہے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿وَكَاَيِّنْ مِّنْ نَّبِيٍّ قَاتَلَ مَعَهٗ رِبِّيُّوْنَ كَثِيْرٌ فَمَا وَهَنُوْا لِمَا اَصَابَهُمْ فِىْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَمَا ضَعُفُوْا وَمَا اسْتَكَانُوْا وَاللّٰهُ يُحِبُّ الصَّابِرِيْنَ﴾ ترجمہ: ''اور بہت نبی ہو چکے ہیں جنکے ساتھ ہو کر بہت اللہ والے لڑے ہیں سو نہ تو ہمت ہاری انہوں نے ان مصائب کی وجہ سے جو ان پر اللہ کی راہ میں واقع ہوئیں اور نہ انکا زور گھٹا اور نہ وہ دبے اور اللہ تعالیٰ کو ایسے صابرین سے محبت ہے''۔

(۱۷) اللہ تعالیٰ نے اچھی خصلتوں کا ذکر کیا اور فرمایا کہ ان خصلتوں کو صابرین ہی حاصل کرتے ہیں، قرآن مجید میں دو مقام پر ذکر فرمایا، ایک سورۂ قصص میں قصۂ قارون کے تحت کہ علماء نے ان لوگوں سے جو قارون کے خزانے جیسے خزانہ کی تمنا کرتے تھے ان سے کہا ﴿وَيْلَكُمْ ثَوَابُ اللّٰهِ خَيْرٌ لِّمَنْ آمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا وَمَا يُلَقَّاهَا اِلَّا الصَّابِرُوْنَ﴾ اور دوم سورۂ حٰمٓ سجدہ میں بایں طور کہ بندہ کو اس بات کا حکم فرمایا کہ وہ برائی کو احسن طریقہ سے دفع کرے جب اس طرح کریگا تو اسکے اور اسکے دشمن کے مابین دوستانہ ہو جائیگا، پھر فرمایا: ﴿وَمَا يُلَقَّاهَا اِلَّا الَّذِيْنَ صَبَرُوْا وَمَا يُلَقَّاهَا اِلَّا ذُوْ حَظٍّ عَظِيْمٍ﴾۔

(۱۸) اللہ تعالیٰ نے اس بات سے آگاہ کیا ہے کہ اسکی آیات سے انتفاع اور نصیحت صابر وشاکر ہی حاصل کرتے ہیں، اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا مُوْسٰى بِآيَاتِنَا اَنْ اَخْرِجْ قَوْمَكَ مِنَ الظُّلُمَاتِ اِلَى النُّوْرِ وَذَكِّرْهُمْ بِاَيَّامِ اللّٰهِ اِنَّ فِىْ ذَالِكَ لَآيَاتٍ لِّكُلِّ صَبَّارٍ شَكُوْرٍ﴾ اور اللہ تعالیٰ نے سورۂ لقمان میں فرمایا: ﴿اَلَمْ تَرَ اَنَّ الْفُلْكَ تَجْرِىْ فِى الْبَحْرِ بِنِعْمَةِ اللّٰهِ لِيُرِيَكُمْ مِّنْ آيَاتِهٖ اِنَّ فِىْ ذَالِكَ لَآيَاتٍ لِّكُلِّ صَبَّارٍ شَكُوْرٍ﴾ اور قصۂ سبأ میں فرمایا: ﴿وَجَعَلْنَاهُمْ اَحَادِيْثَ وَمَزَّقْنَاهُمْ كُلَّ مُمَزَّقٍ. اِنَّ فِىْ ذَالِكَ لَآيَاتٍ لِّكُلِّ صَبَّارٍ شَكُوْرٍ﴾ اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿وَمِنْ آيَاتِهِ الْجَوَارِ فِى الْبَحْرِ كَالْاَعْلَامِ اِنْ يَّشَاْ يُسْكِنِ الرِّيْحَ فَيَظْلَلْنَ رَوَاكِدَ عَلٰى ظَهْرِهٖ اِنَّ فِىْ ذَالِكَ لَآيَاتٍ لِّكُلِّ صَبَّارٍ شَكُوْرٍ﴾ قرآنِ کریم میں یہ چار مقام ہیں جو دلیل ہے اس بات پر کہ اللہ کی آیات سے صابر وشاکر ہی منتفع ہوتے ہیں۔

(۱۹) اللہ تعالیٰ نے اپنے بندے حضرت ایوب علیہ السلام کی انکے صبر پر مدح وثناء فرمائی اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿اِنَّا وَجَدْنَاهُ صَابِراً نِّعْمَ الْعَبْدُ اِنَّهُ اَوَّابٌ ﴾ تو اللہ تعالیٰ نے حضرت ایوب علیہ السلام کو ﴿نِعْمَ الْعَبْدُ ﴾ انکے صابر ہونے کی وجہ سے فرمایا: اور یہ دلیل ہے اس بات پر کہ جو شخص جب اسکو آزمایا جائے اور وہ صبر نہ کرے تو وہ ﴿بِئْسَ الْعَبْدُ﴾ ہے۔

(۲۰) اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں پر جو مؤمن نہیں اور اہلِ حق اور اہلِ صبر نہیں سب کے لئے خسران اور نقصان کا حکم عام فرمایا، اور یہ دلیل ہے اس بات کی کہ انکے علاوہ کوئی صاحبِ نفع نہیں، اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿وَالْعَصْرِ. اِنَّ الْاِنْسَانَ لَفِی خُسْرٍ. اِلَّا الَّذِیْنَ آمَنُوْا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ وَتَوَاصَوْا بِالْحَقِّ وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ ﴾ اسی وجہ سے امام شافعیؒ فرماتے ہیں اگر تمام لوگ اس آیت میں غور کرے تو یہ سب کے لئے کافی ہے اور یہ اسلئے کہ بندے کا کمال اسکی دو قوتوں کی تکمیل میں ہے ایک قوتِ علم اور ایک قوتِ عمل اور یہ دونوں ایمان اور عمل صالح ہیں اور جس طرح وہ خود اپنی تکمیل کا محتاج ہے اسی طرح دوسروں کے لئے بھی تکمیل کا محتاج ہے اور یہی "تواصوا با لحق" (حق کی وصیت کرنا) اور "تواصوا بالصبر" (صبر کی وصیت کرنا) ہے، اور اس کی اصل وجڑ جس پر یہ (تکمیلِ علم وعمل) قائم ہوتا ہے وہی صبر ہے۔

(۲۱) اللہ تعالیٰ نے اہلِ میمنہ کو اس بات کے ساتھ مخصوص قرار دیا کہ وہی اہلِ صبر اور اہلِ رحم ہے، جن کے ساتھ یہ دونوں خصلت قائم ہیں اور دوسروں کو بھی اسکی تلقین ووصیت فرماتے ہیں، اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿ثُمَّ کَانَ مِنَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَ تَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ وَتَوَاصَوْا بِالْمَرْحَمَةِ اُولٰئِكَ اَصْحَابُ الْمَیْمَنَةِ ﴾ اور یہ اصحابِ میمنہ کیلئے حصر ہے ایسے لوگوں میں جن کے ساتھ یہ دو وصف قائم ہیں، اور ان دو وصفوں (صبر ورحم) کے اعتبار سے لوگوں کی چار قسمیں ہیں، ان چاروں میں افضل وبہتر یہ مذکورہ قسم ہے، اور ان میں سے قبیح وبدتر وہ ہیں جن کو نہ صفتِ صبر حاصل ہے اور نہ صفتِ رحم، اور ان کے قریب وہ لوگ ہیں جن کو صرف صفتِ صبر حاصل ہے، لیکن انکے پاس رحم نہیں، اور اس کے بعد چوتھی قسم ہے کہ جس کو صفتِ رحم تو حاصل ہے لیکن صفتِ صبر سے محروم ہے۔

(۲۲) اللہ تعالیٰ نے اسلام کے ارکان کے ساتھ اور ایمان کے تمام مقامات میں صبر کو متصل اور منسلک کردیا ہے، نماز کے ساتھ متصل کیا، لہٰذا اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿وَاسْتَعِينُوا بِالصَّبْرِ وَالصَّلَاةِ﴾ اور عامۃً اعمال صالحہ کے ساتھ متصل کیا لہٰذا فرمایا: ﴿إِلَّا الَّذِينَ صَبَرُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ﴾ اور تقوی کے ساتھ متصل کیا ﴿إِنَّهُ مَن يَتَّقِ وَيَصْبِرْ﴾ اور شکر کے ساتھ ﴿إِنَّ فِي ذَالِكَ لَآيَاتٍ لِّكُلِّ صَبَّارٍ شَكُورٍ﴾ اور حق کے ساتھ ﴿وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ وَتَوَاصَوْا بِالْحَقِّ﴾ اور رحمت کے ساتھ ﴿وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ وَتَوَاصَوْا بِالْمَرْحَمَةِ﴾ اور یقین کے ساتھ ﴿لَمَّا صَبَرُوا وَكَانُوا بِآيَاتِنَا يُوقِنُونَ﴾ اور صدق کے ساتھ ﴿وَالصَّادِقِينَ وَالصَّادِقَاتِ وَالصَّابِرِينَ وَالصَّابِرَاتِ﴾ اور صبر کو اپنی محبت ومعیت اور نصرت واعانت اور بہترین بدلہ وصلہ کا سبب قرار دیا ہے اور یہ وجوہ شرافت وفضیلت کے لیئے کافی ہے۔.... واللہ اعلم۔

﴿سولھواں باب﴾

وہ احادیث نبوی ﷺ جو صبر کے بارے میں مروی ہیں

صحیحین میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ ایک عورت کے پاس آئے جو اپنے بچے (کے مرنے) پر رورہی تھی تو آپ ﷺ نے فرمایا: ﴿اِتَّقِی اللّٰہَ وَاصْبِرِیْ﴾ (اے اللہ کی بندی اللہ سے ڈر اور صبر کر) تو اس عورت نے کہا کہ تم کو میری مصیبت کی کیا پرواہ؟ پھر جب نبی کریم ﷺ چلے گئے تو اس عورت سے کہا گیا کہ وہ اللہ کے رسول ﷺ تھے، تو اس کو تو گویا موت آگئی وہ عورت آپ ﷺ کے دروازہ پر آئی، تو اس نے دروازہ پر کسی دربان کو نہ پایا (یعنی آپ ﷺ دربان نہیں رکھتے تھے) پھر اس نے کہا اے اللہ کے رسول ﷺ میں (معذرت چاہتی ہوں کہ میں) نے آپ کو نہیں پہچانا، تو آپ ﷺ نے فرمایا: ﴿اَلصَّبْرُ عِنْدَ اَوَّلِ صَدْمَۃٍ﴾ اور دوسری حدیث میں یہ الفاظ ہیں ﴿عِنْدَ صَدْمَۃِ الْاُوْلٰی﴾۔

تو آپ ﷺ کا فرمانا ﴿اَلصَّبْرُ عِنْدَ صَدْمَۃِ الْاُوْلٰی﴾ کہ صبر تو صدمہٗ اولی ہی کے وقت ہے، یہ ایسا ہی ہے جیسے آپ ﷺ نے فرمایا: ﴿لَیْسَ الشَّدِیْدُ بِالصُّرْعَۃِ اِنَّمَا الشَّدِیْدُ الَّذِیْ یَمْلِكُ نَفْسَہٗ وَقْتَ الْغَضَبِ﴾ (طاقتور اور پہلوان وہ شخص نہیں جو کشتی میں پچھاڑ دے (بلکہ) طاقتور و پہلوان وہ ہے جو غصہ کے وقت اپنے نفس پر قابو رکھے) اسلئے کہ اچانک مصیبت کا ایک رعب ہوتا ہے جو قلب کو ہلا دیتا ہے اور اسکے صدمہ سے دل سہم جاتا ہے لہٰذا صدمہٗ اولیٰ کے وقت صبر کرنا ہی اس مصیبت کو توڑ دیتا ہے اور اسکی قوت کو کمزور کردیتا ہے اور اس پر مداومتِ صبر آسان ہوجاتا ہے اور اسلئے بھی کہ مصیبت دل پر وارد ہوتی ہے اور وہ اس کے لئے اجنبی مقام ہے تو مصیبت دل کو پریشان کردیتی ہے اور یہی صدمہٗ اولیٰ ہے اور جب اسکے بعد مصیبت دل پر وارد ہوتی ہے تو وہ (دل) اب اس مصیبت کے لئے وطن و مقام ہوگیا ہوتا ہے اور وہ قلب بھی جان لیتا ہے کہ وہ (مصیبت) اسکے لئے ضروری ہے تو پھر وہ اضطرار کی طرح صبر کرتا ہے، اس عورت کو جب معلوم ہوا کہ اس کا آہ وفغاں کرنا اس کو کوئی فائدہ نہیں دیتا تو وہ آپ ﷺ کے پاس معذرت چاہتی ہوئی آئی، گویا وہ کہہ رہی تھی "قَدْ صَبَرْتُ" میں نے صبر کرلیا تو آپ ﷺ نے اس کو بتایا کہ ﴿اَلصَّبْرُ عِنْدَ صَدْمَۃِ الْاُوْلٰی﴾۔

اوراسی معنی پر دلالت کرتی ہے وہ حدیث جو حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، رسول اللہ ﷺ ایک عورت کے پاس سے گذرے جو ایک قبر سے چمٹ چمٹ کر رو رہی تھی تو آپ ﷺ نے فرمایا: ﴿یَا اَمَةَ اللّٰهِ اِتَّقِیُ اللّٰهَ وَاصْبِرِیْ﴾ اے اللہ کی بندی اللہ سے ڈر اور صبر کر، تو اس عورت نے کہا کہ اے اللہ کے بندے میں اپنے بیٹے سے محروم ہو چکی ہوں تو آپ ﷺ نے فرمایا اللہ سے ڈر اور صبر کر، تو اس عورت نے کہا اے اللہ کے بندے اگر تجھ کو مصیبت پہونچی ہوتی تو تو مجھ کو معذور سمجھتا پھر آپ ﷺ نے فرمایا اے اللہ کی بندی اللہ سے ڈر اور صبر کر، تو اس عورت نے کہا اے اللہ کے بندے بس میں نے سن لیا اب تو چلا جا، لہٰذا آپ ﷺ چلے گئے آپ کے پیچھے ایک صحابی آ رہے تھے وہ اس عورت کے پاس کھڑے رہے اور اس عورت سے کہا کیا تو ان کو پہچانتی ہے؟ عورت نے کہا نہیں! صحابی نے کہا وہ اللہ کے رسول ﷺ تھے، راوی فرماتے ہیں کہ وہ عورت جلدی سے کھڑی ہو کر اسی جانب دوڑی حتی کہ وہ آپ ﷺ کے پاس پہونچ گئی اور کہنے لگی "اَنَا اَصْبِرُ، اَنَا اَصْبِرُ یَارَسُوْلَ اللّٰهِ" اے اللہ کے رسول میں نے صبر کیا میں نے صبر کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا: ﴿اَلصَّبْرُ عِنْدَ صَدْمَةِ الْاُوْلٰی، اَلصَّبْرُ عِنْدَ صَدْمَةِ الْاُوْلٰی﴾۔

ابن ابی الدنیاؒ فرماتے ہیں کہ یہ سیاق معنی حدیث کی وضاحت کرتا ہے، ابو عبیدہ فرماتے ہیں کہ اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ ہر مصیبت زدہ اس کی انتہاء تو وہ صبر ہی ہے لیکن مصیبت کی تیزی اور حرارت کے وقت اس پر صبر کرنا قابل تعریف ہے۔

میں (علامہ ابن قیم) کہتا ہوں کہ حدیثِ مذکور میں بہت سی علمی باتیں ہیں۔

(اوّل) مصائب پر صبر کرنے کا وجوب یہ تقوی میں سے ہے جس کا بندے کو حکم دیا گیا ہے۔

(دوم) امر بالمعروف نہی عن المنکر اور مصیبت کی مدہوشی اور اسکی شدّت آمرِ ناہی سے امر بالمعروف نہی عن المنکر کو ساقط نہیں کرتا۔

(سوم) امر و نہی کی بار بار تکرار کرنا حتی کہ بندہ اپنے رب سے عذر خواہی کر لے۔

(چہارم) (بعض حضرات) اس حدیث سے عورتوں کیلئے زیارت قبور کے جواز پر استدلال کرتے ہیں کیونکہ نبی کریم ﷺ نے اس عورت کو زیارت قبور کے بارے میں کوئی انکار نہیں فرمایا ان کو صرف صبر کا حکم دیا اگر زیارت قبور حرام ہوتا تو آپ ﷺ اس حکم کو بھی اس عورت کے سامنے بیان کر دیتے، نیز یہ آپ ﷺ کے آخری زمانہ کا واقعہ ہے کیونکہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ (جو اس حدیث کے راوی ہے) ۷ھ میں مسلمان ہوئے تھے۔

تو جواباً کہا جائے گا کہ آپ ﷺ نے اس عورت کوتقوی اور صبر دونوں کا حکم دیا تھااور یہی حکم اس عورت کی حالت زیارت قبوراور بکاء (رونا) اس پر انکار تھا، اوراس پر یہ بات دلالت کرتی ہے کہ جب عورت کومعلوم ہوا کہ حکم دینے والے (اللہ کے رسول) وہ شخص ہیں جس کی اطاعت واجب ہے تو فوراً اس سے باز آ گئی اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے یہ نہیں بتایا کہ وہ خود اس واقعہ کے وقت حاضر تھے حدیث میں اس بات پر کوئی دلیل نہیں ہے کہ یہ واقعہ ان کے اسلام لانے کے بعد کا ہے اوراگر حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ موجود تھے تو یہ حدیث ﴿لَعَنَہُ ﷺ لِزَائِرَاتِ الْقُبُوْرِ وَالْمُتَّخِذِیْنَ عَلَیْھَا الْمَسَاجِدَ وَالسُّرُوْجَ﴾ اس واقعہ کے بعدمرض الوفات کی ہے (یعنی یہ حدیثِ نہی ماقبل حدیث مثبت کے لئے ناسخ ہےاور پہلی حدیث منسوخ ہے)۔

اوراس حالت میں جس میں عورت اپنے نفس پر بے اختیار تھی آپ ﷺ کا خود کی پہچان نہ دینے میں آپ ﷺ کی جانب سے رحمت وشفقت ہے کہ اگر آپ ﷺ اس حالت میں اپنی پہچان دیتے تو ہوسکتا ہے کہ وہ عورت آپ کی بات قبول نہ کرتی تو ہلاکت کا منھ دیکھنا پڑتا اورعورت اس حال میں کہ وہ نبی کو نہ جانتی ہونا فرمانی کرنا اخف وہلکا ہےاس سے کہ وہ آپ کو جانتی ہواور وہ آپ کی نافرمانی کرے یہ آپ ﷺ کی کمالِ رحم دلی کی دلیل ہے۔

صحیح مسلم میں حضرت امّ سلمہؓ کی حدیث ہے وہ فرماتی ہے کہ میں نے نبی کریم ﷺ سے سنا ہے آپ نے فرمایا جب کسی مسلمان کو کوئی تکلیف پہونچتی ہے پھر وہ وہ بات کہتا ہے جس کا اللہ نے اسکوحکم دیا ہے یعنی ﴿اِنَّالِلّٰہِ وَاِنَّااِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ اَللّٰھُمَّ اَجِرْنِیْ فِیْ مُصِیْبَتِیْ وَاخْلُفْ لِیْ خَیْراً مِنْھَا﴾ تو اللہ تعالیٰ اس کواس سے بہتر چیز عطاء کرتے ہیں، حضرت امّ سلمہؓ فرماتی ہیں کہ جب حضرت ابوسلمہ رضی اللہ عنہ کی وفات ہوگئی تو میں نے سونچا کہ مسلمانوں میں ابوسلمہ سے بہتر کون ہوگا یہ سب سے پہلا گھرانہ تھا جو سب سے پہلے ہجرت کرکے آپ ﷺ کے پاس پہونچا تھا، پھر بھی میں نے وہ دعاء پڑھ لی تو اللہ نے مجھے اپنا رسول عطاء کیا آپ ﷺ نے حضرت حاطب بن بلتعہ رضی اللہ عنہ کو پیغامِ نکاح لے کر بھیجا (لیکن) میری ایک لڑکی بھی تھی اور میں بہت غیرت مند تھی تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ میں دعاء کرتا ہوں کہ تجھ کواپنی بیٹی سے بے نیاز کردے، اور دعاء کرتا ہوں کہ اللہ تیری غیرت کو دور کردے لہٰذا میں (امّ سلمہ) نے حضور ﷺ سے نکاح کرلیا۔

سنن ابی داؤد میں یہی حدیث امّ سلمہؓ سے منقول ہے وہ فرماتی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ جب تم میں سے کسی کو کوئی مصیبت پہونچے تو کہو﴿اِنَّـا لِلّٰـهِ وَاِنَّـا اِلَيْـهِ رَاجِـعُوْنَ اَللّٰهُـمَّ عِنْدَكَ اَحْتَسِبُ مُصِيْبَتِيْ فَـاْجِـرْنِـيْ فِيْهَا وَابْدُلْنِيْ خَيْراً مِنْهَا﴾ پھر جب حضرت ابوسلمہ رضی اللہ عنہ قریب الموت ہوئے تو انہوں نے کہا کہ اے اللہ میری بیوی کو مجھ سے بہتر شوہر عطاء کر پھر جب وفات ہوگئی تو حضرت امّ سلمہؓ نے کہا"اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَيْهِ الخ"۔

تو صبر کے نتیجہ میں غور کر اور استرجاع (اِنَّـا لِلّٰـهِ وَاِنَّا اِلَيْهِ الخ) میں اور آپ ﷺ کی اتباع میں اور جو مصیبت اللہ کی طرف سے آئی ہے اس پر رضامندی میں غور کر اس بات میں کہ حضرت ام سلمہ نبی کریم ﷺ سے نکاح کر کے فیضیاب ہوئی۔

جامع ترمذی، مسند احمد، صحیح ابن حبان میں حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کی روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: جب کسی بندے کا بیٹا مرجاتا ہے تو اللہ فرشتوں سے فرماتے ہیں کہ تم نے میرے بندے کے بیٹے کی روح کو قبض کرلیا ہے؟ تو فرشتے کہتے ہیں کہ ہاں! پھر اللہ فرماتے ہیں کہ تم نے اس کے دل کے ٹکڑے کی روح کو قبض کرلیا؟ فرشتے کہتے ہیں کہ ہاں! اللہ فرماتے ہیں میرے بندے نے کیا کہا؟ فرشتے کہتے ہیں کی تیری حمد بیان کی "اِنَّـا لِلّٰـهِ وَاِنَّا اِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ" پڑھا، تو اللہ فرماتے ہیں کہ جاؤ میرے بندے کے لئے جنت میں ایک گھر تعمیر کرو اور اس گھر کا نام "بیت الحمد" رکھو۔

صحیح بخاری میں حضرت انس رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے آپ ﷺ نے فرمایا: جب میں اپنے بندے کو اسکی دو محبوب چیزوں کے ذریعہ آزماتا ہوں پھر وہ صبر کرتا ہے تو میں اس کو اس کے عوض میں جنت عطاء کرتا ہوں اور دو محبوب چیزوں سے مراد دونوں آنکھیں ہیں۔

ترمذی شریف میں ہے جب میں میرے بندے کی دنیا میں دو محبوب چیزیں لے لیتا ہوں تو میرے پاس اس کا بدلہ سوائے جنت کے کچھ نہیں ہوتا۔

ترمذی میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں کہ جس کی دو آنکھیں میں لے لوں پھر وہ صبر کرے اور ثواب کی امید رکھے تو میں جنت کے سواء کسی اور بدلے پر راضی نہ ہوں گا۔

اور سنن ابو داؤد میں ہے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کسی مومن بندے کے اہل ارض میں سے اس کے مخلص دوست کو اٹھا لیتے ہیں اور وہ اس کو ثواب سمجھتا ہو تو اللہ اس کے لئے جنت کے سواء کسی بدلہ پر راضی نہ ہوگا۔

اور صحیح بخاری میں ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اللہ فرماتے ہیں کہ میرے مومن بندے کے دوست کو اٹھا لیتا ہوں اور وہ اس کو ثواب سمجھتا ہو تو اس کے لئے جنت کے سواء کچھ نہ ہوگا۔

صحیح بخاری میں حضرت عطا بن ابی رباحؒ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ مجھ سے ابن عباس رضی اللہ عنہ نے پوچھا کہ کیا میں تجھے اہل جنت میں سے ایک عورت بتاؤں؟ تو میں نے کہا کیوں نہیں! تو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا: یہ سیاہ فام عورت ہیں جو آپ ﷺ کے پاس آئی اور عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول ﷺ مجھے مرگی (مرض) کا دورہ پڑتا ہے اس وقت میرا ستر کھل جاتا ہے آپ ﷺ اللہ سے دعاء فرمادیجئے، تو آپ ﷺ نے فرمایا اگر تو خوشی سے اس پر صبر کرے تو اسکے بدلے میں جنت ملے گی اور دعاء کرانا ہی چاہتی ہے تو میں اللہ سے دعاء کردوں کہ وہ تجھے صحت عطاء فرمادے، تو وہ کہنے لگی میں اپنی بیماری پر صبر کرلونگی مگر یہ ستر کھل جاتا ہے اس کے لئے دعاء فرمادیجئے کہ یہ نہ کھلے، تو اسکے لئے آپ ﷺ نے دعاء فرمادی۔

مؤطا میں حضرت عطاء بن یسار رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جب بندہ بیمار ہوتا ہے تو اللہ اسکے پاس دو فرشتوں کو بھیجتے ہیں پھر فرماتے ہیں کہ دیکھو کہ وہ مریض اپنے عیادت کرنے والوں کو کیا کہتا ہے، پھر جب وہ عیادت کرنے والے اس کے پاس آتے ہیں تو وہ اللہ کی تعریف وثناء کرتا ہے تو یہ دونوں فرشتے یہ بات اللہ کے پاس لے جاتے ہیں حالانکہ اللہ سب کچھ جانتا ہے تو اللہ فرماتے ہیں کہ میرے بندے کا مجھ پر حق بنتا ہے کہ اگر میں اس کو وفات دوں تو اسکو میں جنت میں داخل کروں اور اگر اس کو شفاء دوں، تو اس کے گوشت کو اس سے بھی بہتر گوشت سے بدل دوں اور اس کے خون کو اس سے بہتر خون سے بدل دوں اور میں اسکے سیئات اور گناہوں کو مٹادوں۔

حضرت عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جدہ کی روایت میں ہے وہ فرماتے ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جب اللہ تمام مخلوق کو جمع کریگا، تو وہ ہم لوگوں کو پکارے گا "اَیْنَ اَھْلُ الصَّبْرِ" (کہاں ہیں صبر کرنے والے) تو

کچھ لوگ کھڑے ہونگے، اور وہ بہت تھوڑے ہوں گے، تو وہ تیزی سے جنت کی طرف دوڑیں گے، تو فرشتے ان سے ملاقات کریں گے، اور ملائکہ کہیں گے کہ ہم تم لوگوں کو جنت کی طرف رواں دواں دیکھتے ہیں، تم کون ہو؟ تو وہ لوگ کہیں گے کہ ہم اہلِ فضل ہیں، وہ کہیں گے تمہارا فضل کیا ہے؟ تو وہ کہیں گے کہ جب ہم پر ظلم ہوتا تھا تو صبر کرتے تھے اور جب ہمارے ساتھ برائی کا معاملہ ہوتا تھا تو ہم معاف کر دیتے تھے، اور جب ہم سے سخت کلامی کی جاتی تو ہم برداشت کرتے تھے، تو ان سے کہا جائے گا کہ تم جنت میں داخل ہو جاؤ، پس کیا ہی خوب ہے عمل کرنے والوں کا اجر۔

صحیحین میں روایت ہے کہ رسولِ کریم ﷺ نے مالِ (غنیمت) کو تقسیم فرمایا، تو بعض لوگوں نے کہا یہ ایسی تقسیم ہے جس میں اللہ کی رضامندی مقصود نہیں (یعنی تقسیم میں انصاف نہیں) تو آپ ﷺ کو اس کی اطلاع ہوئی تو آپ ﷺ نے فرمایا اللہ موسیٰؑ پر رحم فرمائے کہ ان کو اس سے بھی زیادہ تکالیف پہونچائی گئی (لیکن) انہوں نے صبر کیا۔

صحیحین میں عروہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں آپ ﷺ نے فرمایا: جب کسی مسلمان کو کوئی تکلیف پہونچتی ہے تو اللہ اسکی وجہ سے گناہ کو معاف کر دیتے ہیں حتی کہ کوئی کانٹا جو اسکو چبھے۔

صحیحین میں حضرت ابوھریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے نبی کریم ﷺ نے فرمایا: کسی مسلمان کو کوئی دکھ، مرض، حزن وملال، تکلیف وغم حتی کہ اسکو کوئی کانٹے کی چبھن جیسی بھی تکلیف پہونچے تو اللہ اسکی وجہ سے گناہوں کو معاف کر دیتا ہے۔

صحیح مسلم میں حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ کسی مومن کو کوئی کانٹا یا اس سے بھی بڑی (ادنی) چیز سے تکلیف پہونچتی ہے تو اللہ اسکی وجہ سے ایک درجہ بلند کرتے ہیں اور اس کے ایک گناہ کو معاف کر دیتے ہیں۔

مسند احمد میں حضرت ابوھریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے نبی کریم ﷺ نے فرمایا: بلاء وتکالیف ہمیشہ مومن بندے اور بندی کے ساتھ اس کے جسم میں، مال میں، اولاد میں ہوتی ہی ہے حتی کہ وہ اللہ سے ملے گا اس حال میں کہ اس پر کوئی گناہ نہ ہوگا۔

صحیح میں حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے وہ فرماتے ہیں کہ میں نے کہا اے اللہ کے رسول ﷺ کون لوگ سخت تکلیف میں ہوتے ہیں تو آپ ﷺ نے فرمایا: انبیاء علیہ السلام، پھر صالحین، پھر جوان سے

قریب ہیں پھر جوان سے قریب ہیں، آدمی اپنے دین کے اعتبار سے آزمایا جاتا ہے، لہذا اگر کوئی اپنے دین میں سخت (پختہ) ہے تو وہ مصائب میں بھی زیادہ ہوگا اور اگر کوئی اپنے دین میں ہلکا (کمزور) ہے تو وہ تکالیف میں بھی ہلکا ہوگا، اور بلاء و مصائب ہمیشہ مومن کے ساتھ ہوتی ہے حتی کہ وہ زمین پر چلتا پھرتا ہوتا ہے اور اس پر کوئی گناہ نہیں ہوتا۔

صحیحین میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ میں نبی کریم ﷺ کے پاس آیا تو آپ ﷺ کو بہت سخت بخار تھا، تو میں نے کہا اے اللہ کے رسول ﷺ آپ کو تو بہت بخار ہے؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا: مجھے اتنا بخار ہے جتنا تم میں سے دو آدمیوں کو ہوتا ہے، تو میں نے کہا تب تو آپ کے لئے دوگنا اجر ہوگا؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا ہاں! اس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں میری ذات ہے زمین پر کوئی ایسا مسلمان نہیں جس کو کوئی تکلیف پہونچے بیماری وغیرہ مگر اللہ اسکی وجہ سے گناہوں کو جھاڑ دیتا ہے جیسے درخت سے پتے جھڑ جاتے ہیں۔

صحیحین میں حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ وہ فرماتی ہیں میں نے آپ ﷺ سے زیادہ کسی پر تکلیف کو زیادہ نہیں دیکھا۔

بعض مسند روایات میں مرفوعاً ہے کہ آدمی کا اللہ کے نزدیک ایک ایسا درجہ ومقام ہوتا ہے جہاں وہ کسی عمل سے نہیں پہونچ سکتا حتی کہ وہ جسمانی کسی تکلیف میں مبتلا کیا جاتا ہے اور اس کی وجہ سے وہ اس درجہ تک پہونچ جاتا ہے۔

حضرت عائشہؓ سے روایت ہے آپ ﷺ نے فرمایا: جب مومن بندہ بیمار ہوتا ہے تو وہ بیماری اسکے گناہوں کو صاف کردیتی ہے جیسا کہ بھٹی لوہے سے زنگ کو صاف کردیتی ہے۔

صحیح بخاری میں حضرت خباب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ وہ فرماتے ہیں کہ ہم نے آپ ﷺ سے شکایت کی اور آپ ﷺ کعبہ کے سایہ میں اپنی چادر سر کے نیچے رکھ کر آرام فرما رہے تھے، تو ہم نے کہا آپ اللہ سے ہمارے لئے (کفار کے ظلم وستم پر) مدد و دعا نہیں کرتے؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا: (تم سے پہلے اہل حق میں سے) کسی شخص کو (ایمان کی پاداش میں) گرفتار کر کے زمین میں گڈھا کھود کر سر تک دفن کر دیا جاتا پھر آرہ سر پر رکھ کر بدن کو دو

حصوں میں چیر دیا جاتا اور لوہے کی کنگی گوشت وہڈی کے اندر تک اتر جاتی مگر اس کے باوجود یہ تکالیف دین حق سے ان کو باز نہ رکھ سکی اور نہ یہ تکلیف ان کو انکے دین سے روک سکی، قسم بخدا اللہ اِس اسلام کو ضرور مکمل کرے گا اور (امن وسلامتی کا یہ دور آ کر رہے گا) کہ ایک شخص مقامِ صنعاء سے حضر موت تک کا سفر کرے گا اور اس کو اللہ کے سوا کسی کا ڈر نہیں ہوگا اور اپنی بکری کے بارے میں بھیڑئے سے بھی اندیشہ نہیں رکھے گا مگر تم جلدی مچاتے ہو۔

اور بخاری شریف میں یہ الفاظ ہیں کہ میں (حضرت خباب رضی اللہ عنہ) رسول ﷺ کے پاس آیا، آپ ﷺ کعبۃ اللہ کے سائے میں کمبل پر سر رکھ کر آرام فرمارہے تھے اور ہم کو مشرکین کی طرف سے سخت اذیتیں پہونچتی تھی، ہم نے کہا آپ اللہ سے دعا کیوں نہیں فرماتے؟ تو آپ ﷺ سیدھے بیٹھ گئے اور آپ کا چہرۂ مبارک سرخ ہوگیا آپ ﷺ نے فرمایا بلاشبہ ایک شخص تھے جن کو گوشت وہڈی تک لوہے کی کنگیوں سے چیر دیا گیا تھا تو بھی اس تکلیف نے ان کو دین سے نہیں پھیرا۔

اہلِ علم حضرات نے حضرت خباب رضی اللہ عنہ کے قول "شَکَوْنَا اِلٰی رَسُوْلِ اللّٰہِ ﷺ حَرَّ الرَّمْضَاءِ فَلَمْ یَشْکِنَا" کو اسی محمل پر محمول کیا ہے، اور فرمایا کہ انہوں نے آپ ﷺ کو مقامِ رمضاء کی اس حرارت وگرمی کی شکایت کی جو انکی پیشانی وہتھیلی کو کفار کے سزا دینے کی وجہ سے پہنچی تھی، تو آپ ﷺ نے ان کی شکایت قبول نہیں کی اور آپ ﷺ نے انکو صبر کی تلقین کی، اور اس سے بہتر ومناسب کوئی اور وجہ محمل نہیں! اور بعض مفسرین نے اس کی تفسیر سخت گرم زمین پر سجدہ کرنے سے کی ہے، اور اس سے مصلّی کا اپنی پیشانی کو زمین پر لگانے کے وجوب پر استدلال کیا ہے (لیکن) پہلی تفسیر تین وجہ سے بہتر ومناسب ہے۔

(اوّل) حدیث کے الفاظ میں اس (تفسیر ثانی کے) مطلب پر کوئی دلیل نہیں ہے۔

(دوم) صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے اس بات کی خبر دی کہ وہ نبی کریم ﷺ کے ساتھ تھے، پھر جب انمیں سے کوئی اس بات پر قادر نہ ہوتا کہ وہ زمین پر سجدہ کر سکے تو وہ اپنے کپڑے کو بچھا دیتے، اور اس پر سجدہ کرتے تھے، اور ظاہری بات ہے کہ یہ (مسئلہ) نبی کریم ﷺ کو بھی پہنچا ہوگا اور آپ ﷺ کو معلوم ہوگا اور آپ ﷺ نے اس عمل پر صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کو برقرار رکھا۔

(سوم) حجاز میں گرمی کی شدت یہ پیشانی اور ہتھیلی کو زمین پر رکھنے سے مانع تھی بلکہ وہ ہتھیلی وچہرہ کو بھون ڈالے لہٰذا اس صورت میں سجدہ میں طمانیت ممکن ہی نہیں اور نماز کا خشوع بھی ختم ہو جائے گا اور بدن کے

لئے بھی مضر ہے اور مرض کو دعوت دیتا ہے اور شریعت ایسا حکم نہیں دیتی ؟ لہٰذا اے مخاطب تو حضرت خباب رضی اللہ عنہ کی اس روایت اور اس ماقبل کی روایت میں غور کر اور دونوں کے معنی والفاظ کو جمع کر۔...... واللہ اعلم۔

اور آپ حضرات حضرت خباب رضی اللہ عنہ کے قول "فلم یشکنا" سے تشویش میں مبتلا نہ ہو جائیں اس لئے کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ آپ ﷺ نے ان کی شکایت سے اعراض کیا اور ان کو ان سے پہلے لوگوں کے صبر کی خبر دی۔

صحیح بخاری میں حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ کی صاحبزادی نے آپ کو کہلا بھیجا کہ ان کا بیٹا قریب الموت ہے آپ تشریف لے آئیں تو آپ ﷺ نے قاصد بھیجا کے صاحبزادی کو سلام کہنا اور کہنا کہ ﴿إِنَّ لِلّٰهِ مَا أَخَذَ وَلَهُ مَا أَعْطٰى وَكُلُّ شَيْءٍ عِنْدَهُ بِأَجَلٍ مُسَمًّى فَلْتَصْبِرْ وَلْتَحْتَسِبْ﴾ کہ اللہ ہی کا ہے جو کچھ لیتا ہے، اللہ ہی کا ہے جو کچھ وہ عطا کرتا ہے، اور ہر چیز کا اللہ کے نزدیک ایک وقتِ متعین ہے لہٰذا تو صبر کر اور ثواب کی امید رکھ، تو اس صاحب زادی نے قسم دیکر کہلا بھیجا کے آپ ضرور آئیں، تو آپ ﷺ کھڑے ہو گئے اور آپ کے ساتھ حضرت سعد بن عبادہ، معاذ بن جبل، ابیّ بن کعب، زید بن ثابت رضی اللہ عنہم اور کچھ لوگ تھے، الغرض بچہ آپ کو دیا گیا، آپ ﷺ نے اسکو اپنی گود میں لیا اس حال میں کے بچہ کی سانس مضطرب اور گھونٹ رہی تھی گویا کے وہ چھوٹی پرانی مشک ہے، آپ ﷺ کی آنکھوں سے آنسوں بہنے لگے، تو حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے فرمایا اے اللہ کے رسول یہ کیا ہے؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا: یہ رحم ونرمی ہے جو اللہ تعالیٰ اپنے بندوں میں سے جسکے دل میں چاہتا ہے ڈال دیتا ہے اور بلا شبہ اللہ بھی اپنے بندوں میں سے رحم کرنے والوں پر رحم کرتا ہے۔

نسائی شریف میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کے آپ ﷺ کی چھوٹی بچی قریب الموت تھی تو آپ ﷺ نے اسکو لیا اور اپنے سینۂ مبارک سے لگایا اور پھر اپنا ہاتھ اس پر رکھا اور بچی آپ ﷺ کے سامنے تھی، حضرت امّ ایمن رضی اللہ عنہا رونے لگی تو میں (ابن عباس رضی اللہ عنہ) نے کہا کہ آپ روتی ہیں حالانکہ آپ ﷺ آپ کے پاس ہے؟ تو حضرت امّ ایمن رضی اللہ عنہا نے کہا کے میں کیوں نہ رؤوں جب کہ آپ ﷺ رو رہے ہیں! تو آپ ﷺ نے فرمایا: میں روتا نہیں ہوں بلکہ یہ رحم اور رقتِ قلبی ہے پھر آپ ﷺ نے فرمایا: کہ مومن ہر حال میں اچھا (خیر میں) ہوتا ہے کہ اس کی روح اسکے پہلو سے نکالی جائے گی اور وہ اللہ کی حمد وثنا کرتا ہوگا۔

صحیح بخاری میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ وہ فرماتے ہیں کہ حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ کا بیٹا بیمار تھا پھر وہ وفات پا گیا اور حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ کہیں باہر گئے ہوئے تھے، لہٰذا جب ان کی عورت نے دیکھا کہ بچہ مر گیا تو جلدی سے کوئی چیز (کپڑا) لائی اور بچہ پر ڈال دیا اور گھر کے ایک گوشہ میں رکھ دیا پھر جب حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ آئے تو پوچھا بچہ کیسا ہے؟ تو عورت نے کہا وہ بالکل پرسکون ہے اور مجھے امید ہے کہ وہ آرام کر رہا ہے حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ نے سمجھا کہ عورت سچ کہہ رہی ہے، راوی فرماتے ہیں کہ حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ نے عورت کے ساتھ رات گزاری پھر جب صبح ہوئی غسل کیا اور جانے کا ارادہ کیا تو عورت نے بتایا کہ بچہ وفات پا گیا ہے، تو حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نماز ادا کی اور دونوں کا واقعہ سنایا، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: امید ہے کہ اللہ تمہاری اس رات میں تمہارے لئے برکت عطاء کرے گا، ابن عیینہ فرماتے ہیں کہ انصار کے ایک آدمی نے بتایا کہ میں نے ان کے نو لڑکوں کو دیکھا جو سب کے سب حافظ قرآن تھے۔

مؤطا امام مالک میں حضرت قاسم بن محمدؒ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ میری عورت کا انتقال ہو گیا تو میرے پاس حضرت محمد بن کعب قرظیؒ تعزیت کے لئے آئے، انہوں نے فرمایا: کہ بنی اسرائیل میں ایک آدمی تھا جو فقیہ، عابد اور عالم، مجتہد تھا اور اس کی ایک بیوی تھی جس کو وہ بہت چاہتا تھا جب اس کا انتقال ہو گیا تو اس آدمی کو سخت صدمہ طاری ہو گیا حتی کہ اس نے تنہائی اختیار کر لی اور خود پر لوگوں کے آمد و رفت کے پیشِ نظر دروازے کو بند کر دیا اور لوگوں سے روپوش ہو گیا پھر اس کے پاس کوئی نہیں آتا تھا، تو بنی اسرائیل کی ایک عورت نے اس کے بارے میں یہ سب سنا تو وہ اسکے پاس آئی اور کہا کہ مجھ کو تیری ضرورت ہے یعنی کچھ پوچھنا ہے اور میں روبرو ہی پوچھنا چاہتی ہوں، تو لوگ بھی آئے اور دروازہ کھٹکھٹایا اور عابد کو بتایا تو اس نے اس عورت کو اجازت دے دی، عورت نے کہا کہ ایک مسئلہ آپ سے پوچھنا چاہتی ہوں، اس نے کہا وہ مسئلہ کیا ہے؟ عورت نے کہا میں نے اپنی پڑوسن سے عاریت کے طور پر زیورات لئے تھے پھر میں اس کو پہنتی رہی اور ایک زمانہ تک دوسرے کو عاریت پر دیتی رہی پھر اس عورت نے مجھ سے وہ زیورات مانگے تو کیا میں اسکو واپس کر دوں؟ تو اس نے کہا ہاں! اس عورت نے کہا قسم بخدا وہ زیورات میرے پاس ایک زمانہ تک رہے ہیں، تو اس عالم نے کہا تیرا اس کو واپس کر دینا بالکل ضروری ہے، تو پھر اس عورت نے اسکو کہا اللہ تجھ پر رحم فرمائے کیا تجھ کو اس چیز

پر افسوس ہوتا ہے جو چیز اللہ نے تجھ کو عاریۃً عطاء کی تھی پھر اس نے تجھ سے لے لی حالانکہ وہ تجھ سے زیادہ حقدار ہے، لہٰذا اس سے عابد کی آنکھیں کھل گئی اور اللہ تعالیٰ نے اس کو اس عورت کی بات سے منتفع کیا۔

جامع ترمذی میں بنی مرہ کے ایک شیخ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ میں کوفہ آیا تو مجھ کو بلال بن ابی بردہؒ کے بارے میں بتایا گیا، تو میں نے کہا کہ وہ تو معتبر آدمی ہے، لہٰذا میں ان کے پاس گیا اور وہ اپنے گھر میں محبوس ومقید تھے اور سزا اور (کوڑوں کی) مارنے ان کو متغیر کردیا تھا اور وہ گھاس پھوس میں پڑے تھے، تو میں نے کہا اے بلال الحمدللہ میں نے آپ کو دیکھا تھا کہ آپ ہمارے پاس سے گذرتے تھے تو اپنے ناک کو گردوغبار کے بغیر بھی بند کر لیتے تھے اور اب اس حال میں ہو تو آج آپ کیسے صبر کرتے ہیں؟ تو انہوں نے کہا کہ تو کس قبیلہ سے ہے، میں نے کہا بنی مرہ بن عباد میں سے ہوں، تو انہوں نے کہا کیا میں تجھکو ایک حدیث بیان نہ کروں؟ ہوسکتا ہے کہ اللہ تجھ کو اس سے نفع دے، تو میں نے کہا ضرور بیان کیجئے، تو حضرت بلالؒ نے فرمایا کہ مجھ کو ابو بردہ رضی اللہ عنہ نے بروایت ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ روایت فرمایا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کہ بندے کو کوئی چھوٹی یا بڑی تکلیف پہونچتی ہے وہ گناہ کی وجہ سے ہے اور بہت سے گناہوں کو تو اللہ ایسے ہی معاف کردیتے ہیں اور یہ آیت تلاوت فرمائی ﴿وَمَا اَصَابَکُم مِّنْ مُّصِیْبَةٍ فِیمَا کَسَبَتْ اَیْدِیْکُمْ وَیَعْفُوْا عَنْ کَثِیْرٍ﴾۔

صحیحین میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ گویا میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھ رہا ہوں، انبیاء علیہم السلام میں سے ایک نبی کا ذکر فرمایا کہ ان کی قوم نے ان کو خوب مارا حتی کہ ان کو لہولہان کردیا اور وہ نبی اپنے چہرے سے خون کو صاف کرتے جاتے تھے اور کہتے تھے اے اللہ میری قوم کو معاف کردے کہ وہ مجھے جانتے نہیں ہیں، اور یہ دعاء مشتمل ہے چند باتوں پر یعنی اس قوم کی معافی، ان کے لئے دعاء، ان کی طرف سے معذرت پیش کرنا اور انکو لِقَوْمِی (میری قوم) کہہ کر کے اظہارِ شفقت کرنا۔

ترمذی شریف میں حضرت یحییٰ بن وثابؒ سے روایت ہے اور وہ ایک صحابی سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: وہ مؤمن جو لوگوں کے ساتھ مل جل کر رہے اور انکی تکلیفوں پر صبر کریں وہ اجر میں بڑھا ہوا ہے اس مؤمن سے جو لوگوں کے ساتھ مل جل کر نہ رہے اور ان کی تکلیفوں پر صبر نہ کرے، امام ترمذی فرماتے ہیں کہ شعبہ کا خیال یہ ہے کہ وہ صحابی ابن عمر رضی اللہ عنہ ہے۔

صحیحین میں حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مجھ کو صبر سے بہتر اور وسیع کوئی اور چیز عطاء نہیں کی گئی۔

بعض مسانید میں روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ جب میں اپنے بندوں میں سے کسی بندے کو اس کے جسم میں، مال میں، اولاد میں کوئی مصیبت دیتا ہوں اور وہ بغیر شکوٰی شکایت کے صبر سے اس کا استقبال کرتا ہے تو مجھ کو قیامت کے دن اس بندے سے شرم وحیاء آئیگی کہ میں اس کے لئے میزان قائم کروں یا اس کے نامۂ اعمال کو کھولوں۔

جامع ترمذی میں ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ جب کسی قوم سے محبت کرتے ہیں تو ان کو مصیبت میں مبتلا کرتے ہیں تو جو راضی ہوتا ہے تو اسکے لئے اللہ کی رضاء مندی ہوتی ہے اور جو شخص اس مصیبت سے ناراض ہوتا ہے اس کے لئے بھی ناراضگی ہوتی ہے۔

بعض مسانید میں مرفوعاً روایت ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب اللہ تعالیٰ کسی بندے کی بھلائی چاہتے ہیں تو اس پر تکالیف نازل کرتے ہیں۔

صحیح مسلم میں حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ایک عورت کے پاس آئے فرمایا کہ تجھے کیا ہوا ہے کہ تو کانپ رہی ہے، تو اس عورت نے کہا بخار کہ اللہ اس میں برکت نہ دے، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بخار کو برا بھلا مت کہو، وہ تو انسان کو گناہوں سے صاف کرتا ہے جیسا کہ بھٹی زنگ کو صاف کر دیتی ہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس شخص کو رات کو بخار آئے اور وہ صبر کرے اور وہ بخار پر اللہ سے راضی ہو تو وہ اپنے گناہوں سے ایسے نکل جاتا ہے گویا کہ آج ہی اس کی ماں نے اس کو جنا ہے۔

حضرت حسن بصریؒ فرماتے ہیں کہ ایک رات کے بخار سے ہی انسان کے سب گناہ ختم ہو جاتے ہیں۔

مسند وغیرہ میں حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بخار تھا میں نے اپنا ہاتھ چادر کے اوپر رکھا تو میں نے بخار کی حرارت محسوس کی، تو میں نے کہا اے اللہ کے رسول آپ کو تو بہت سخت بخار ہے، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہم انبیاء علیہم السلام کی جماعت کو اسی طرح

دوگنی ہی تکلیف ہوتی ہے تاکہ ہمارے لئے اجر بھی دوگنا ہو، راوی کہتے ہیں میں نے کہا اے اللہ کے رسول ﷺ کون لوگ زیادہ گرفتارِ تکالیف ہوتے ہیں؟ تو فرمایا: انبیاء علیہم السلام! میں نے کہا ان کے بعد، تو فرمایا: صالحین، (پھر فرمایا) ایک بندہ تھا جو فقر میں مبتلا کیا گیا تھا حتی کہ وہ صرف ایک عباء (چوغہ) پاتا جس کو وہ سیتا پھر پہنتا اور ایک بندہ تھا جو جُو میں مبتلا کیا گیا تھا حتی کہ اس جُو نے اس کو ہلاک کر دیا تم کو یہ نعمتیں جتنی محبوب ہے اتنی ان لوگوں کو وہ تکالیف محبوب تھیں۔

حضرت عقبہ بن عامر الجھنی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جس عمل پر مؤمن بندہ دوام کرتا ہے پھر جب وہ بیمار ہوتا ہے تو فرشتے کہتے ہیں کہ اے ہمارے رب تیرے فلاں بندے کو بیماری نے عمل سے روک دیا ہے، تو اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ تم اس جیسے عمل کے لکھنے پر دوام کرو حتی کہ وہ اس بیماری سے اچھا ہو جاوے یا وفات پا جائے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب کوئی مؤمن بندہ بیمار ہوتا ہے تو دائیں جانب والے فرشتے (کراماً) کو کہا جاتا ہے کہ میرا بندہ صحت میں جتنا بھی عمل کرتا تھا اس کا اجر لکھتا جا اور بائیں جانب والے فرشتے (کاتبین) سے کہا جاتا ہے کہ میرے بندے کے گناہ لکھنے سے رک جا جب تک کہ وہ بیماری میں ہے تو ایک آدمی نے جو حضرت ابو ہریرہ کے پاس تھا اس نے کہا کیا ہی اچھا ہوتا کہ میں ہمیشہ صاحبِ فراش ہوتا، تو حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے کہا اس بندے نے خطاؤں کو ناپسند کیا۔

ابن ابی الدنیاؒ حضرت ہلال بن بساق سے روایت کرتے ہیں کہ ہم عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ کے پاس بیٹھے تھے تو لوگوں نے تکالیف کا ذکر کیا، تو ایک دیہاتی نے کہا میں کبھی بیمار نہیں ہوا تو حضرت عمار رضی اللہ عنہ نے فرمایا: کہ تو ہم میں سے نہیں ہے، بلاشبہ مسلمان کسی نہ کسی مصیبت و تکلیف میں مبتلاء کیا جاتا ہے جس سے اس کے گناہ جھڑ جاتے ہیں جیسے کہ درخت سے پتے جھڑتے ہیں اور کافر و فاجر بھی مصیبت میں آزمایا جاتا ہے تو اس کی مثال اونٹ کی طرح ہے کہ اس کو چھوڑ دیا جائے تو وہ نہیں جانتا کہ اس کو کیوں چھوڑا گیا ہے اور اگر اس کو باندھ دیا جائے تو بھی وہ نہیں جانتا کہ اس کو کیوں باندھا گیا ہے۔

حضرت ابو معمر ازدیؒ سے ذکر کیا گیا ہے کہ وہ فرماتے ہیں کہ جب ہم حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے کوئی بات سنتے جو ہم کو گراں گذرتی تو ہم سکوت اختیار کرتے تا کہ ہمارے سامنے واضح کردے، ایک دن ہم سے فرمایا خبردار سنو! مرض کہ اس کے لئے کوئی اجر نہیں لکھا جاتا، تو یہ ہم کو بہت ناگوار گذرا پھر حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا لیکن اس کے ذریعہ خطائیں معاف ہوجاتی ہیں تو ہم کو خوشی ہوئی اور ہم کو بات پسند آئی۔

اور یہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے کمالِ علم اور کمالِ فقہ کی دلیل ہے اس لئے کے اجر اعمالِ اختیاری پر ملتا ہے اور اس اثر پر ملتا ہے جو اعمال سے ظاہر ہو جیسے کہ اللہ تعالیٰ نے ان دونوں کو سورہ توبہ کے اخیر میں ذکر فرمایا ہے اللہ تعالیٰ کا قول فعلِ انفاق اور وادیوں ویرانوں کا سفر کرنے کے بارے میں ﴿اِلَّا كُتِبَ لَهُمْ﴾ اور اللہ کی راہ میں بھوک، پیاس، تھکان اور کفار کا غصہ ہونا یہ جو اثر ظاہر ہوتے ہیں اسکے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿اِلَّا كُتِبَ لَهُمْ بِهٖ عَمَلٌ صَالِحٌ﴾ تو ثواب ان دونوں (فعلِ اختیاری اور اثر فعلِ اختیاری) پر مرتب ہوتا ہے اور امراض ومصائب تو اسکا ثواب گناہوں کا معاف ہوجانا ہے اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿وَمَآ اَصَابَكُمْ مِّنْ مُّصِيْبَةٍ فَبِمَا كَسَبَتْ اَيْدِيْكُمْ﴾ اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مصائب کے بارے میں فرمایا: ﴿كَفَّرَ اللّٰهُ بِهَا مِنْ خَطَايَاهُ﴾ جیسے کہ اس سے پہلے بھی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال گزر گئے، اسی طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا قول ﴿اَلْمَرَضُ حِطَّةٌ﴾۔

لہٰذا اطاعات وعبادات یہ درجات کو بلند کرتے ہیں اور مصائب یہ سیئات کو ختم کرتے ہیں اسی وجہ سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ جس سے بھلائی کا ارادہ فرماتے ہیں اسکو مصائب میں گرفتار کرتے ہیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس شخص سے اللہ بھلائی کا ارادہ فرماتے ہے اسکو فقہ فی الدین (دین کی سمجھ) عطا کرتا ہے، تو یہ (فقہ فی الدین) اسکے درجات کو بلند کرتا ہے اور (مصائب میں گرفتاری) اسکی خطاؤں کو ختم کرتی ہے۔

یزید بن میسرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کے بندہ جب کسی مرض میں مبتلا ہوتا ہے اور اللہ کے پاس اسکا کوئی نیک عمل نہیں ہوتا تو اللہ تعالیٰ اسکو بعض وہ گناہ یاد کراتا ہے جو اس نے پہلے کیئے ہوتے ہیں تو اللہ کے خوف سے اسکی آنکھوں سے مکھی کے سر کے برابر آنسوں نکلتا ہے، تو اللہ کو اگر اسکو شفا دینا مقصود ہوتا ہے تو اسکو (گناہوں سے) پاک صاف کر کے شفا دیتا ہے اور اگر اسکو موت دینا ہوتا ہے تو اسکو (گناہوں سے) پاک صاف کر کے موت دیتا ہے اور اس حدیث پر حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ کی حدیث سے اشکال نہ کیا جائے جس میں اس شخص کا

ثواب بیان کیا ہے کہ جس شخص کا بیٹا وفات پا جائے (پھر وہ صبر کرے) تو اسکے لئے جنت میں ایک گھر تعمیر کیا جاتا ہے اور اسکو بیت الحمد کہتے ہیں۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کے آزاد کردہ غلام زیاد بن زیاد فرماتے ہیں کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم نبی کریم ﷺ کے پاس آئے اور آپ ﷺ بخار زدہ تھے، تو ہم نے کہا ''اوہ اوہ'' ہمارے ماں باپ آپ پر فدا ہوں اے اللہ کے رسول آپ ﷺ کا بخار تو بہت تیز ہے تو آپ ﷺ نے فرمایا: ہم انبیاء کی جماعت ہیں ہم پر دوگنی تکلیف ہوتی ہے، تو ہم نے کہا سبحان اللہ! آپ ﷺ نے فرمایا: کیا تم کو تعجب ہوگا کہ انبیاء میں سے ایک نبی کو جُوں نے ہلاک کر دیا، تو ہم نے کہا سبحان اللہ! آپ ﷺ نے فرمایا: کیا تم کو تعجب ہوگا کہ لوگوں میں سب سے زیادہ سخت آزمائش انبیاء کی ہوتی ہے پھر صالحین کی پھر ان سے قریب کی پھر ان سے قریب کی، ہم نے کہا سبحان اللہ! آپ ﷺ نے فرمایا: کیا تم کو تعجب ہوگا کہ وہ حضرات بلاؤں اور تکالیف میں خوش و مسرور ہوتے ہیں جیسے کہ تم راحت و آرام میں خوش ہوتے ہو۔

نسائی شریف میں حضرت عبیدہ بن حذیفہ رضی اللہ عنہا اپنی پھوپھی حضرت فاطمہؓ سے روایت فرماتے ہیں کہ وہ (فاطمہؓ) فرماتی ہیں کہ میں چند عورتوں کے ساتھ آپ ﷺ کے عیادت کے لئے آئیں تو اچانک ایک مشکیزہ جو لٹکا ہوا تھا اس کا پانی آپ ﷺ کی جبین مبارک پر ٹپک رہا تھا تا کہ شدتِ بخار میں تخفیف ہو جائے تو ہم نے کہا اے اللہ کے رسول اگر آپ اللہ سے دعاء فرمادے کہ اللہ آپ سے بخار کو دور کر دے! تو آپ ﷺ نے فرمایا: لوگوں میں سب سے زیادہ سخت آزمائش انبیاء کی ہوتی ہے پھر ان لوگوں کی جو ان سے قریب ہے پھر جو ان سے قریب ہے۔

حضرت مسروق حضرت عائشہؓ سے روایت فرماتے ہے کہ حضرت عائشہؓ فرماتی ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے زیادہ کسی کو سخت تکلیف میں نہیں دیکھا جب آپ بیمار ہوتے تو مرض بہت سخت ہوتا حتی کہ بسا اوقات پندرہ دن ہو جاتے آپ ﷺ کو نیند نہیں آتی اور آپ گردہ کی رگ یعنی کوکھ پکڑتے، تو ہم نے کہا اے اللہ کے رسول اگر آپ اللہ سے دعاء فرمادے تو آپ سے بیماری ختم ہو جائے تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ ہم انبیاء کی جماعت ہیں ہم پر تکالیف سخت ہوتی ہے تا کہ ہم سے لغزشوں کو صاف کر دے۔

مسند ونسائی شریف میں حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ کی روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ ایک آدمی نے کہا اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم آپ ہمیں بتائیں کہ یہ امراض جو ہم کو لاحق ہوتے ہیں اس میں ہمارے لئے کیا ہوگا؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: وہ کفارات ہیں، تو حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ نے عرض کیا اے اللہ کے رسول اگرچہ وہ مرض کم ہو؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کانٹا یا اس سے بھی ادنیٰ چیز (کی تکلیف) ہو، تو راوی فرماتے ہیں حضرت ابی رضی اللہ عنہ نے اس وقت اپنے واسطے دعاء کی کہ ہمیشہ بخار رہے حتی کہ وہ اسی مرض میں وفات پا جائے اور وہ مرض نہ حج سے غافل کرے اور نہ عمرہ سے اور نہ جہاد فی سبیل اللہ سے مانع ہو اور نہ فرض نماز جماعت سے پڑھنے سے مانع ہو، راوی فرماتے ہیں کہ اس کے بعد کوئی شخص بھی ان (حضرت ابی رضی اللہ عنہ) کے بدن کو چھوتا تو وہ بخار کی حرارت محسوس کرتا اسی میں ان کا انتقال ہوگیا۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب بندہ اچھی طرح سے عبادت کرتا ہے پھر وہ بیمار ہوتا ہے تو اس فرشتے سے جو اس پر مقرر ہے کہہ دیا جاتا ہے کہ اس کے لئے اس کے عمل کا ثواب برابر لکھتا رہ جب کہ وہ خوش ہو یا میں ہی اس کو آزاد اونٹنی سے ملادوں یعنی خوش کردوں۔

نیز حضرت ابوامامہ باہلی رضی اللہ عنہ سے مذکور ہے وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ تم کو بلاؤں کے ذریعہ پرکھتا ہے حالانکہ اللہ تعالیٰ اس کو خوب جانتا ہے جیسے کہ تم سونے کو آگ سے پرکھتے ہو، لہٰذا اس (کسوٹی) سے بعض لوگ خالص سونے کی طرح نکلتے ہیں بس یہی وہ شخص ہے جس کو اللہ تعالیٰ سیئات سے نجات دیتا ہے اور بعض لوگ وہ ہیں جو اس سونے کی طرح ہوکر نکلتے ہیں جو پہلے سے کم درجہ کا ہوتا ہے یہی وہ شخص ہے جو بعض شکوک وشبہات میں مبتلاء ہے اور ان سے بعض وہ ہے جو سیاہ سونے کی طرح نکلتے ہیں یہ وہ شخص ہے جو فتنہ میں ڈالا گیا ہے۔

مراسیلِ حسن بصریؒ میں مذکور ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ مؤمن کے خطاؤں کو ایک ہی رات کے بخار سے ختم کر دیتا ہے۔

اور ابن ابی الدنیاؒ فرماتے ہیں کہ صحابہ کرام امید رکھتے تھے کہ ایک رات کا بخار گذشتہ تمام گناہوں کا کفارہ ہے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک آدمی کے پاس آئے وہ بیمار تھے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم

نے فرمایا کہ یہ دعاء پڑھو ﴿اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْاَلُكَ تَعْجِيلَ عَافِيَتِكَ وَصَبْراً عَلَى بَلِيَّتِكَ وخُرُوجاً مِنَ الدُّنْيَاالِىٰ رَحْمَتِكَ﴾۔

حضرت عائشہؓ کا ارشاد ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ بخار خطاؤں کو ایسے جھاڑتا ہے جیسے درخت اپنے پتوں کو جھاڑتا ہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے ایک مریض کی عیادت کرتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ یہ (بخار) میری آگ ہے جس کو میں ان مؤمن بندے پر دنیا میں مسلط کرتا ہوں تا کہ یہ آخرت میں جہنم کی آگ میں سے اسکا حصہ ہو جائے۔

حضرت مجاہد فرماتے ہیں کہ بخار ہر مؤمن کا جہنم کے آگ میں سے حصہ ہے پھر یہ آیت تلاوت فرمائی ﴿وَاِنَّ مِنْكُمْ اِلَّا وَارِدُهَا كَانَ عَلَىٰ رَبِّكَ حَتْماً مَّقْضِيًّا﴾ اوراس سے حضرت مجاہد کی مراد قرآن کی اس آیت کی تفسیر کرنا نہیں ہے اس لئے کہ سیاقِ آیت اس معنی کو بخار پر محمول کرنے سے بالکل مانع ہے اور مراد اس سے یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں سے وعدہ کیا ہے کہ وہ جہنم سے جلد نجات پائیں گے، واللہ اعلم، اور اس پر حدیثِ ابی ریحانہ دلیل ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ بخار جہنم کی بھٹی میں سے ایک بھٹی ہے اور وہی بخار جہنم میں سے مؤمن کا حصہ ہے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ مؤمن کی مثال جب وہ مرض سے اچھا وتندرست ہوتا ہے اولے اور برف کی طرح ہے جو آسمان سے صفائی اور سفید رنگ کے نازل ہوتے ہیں، اس کو ابن ابی الدنیاؒ نے ذکر کیا ہے۔

ابن ابی الدنیاؒ نے حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً روایت فرمایا ہے کہ جب کوئی مسلمان بندہ میدانِ مرض میں کشتی لڑتا ہے (صبر سے مقابلہ کرتا ہے) تو وہ اس (میدانِ مرض) سے صاف ہو کر نکلتا ہے۔

آپ ﷺ نے فرمایا: مؤمن کی مثال جس وقت اسکو بخار آتا ہے لوہے کی طرح ہے جس (لوہے) کو آگ میں ڈالا گیا ہو جس سے زنگ صاف ہو جائے اور بہتر حصہ باقی رہ جائے۔

نیز نبی کریم ﷺ سے یہ بھی مرفوعاً مروی ہے کہ بندہ جب بیمار ہوتا ہے تو اللہ تعالیٰ فرشتوں کی طرف وحی فرماتے ہیں کہ اے میرے فرشتوں میں نے اپنے بندے کو میری قیدوں میں سے ایک قید میں مقید کرلیا ہے پھر اسکو میں وفات دے دوں تو میں اس کی مغفرت کردوں گا اور اگر شفاء دیدوں تو اس کا جسم مغفور ہوگا، اس پر کوئی گناہ نہیں ہوگا۔

حضرت سہل بن انس الجھنی سے مذکور ہے وہ اپنے والد سے وہ اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں وہ فرماتے ہیں کہ میں حضرت ابودردہ رضی اللہ عنہ کے پاس آیا اور وہ بیمار تھے، میں نے ان سے کہا اے ابودردہ ہم چاہتے ہیں کہ ہم تندرست رہے اور کبھی بیمار نہ ہو، تو حضرت ابودردہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے آپ فرماتے ہیں کہ دردِ سر اور بخار تو مؤمن کے ساتھ ہمیشہ رہتے ہیں اور اگر اس بندے کے احد پہاڑ کے برابر بھی گناہ ہے تو وہ (دردِ سر اور بخار) اس کے گناہوں میں سے ذرہ برابر بھی باقی نہیں رہنے دیتے۔

حضرت عطیہ بن قیس رحمہ اللہ فرماتے ہے کہ حضرت کعب رضی اللہ عنہ بیمار تھے تو اہلِ دمشق کا ایک وفد آپ کی عیادت کے لئے آیا، انہوں نے کہا اے ابواسحاق کیسے ہو؟ تو حضرت کعب رضی اللہ عنہ نے فرمایا خیرت سے ہوں یہ جسم ہے جو ماخوذ ہے اپنے گناہوں کی وجہ سے کہ اس کا رب چاہے تو اس کو عذاب (تکلیف) دے اور اگر چاہے تو اس پر رحم فرمائے اور اس کو (قیامت) میں زندہ کرے تو ایسا زندہ کرے کے اس کا کوئی گناہ نہ ہو۔

حضرت سعید بن وھب رحمہ اللہ فرماتے ہے کہ ہم سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کے ساتھ کندۃ کے ایک آدمی کے پاس عیادت کے لئے گئے، تو حضرت سلمان رضی اللہ عنہ نے فرمایا بلا شبہ مسلمان آزمایا جاتا ہے تو یہ آزمائش اس کی گزشتہ گناہوں کا کفارہ ہوجاتی ہے اور آئندہ کے لئے رضامندی طلب کرنے کا سبب ہوتا ہے اور کافر جب مبتلی کیا جاتا ہے تو اسکی حالت اونٹ سی ہوتی ہے کہ اس کو آزاد کیا جائے تو اسکو معلوم نہیں ہوتا کہ کیوں آزاد کیا گیا اور اگر اس کو باندھ دیا جائے تو وہ نہیں جانتا کے کیوں باندھا گیا۔

حضرت ابوایوب رضی اللہ عنہ سے مذکور ہے وہ فرماتے ہیں کہ آپ ﷺ انصار کے ایک آدمی کی عیادت کے لئے تشریف لائے اور آپ ﷺ اس کی طرف متوجہ ہوئے اور خیرت پوچھی، تو اس آدمی نے کہا کہ اے اللہ کے نبی ﷺ میں سات دن سے نہیں سویا، تو آپ ﷺ نے فرمایا اے میرے بھائی صبر کر تو اپنے گناہوں سے اس طرح نکل جائے گا جس طرح تو اس میں داخل ہوا تھا، پھر آپ ﷺ نے فرمایا مرض کی گھڑیاں یہ گناہوں کی گھڑیوں کو صاف کردیتی ہے۔

نسائی شریف میں حضرت ابوھریرہ ﷜ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک دیہاتی سے پوچھا کہ کیا کبھی تجھے بخار آیا ہے؟ تو اس نے کہا کہ اے اللہ کے رسول یہ بخار کیا ہے؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا: یہ (بخار) چمڑی اور خون کے مابین حرارت وگرمی ہوتی ہے، تو اس نے کہا اس کو میں نے کبھی محسوس نہیں کیا! آپ ﷺ نے فرمایا: اے دیہاتی تجھے کبھی درد ِسر ہوا ہے؟ تو اس نے کہا اے اللہ کے رسول یہ دردِ سر کیا چیز ہے؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا: یہ ایک رگ ہے جو انسان کے سر میں درد کرتی ہے، تو اس نے کہا میں نے کبھی اس کو محسوس نہیں کیا، پھر جب وہ چلا گیا تو آپ ﷺ نے فرمایا: جو شخص چاہتا ہے کہ وہ کسی جہنمی کو دیکھے تو وہ اس دیہاتی کو دیکھ لے۔

حضرت ام سلیم ؓ فرماتی ہے کہ میں بیمار ہوگئی آپ ﷺ میری عیادت کے لئے آئے تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ اے امّ سلیم کیا تو آگ، لوہا اور لوہے کے زنگ کو جانتی ہے؟ تو میں نے کہا ہاں، اے اللہ کے رسول ﷺ، تو آپ ﷺ نے فرمایا: تو خوش ہو جا اے امّ سلیم اسلئے کہ اگر تو تیرے درد و تکلیف سے خلاصی پائیگی تو ایسا ہے جیسا کہ آگ لوہے کو اسکے زنگ سے خلاصی دیتا ہے۔

بعض صحابہ اپنے ایک بھائی کی زیارت کے لئے نکلے، اس آدمی کے پاس پہونچنے سے قبل ہی معلوم ہوا کہ وہ بیمار ہے تو اس صحابی نے کہا کہ میں تیری زیارت کے لئے آیا ہوں اور تیری عیادت کے لئے اور خوش خبری سنانے کے لئے بھی آیا ہوں، تو اس (بیمار) نے کہا کہ سب ایک ساتھ کیسے جمع ہوسکتا ہے؟ تو اس صحابی نے کہا میں تیری زیارت (ملاقات) کے ارادے سے نکلا تھا پھر مجھے پتہ چلا کہ تم بیمار ہو تو عیادت بھی ہوگئی اور میں آپ کو ایک خوشخبری بھی سنادوں جو میں نے نبی کریم ﷺ سے سنی ہے آپ ﷺ نے فرمایا: جب بندے کے لئے اللہ کی جانب سے ایک درجہ مقدر ہوتا ہے جو وہ اپنے عمل سے حاصل نہیں کرسکتا تو اللہ تعالیٰ اس کو جسم کی، اولاد کی یا مال کی آزمائش میں مبتلا کرتا ہے پھر وہ اس پر صبر کرتا ہے حتی کہ وہ اس درجہ ومقام کو حاصل کرلیتا ہے جو اس کے لئے اللہ نے مقدر کیا ہے۔

حضرت حسن بصریؒ نے فرمایا جب کہ امراض کا ذکر ہوا، کہ قسم بخدا یہ امراض مسلمانوں کے لئے برے حالات نہیں، یہ تو ایسے حالات ہیں جس میں درجات روشن ہوتے ہیں اور اس میں جو وعدہ مسلمان بھول چکے ہیں اور جو خطائیں معاف ہوتی ہیں ان سب کا تذکرہ فرمایا۔

بعض سلفِ صالحین فرماتے ہیں کہ دنیا میں اگر مصائب نہ ہوتے تو ہم آخرت میں افلاس کی حالت میں پہونچتے۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ایک درخت کے پاس پہونچے پھر آپ نے اس کو ہلایا حتی کہ اس سے جتنے اللہ نے چاہے پتے گرے پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مصائب وتکالیف میری امت کے گناہوں کو گرانے میں اس درخت کا پتے گرانے سے بھی زیادہ تیز ہے۔

ابن ابی الدنیاؒ نے بروایت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ مرفوعاً ذکر فرمایا ہے ہر مسلمان کے ساتھ اللہ تعالیٰ اپنے فرشتوں میں سے دو فرشتے مقرر فرماتے ہیں جو اس سے جدا نہیں ہوتے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ دو اچھی چیزوں میں سے ایک کا فیصلہ فرمادے یا تو موت یا تو حیات! پھر جب عیادت کرنے والے اس سے کہتے ہیں کہ تو کیسا ہے؟ تو وہ کہتا ہے الحمدللہ قسم بخدا میں اچھا ہوں، تو دونوں فرشتے کہتے ہیں تو اس خون سے خوش ہو جا جو اس خون سے بہتر ہے اور تو اس تندرستی سے خوش ہو جا جو اس تندرستی سے بہتر ہے، اور اگر وہ کہتا ہے میں سخت تکلیف کی وجہ سے مصیبت میں ہوں، تو فرشتے اس کو کہتے ہیں تو خوش ہو جا اس خون سے جو اس خون سے بدتر ہے اور خوش ہو جا اس مصیبت وبلاء سے جو تیری اس بلاء سے زیادہ طویل ہے۔

اور یہ احادیث آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا حالتِ مرض میں "وا راساہ" کہنے کے معارض نہیں، نیز حضرت سعد کا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو کہنا "وَقَدِ اشْتَدَّ بِیَ الْوَجعُ وَاَنَا ذُوْمَالٍ" کے بھی معارض نہیں، اسی طرح حضرت عائشہؓ کا قول "وا راساہ" وغیرہ (یہ اقوال مذکورہ بالا احادیث کے معارض نہیں) اس لئے کہ یہ اقوال بطورِ اخبار کے ہیں نہ کہ عیادت کرنے والوں کو بطورِ شکوہ کے، لہٰذا مریض جب اللہ کی حمد کرے پھر اپنے مرض کی خبر دے اس کو شکوہ نہیں کہیں گے اور اگر اس نے مرض کی خبر بطورِ تنگ دلی اور ناراضگی کے دی تو یہ شکوہ ہے، بس ایک ہی بات (لفظ) ہے کبھی اس پر ثواب دیا جاتا ہے اور کبھی سزا دی جاتی ہے نیت اور ارادے کی وجہ سے۔

حضرت ثابت البنانیؒ فرماتے ہیں کہ ہم حسن بصریؒ کے ساتھ صفوان بن محرزؒ کی عیادت کے لئے گئے، تو اس کا بیٹا ہمارے پاس آیا اور کہا وہ پیٹ کے درد میں مبتلی ہے لہٰذا آپ ان کے پاس نہیں جاسکتے، تو حسن بصریؒ نے فرمایا کہ تیرے باپ کے گوشت وخون میں سے جو بھی لے لیا جائے گا تو اس میں گوشت کو مٹی کھالینے سے بہتر چیز موجود ہوگی۔

نیز حضرت ثابتؒ فرماتے ہیں کہ حضرت ربیعہ بن حارثؒ کے پاس عیادت کے لئے آئے اور وہ بیمار تھے تو انہوں نے کہا کہ کوئی شخص میری اس حالت کی طرح ہو جائے تو آخرت اس کے دل میں بھر جائے اور دنیا اس کی نظروں میں مکھی سے بھی کم تر ہو جائے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مذکور ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ جب بندہ تین دن تک بیمار رہتا ہے تو وہ اپنے گناہوں سے نکل جاتا ہے جیسا کہ آج ہی اس کی ماں نے اس کو جنا ہو اور آپ ﷺ نے فرمایا: مریض کی دعاء رد نہیں کی جاتی یہاں تک کہ وہ صحت یاب ہو جائے۔

ابن ابی الدنیاؒ نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت فرمایا ہے کہ میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ بیٹھا تھا کہ اچانک آپ ﷺ نے تبسم فرمایا، تو میں نے کہا اے اللہ کے رسول ﷺ کس وجہ سے تبسم فرمایا، تو آپ ﷺ نے فرمایا اس مومن بندے پر تعجب ہے جو مرض کی وجہ سے آہ و فغاں کرتا ہے اگر وہ یہ جان لے کہ اس کے لئے اس بیماری میں کیا (اجر) ہے تو وہ یہ چاہے گا کہ وہ ہمیشہ بیمار رہے یہاں تک کہ وہ اللہ سے جا ملے پھر آپ ﷺ نے تبسم فرمایا اور اپنے سر کو آسمان کی طرف بلند کیا، ہم نے کہا اے اللہ کے رسول ﷺ کس وجہ سے تبسم فرمایا، کس وجہ سے آپ نے آسمان کی طرف سر کو بلند کیا؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ مجھے تعجب ہوا ان دو فرشتوں پر جو آسمان سے نازل ہوتے ہیں اور مؤمن بندے کو اس کی نماز پڑھنے کی جگہ تلاش کرتے ہیں تو اس کو نہیں پاتے، تو وہ اللہ کے پاس جاتے ہیں، اور اللہ سے کہتے ہیں اے ہمارے رب تیرا وہ مؤمن بندہ جس کے ہم رات دن ایسے ایسے عمل لکھتے تھے ہم نے اسکو تیری رسی میں قید و محبوس پایا ہے اور ہم نے اس کے عمل میں سے کوئی عمل نہیں لکھا، تو اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں تم میرے بندے کے لئے اتنے عمل (کا اجر) لکھو جتنا وہ اپنے دن رات میں کرتا تھا اور اس میں سے کچھ بھی کمی مت کرنا، بس مجھ پر اس کو اتنا اجر دینا (لازم) ہے جتنا میں نے اس کو محبوس رکھا ہے اور اس کے لئے اتنا اجر ہوگا جتنا وہ عمل کرتا تھا۔

نبی کریم ﷺ سے منقول ہے جس شخص کو ایک رات بخار آیا پھر اس نے صبر کیا اور اس پر اپنے رب سے راضی رہا تو وہ اپنے گناہوں سے نکل جاتا ہے گویا کہ وہ آج ہی پیدا ہوا ہے۔

یحییٰ بن کثیرؒ مرسلاً فرماتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے حضرت سلمان رضی اللہ عنہ کو (نماز میں) غیر حاضر پایا تو آپ ﷺ نے ان کے بارے میں پوچھا تو بتایا گیا کہ وہ بیمار ہیں! آپ ﷺ ان کی عیادت کے لئے تشریف لائے تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ آپ کو اپنی بیماری سے شفا دے، اور آپ کے اجر کو بڑھا دے، آپ کے

گناہوں کو بخش دے، آپ کو آپ کے دین میں اور جسم میں تا حیات عافیت عطا فرماوے، بلاشبہ تکلیف میں آپ کے لئے تین دوست ہیں، اللہ کا ذکر کہ اللہ اسکی وجہ سے آپ کو یاد کرے گا، آپ کے گزشتہ گناہوں کی صفائی، جو چاہے وہ آپ دعا کرے اسلئے کہ مریض مستجاب الدعوات ہوتا ہے۔

زیاد بن ربیعؒ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کو کتاب اللہ کی ایک آیت کے بارے میں کہا کہ اس آیت نے مجھے غمگین کر دیا ہے، تو حضرت ابی رضی اللہ عنہ نے پوچھا وہ کونسی آیت ہے؟ تو میں نے کہا ﴿ مَنۡ یَّعۡمَلۡ سُوۡٓءًا یُّجۡزَ بِہٖ ﴾ تو حضرت ابی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں تو تجھے اپنے سے زیادہ سمجھدار خیال کرتا تھا، یقیناً مؤمن کو کوئی ٹھوکر یا ٹھیس پہونچتی ہے یا درد ہوتا ہے تو وہ کسی گناہ کی وجہ سے ہوتا ہے اور اکثر گناہوں کو اللہ تعالیٰ ایسے ہی معاف کر دیتا ہے۔

حضرت عائشہؓ سے بھی اس آیت کے بارے میں پوچھا گیا تو حضرت عائشہؓ نے فرمایا: جب سے میں نے اس آیت کے بارے میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا تھا ابھی تک مجھ سے اس کے بارے میں کسی نے نہیں پوچھا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے عائشہؓ جو بخار و مرض بندے کو ہوتا ہے یا کانٹا لگے یا تسمہ ٹوٹے یہ سب اللہ کی طرف سے سزا ہے حتی کہ آستین میں رکھا ہوا سامان گم ہو گیا جس سے وہ پریشان ہوا پھر وہی سامان بغل میں سے مل گیا، یہ اس لئے تا کہ بندہ گناہوں سے نکل جائے جیسے سرخ سونا بھٹی سے نکلتا ہے۔

حضرت وھب بن منبہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آدمی کامل فقیہ نہیں بن سکتا جب تک کہ وہ تکالیف کو نعمتیں نہ سمجھے اور راحت کو مصیبت نہ سمجھے اور یہ اس لئے کہ صاحبِ تکلیف راحت کا منتظر ہوتا ہے اور صاحبِ راحت تکلیف کا منتظر ہوتا ہے۔

بعض سابق آسمانی کتابوں میں ہے کہ اللہ تعالیٰ بندے کو ایسے معاملات میں مبتلی کرتا ہے جسکو وہ ناپسند کرتا ہے اور اللہ اس سے یہ چاہتے ہیں کہ دیکھے کہ وہ بندہ اللہ سے کیسے عاجزی کرتا ہے۔

حضرت کعب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے تورات میں پڑھا ہے کہ اگر میرا مؤمن بندہ رنجیدہ نہ ہوتا تو میں کافر کو لوہے کی ٹوپی پہنا دیتا کہ اسکو کبھی دردِ سر نہ ہو۔

حضرت معروف کرخیؒ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ مؤمن بندے کو امراض و تکالیف میں مبتلی کرتے ہیں

پھر اگر وہ اپنے دوستوں کو شکایت کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ میری عزت وجلال کی قسم میں نے امراض وتکالیف میں صرف اسی لئے مبتلی کیا تھا تا کہ میں تجھ کو گناہوں سے پاک کردوں، لہٰذا تو میری شکایت مت کر۔

ابن ابی الدنیاؒ نے ذکر کیا ہے کہ ایک آدمی نے کہا، اے اللہ کے رسول ﷺ یہ امراض کیا ہے؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا کیا تو کبھی مریض نہیں ہوا؟ تو اس نے کہا نہیں! تو آپ ﷺ نے کہا ہمارے پاس سے کھڑا ہو جا تو مؤمن نہیں ہے۔

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ جب ان کا مرض سخت ہو گیا تو بعض شاگردان کی عیادت کے لئے آئے، اس حال میں کہ ان کی بیوی ان سے کہہ رہی تھی کہ میری جان آپ پر فدا ہو ہم آپ کو (احتیاطاً) نہ کھلائیں گے اور نہ پلائیں گے! تو حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے نحیف آواز میں کہا میں سوزشوں میں مبتلیٰ ہوں اور مرض طویل ہے، قسم بخدا میں اس بات پر خوش نہیں ہوں کہ اللہ مجھ سے اس (مرض) کو ناخون کے برابر بھی کم کردے۔

حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے اپنی ایک بیوی کو طلاق دیدی پھر اسکی تعریف کی، تو ان سے کہا گیا کہ اے ابوسلیمان! تو کس وجہ سے تو نے اسکو طلاق دی، تو حضرت خالد بن ولید نے فرمایا کہ میں نے اسکو کسی ایسے معاملہ کی وجہ سے طلاق نہیں دی جس میں مجھے شبہ ہو اور ناگوار ہو، لیکن طلاق میں نے اس وجہ سے دی کہ اس کو میرے پاس کوئی تکلیف نہیں پہونچی تھی۔

آپ ﷺ سے مروی ہے کہ کسی مؤمن کے سر میں درد ہوتا ہے تو اللہ اس پر ایک نیکی لکھتے ہیں اور ایک گناہ معاف کرتے ہیں اور اس کے ایک درجہ کو بلند کرتے ہیں۔

یہ مذکورہ حدیث ماقبل کی احادیث کے منافی نہیں جسمیں گزرا کہ مصائب صرف مکفرات الذنوب ہے، اسلئے کہ نیکی کا حصول اس بندے کا اس تکلیف پر صبر اختیاری کی وجہ سے ہے اور صبر اختیاری بندے کا عمل ہے۔

صحابہ مُہاجرین میں سے ایک صحابی نے ایک مریض کی عیادت کی، تو اس صحابی نے فرمایا کہ مریض کے لئے چار فضیلت ہیں، (اوّل) یہ ھیکہ اس سے قلم اٹھالیا جاتا ہے، (دوم) اس کے لئے اس عمل کے برابر اجر لکھ دیا جاتا ہے جو عمل وہ حالتِ صحت وتندرستی میں کرتا تھا، (سوم) مرض ہر عضو کے گناہوں کے پیچھے دوڑتا ہے حتی کہ اس عضو سے گناہوں کو نکال دیتا ہے، (چھارم) اگر وہ زندہ رہتا ہے تو مغفور زندہ رہتا ہے اور اگر مرجائے تو بھی مغفور مرتا ہے، تو مریض نے کہا کہ اے اللہ میں ہمیشہ صاحبِ فراش (بیمار) رہوں۔

مسند میں آپ ﷺ سے مروی ہے آپ ﷺ نے فرمایا: اس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے اللہ تعالیٰ مؤمن بندے کے لئے خیر وبہتر ہی کا فیصلہ فرماتا ہے اگر اس کو خوشحالی وفراخی پہونچے تو وہ شکر کرتا ہے، تو یہ شکر اسکے لئے خیر وبہتر ہے، اور اگر اس کو تکلیف وتنگ دستی پہونچے تو وہ صبر کرتا ہے، تو یہ صبر اس کے لئے خیر وبہتر ہے اور یہ صرف مؤمن ہی کے لئے ہے، اور دوسری حدیث میں ہے کہ مؤمن کا ہر معاملہ عجیب ہے اگر اس کو راحت ونعمت پہونچے تو وہ شکر کرتا ہے اور وہ اس کے لئے بہتر ہے اور اگر تکلیف وغم پہونچے تو وہ صبر کرتا ہے اور وہ اس کے لئے بہتر ہے۔

واللہ اعلم ۔

﴿ سترہواں باب ﴾

وہ آثارِ صحابہ جو فضیلتِ صبر کے متعلق منقول ہیں

حضرت امام احمدؒ فرماتے ہیں کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ بیمار رہوئے تو دیگر صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم ان کی عیادت کے لئے حاضر ہوئے تو انہوں نے فرمایا کہ کیا ہم آپ کے لئے طبیب کو نہ بولائے؟ تو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ طبیب نے مجھ کو دیکھ لیا ہے، تو صحابہ نے فرمایا کہ اس نے کیا کہا؟ تو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا اس طبیب (اللہ) نے کہا کہ میں جو چاہتا ہوں کرتا ہوں۔

حضرت امام احمدؒ فرماتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ہم نے اپنی زندگی میں خیر و بھلائی صبر کی وجہ سے حاصل کی ہے۔

نیز یہ بھی فرمایا کہ بہترین زندگی اور راحت ہم نے صبر سے حاصل کی ہے، اور اگر صبر مردوں کی جانب سے ہو تو بڑا قابلِ قدر ہوتا ہے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں خوب سن لو، صبر ایمان میں وہی مقام و درجہ رکھتا ہے جو مقام سر جسم میں رکھتا ہے کہ اگر سر کٹ جائے تو جسم بھی ہلاک ہو جاتا ہے، پھر حضرت علی رضی اللہ عنہ کی آواز بلند ہوگئی اور فرمایا اس شخص کا ایمان (کامل) نہیں جس کو (صفت) صبر حاصل نہیں، اور فرمایا صبر ایسی سواری ہے جو کبھی ٹھوکر کھا کر گرتی نہیں۔

حضرت حسن بصریؒ فرماتے ہیں کہ صبر خیر و بھلائی کے خزینوں میں سے ایک خزینہ ہے اللہ تعالیٰ اسی بندے کو عطاء کرتا ہے جو اس کے نزدیک قابلِ عزت ہوتا ہے۔

حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کسی بندہ کو کوئی نعمت عطا کرے پھر وہ نعمت چھین لے پھر اس کے عوض میں اس کو صبر عطا کرے تو صبر اس چھینی ہوئی نعمت سے کئی گنا بہتر ہے۔

حضرت میمون بن مہران فرماتے ہیں کہ کسی نے صبر کے علاوہ کوئی چیز ایسی حاصل نہیں کی جس سے خیر یا اس سے کم درجہ کی چیز پر قابو پایا جا سکے۔

سلیمان بن قاسمؒ فرماتے ہیں کہ ہر عمل کا ثواب معلوم ہو سکتا ہے سوائے صبر کے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿اِنَّمَا يُوَفَّى الصَّابِرُوْنَ اَجْرَهُمْ بِغَيْرِ حِسَابٍ﴾ یعنی صبر کا ثواب مائے جاری کی طرح ہے۔

بعض عارفین کی جیب میں ایک رقعہ ہوتا تھا جس کو وہ ہر وقت نکال کر دیکھتے تھے اور اس میں لکھا ہوا تھا﴿وَاصبِرْ لِحُکْمِ رَبِّکَ فَاِنَّکَ بِاَعْیُنِنَا﴾۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اگر صبر وشکر (بالفرض) دو اونٹ ہوتے تو میں اس بات کی پرواہ نہ کرتا کہ میں ان میں سے کس پر سواری کروں۔

حضرت محمد بن شبرمہؒ جب ان کو کوئی تکلیف پہنچتی تو فرماتے تھے کہ یہ تو ایک گرمی کا بادل ہے ابھی کھل جائے گا۔

حضرت سفیان بن عیینہؒ اللہ تعالیٰ کے قول﴿وَجَعَلْنَا مِنْهُمْ اَئِمَّةً یَّهْدُوْنَ بِاَمْرِنَا لَمَّا صَبَرُوْا﴾کے بارے میں فرماتے ہیں کہ جب انہوں نے رأس الامر (حکم کی جڑ) کو اختیار کرلیا تو ہم نے ان کو ائمہ اور سردار بنا دیا۔

احنف بن قیسؒ سے پوچھا گیا کہ "ما الحلم" حلم کیا ہے؟ تو فرمایا کہ جو چیز ناپسند ہے اس پر تو تھوڑا صبر کرلے۔

حضرت وھبؒ فرماتے ہیں کہ حکمت کے اقوال میں لکھا ہے کہ بے وقوفی کا نتیجہ مصیبت ہے، اور حلم کا نتیجہ راحت ہے، اور صبر کا نتیجہ کامیابی ہے۔

حضرت عروہ بن زبیر رضی اللہ عنہ ولید بن عبد الملک کے پاس آئے اور آپ کے ساتھ آپ کے صاحب زادے محمد بھی تھے، اور وہ محمد لوگوں میں زیادہ خوبصورت بھی تھے، تو وہ ایک دن عبد الملک کے پاس منقش لباس میں ملبوس ہو کر آئے اور ان کی دو چوٹیا (گیسو) تھیں، اور وہ اس کو حرکت دے رہے تھے، تو ولید نے کہا قریش کے جوان ایسے ہی ہوتے ہے، تو ان (محمد) کو اس (عبد الملک) کی نظر لگ گئی، تو وہ اس کے پاس سے نکلے اس حال میں کہ محمد مدہوش تھے، تو وہ جانوروں کے اصطبل میں گر گئے اور جانور ان کو اپنے پیر سے روندتے رہے حتی کہ وہ وفات پاگئے، پھر حضرت عروہ رضی اللہ عنہ کے قدم میں جذام کی بیماری ہوگئی تو ولید نے ان کے پاس طبیبوں کو بھیجا تو اطباء نے کہا اگر اس (قدم) کو کاٹا نہ گیا تو یہ خارش بقیہ جسم میں بھی سرایت کر جائے گی جو مہلک ثابت ہوگی، تو اس قدم کے کاٹنے پر اتفاق ہوگیا پھر اس کو اطباء نے آرہ کے سامنے کر دیا تو جب آرہ ہڈی تک پہنچا تو آپ نے اپنا سر تکیہ پر رکھ دیا اور آپ پر غشی طاری ہوگئی پھر جب آپ کو افاقہ ہوا تو آپ کے چہرہ پر پسینہ بہہ رہا تھا اور آپ " لا الہ الا

اللّٰہ، اللّٰہ اکبر“ کا ورد کر رہے تھے پھر آپ نے اپنے قدم کو لیا اور اس کو بوسہ دینے لگے، پھر فرمایا اس ذات کی قسم جس نے مجھ کو تیرے کاٹنے پر آمدہ کیا میں نے تجھ کو کبھی حرام کام کی طرف نہیں چلایا اور نہ کسی گناہ کی طرف اور نہ ایسے کام کی طرف جو اللہ کو ناپسند ہو، پھر آپ نے اس قدم کے بارے میں حکم دیا تو اس کو غسل دیا گیا اور اس کو خوشبو لگائی گئی اور کپڑے میں کفن دیا گیا پھر آپنے اس کو مسلمانوں کے قبرستان میں بھیج دیا، پھر جب آپ ولید کے پاس سے مدینہ تشریف لائے تو آپ کے گھر والوں نے اور دوستوں نے آپ کی تعزیت کی، تو آپ صرف یہی کہہ رہے تھے ﴿لَقَدْ لَقِيْنَا مِنْ سَفَرِنَا هٰذَا نَصَبًا﴾ اور اس سے زیادہ کچھ نہیں کہتے تھے، پھر ارشاد فرمایا کہ میں مدینہ میں نہیں جاؤں گا اس لئے کہ یا تو تکلیف کی وجہ سے مجھ پر ہنسنے والے ہوں گے یا نعمتِ (صبر) کی وجہ سے حسد کرنے والے ہوں گے پھر آپ مقامِ عقیق میں اپنے محل پر آئے اور آپ وہاں مقیم ہو گئے، تو جب آپ اپنے محل میں داخل ہوئے تو عیسیٰ بن طلحہ نے آپ سے کہا آپ کے دشمن کی ماں مرے، آپ مجھے وہ تکلیف (زخم) بتائیں جس کے بارے میں لوگ آپ کی تعزیت کرتے ہیں، تو آپ نے اپنے گھوٹنے کو کھول دیا، تو عیسیٰ بن طلحہ نے کہا قسم بخدا ہم آپ کو بہادر شمار نہیں کرتے، اللہ نے آپ کے اکثر جسم کو باقی رکھا ہے آپ کی عقل، زبان، آنکھ، دونوں ہاتھ اور ایک پیر باقی ہے، تو حضرت عروہ رضی اللہ عنہ نے کہا اے عیسیٰ کسی نے میری ایسی تعزیت نہیں کی جیسی تو نے کی ہے، اور جب اطباء نے آپ کے قدم کو کاٹنے کا ارادہ کیا تھا تو آپ سے کہا کہ اگر ہم آپ کو کوئی چیز پلا دے تا کہ آپ کو تکلیف محسوس نہ ہو، تو آپ نے کہا بلا شبہ اللہ نے مجھے اسی لئے مبتلی کیا ہے تا کہ وہ میرے صبر کو دیکھے تو میں اس کے خلاف ورزی کیوں کروں، اور ان کے بیٹے ہشام سے پوچھا گیا کہ جب آپ کے والد عروہ رضی اللہ عنہ وضو کرتے تھے تو اس کٹے ہوئے پیر میں کیا کرتے تھے تو ہشام نے فرمایا وہ مسح کرتے تھے۔

حضرت امام احمدؒ نے فرمایا کہ حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک آدمی نے حضرت لقمان علیہ السلام سے پوچھا کہ کون سی چیز بہتر ہیں؟ تو آپ نے فرمایا: وہ صبر جس کے بعد کوئی اذاء نہ پہونچائی جائے، تو اس آدمی نے کہا لوگوں میں بہتر کون ہے؟ تو فرمایا وہ شخص کہ اس کو عطاء کیا جائے تو اس پر راضی ہو جائے، اس نے کہا لوگوں میں سب سے بڑا عالم کون ہے؟ تو فرمایا کہ وہ شخص جو لوگوں کے علم سے اپنے علم کو بڑھاتا ہو، تو پوچھا گیا کہ بہترین خزینہ کونسا ہے مال یا علم؟ تو آپ نے فرمایا: سبحان اللہ بلکہ مؤمن عالم وہ شخص ہے کہ اگر وہ اپنے پاس

کوئی مال تلاش کرتا ہے تو اگر پالے تو فبہا، اور اگر اپنے پاس نہ ہو تو وہ اپنے آپ کو روک لیتا ہے اور مؤمن کو تو یہی کافی ہے کہ وہ خود کو (سوال کرنے سے) روک لے۔

حسان بن جبلہؒ فرماتے ہیں کہ جس شخص نے غم و تکلیف کو ظاہر کیا وہ صابر نہیں، اسکو ابن ابی الدنیاؒ نے مرفوعاً روایت کیا ہے، اور اگر یہ صحیح ہے تو مطلب یہ ہے کہ بندہ مخلوق کے سامنے ظاہر کردے تو وہ صابر نہیں ہے، ورنہ اللہ کے سامنے اظہارِ غم کرنا تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔

اور حسان بن جبلہؒ اللہ کے قول ﴿فَصَبۡرٌ جَمِيۡلٌ﴾ کے بارے میں فرماتے ہیں کہ صبرِ جمیل وہ ہے جس میں شکوی شکایت نہ ہو۔

اور حضرت مجاہدؒ فرماتے ہیں کہ صبرِ جمیل جس میں آہ وفغاں نہ ہو۔

اور حضرت عمرو بن قیس فرماتے ہیں کہ صبرِ جمیل مصائب پر تسلیم و رضا ہے۔

اور بعض حضرات فرماتے ہیں کہ صبرِ جمیل وہ ہے جس میں شکوی نہ ہو۔

حضرت ہمامؒ حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ سے روایت فرماتے ہیں کہ اللہ کا قول ﴿وَابۡيَضَّتۡ عَيۡنَاهُ مِنَ الۡحُزۡنِ فَهُوَ كَظِيۡمٌ﴾ کا مطلب یہ ہے کہ غم و تکلیف پر خاموشی و ضبط یہ ہے کہ صرف خیر و اچھی ہی بات کہے۔

اور یحییٰ بن مختار حضرت حسنؒ سے روایت کرتے ہیں کہ کظیم صابر کو کہتے ہیں۔

اور حضرت ہمام حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ ﴿وَابۡيَضَّتۡ عَيۡنَاهُ﴾ میں کظیم بمعنی کمید ہے یعنی غم کو چھپانے کی وجہ سے چہرہ کا رنگ فکا پڑ جانا، رنجیدہ ہونا۔

حضرت حسن بصریؒ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کو دو گھونٹ سے زیادہ کوئی گھونٹ محبوب نہیں ایک وہ مصیبت کا گھونٹ جو تکلیف دہ اور مغموم کرنے والا ہو بندہ اس کو حسنِ خوبی اور صبر سے پی جائے، دوم غصہ کا گھونٹ جس کو بندہ حلم سے پی جائے۔

حضرت عبد اللہ بن مبارکؒ فرماتے ہیں کہ حضرت سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ صبر کہتے ہیں بندے کا اللہ کے لئے اعتراف کرلینا کہ جو کچھ اس کو پہونچتا ہے وہ اللہ ہی کی طرف سے ہے، اور اللہ سے ثواب کی امید رکھنا، اور کبھی کبھی بندہ جزع وفزع کرتا ہے حالانکہ وہ مضبوط ہوتا ہے جس سے صبر کے علاوہ کچھ ظاہر نہ

ہونا چاہئے ،الغرض حضرت سعید رضی اللہ عنہ کا قول (کہ بندے کو اللہ کی جانب سے پہونچنے والے مصائب کا اعتراف کرنا) گویا اللہ کے قول "انا لله" کی تفسیر ہے گویا بندہ اس بات کا اعتراف کرتا ہے کہ وہ اللہ ہی کی ملک ہے جس میں اس کا مالک جو تصرف کرنا چاہے کرتا ہے اوران کا قول ''اس ثواب کی امید رکھنا جواس کے پاس ہے'' گویا کہ وہ اللہ کے قول ﴿وَاِنَّـا اِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ ﴾ کی تفسیر ہے کہ ہم کواسی کے پاس لوٹ کر جانا ہے تو وہی ہم کو صبر کا بدلہ عطا کرے گا وہ مصیبت پر (صبر کے) اجر کو ضائع نہیں کرے گا، اوران کا قول ''بندہ جزع وفزع کرتا ہے حالانکہ وہ مضبوط ہوتا ہے''یعنی محض مضبوطی صبر نہیں بلکہ دل کو مقدرات پر ناراض ہونے سے بچانا ہے اور زبان کو شکوی سے محفوظ رکھنا ہے لہٰذا جو شخص مضبوط ہواوراس کا قلب تقدیر پر ناراض ہوتو یہ صابر نہیں ہے۔

یونس بن یزید فرماتے ہیں کہ میں نے ربیعہ بن ابی عبدالرحمٰن سے پوچھا کہ صبر کی انتہاء کیا ہے؟ تو فرمایا مصیبت پہونچنے سے پہلے تمہارے ایام جیسے گزرتے تھے مصیبت کے ایام بھی ایسے گزرنے چاہئے۔

قیس بن حجاج اللہ تعالیٰ کے قول ﴿فَاصْبِرْ صَبْرًا جَمِيْلًا ﴾ کے بارے میں فرماتے ہیں کہ صاحبِ مصیبت قوم میں غیر معروف ہو کہ وہ کون ہے۔

حضرت شمر جب کسی مصیبت زدہ کو تسلی دیتے تو فرماتے "اصبر لحكم ربك" اپنے رب کے فیصلہ پر صبر کر۔

حضرت ابوعقیل فرماتے ہیں کہ میں نے سالم بن عبداللہ کو دیکھا کہ ان کے ہاتھ میں کوڑا ہوتا اوران پر ایک چادر ہوتی ،حضرت واقد بن عبداللہ (حضرت سالم کے بھائی) کی موت کے وقت کسی بھی چیخنے والی (نوحہ کرنے والی) کی چیخ کو سنتے تو اس کو کوڑا مارتے۔

ابن ابی الدنیاؒ کہتے ہیں کہ قریش کی ایک عورت نے یہ (اشعار) کہے۔

اَمَـــا وَالَّـــذِیْ لَا خُـلْـدَ اِلَّا لِـوَجْـهِـهٖ وَمَـنْ لَيْـسَ فِـیْ الْعِزِّ الْمَنِيْعِ لَـهٗ كُـفُـوٗ

اس ذات کی قسم جو ہمیشہ رہنے والی ہے اوراس ذات کی قسم جس کے قوی غلبہ میں اس کا کوئی ہمسر نہیں

لَـئِـنْ كَـانَ بَـدْءُ الصَّـبْـرِ مُـرًّا مَذَاقَـهٗ لَـقَـدْ يُـجْـنِـیْ مِـنْ غِبْتِـهِ الثَّمْرُ الْحُلْوَ

اگر صبر کی ابتداء تلخ مزہ سے ہے تو بھی بلا شبہ صبر کی ٹوکری سے میٹھے پھل صابر چن ہی لیتا ہے

ابن ابی الدنیاؒ فرماتے ہیں کہ مجھے عمرو بن بکیر نے یہ اشعار سنائے۔

صَبَرْتُ فَکَانَ الصَّبْرُ خَیْرَ مَغَبَّةٍ وَھَلْ جَزْعٌ یُجْدٰی عَلَیَّ فَأَجْزَعُ

میں نے صبر کیا، انجام کار صبر خیر ہی ہے، کیا ہے کوئی جزع وفزع جو مجھے فائدہ پہونچائے تو میں جزع وفزع کروں گا

مَلَکْتُ دُمُوْعَ الْعَیْنِ حَتّٰی رَدَدْتُھَا اِلٰی نَاظِرِیْ فَالْعَیْنُ فِی الْقَلْبِ تَدْمَعُ

میں نے آنکھوں کے آنسوں پر قابو رکھا حتی کہ میں نے آنکھوں ہی میں اس کو واپس لوٹا دیا اور دل کی آنکھ آنسوں بہا رہی ہے

ابن ابی الدنیاؒ فرماتے ہیں کہ مجھ کو احمد بن موسیٰ ثقفیؒ نے یہ اشعار سنائے۔

ثَبَتَتْ خَوْلَةُ اَمْسِ قَدْ جَزَعَتْ مِنْ اَنْ تَنُوْبَ نَوَائِبُ الدَّھْرِ

گزشتہ کل خولہ زمانے کے مصائب پر جزع وفزع کر رہی تھی

لَا تَجْزَعِیْ یَا خَوْلَ وَاصْبِرِیْ اِنَّ الْکِرَامَ بُنَوْا عَلَی الصَّبْرِ

پریشان مت ہو اے خولہ اور صبر کر شرفاء لوگ صبر ہی پر بنیاد رکھتے ہیں

ابن ابی الدنیاؒ فرماتے ہیں کہ ایک آدمی ایک شخص کے بیٹے کے بارے میں تعزیت کرنے گیا، تو اس نے کہا جو شخص اللہ کے لئے اس کے حقوق میں صبر کرے تو وہ اللہ پر اس کے وعدہ کا حقدار ہو جاتا ہے، پس تو اس خوفناک مصیبت کو جو تجھے پہونچی ہے اس کو اجر کے ساتھ جمع مت کر، ورنہ یہ تجھ پر بڑی اور قاتل مصیبت ہوگی۔

حضرت ابن سماک رضی اللہ عنہ نے ایک آدمی کی تعزیت کی اور فرمایا کہ تجھ پر صبر کرنا لازم ہے جس کو ثواب کی امید ہو وہی صبر کرتا ہے اور جو شخص آہ وفغاں کریگا وہ بھی صبر کرے گا ہی۔

حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ فرماتے ہیں کہ رضا مندی یا تو ناداری اور کمزوری کے درجہ میں ہے یا مضبوطی وقوّت کے درجہ میں ہے، لیکن اللہ تعالیٰ نے صبر میں (رضاء کا) ایک بہترین اثر رکھا ہے، جب عبدالملک کے بیٹے کا انتقال ہوگیا تو اس پر صلوٰۃِ جنازہ پڑھی، پھر کہا اللہ تجھ پر رحم فرماوے تو میرا وزیر تھا اور تو معین ومددگار تھا، راوی فرماتے ہیں لوگ رو رہے تھے اور اس کی آنکھ سے ایک آنسوں نہیں بہہ رہا تھا۔

مطرف بن عبداللہؒ کو ان کے بیٹے کے بارے میں تکلیف پہنچی (یعنی بیٹے کی وفات ہوگئی) تو لوگ ان کے پاس تعزیت کے لئے آئے تو وہ لوگوں کے پاس خندہ پیشانی کے ساتھ پہونچے اور ملاقات کی، پھر کہا کہ مجھے اللہ سے حیا آتی ہے کہ مصیبت پر آہ وفغاں کروں۔

حضرت عمرو بن دینارؒ فرماتے ہیں کہ عبید بن عمیر نے فرمایا کہ آہ وفغاں یہ نہیں کہ آنکھ سے آنسوں بہے اور دل مغموم ہو، بلکہ آہ وفغاں تو یہ ہے کہ (مصیبت کے وقت) بدکلامی اور بدگمانی کرے۔

ابن ابی الدنیاؒ نے ذکر کیا ہے کہ حسین بن عبد العزیز فرماتے ہیں کہ میرے ایک خوبصورت بچے کا انتقال ہو گیا تو میں نے اس کی والدہ سے کہا اللہ سے ڈر اور ثواب کی امید رکھ اور صبر کر، تو اسنے کہا کہ میری مصیبت اتنی بڑی ہے کہ میں اس کو آہ وفغاں سے ختم نہیں کر سکتی۔

ابن ابی الدنیاؒ فرماتے ہیں کہ مجھے عمرو بن بکیر نے قریش کے ایک شیخ سے نقل کیا کہ حسن بن حصین کا انتقال ہو گیا، اور ان کے بیٹے عبید اللہ ان دنوں میں بصرہ کے قاضی وامیر تھے تو بہت سے لوگ ان کی تعزیت کے لئے جمع ہو گئے، پھر وہ حضرات اس بات میں بحث کرنے لگے کہ کونسی چیز ہے جو آدمی کے جزع وفزع اور اس کے صبر کے مابین فرق کو واضح کر دے تو ان حضرات کا اس بات پر اتفاق ہو گیا کہ جب بندہ اس کام کو ترک کر دے جو وہ کیا کرتا تھا تو وہ جزع وفزع اور آہ وفغاں ہے۔

حضرت خالد بن عثمان القرشیؒ فرماتے ہیں کہ سعید بن جبیر نے میرے بیٹے کے بارے میں میری تعزیت کی تو انہوں نے مجھ کو دیکھا کہ میں چہرہ ڈھانک کر بیت اللہ کا طواف کر رہا ہوں، تو انہوں نے میرے سر سے کپڑے کو کھینچ لیا اور کہا کہ کپڑا ڈھانک لینا آہ وفغاں میں سے ہے۔

فصل

ہمارے فقہاء وغیرہ میں اکثر حضرات یہ فرماتے ہیں کہ مصیبت زدہ آدمی کو اپنے سر پر ایسا کپڑا اڈالنا جس سے وہ پہچانا جاتا ہو اس میں کوئی حرج نہیں، وہ فرماتے ہیں چونکہ تعزیت مسنون ہے اور اس میں اس مصیبت زدہ کی معرفت آسان ہوتی ہے تاکہ اس کی تعزیت کرلے (وفیہ نظر) ہمارے شیخ نے اس کی تردید کی ہے، اور اس بات میں کوئی شبہ نہیں کہ ہمارے اسلاف ایسا کوئی فعل نہیں کرتے تھے اور نہ یہ فعل صحابہ وتابعین سے منقول ہے اور آثار متقدمہ اس قول کی تردید میں صریح واضح ہے، اور اسحاق بن راھویہ نے تردید فرمائی ہے کہ آدمی اس لباس کو ترک کر دے جس کو وہ عادۃً پہنتا تھا، اور وہی ترکِ (لباس) جزع وفزع اور ماتم ہے۔

الغرض حضراتِ اکابر کی یہ عادتِ مستمرہ رہی ہے کہ مصیبت سے قبل جس لباس وغیرہ کو استعمال کرتے تھے اس میں کوئی تغیر نہیں کرتے اور نہ ان افعال واعمال کو ترک کرتے تھے جو پہلے کرتے تھے، یہ سب صبر کے منافی ہے۔...... واللہ اعلم۔

اٹھارہواں باب

ان امور کا ذکر جو مصیبت سے متعلق ہیں مثلاً آہ وفغاں کرنا، ماتم کرنا، کپڑوں کو پھاڑنا اور زمانۂ جاہلیت کی طرح چیخ وپکار کرنا وغیرہ

ان امور میں سے ایک میت پر رونا ہے:۔ امام احمدؒ اور امام ابو حنیفہؒ نے میت پر قبل الموت اور بعد الموت رونے کی اجازت دی ہے اور اسی کو ابو اسحاق شیرازی نے اختیار کیا ہے، اور امام شافعیؒ اور بہت سے اصحابِ شافعی نے بعد الموت رونے کو مکروہ قرار دیا ہے اور ان حضرات نے روح کے نکلنے سے قبل رونے کی اجازت دی ہے، اور یہ حضرات حضرت جابر بن عتیک رضی اللہ عنہ کی حدیث سے استدلال کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ حضرت عبداللہ بن ثابت رضی اللہ عنہ کی عیادت کے لئے تشریف لائے تو آپ ﷺ نے محسوس کیا کہ موت غالب آچکی ہے تو آپ ﷺ نے آواز دی تو انھوں نے کوئی جواب نہیں دیا تو آپ ﷺ نے ﴿اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْن﴾ پڑھا اور فرمایا کہ اے ابو ربیع ہم آپ کے بارے میں مغلوب ہو چکے یعنی بچا نہیں سکتے، تو عورتیں رونے اور چیخنے لگی تو ابن عتیک رضی اللہ عنہ ان کو خاموش کرنے لگے تو آپ ﷺ نے فرمایا ان کو چھوڑ دو پھر جب وجوب (موت) واقع ہو جائے تو کوئی رونے والی نہ روئے، تو صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا اے اللہ کے رسول ﷺ یہ وجوب کیا ہے؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا ''موت''۔

اور یہ حضرات فرماتے ہیں کہ صحیحین میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا میّت کو گھر والوں کا اس پر رونے کی وجہ سے عذاب دیا جاتا ہے اور بلا شبہ یہ رونا بعد الموت ہوتا ہے اس لئے کہ قبل الموت اسکو میّت نہیں کہتے۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ جب احد سے تشریف لائے تو قبیلۂ بنی عبد الاشہل کی عورتوں کو اپنے اپنے شہداء پر روتے ہوئے سنا، تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ حمزہ رضی اللہ عنہ کے لئے کوئی رونے والی نہیں ہے، تو انصار کی عورتیں آئی اور آپ ﷺ کے قریب حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ پر رونے لگی، تو آپ ﷺ بیدار ہوئے اور فرمایا اللہ ان پر رحم کرے، اب رونے کے لئے یہاں آئی ہو، تم لوگ ان سے کہو کہ یہاں سے چلی جائے اور آج کے بعد کسی مُردے پر نہ روئے، اور یہ حدیث ماقبل کے جواز کو صراحت کے ساتھ منسوخ کرتی ہے۔

اور قبل الموت و بعد الموت میں فرق یہ ہے کہ قبل الموت رونا امید سے ہوتا ہے پس وہ رونا ڈر کی وجہ سے ہوتا ہے لیکن جب موت واقع ہوگئی تو امید بھی ختم ہوگئی اور قضاء ثابت ہوگئی اب رونا کوئی نافع نہیں ہے۔

اور جو حضرات بعد الموت رونے کی اجازت دیتے ہیں وہ فرماتے ہیں کہ حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میرے والد احد کے دن شہید ہوگئے تو میں رونے لگا تو لوگ مجھے منع کرنے لگے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم مجھے منع نہیں کرتے تھے، پھر میری پھوپھی فاطمہؓ رونے لگی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم روؤ یا نہ روؤ، فرشتے اپنے پروں سے ان پر برابر سایہ فگن رہے یہاں تک کہ ان کو اوپر لے گئے۔

نیز صحیحین میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے کہ حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ بیمار ہوگئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت عبد الرحمٰن بن عوف، سعد بن ابی وقاص اور حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے ساتھ عیادت کے لئے تشریف لائے، تو جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے پاس پہونچے تو حضرت سعد رضی اللہ عنہ بے ہوش تھے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا انتقال ہوگیا؟ تو صحابہ رضی اللہ عنہم نے فرمایا نہیں یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم رونے لگے جب لوگوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو روتے دیکھا تو خود بھی رونے لگے، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیا تم لوگوں نے سنا نہیں کہ اللہ تعالیٰ آنکھ کے آنسوں اور دل کے غم کی وجہ سے عذاب نہیں دیتا لیکن اس کی وجہ سے (اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی زبان کی طرف اشارہ فرمایا) عذاب دیتا ہے یا رحم کرتا ہے۔

نیز صحیحین میں حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے فرماتے ہیں، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی صاحبزادی کے پاس گئے اور ان کا بیٹا قریب الموت تھا تو بچہ آپ کو دیا اس حال میں کہ بچے کا سانس گھوٹ رہا تھا گویا کہ وہ مشک میں ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی آنکھیں اشک بار ہوگئی تو حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے فرمایا اے اللہ کے رسول یہ کیا؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ رحمت ہے جو اللہ اپنے بندوں کے دلوں میں ڈال دیتا ہے اور اللہ تعالیٰ انہی بندوں پر رحم فرماتے ہیں جو رُحماء ہیں۔

نیز مسند احمد میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحب زادی حضرت رقیہؓ کا انتقال ہوگیا تو عورتیں رونے لگی تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ ان کو کوڑے سے مارنے لگے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ان کو چھوڑ دوا ے عمر، اور تم عورتیں شیطان کی طرح کائیں کرنے سے بچو، پھر فرمایا جو غم اور رونا آنکھ

اور دل سے ہوتا ہے تو یہ اللہ کی جانب سے ہے اور رقتِ قلب کی وجہ سے ہے اور جو کچھ ہاتھ اور زبان سے ہو وہ شیطان کی جانب سے ہے۔

نیز مسند احمد میں حضرت عائشہؓ کی حدیث ہے حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کی جب وفات ہوگئی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ساتھ تشریف لائے، تو حضرت عائشہؓ فرماتی ہے کہ اس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے رونے کو پہچان رہی تھی حالانکہ میں میرے حجرے میں تھی۔

نیز مسند احمد میں حضرت ابوھریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس سے ایک جنازہ کے ساتھ کچھ رونے والی بھی گزری، اور میں (حضرت ابوھریرہ رضی اللہ عنہ) نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ حضرت عمر رضی اللہ عنہ بھی تھے تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ ان عورتوں کو جو روتی تھی ڈانٹنے لگے، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے ابن خطاب ان کو رہنے دو، اس لئے کہ دل گرفتارِ مصیبت ہے اور آنکھ آنسوں بہا رہی ہے اور موت کا وقت قریب ہے۔

جامع ترمذی میں حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کا ہاتھ پکڑا پھر اپنے صاحب زادے حضرت ابراھیم رضی اللہ عنہ کے پاس گئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے محسوس کیا کہ وہ قریب الموت ہے، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو اپنی گود میں اٹھایا پھر روئے، تو حضرت عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا کہ کیا آپ رو رہے ہیں؟ کیا آپ نے رونے سے منع نہیں فرمایا؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''نہیں''، میں تم کو دو احمقانہ اور دو فاجرانہ آوازوں سے روکتا ہوں، ایک مصیبت کے وقت آواز سے رونا، چہرہ کو مارنا، کپڑوں کو پھاڑنا اور شیطان کی آواز کی طرح رونا۔

اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے صحیح حدیث سے ثابت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی والدہ کی قبر کی زیارت کی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم رونے لگے، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے رفقاء بھی رونے لگے۔

نیز نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے صحیح روایت سے ثابت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ کو بوسہ دیا حتی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرہ پر آنسوں بہنے لگے۔

نیز صحیح حدیث سے ثابت ہے کہ جس وقت حضور ﷺ نے جعفر رضی اللہ عنہ اور آپ کے ساتھیوں کی شہادت کی خبر دی تو آپ ﷺ کی آنکھیں اشک بار تھی۔

نیز صحیح روایت سے ثابت ہے کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے نبی کریم ﷺ کی نعشِ مبارکہ کو بوسہ دیا اور آپ رضی اللہ عنہ رو رہے تھے۔

یہ بارہ دلائل ہیں جو بعد الموت رونے کی عدمِ کراہت پر دلیل ہیں، لہٰذا وہ احادیث جو رونے کی کراہت پر دلیل ہیں ان کو اس بات پر محمول کرنا متعین ہوگیا کہ وہ رونا جس میں نوحہ کی صورت ہو، اور اس میں مردہ کے اوصاف بیان کئے جائے (یہ مکروہ ومنع ہے) اسی وجہ سے بعض احادیث میں یہ الفاظ آئے ہیں ﴿اَلْـمَيِّتُ يُعَذَّبُ بِبَعْضِ بُكَاءِ اَهْلِهٖ عَلَيْهِ﴾ کہ بعض بکاء ورونا ایسا ہے جس کی وجہ سے میّت کو عذاب دیا جاتا ہے، اور بعض حدیث میں ہے ﴿يُعَذَّبُ بِمَا يُنَحُ عَلِيْهِ﴾ کہ نوحہ کی وجہ سے عذاب دیا جاتا ہے، اور صحیح بخاری میں ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ﴿دِعْهُنّ يَبْكِيْنَ عَلٰى اَبِىْ سُلَيْمَانَ مَالَمْ يَكُنْ نَقْعٌ اولَقْلَقَةٌ﴾ کہ ان عورتوں کو چھوڑ دو، ان کو خالد بن ولید رضی اللہ عنہ پر رونے دو، جب تک کہ وہ اپنے اوپر مٹی نہ ڈالے اور نہ چیخے نہ چلائے! (یعنی یہ کرنے لگے تو روک دو)۔

نیز حدیثِ حمزہ رضی اللہ عنہ سے نسخ کا دعویٰ صحیح نہیں ہے، اس لئے کہ اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ آج کے بعد شہداءِ احد میں سے کسی پر عورتیں نہ روئے۔

اور اس (مطلب) پر اباحت وجواز کی احادیث دلیل ہے جس میں سے اکثر احادیث غزوۂ احد کے بعد کی ہے، انہی اباحت وجواز کی احادیث میں سے ایک حدیثِ ابی ھریرہ رضی اللہ عنہ ہے، چونکہ حضرت ابوھریرہ رضی اللہ عنہ کا اسلام وصحبتِ رسول ﷺ ۷ھ میں ہے، نیز انہی احادیث میں سے ایک آپ ﷺ کی حضرت جعفر رضی اللہ عنہ اور ان کے رفقاء کے بارے میں حدیثِ بکاء ہے جو ۸ھ میں شہید ہوئے تھے، اور انہی میں سے ایک آپ ﷺ کا حضرت زینب رضی اللہ عنہ پر رونا ہے یہ بھی ۸ھ میں ہوا، اور انہی جواز کی احادیث میں سے ایک آپ ﷺ کا حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کی وفات پر رونا ہے اور حضرت سعد رضی اللہ عنہ کی وفات ۵ھ میں ہوئی، اور انہی میں سے آپ ﷺ کا اپنی والدہ کی قبر پر رونا ہے، اور یہ عام الفتح ۸ھ کا واقعہ ہے۔

اور ان حضرات نے جو یہ فرمایا کہ قبل الموت رونا صرف رنج اور ڈر کی وجہ سے ہے برخلاف بعدالموت کے! تو اس کا جواب یہ ہے کہ قبل الموت رونے والا حزن وغم کی وجہ سے روتا ہے اور اس کا حزن وغم بعدالموت تو اور زیادہ شدید ہو جاتا ہے لہٰذا بطریقِ اَولیٰ بکاء ورونے کی اجازت ہوگی بنسبت اس حالت کے جس میں امید ہے، اور اسی کی طرف آپ ﷺ نے اشارہ فرمایا: اپنے قول ﴿تَدْمَعُ الْعَيْنُ وَيَحْزَنُ الْقَلْبُ وَلَا نَقُوْلُ مَايُسْخِطُ الرَّبُّ وإِنَّا بِكَ يَا اِبْرَاهِيْمُ لَمَحْزُوْنُوْنَ﴾۔

فصل

مُردے کے محاسن بیان کر کے رونا، نوحہ کرنا:۔ امام احمدؒ نے اس کے مکروہِ تحریمی ہونے کی صراحت کی ہے اور امام احمدؒ نے ایک روایت میں فرمایا کہ نوحہ کرنا معصیت ہے، اور اصحابِ شافعی وغیرہم فرماتے ہیں کہ نوحہ حرام ہے، امام ابن عبدالبر فرماتے ہیں کہ علماء کا اس بات پر اجماع ہے کہ نوحہ کرنا نہ مردوں کے لئے جائز ہے اور نہ عورتوں کے لئے، اور بعض متأخرین علماءِ حنبلی فرماتے ہیں کہ نوحہ کرنا مکروہِ تنزیہی ہے، اور ابوالخطاب اپنی کتاب ھدایہ میں فرماتے ہیں کہ مردے کے محاسن بیان کر کے رونا، نوحہ کرنا، چہرہ پر مارنا، کپڑوں کو پھاڑنا، ننگے پاؤں چلنا وغیرہ مکروہِ تحریمی ہے۔

اور صحیح قول مکروہِ تحریمی کا ہے اس لئے کہ صحیحین میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ وہ شخص ہم میں سے نہیں جو رخساروں پر مارے، کپڑوں کو پھاڑے اور جاہلیت کی پکاروں کی طرح پکارے۔

نیز صحیحین میں حضرت ابوبردہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ سخت بیمار ہوئے ان پر غشی (بے ہوشی) طاری ہوگئی اور ان کا سر ان کی زوجہ کے گود میں تھا، تو ان کی زوجہ چیخنے لگی اور حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ ان کو کوئی جواب نہیں دے سکتے تھے، پھر جب ان کو افاقہ ہوا تو فرمایا میں ان چیزوں سے بری ہوں جس سے اللہ بری ہے اور رسول اللہ ﷺ بری ہے مصیبت میں چلّانے سے اور آواز کو بلند کرنے سے اور کپڑوں کو پھاڑنے سے۔

نیز صحیحین میں حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا کہ جس شخص پر نوحہ کیا جاوے تو اس نوحہ کی وجہ سے اس پر عذاب ہوگا۔

نیز صحیحین میں حضرت امّ عطیہؓ سے روایت ہے وہ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ہم سے بیعت کے وقت وعدہ لیا تھا کہ ہم نوحہ نہیں کریں گے، لہٰذا ہم میں سے سواءِ پانچ عورتوں کے کسی نے وفا نہیں کی۔

صحیح بخاری میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا میّت کو اس کی قبر میں عذاب دیا جاتا ہے نوحہ کرنے کی وجہ سے۔

صحیح مسلم میں حضرت ابو مالک اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا جاہلیت کی باتوں میں سے چار باتیں میری امّت میں ایسی ہے جس کو وہ لوگ ترک نہیں کریں گے، (۱) خاندانی شرافت پر فخر کرنا (۲) نسب میں طعن و تشنیع کرنا (۳) ستاروں سے بارش طلب کرنا (۴) نوحہ کرنا، اور فرمایا کہ نوحہ کرنے والی اگر موت سے پہلے توبہ نہیں کرے گی تو وہ قیامت کے دن اس طرح اٹھائی جائے گی کہ اس پر تارکول کی کُرتی اور اوڑھنی ہوگی۔

سنن ابی داؤد میں اسید بن ابی اسیدؒ سے روایت ہے وہ ایک ایسی عورت سے روایت کرتے ہیں جس نے آپ ﷺ کے دستِ مبارک پر بیعت کی تھی، وہ فرماتی ہے ان معروف باتوں میں سے جس کے بارے میں رسول اللہ ﷺ نے ہم سے عہد لیا تھا کہ ہم اس میں نافرمانی نہیں کریں گے، ایک یہ ہے کہ ہم اپنے چہروں کو نہ نوچے اور نہ واویلہ کرے اور نہ کپڑوں کو پھاڑے اور نہ ہم بالوں کو بکھرے ہوئے رکھے۔

مسند میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ آپ ﷺ نے جب عورتوں سے بیعت لی تو وعدہ لیا کہ وہ نوحہ نہیں کرے گی، تو عورتوں نے کہا کہ اے اللہ کے رسول ﷺ عورتیں زمانۂ جاہلیت میں نوحہ کرنے میں ہماری مدد کرتی تھی، تو کیا اسلام میں ہم ان کی مدد نہ کریں؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا حالتِ اسلام میں کوئی مدد دینا نہیں ہے۔

نیز ماقبل میں آپ ﷺ کا قول گزرا ''جو ہاتھ و زبان سے ہو شیطان کی جانب سے ہے'' اور یہ کہ ''میں تم کو دو احمقانہ اور فاجرانہ آواز سے روکتا ہوں، ایک مصیبت کے وقت چہرہ پر مارنے اور کپڑوں کو پھاڑنے کی آواز اور دوسرا شیطان کی گونج و آواز کی طرح آواز''۔

مسند احمد میں حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ میت کو زندوں کے

رونے کی وجہ سے عذاب دیا جاتا ہے، جب نوحہ کرنے والی کہتی ہے ”واعضداہ، واناصراہ، واکاسیاہ“ تو میت کو (عذاب میں) کھینچا جاتا ہے، اور اس کو کہا جاتا ہے کیا تو اس کو کپڑا پہنانے والا تھا؟ تو اس کا مددگار تھا؟ تو اس کا ناصر اور معین تھا؟۔

صحیح بخاری میں حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ پر غشی اور بے ہوشی طاری ہوگئی تو ان کی بہن حضرت عمارہؓ رونے لگی، اور کہنے لگی ”واجبلاہ، واکذا، واکذا“ اور ان کے محاسن شمار کرنے لگی، تو جس وقت حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کو ہوش آیا تو کہا تونے جو کچھ میرے بارے میں کہا وہی مجھ سے پوچھا گیا کے کیا تو ایسا ہے؟ پھر جب حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کی وفات ہوگئی تو ان کی بہن ان پر نہیں روئی۔

اور کیسے یہ افعال حرام نہیں ہو سکتے حالانکہ وہ سب افعال اللہ رب العالمین کی ناراضگی پر مشتمل ہے، اور وہ افعال جو صبر کے منافی ہو اور اس میں نفس ودل کا نقصان ہو مثلاً چہرے پر مارنا، بالوں کو نوچنا، منڈوانا، اور اس پر چیخ وپکار اور واویلہ کرنا، اللہ کو (نعوذ باللہ) ظالم کہنا، اور کپڑوں کو پھاڑ کر مال ضائع کرنا اور میّت کے ان اوصاف کو ذکر کرنا جو میّت میں نہ ہو وغیرہ، (یہ افعال کیسے حرام نہیں ہوسکتے) اور اس بات میں کوئی شک نہیں کہ شدید حرمت تو ان میں سے بعض ہی سے ثابت ہوجاتی ہے (چہ جائیکہ یہ سب موجود ہوں)۔

اور وہ حضرات جو نوحہ کرنے کو اور میّت کے محاسن بیان کرنے کو جائز مع الکراہت کہتے ہیں، وہ حضرت ابو وائل رضی اللہ عنہ کی روایت پیش کرتے ہیں کہ حضرت وائل بن اسقع رضی اللہ عنہ اور حضرت ابو وائل رضی اللہ عنہ یہ دونوں نوحہ کو سنتے تھے اور سکوت اختیار کرتے تھے۔

نیز وہ فرماتے ہیں کہ صحیحین میں حضرت امّ عطیہؓ سے روایت ہے وہ فرماتی ہے کہ جب یہ آیت ﴿يَـٰٓأَيُّهَا النَّبِيُّ إِذَا جَاءَكَ الْمُؤْمِنَاتُ يُبَايِعْنَكَ عَلَىٰٓ أَن لَّا يُشْرِكْنَ بِاللَّهِ شَيْئًا الخ﴾ نازل ہوئی تو اس میں نوحہ بھی تھا، تو میں نے کہا کہ اے اللہ کے رسول ﷺ مگر فلاں قبیلہ والے، اس لئے کہ انہوں نے جاہلیت میں میری مدد کی تھی، تو میرے لئے بھی ضروری ہے کہ میں ان کی مدد کروں، تو آپ ﷺ نے فرمایا، مگر فلاں قبیلہ والے (یعنی انکے لئے نوحہ جائز ہے)۔

صحیحین کی روایت میں ہے حضرت امّ عطیہؓ فرماتی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ہم سے بیعت لی تو یہ

آیت تلاوت فرمائی ﴿اَنۡ لَّا یُشۡرِكۡنَ بِاللّٰهِ﴾ اور ہم کو نوحہ کرنے سے منع فرمایا، تو ہم میں سے ایک عورت نے اپنے ہاتھ کو کھینچ لیا، اور کہا کہ فلاں عورت نے نوحہ میں میری مدد کی تھی تو میں چاہتی ہوں کہ میں اس کا بدلہ دوں! تو راویہ فرماتی ہے کہ آپ ﷺ نے اس کو کچھ نہیں کہا، پھر وہ عورت چلی گئی پھر واپس آئی، پھر آپ ﷺ نے اس سے بیعت لی، تو یہ حضرات فرماتے ہیں کہ آپ ﷺ کا ان بعض عورتوں کو نوحہ کی اجازت دینا دلالت کرتا ہے کہ یہ نہی تنزیہی ہے نہ کہ تحریمی، اور دونوں طرح کی دلیلوں کو پیشِ نظر رکھتے ہوئے اُس نوحہ پر محمول کیا جائے گا جس میں وہ مذکورہ مفسدات نہ ہو۔

اور مکروہِ تحریمی کہنے والے حضرات فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ کی احادیث کا معارضہ کسی سے نہیں کیا جاسکتا ہے چاہے جو بھی ہو، اور نہ ہم آپ ﷺ کی احادیث کو بعض کے ساتھ معارض قرار دیں گے، اور ہم نے جو صحیح وصریح احادیث ذکر کی ہے اس میں کسی تاویل کا احتمال نہیں، اور تحقیق کہ اس پر اجماع منعقد ہو چکا ہے، اور وہ عورت جس کو آپ ﷺ نے یہ کہا ''فلاں قبیلہ والے'' اور وہ عورت جس سے آپ ﷺ نے سکوت اختیار کیا تھا تو حکم انہی دو عورتوں کے ساتھ مخصوص ہے دو وجہ سے۔

(اوّل) یہ ہے کہ جب عورتوں نے اس کے بارے میں پوچھا تھا تو آپ ﷺ نے دو عورتوں کے علاوہ کو یہ کہا تھا ﴿لا اسعاد فی الاسلام﴾ کے اسلام میں نوحہ کرنے پر کوئی مدد نہیں ہے۔

(دوم) یہ ہے کہ آپ ﷺ نے ان کے لئے اجازت دی ہو (اس لئے کہ) وہ دونوں نو مسلم تھی، اور وہ دونوں جائز و حرام کے مابین فرق نہ کرسکی، اور ضرورت کے وقت سے بیان کا مؤخر کرنا یہ جائز نہیں، لہٰذا اس سے معلوم ہوا کہ حکم ان دونوں سے دیگر کی طرف متعدی نہیں ہوگا۔

بہر حال کلامِ قلیل جبکہ وہ صدق وسچّا ہو بطورِ نوحہ اور ناراضگی کے نہ ہو تو وہ حرام نہیں ہے اور نہ صبر واجب کے منافی ہے اس پر مسند احمد میں حدیث مروی ہے، حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ آپ ﷺ کی وفات کے بعد آئے اور آپ رضی اللہ عنہ نے اپنے ہونٹ آپ ﷺ کی دونوں آنکھوں کے مابین رکھے اور اپنے ہاتھ آپ ﷺ کے گوش مبارک پر رکھے اور کہا ''واانبیاہ، واخلیلاہ، واصفیاہ''۔

نیز صحیح بخاری میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں جب آپ ﷺ کا مرض ثقیل ہو گیا

اور تکلیف نے آپ کو بے ہوش کر دیا تو حضرت فاطمہؓ نے فرمایا: "واکرب ابتاہ" تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ آج کے بعد تیرے باپ پر کوئی تکلیف نہ ہوگی، پھر جب آپ ﷺ وفات پا گئے تو حضرت فاطمہؓ نے فرمایا: "یا ابتاہ اجاب ربا دعاہ" پھر جب آپ ﷺ کو دفن کیا گیا تو حضرت فاطمہؓ نے فرمایا، اے انس کیا تمہارا جی چاہتا ہے کہ تم رسول اللہ ﷺ پر مٹی ڈالو؟

نبی کریم ﷺ نے فرمایا ﴿وانّا بك یا ابراهیم لمحزونون﴾ تو یہ قول اور اس طرح کے دیگر اقوال جس میں تقدیر وغیرہ پر لب کشائی نہ ہو اور نہ اس میں رب سے ناراضگی ہو اور نہ اس پر غصہ ہو تو یہ محض رونے اور بکاء کی طرح ہے۔

﴿فصل﴾

آپ ﷺ کا فرمان ﴿اِنَّ الْمَیِّتَ لَیُعَذَّبُ بِالنِّیَاحَۃِ عَلَیْهِ﴾ کہ مردے پر نوحہ کرنے کی وجہ سے میت کو عذاب دیا جاتا ہے تو تحقیق کہ اسی کے بارے میں حضرت عمر، عبداللہ بن عمر، مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہم سے بھی روایت مروی ہے اور اسی طرح حضرت عمران بن حصین، ابوموسیٰ رضی اللہ عنہم سے بھی مروی ہے، لہٰذا علماء کی اس کے بارے میں مختلف جماعت ہوگئی ہے۔

لہٰذا ایک جماعت کہتی ہے اللہ سبحانہ وتعالیٰ اپنی مخلوق میں جس طرح کا تصرف کرنا چاہے کر سکتا ہے، اور اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے افعال معلل نہیں ہوتے اور کوئی فرق نہیں کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ میت کو اس پر نوحہ کی وجہ سے عذاب دے یا ان عملوں کی وجہ سے جو اس کی طرف منسوب ہے، اس لئے کہ اللہ جل جلالہ ہی سب کا خالق ہے اور اللہ جل جلالہ بچوں (نابالغ) کو اور جانوروں کو اور پاگلوں کو بغیر عمل کے سزا دے سکتے ہیں۔

اور دوسری جماعت کہتی ہے کہ یہ احادیث آپ ﷺ سے صحیح سند سے ثابت نہیں ہے، لہٰذا حضرت عائشہؓ اس (میت کو نوحہ کی وجہ سے عذاب ہونے) کا انکار کرتی ہے اور استدلال کرتی ہے اللہ جل جلالہ کے قول ﴿وَلَا تَزِرُ وَازِرَۃٌ وِّزْرَ اُخْرٰی﴾ سے اور جب حضرت عائشہؓ کو حضرت عمر اور ابن عمر رضی اللہ عنہم کی حدیث پہونچی تو فرمایا کہ اگرچہ تم ان لوگوں سے حدیث بیان کرتے ہو جو نہ کاذب ہے اور نہ متہم، لیکن سننے میں خطا ہو سکتی ہے، اور حضرت عائشہؓ نے فرمایا کہ نبی کریم ﷺ ایک یہودی کی قبر پر سے گزرے تو فرمایا کہ اس قبر والے کو عذاب دیا جا رہا ہے اور گھر والے اس پر رو رہے ہیں۔

اور متفق علیہ روایت میں ہے جو حضرت عائشہؓ سے منقول ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: بلا شبہ اللہ تعالیٰ کافر کے عذاب کو بڑھا دیتے ہیں اس کے گھر والوں کا اس پر رونے کی وجہ سے، حلانکہ حضرت عائشہؓ یہ بھی فرماتی ہیں کہ تمہارے لئے قرآن کی آیت کافی ہے ﴿وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰی﴾۔

اور ایک دوسری جماعت کہتی ہے جس میں امام مزنی بھی شامل ہے کہ یہ احادیث محمول ہیں اس شخص پر جو اس (نوحہ) کی وصیت کرتا جائے، جب کہ ان کی یہ عادت بھی ہو اور وہ بہت سے اشعار میں منقول بھی ہے،......جیسے کہ شاعر طرفہ کا قول۔

اِذَامِتُّ فَانْعِيْنِیْ بِمَا اَنَا اَهْلُهٗ وَشُقِّی عَلَیَّ الْجَیْبَ یَا ابْنَةَ مَعْبَدُ

جب میں مرجاؤں تو میرے ان محاسن کو بیان کرنا جس کا میں اہل ہوں اور اے معبد کی بیٹی مجھ پر کپڑوں کو پھاڑنا

اور لبید کا قول۔

فَقُوْمَا فَقُوْلَا بِالَّذِیْ قَدْ عَلِمْتُمَا وَلَا تَخْمَشَا وَجْهًا وَّلَا تَحْلَقَا شَعْرَ

تم کھڑے ہو جاؤ اور ان اوصاف کو بیان کرو جس کو تم جانتے ہو اور تم چہرے کو نوچوں گے اور سر کو حلق کراؤ گے

وَقُوْلَا هُوَ الْمَرْءُ الَّذِیْ لَا صَدِیْقَهٗ اَضَاعَ وَلَا خَانَ الْاَمِیْنَ وَلَا غَدَرَ

اور تم کہنا کہ یہ وہ آدمی ہے کہ وہ نہ اپنے دوست کو نقصان پہونچاتا ہے اور نہ امانتدار کے ساتھ خیانت کرتا ہے اور نہ دھوکہ دیتا ہے ایک سال تک کہنا

اِلَی الْحُوْلِ ثُمَّ اِسْمُ السَّلَامِ عَلَیْكُمَا وَمَنْ یَّبْكِ حَوْلًا كَامِلًا فَقَدْ اعْتَذَرَ

پھر تم پر سلامتی ہو، اور اس شخص پر جو مکمل ایک سال تک روئے پھر وہ معذور ہے

اور ایک جماعت کہتی ہے کہ یہ (تعذیب المیت) کی حدیث اس میت کی اور اس قوم کی عادت پر محمول ہے جب کہ وہ (میت) اس (قوم) کو نوحہ کرنے سے نہ روکے، اس لئے کہ ممانعت نہ کرنا (موت سے پہلے) رضامندی کی دلیل ہے اور یہ قول ابن مبارک وغیرہ کا ہے، اور ابوالبرکات ابن تیمیہؒ فرماتے ہیں کہ سب اقوال میں یہی صحیح قول ہے اس لئے کہ جب اس کو لوگوں کی اس کاروائی کا غالب گمان ہے اور ان کو اس کے ترک کرنے کی وصیت نہ کی تو (گویا) وہ اس پر راضی ہے، اور وہ تو ایسا ہی ہو گیا کہ جس شخص کو نہی عن المنکر پر قدرت ہے پھر بھی وہ منکر (ممنوع) سے نہیں روکتا، ہاں! جب اس نے نوحہ کے ترک کی وصیت کردی پھر بعد

والوں نے اس کی وصیت کی مخالفت کی تو اللہ تعالیٰ کے لطف وکرم سے بعید ہے کہ وہ اس کی وجہ سے اس کو عذاب دے، اوراس تاویل ومطلب سے آیت پر بھی عمل ہو گیا، اس کے ساتھ ساتھ وہ احادیث جو بہت سے مقام میں عام وارد ہوئی ہے وہ بھی اپنے حال پر قائم رہی اور حضرت عائشہ؅ کا روات کے ثقہ ہونے کے باوجود اس (تعذیب المیت) کا انکار کرنا قابل توجہ نہیں ہے اس لئے کہ صحابہ کرام ؓ (مرد) ان واقعات کے وقت حاضر ہوتے تھے جہاں حضرت عائشہ؅ حاضر نہیں ہوسکتی! اور وہ ان چیزوں کا مشاہدہ کرتے تھے جس سے حضرت عائشہ؅ غائب رہتی تھی، لہٰذا سہو وخطا کا احتمال بھی بعید ہے خاص کر پانچ اکابر صحابہ ؓ سے، لہٰذا یہودیہ کے بارے میں آپ ﷺ کا فرمان یہ مانع اس بات سے نہیں کہ آپ نے وہ فرمایا ہو جس کو ان پانچ اکابرِ صحابہ ؓ نے دوسرے اوقات میں روایت کیا ہے، اور خود حضرت عائشہ؅ کے خلاف ان ہی کی روایت سے استدلال کیا جا سکتا ہے جو انہوں نے حضور اکرم ﷺ سے نقل کی ہے کہ آپ ﷺ فرماتے ہیں ﴿إِنَّ اللّٰهَ يَزِيدُ الْكَافِرَ عَذَاباً بِبُكَاءِ أَهْلِهِ عَلَيْهِ﴾ لہٰذا جب کسی اور کے فعل کی وجہ سے کافر کا عذاب بڑھنا ممنوع نہیں جو کہ یہ بھی ظاہری آیت کے خلاف ہے تو مسلمان کے حق میں بھی مانع نہیں ہوگا، اس لئے کہ جس طرح اللہ تعالیٰ مسلمان بندے پر ظلم نہیں کرتے اسی طرح کافر بندے پر بھی ظلم نہیں کرتے۔... واللہ اعلم بالصواب۔

﴿فصل﴾

یہ احادیث ان تکلّفات میں سے کسی کی محتاج نہیں، اور نہ الحمد للہ اس میں کوئی اشکال ہے، اور نہ یہ ظاہری قرآن کے مخالف ہے، اور نہ قاعدہ شرعیہ میں سے کسی قاعدہ کے مخالف ہے، اور نہ دوسروں کے گناہ سے کسی اور کی سزا کو متضمن ہے، اس لئے کہ آپ ﷺ نے یہ نہیں فرمایا کہ میت کو اس کے گھر والوں کا اس پر رونے کی وجہ سے اور نوحہ کی وجہ سے سزا دی جاتی ہے، بلکہ یہ کہا ہے کہ اس کی وجہ سے عذاب دیا جاتا ہے، اور اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ عذاب وہ تکلیف والم ہے اور وہ تکلیف ودرد ہے جس کو وہ محسوس کرتا ہے، اور تکلیف سزا سے الگ چیز ہے اور تحقیق کہ آپ ﷺ نے فرمایا ہے ﴿اَلسَّفَرُ قِطْعَةٌ مِنَ النَّارِ﴾ کہ سفر جہنم کا ایک حصہ ہے اور یہ تکلیف مومن وکافر دونوں کو ہوتی ہے حتی کہ میت کو اس شخص کی وجہ سے بھی تکلیف ہوتی ہے جو پاس والی قبر میں مبتلائے عذاب ہو، اور اس کی وجہ سے اس کو اذاء ہوتی ہے جیسے کہ دنیا میں انسان کو اس سزا کے مشاہدہ سے درد

ہوتا ہے جو سزا اس کے پڑوسی کو ہو رہی ہو، لہٰذا جب میت پر اس کے گھر والے حرام رونا روتے ہیں (اور وہ وہ رونا ہے جس کو زمانۂ جاہلیت میں رویا کرتے تھے اور زمانۂ جاہلیت میں میت پر رونا اسی نوحہ کا نام ہے جو ان کے نظم و نثر میں مشہور ہے) تو اس کی وجہ سے میت کو قبر میں تکلیف ہوتی ہے تو یہ تکلیف و درد وہی اس پر رونے کی وجہ سے عذاب ہے اور ہمارے شیخ کا ان احادیث میں یہی طریقۂ (تاویل) ہے۔.... وباللہ التوفیق۔

﴿انیسواں باب﴾

صبر نصف ایمان ہے

ایمان دو حصوں کا نام ہے، نصف صبر، نصف شکر، بہت سے اسلاف نے فرمایا ہے کہ صبر نصف الایمان ہے، حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایمان دو نصف (حصہ) کا نام ہے، نصف صبر، نصف شکر، اسی وجہ سے اللہ جل جلالہ نے صبر وشکر کو اپنے قول ﴿اِنَّ فِیْ ذَالِکَ لَآیَاتٍ لِّکُلِّ صَبَّارٍ شَکُوْرٍ﴾ میں جمع کر دیا ہے، اور اس تنصیف (نصفانصفی) کی چند وجوہات ذکر کی گئی ہے۔

(اوّل):۔ ایمان قول، فعل، نیّت کے مجموعہ کا نام ہے، اور یہ تینوں دو چیزوں کی طرف راجع ہوتی ہے ایک فعل دوم ترکِ فعل، لہٰذا فعل تو وہ اللہ کی اطاعت ہے، اور وہی شکر کی حقیقت ہے، اور ترکِ فعل تو وہ معاصی سے بچنے پر صبر کرنا ہے، تو پورا کا پورا دین انہی دو چیزوں میں ہے، فعلِ مامور (احکام کو بجالانا) اور ترکِ محظور (ممنوعات سے بچنا)۔

(دوم):۔ ایمان دو رکن پر مبنی ہے، ۱ یقین ۲ صبر اور یہی دو رکن اللہ جل جلالہ کے قول ﴿وَجَعَلْنَا هُمْ اَئِمَّةً یَّهْدُوْنَ بِاَمْرِنَا لَمَّا صَبَرُوْا وَكَانُوْا بِآیَاتِنَا یُوْقِنُوْنَ﴾ میں مذکور ہے، پھر یقین کہتے ہیں امر و نہی اور ثواب وعقاب کو جاننا اور صبر کے ذریعہ اوامر کو بجالانا اور نواہی سے بچنا، اور اس کو امر و نہی کی تصدیق کہ وہ اللہ ہی کی جانب سے ہے اور ثواب وعقاب کی تصدیق صرف یقین سے ہی حاصل ہوگی، اور ماموارت کی ادائیگی اور ممنوعات سے بچنے پر دوام واستقامت صرف صبر ہی سے ممکن ہے، لہٰذا صبر نصف ایمان ہوگیا اور نصف ثانی ماموارت کی ادائیگی پر اور ممنوعات کے ترک پر شکر کرنا ہے۔

(سوم):۔ ایمان قول وعمل ہے، اور قول قلب ولسان کا اقرار ہے اور عمل قلب واعضاء کا عمل ہے اور اس کی وضاحت یہ ہے کہ جو شخص اپنے دل سے اللہ کو پہچانتا ہو اور زبان سے اقرار نہ کرے تو وہ مومن نہیں ہے، جیسے کہ اللہ تعالیٰ نے قوم فرعون کے بارے میں فرمایا ﴿وَجَحَدُوْا بِهَا وَاسْتَیْقَنَتْهَا اَنْفُسُهُمْ﴾ اور جیسے قومِ عاد اور قومِ صالح کے بارے میں فرمایا ﴿وَعَاداً وَّثَمُوْدَ وَقَدْ تَّبَیَّنَ لَكُمْ مِنْ مَّسَاكِنِهِمْ وَزَیَّنَ لَهُمُ الشَّیْطَانُ

اَعۡمَالَهُمۡ فَصَدَّهُمۡ عَنِ السَّبِيۡلِ وَ كَانُوۡا مُسۡتَبۡصِرِيۡنَ ﴾ اور حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرعون سے کہا ﴿لَقَدۡ عَلِمۡتَ مَا اَنۡزَلَ هٰـؤُلَاءِ اِلَّا رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ بَصَائِرَ ﴾ تو ان سب کو اقرارِ قلب تو حاصل تھا، اور وہ معرفت وعلم ہے، اور وہ لوگ ایمان نہیں رکھتے تھے! اسی طرح جو شخص زبان سے اقرار کرے ان باتوں کا جو اس کے دل میں نہیں تو اس سے بھی وہ مومن نہیں ہوگا، بلکہ منافق ہوگا، اور اسی طرح کوئی شخص قلب سے تصدیق کرے اور زبان سے اقرار کرے تو محض اس سے بھی مومن نہیں ہوگا حتی کہ وہ قلب کے اعمال ادا کرے یعنی محبت وبغض، دوستی ودشمنی، یعنی اللہ اور رسول سے محبت کرنا اور اللہ کے دوستوں کو دوست سمجھنا اور اللہ کے دشمنوں کو دشمن سمجھنا اور دل سے اللہ کی وحدانیت کو تسلیم کرنا، اور اس کے رسول کی اطاعت وتابعداری کو لازم پکڑنا، اور شریعت کا ظاہری وباطنی طور پر التزام کرنا، اور جب یہ کرے گا تو کوئی چیز اس کے کمالِ ایمان میں مانع نہیں ہوگی، حتی کہ وہ اوامر کو بجالائے گا! تو یہ چار ارکان ہے اور یہی ایمان کے وہ ارکان ہے جس پر ایمان کی بنیاد قائم ہے اور یہ چاروں ارکان علم وعمل کی طرف راجع ہے اور عمل میں نفس کو ان چیزوں سے روکنا جو نواہی سے متعلق ہے وہ داخل ہے، اور یہ دونوں صبر ہی سے حاصل ہوتا ہے لہٰذا ایمان دو حصہ (علم وعمل) ہوگیا، اور ان میں سے ایک (عمل) صبر ہے اور دوم وہ اثر (شکر) ہے جو علم وعمل کے پیشِ نظر بندے سے ظاہر ہوتا ہے۔

(چہارم):۔ نفس کی دو قوتیں ہیں، ایک قوتِ عمل، دوم قوتِ حِس، اور نفس ہمیشہ ان دونوں قوتوں کی فرمائش کے مابین متردد ومذبذب رہتا ہے، لہٰذا نفس ان چیزوں پر اقدام کرتا ہے جو اس کو محبوب ہے اور ان چیزوں سے باز رہتا ہے جو اس کو ناپسند ہے، اور دین مکمل اقدام کرنے اور احجام (رکنے) کا نام ہے، طاعات پر اقدام کرنا اور معاصی سے بچنا! اور ان میں سے ہر ایک کا حصول بغیر صبر کے ممکن نہیں۔

(پنجم):۔ دین مکمل ترغیب وترہیب کا نام ہے لہٰذا مومن بامید بھی ہوتا ہے اور خوفزدہ بھی! اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿اِنَّهُمۡ كَانُوۡا يُسَارِعُوۡنَ فِي الۡخَيۡرَاتِ وَيَدۡعُوۡنَنَا رَغَباً وَّرَهَباً ﴾ اور دعاء میں سونے کے وقت کی دعاء ہے جس کو امام بخاریؒ نے اپنی کتابِ صحیح میں روایت فرمایا: «اَللّٰهُمَّ اِنِّيۡ اَسۡلَمۡتُ نَفۡسِيۡ اِلَيۡكَ وَوَجَّهۡتُ وَجۡهِيۡ اِلَيۡكَ وَفَوَّضۡتُ اَمۡرِيۡ اِلَيۡكَ وَاَلۡجَاۡتُ ظَهۡرِيۡ اِلَيۡكَ رَغۡبَةً وَرَهۡبَةً اِلَيۡكَ» لہٰذا مومن ہمیشہ ترغیب وترہیب کی حالت میں ہوتا ہے اور رغبت ورہبت کا درخت صبر ہی کے تنے پر قائم ہے لہٰذا بندے کی رہبت (ڈرنا) اس کو صبر پر آمدہ کرے گی اور اس کی رغبت شکر پر آمدہ کرے گی۔

(ششم):۔ وہ تمام اعمال وافعال جو بندہ اس دنیا میں کرتا ہے وہ اس بات سے خارج نہیں کہ وہ یا تو دنیا وآخرت دونوں میں نافع ہونگے یا دونوں میں مضر ہونگے یا تو ایک میں نافع ہونگے اور دوسرے میں مضر! اوران چاروں صورتوں میں سے اشرف وافضل صورت یہ ہے کہ بندہ وہ اعمال کرے جو اس کو آخرت میں نافع ہواوران افعال کوترک کردے جو آخرت میں مضر ہواور یہی ایمان کی حقیقت ہے لہٰذا نافع عمل کرنا وہی شکر ہے اور مضر افعال کوترک کرنا وہی صبر ہے۔

(ہفتم):۔ بندہ کسی بھی مامور سے جس کو کرتا ہے بے تعلق نہیں ہوتا،اور نہ کسی ممنوع سے جس سے وہ رکتا ہےاور نہ تقدیر سے جواس پر جاری ہوتی ہے،اوران تینوں میں صبر وشکر فرض ہے لہٰذا امتثالِ مامور(احکام کی ادائیگی)وہی شکر ہے،اورترکِ ممنوع اور تقدیر پر صبر کرنا وہی صبر ہے۔

(ہشتم):۔ بلا شبہ بندے میں دو داعی (تقاضہ) ہیں،ایک تو اس کو دنیا اوراس کی شہوات ولذات کی طرف بلاتا ہے،اور دوسرا داعی اس کو اللہ وآخرت اور ہمیشہ کی نعمتوں کی طرف جو اللہ کے اولیاء کے لئے آخرت میں تیار ہے اس کی طرف بلاتا ہے،لہٰذا شہوات ولذات کے تقاضوں سے بچنا صبر ہےاور اللہ وآخرت کے داعی کی دعوت پر لبیک کہنا وہی شکر ہے۔

(نہم):۔ دین کا مدار دو اصول پر ہے،عزم[۱]،ثابت قدمی[۲]،اور یہی دو اصول مذکور ہیں اس حدیث میں جس کو امام احمد ونسائی نے روایت کی ہے،آپ ﷺ نے فرمایا:﴿اَللّٰهُمَّ اِنِّیۡ اَسۡاَلُكَ الثُّبَاتَ فِیۡ الۡاَمۡرِ وَالۡعَزِیۡمَةَ عَلَی الرُّشۡدِ﴾ اورشکر کی اصل نیت وعزم کی صحت ہےاورصبر کی اصل ثابت قدمی میں پختگی ہے ، لہٰذا جب بندہ عزم وثبات سے مؤیّد ہوتا ہے تو اعانت وتوفیق سے بھی مؤیّد ہوتا ہے۔

(دہم):۔دین دو اصول پر مبنی ہے ،(۱)حق (۲) صبر،اوران دونوں کو اللہ تعالیٰ نے اپنے قول ﴿وَتَوَاصَوۡا بِالۡحَقِّ وَتَوَاصَوۡا بِالصَّبۡرِ﴾ میں ذکر کیا ہے،اور جب مطلوب بندے سے اس کی ذات کے اعتبار سے عمل بالحق ہےاورلوگوں میں اس کا نشر کرنا ہےاور یہی حقیقتِ شکر ہے تو یہ بھی بغیر صبر کے ممکن نہیں لہٰذا صبر نصف ایمان ہوگیا۔...

واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

﴿بیسواں باب﴾

صبر وشکر میں سے افضل ہونے میں علماء کا اختلاف

حضرت ابوالفرج ابن جوزیؒ نے اس کے بارے میں تین اقوال ذکر کئے ہیں، (۱) صبر افضل ہے، (۲) شکر افضل ہے، (۳) دونوں برابر ہیں جیسے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اگر صبر وشکر دونوں اونٹ ہوتے تو مجھے کوئی پرواہ نہیں ہوتی کہ میں ان میں سے کس پر سوار ہوں۔

اور ہم ہر جماعت کے استدلال کو ذکر کرتے ہیں اور ان دلائل کو بھی جو ان کے موافق ہیں اور وہ دلائل جو استدلال میں ان کے مخالف ہے اللہ کی اعانت وتوفیق سے۔

حضراتِ صابرین فرماتے ہیں کہ اللہ عزّوجلّ نے صبر اور اہل صبر کی مدح سرائی کی ہے اور اس کا حکم دیا ہے اور اسی پر دنیا وآخرت کی بھلائی کو معلّق رکھا ہے، اور اللہ عزّوجلّ نے اپنی کتاب (قرآن مجید) میں نوّے مقام پر صبر کا ذکر فرمایا ہے اور ماقبل میں وہ آیات واحادیث مذکور ہوگئی جو صبر کی فضیلت پر اور شکر سے بھی افضل ہونے پر دلیل ہے۔

اور صبر کی افضلیت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہی قول ﴿اَلطَّاعِمُ الشَّاكِرُ بِمَنْزِلَةِ الصَّائِمِ الصَّابِرِ﴾ ہی کافی ہے اس لئے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے شکر کو صبر کی فضیلت کے تقابل میں ذکر فرمایا، اور شکر پر صبر کے درجہ کی رفعت کو بیان کیا، چونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے شاکر کو صابر کے ساتھ لاحق کیا اور تشبیہ دی، اور مشبہ بہ کا مرتبہ مشبہ سے اعلیٰ وافضل ہوتا ہے، اور یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے قول ﴿مُدْمِنُ الْخَمَرِ كَعَابِدِ وَثْنٍ﴾ کی طرح ہے۔

اور صابرین فرماتے ہیں کہ جب احادیثِ صبر اور احادیثِ شکر کا ہم موازنہ کرتے ہیں تو ہم احادیثِ صبر کو کثیر پاتے ہیں، اور اسی وجہ سے کہ جب صلوٰۃ، جہاد یہ افضل الاعمال ہے تو ان کے بارے میں احادیث بھی زیادہ ہیں بنسبت اور ابواب کے اور تو صلوٰۃ وجہاد کی احادیث کو دیگر اعمال کی احادیث کے بنسبت زیادہ پائے گا۔

نیز یہ حضرات یہ بھی فرماتے ہیں کہ صبر ہر باب میں داخل ہے بلکہ مسائل شرعیہ کے ہر مسئلہ میں صبر موجود ہے اسی وجہ سے صبر ایمان میں ایسا ہی مقام رکھتا ہے جیسا سر جسم میں۔

نیز صابرین فرماتے ہیں کہ اللہ عزوجل نے شکر پر کچھ زیادتیٔ ثواب کو معلّق رکھا ہے لہٰذا اللہ عزوجل نے فرمایا ﴿وَاِذْ تَاَذَّنَ رَبُّكُمْ لَئِنْ شَكَرْتُمْ لَاَزِيْدَنَّكُمْ﴾ اور صبر پر بے شمار و بے حساب جزاء کو معلّق رکھا ہے۔

نیز اللہ تعالیٰ نے شاکرین کی جزا و بدلہ کو مطلق رکھا لہٰذا اللہ جل جلالہ نے فرمایا: ﴿وَسَيَجْزِى اللّٰهُ الشّٰكِرِيْنَ﴾ اور اللہ جل جلالہ نے صابرین کے صلہ و جزاء کو احسان کے ساتھ مقید فرمایا، لہٰذا اللہ عزوجل نے فرمایا: ﴿وَلَنَجْزِيَنَّ الَّذِيْنَ صَبَرُوْا اَجْرَهُمْ بِاَحْسَنِ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ﴾۔

نیز صابرین فرماتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے صحیح روایت سے ثابت ہے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ فرزندانِ آدم کا ہر عمل اسی کے لئے ہے مگر روزہ کہ وہ میرے لئے ہے اور میں ہی اس کا بدلہ ہوں، اور دوسری حدیث میں ہے کہ فرزندانِ آدم کے ہر عمل کی نیکی دس گنا تک بڑھا دی جاتی ہے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں مگر روزہ کہ وہ میرے لئے ہے اور میں ہی اس کا بدلہ ہوں، اور یہ (فضیلت) صرف نفس کے صبر کی وجہ سے ہے کہ بندہ نے نفس کو شہوات سے محبوس رکھا جیسے کہ اسی حدیث میں ہے کہ وہ بندہ اپنی خواہشات، کھانے، پینے کو محض میرے لئے ترک کرتا ہے، اسی وجہ سے جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے افضلِ اعمال کے بارے میں پوچھا گیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تجھ پر روزہ لازم ہے اس لئے کہ کوئی اس کا (ثواب میں) ہمسر نہیں، اور جب صبر نام ہی ہے نفس کو خواہشات کے تقاضوں سے روکنا تو یہی روزہ کی حقیقت ہے اس لئے کہ روزہ میں بھی نفس کو کھانے، پینے سے، جماع کی لذت سے محبوس رکھا جاتا ہے، اور اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا قول ﴿وَاسْتَعِيْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلَاةِ﴾ میں صبر کی تفسیر کی گئی ہے کہ وہ روزہ ہے، اور اسی وجہ سے رمضان کے ماہ کو ''ماہِ صبر'' کہا جاتا ہے، بعض اسلاف نے فرمایا ہے کہ صوم (روزہ) نصفِ صبر ہے، اور یہ اس لئے کہ صبر نام ہے نفس کو شہوات و غضب کے تقاضوں سے روکنا، اس لئے کہ نفس حصولِ لذت کے لئے اپنے ادراک سے چیز کی خواہش کرتا ہے، اور جس چیز سے اس کو تکلیف و کراہت ہے اس سے غصہ ہوتا ہے، اور روزہ صرف شہوت کے تقاضوں سے رکنا ہے، اور وہ پیٹ، شرمگاہ کی شہوت ہے نہ کہ غضب کے تقاضوں سے رکنا ہے (لہٰذا صوم نصفِ صبر ہوا) لیکن روزہ کا اتمام واکمال یہ ہے کہ نفس کو دونوں تقاضوں سے روکا جائے! اور اسی کی طرف آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حدیثِ صحیح میں ارشاد فرمایا ﴿اِذَا كَانَ يَوْمَ صَوْمُ اَحَدِكُمْ فَلَا يَجْهَلْ وَلَا يَصْخَبْ فَاِنَّ اَحَداً سَابَّهٗ اَوْ شَاتَمَهٗ فَلْيَقُلْ اِنِّىْ

صَـائِمٌ﴾ تو آپ ﷺ نے شہوت وغضب دونوں کی قوت کی اصلاح کی طرف راہنمائی فرمائی کہ صائم کے لئے مناسب یہ ہے کہ بندہ ان دونوں مفسد سے اپنے روزہ کی حفاظت کرے کہ یہ (شہوات) روزہ کو فاسد کردیتے ہیں، اور یہ (غضب وغصہ) روزہ کے اجر کو کم کردیتے ہیں یا ختم کردیتے ہیں، جیسے کہ دوسری حدیث میں ہے ﴿مَنْ لَمْ يَدَعْ قَوْلَ الزُّوْرِ وَالْعَمَلَ بِهٖ فَلَيْسَ لِلّٰهِ حَاجَةٌ فِيْ اَنْ يَدَعَ طَعَامَهٗ وَشَرَابَهٗ﴾۔

صابرین فرماتے ہیں کہ صبر کی شکر پر افضلیت کے بارے میں اللہ جل جلالہ کا یہ قول ﴿اِنِّـیْ جَـزَيْتُهُـمُ الْيَـوْمَ بِـمَا صَبَرُوْا اَنَّهُمْ هُمُ الْفَائِزُوْنَ﴾ ہی کافی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے صابرین کی کامیابی کو ان کے صبر کی جزاء قرار دی ہے اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿اِنَّ اللّٰـهَ مَـعَ الصَّابِرِيْنَ﴾ کوئی چیز بھی بندے کے لئے اللہ کی معیت کا مقابلہ نہیں کرسکتی جیسے کہ بعض عارفین نے فرمایا کہ صابرین دنیا وآخرت کی بھلائیوں کو لے گئے چونکہ انھوں نے اللہ کی معیت کو حاصل کرلیا ہے اور اللہ جل جلالہ نے فرمایا: ﴿وَاصْبِرْ لِحُكْمِ رَبِّكَ فَاِنَّكَ بِاَعْيُنِنَا﴾ یہ آیت اللہ کے حکم پر صبر کرنے پر اللہ کی حفاظت ونگرانی اور پناہ کو متضمن ہے۔

اور تحقیق کہ اللہ جل جلالہ نے صابرین سے تین چیزوں کا وعدہ فرمایا، ان میں سے ہر ایک دنیا ومافیہا سے بہتر ہے، اور وہ اللہ جل جلالہ کا ان پر رحمت اور مخصوص رحمت کا نزول ہے اور ان کو اپنی ھدایت کے ساتھ مخصوص کرنا ہے، اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے فرمایا: ﴿اُولٰئِكَ عَلَيْهِمْ صَلَوَاتٌ مِّنْ رَّبِّهِمْ وَرَحْمَةٌ وَاُولٰئِكَ هُمُ الْمُهْتَدُوْنَ﴾ اور اس سے ہدایت کا ان (صابرین) میں ہی منحصر ہونا مفہوم ہوتا ہے، اور اللہ نے اپنی کتاب کی دو آیت میں یہ فرمایا کہ صبر عزم الامور میں سے ہے اور اپنے رسول کو حکم دیا کہ وہ صبر میں اولوالعزم رسولوں کی مشابہت اختیار کرے جیسے کہ ماقبل میں گزر گیا۔

صابرین فرماتے ہیں کہ یہ دلیل بھی دلالت کرتی ہے کہ دنیا سے بے رغبتی اور جہاں تک ہوسکے دنیا کو بکثرت طلب کرنیکے مقابلہ میں کم حاصل کرنا افضل ہے اور زہد والا حال صابر کا ہے اور کثرت والا حال شاکر کا ہے۔

صابرین فرماتے ہیں حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے پوچھا گیا کہ وہ دو آدمی جو ایک خزانہ کے پاس سے گزرے تو ان میں سے ایک نے اس کو ٹھوکر ماردی اور اس کی طرف توجہ بھی نہیں کی اور دوسرے نے اس کو اُٹھالیا اور اس کو اللہ کی اطاعت میں خرچ کیا تو ان میں سے افضل کون ہے؟ تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ وہ شخص جس نے اس کی طرف توجہ نہیں کی اور اس خزانہ سے منھ پھیرا وہ اللہ کے نزدیک افضل ہے۔

صابرین فرماتے ہیں کہ اس مضمون کی صحت پر یہ بات دلیل ہے کہ رسول اللہ ﷺ پر زمین کے تمام خزائن پیش کردیئے گئے تو آپ ﷺ نے اس کو قبول نہیں کیا اور کہا کہ بلکہ میں ایک دن بھوکا رہوں گا اور ایک دن کھاؤں گا، اور اگر اللہ کے رسول ﷺ (بالفرض) اس کو لے لیتے تو اس کو اللہ کی اطاعت ومرضیات میں ہی خرچ کرتے، پھر بھی آپ ﷺ نے مقامِ صبر اور بے رغبتی کو ترجیح دی۔

صابرین کہتے ہیں بلاشبہ یہ بات معلوم ہے کہ انسان کا کمال تین چیزوں میں ہے، ایک علم جس کو اس نے سکھا ہے، دوم عمل جس کو وہ کرتا ہے اور سوم وہ احوال جو اس کے لئے اس کے علم وعمل پر مرتّب ہوتے ہیں، اور علم وعمل اور احوال میں افضل (کون ہے؟ تو) علم میں افضل اللہ کا اور اس کے اسماء وصفات اور اس کے افعال کا علم ہے، اور عمل میں افضل اللہ کی مرضیات پر عمل کرنا ہے، اور احوال میں افضل قلب کا اللہ کی محبت اور خوف وامید میں مستغرق ہوجانے کا حال ہے، اور یہ دنیا کی تمام چیزوں سے اشرف وافضل ہے تو ان کی جزاء بھی آخرت کی تمام چیزوں میں اشرف وافضل ہوگی اور مقاصد میں اہم اور بڑا مقصد اللہ کی معرفت اور اس کی محبت اور اسکا قرب ہے، اور اس کی ملاقات کا شوق اور اس کے ذکر سے لذت وحلاوت ہے اور یہ دنیا وآخرت کی سعادت میں سے اہم سعادت ہے اور یہی مقصود وغرض ہے جو فی نفسہٖ مطلوب ہے، اور بلاشبہ بندہ مکمل شعور وحِس سے اس وقت غور کرے گا کہ یہی اس کی عین سعادتمندی ہے جب پردہ ہٹے گا اور وہ دنیا کو چھوڑے گا اور وہ آخرت میں داخل ہوگا، اور ہر علوم واعمال اسی معرفت کے تابع ہیں جو معرفت ہی کی وجہ سے مراد ومقصود ہیں، اور علوم اپنی فضیلت میں متفاوت ہوں گے اسی معرفت کے قریب وبعید ہونے کے اعتبار سے لہٰذا ہر وہ علم جو اللہ کے اور اس کے اسماء وصفات کے علم تک پہونچانے میں زیادہ قریب ہوگا وہ علم دیگر علوم سے اعلیٰ وافضل ہوگا، اور اسی طرح قلب کے احوال ہیں کہ ہر وہ حال جو اس مقصود تک پہونچانے میں جس کے لئے وہ پیدا کیا گیا ہے زیادہ قریب ومؤثر ہوگا وہ حال دیگر احوال سے اشرف وافضل ہوگا، اسی طرح اعمال کہ ہر وہ عمل جو اس مقصود کی تحصیل تک زیادہ پہونچانے والا ہو تو وہ دیگر اعمال سے افضل وبہتر ہوگا، اسی وجہ سے نماز وجہاد دیگر اعمال سے افضل ہیں اس لئے کے وہ مقصود تک پہونچانے میں زیادہ مؤثر ہیں اور اسی طرح ہی واجب ہے، لہٰذا جب بھی کوئی چیز مقصود سے زیادہ قریب لیجانے والی ہوگی وہ اس چیز سے جو اس مقصود سے دور ہے

افضل ہوگی ،لہٰذا وہ عمل جو قلب کو اللہ کی معرفت اوراس کے اسماء وصفات کی معرفت اوراس کی محبت اور خوف وامید کے لئے آمدہ کردے وہ عمل افضل ہے ان اعمال سے جو اس طرح نہیں ہے اور جب چند اعمال اس مقصود تک پہونچانے میں مشترک ہوں تو اس میں بھی وہ عمل افضل ہوگا جو اس پہونچانے میں اقرب ہوگا ،اوراسی وجہ سے تمام طاعت اس مقصود تک پہونچانے میں مشترک ہیں تو وہی اللہ کے لئے مطلوب ہے ،اور تمام معاصی وگناہ قلب کو اس معرفت تک پہونچانے میں حجاب ومانع ہونے میں مشترک ہیں تو وہ ممنوع ہوں گے ،اور طاعت ومعاصی کی تاثیر ان کے درجات کے اعتبار سے ہوگی۔

اور یہاں ایک بات سمجھ لینا ضروری ہے وہ یہ ہے کہ کبھی کبھی کوئی خاص عمل خود دوسرے مقام کے لحاظ سے افضل ہوتا ہے ،لہٰذا وہ غنی مالدار جس کے پاس مالِ کثیر ہو اوراس کا نفس ان میں خرچ کرنے سے بخل کرتا ہو تو اس کو صدقہ خیرات کرنا یہ افضل ہے راتوں کو تہجد اور دنوں میں نفل روزہ رکھنے سے ،اور وہ بہادر جس سے دشمن کانپتے ہو تو اس بہادر کا صفِ (جہاد) میں تھوڑی دیر کھڑا رہنا اور اللہ کے دشمنوں کے ساتھ جہاد کرنا افضل ہے حج کرنے ،روزہ رکھنے ،صدقہ ونوافل سے ،اور وہ عالم جو احادیث کو اور حلال وحرام کو جانتا ہو اور خیر وشر کی باتوں کو جانتا ہو تو اس عالم کا لوگوں کے ساتھ مخالطت ،لوگوں کو دین کی تعلیم دینا ،وعظ ونصیحت کرنا یہ افضل ہے اس کا لوگوں سے تنہائی اختیار کرنے سے اور اپنے وقت کو صرف نماز ،قرأتِ قرآن اور تسبیح کے لئے فارغ کرنے سے ،اور وہ حاکم جس کو اللہ تعالیٰ نے امارت کے عہدہ پر فائز کیا ہو اس کا اللہ کے بندوں کے درمیان فیصلہ کرنا ،مظلوموں کے معاملہ میں غور کرنے کے لئے چند گھڑی بیٹھنا ،مظلوموں کو ظالموں سے انصاف دلانا ،حدود وقصاص کو قائم کرنا ،حق پرستوں کی نصرت کرنا ،باطل پرستوں کا قلعہ قمع کرنا یہ افضل ہے اس کے لئے دوسروں کی سالوں کی عبادت سے ،اور وہ شخص جس پر عورتوں کا نشہ غالب ہو تو اس کا روزہ رکھنا یہ اس کے لئے افضل اور مفید ہے ذکر واذکار اور صدقہ وغیرہ سے ،اور تو غور کر کہ آپ ﷺ نے صحابہ رضی اللہ عنہم میں سے اپنے امراء وعمال میں سے حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ اور خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو گورنر وامیر مقرر کیا اور حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کو امارت سے دست بردار کردیا بلکہ ان سے فرمایا کہ ﴿اِنِّیْ اَرَاكَ ضَعِیْفاً وَاِنِّیْ اُحِبُّ لَكَ مَا اُحِبُّ لِنَفْسِیْ لَاتُؤَمَّرَنَّ عَلٰی اِثْنَیْنِ وَلَا تَوَلَّیَنِ مَالَ یَتِیْمٍ﴾ اور حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ وغیرہ کو روزہ کا حکم دیا اور کہا ﴿عَلَیْكَ بِالصَّوْمِ فَاِنَّهٗ لَا عَدْلَ لَهٗ﴾ اور

کسی کو یہ حکم دیا کہ غصہ نہ کرے اور کسی کو یہ حکم دیا کہ وہ اپنی زبان کو ہمیشہ ذکر اللہ میں مشغول رکھے، اور اللہ تعالیٰ جب اپنے بندے میں کوئی کمال پیدا کرنا چاہتے ہیں تو اللہ تعالیٰ اس کو ان چیزوں میں قوت کو استعمال کرنے کی توفیق دیدیتے ہیں جس کا وہ مستحق اور لائق ہے اور جس کے لئے وہ تیار ہے پھر جب اپنی قوت کو استعمال کرتا ہے تو وہ دوسروں پر غالب آجاتا ہے اور بڑھ جاتا ہے، جیسے کہ کہا گیا ہے۔

هٰذَا طَرِيْقٌ اِلَى الْعُلْيَا مُخْتَصَرٌ　　　مَـا زَالَ يَسْبِقُ حَتّٰى قَالَ حَاسِدُهٗ

یہی بلندی کا مختصر راستہ ہے　　　وہ ترقی کرتا رہتا ہے حتی کہ حاسد کہنے لگتا ہے

اور یہ اس مریض کی طرح ہے جس کو مثلاً پیٹ کے مرض کی شکایت ہو تو جب وہ اسی مرض کی دواء استعمال کرے گا تو نفع ہوگا، اور جب وہ سر کے مرض کی دواء استعمال کرے گا تو اس کا مرض اس سے دور نہیں ہوگا، سو اتباعِ حرص مثلاً یہ مہلکات میں سے ہے یہ مرض نہ سو سال کے روزوں سے ختم ہوگا اور نہ راتوں کو تہجد پڑھنے سے، اسی طرح خواہشات کی اتباع کا مرض اور خود پسندی وعجب کا مرض تو اس کو کثرتِ قرأتِ قرآن علم وذکر میں استغراق اور زہد راس نہیں آئے گا وہ تو نکالنے سے ختم ہوگا اس کی ضد اختیار کرکے، اور کہا جائے کہ روٹی افضل ہے یا پانی؟ تو جواب دیا جائے گا کہ اس (بھوک) کے مقام میں یہ (روٹی) افضل اور اس (پیاس) کے مقام میں وہ (پانی) افضل۔

اور جب تو نے اس قاعدہ کو جان لیا تو مال کو نیک کام میں صرف کرکے شکر ادا کرنا تو اس سے قلب کو ایک حال حاصل ہوتا ہے اور وہ ہے بخل وحرص کا صفایا، اس لئے کہ اس سے دنیا کی محبت نکل گئی لہٰذا وہ اللہ کی معرفت ومحبت کے لئے تیار ہوگیا، بس اس مرضِ دل کی یہی دواء ہے جو مقصود سے مانع ہے، اور فقیر زاہد وہ اس مرض ودواء سے مطمئن ہوجاتا ہے اور وہ اپنی قوت وطاقت کو مکمل طور پر مقصود کے حصول میں صرف کرتا ہے۔

پھر صابرین خود ہی پر ایک اشکال کرتے ہیں وہ فرماتے ہیں کہ اگر کہا جائے کہ شریعت نے تو اعمال پر ابھارا ہے اور لوگ اس سے پہلوتہی کرتے ہیں یہ کہتے ہوئے کہ طبیب جب دواء کی تعریف کرے تو دواء کے مقصود ہونے کی دلیل نہیں اور نہ اس بات کی دلیل ہے کہ دواء حاصل ہونے والی شفاء سے افضل ہے لیکن اعمال

قلب کے امراض کا علاج ہے اور قلب کے امراض اکثر غیر محسوس ہوتے ہیں لہٰذا اعمال پر ابھارنا ہی اصل مقصود ہوا، اور وہی قلب کی شفاء ہے لہٰذا تیرے صدقہ کو لینے والا فقیر ہی تجھ سے بخل کے مرض کو نکال دیگا جیسے کہ حجام (پچھنا لگانے والا) تجھ سے مہلک خون کو نکال دیتا ہے۔

وہ حضرات فرماتے ہیں کہ جب آپ نے یہ سمجھ لیا تو سمجھو کہ صابرین کی حالت صحت وتندرستی کی حفاظت کرنے والے کی طرح ہے اور شاکرین کی حالت اس حکیم وطبیب کی طرح ہے جو مختلف ادویہ سے مرض کے مواد کو ختم کرتا ہے۔

﴿فصــل﴾

شاکرین فرماتے ہیں کہ تحقیق کہ تم (صابرین) نے اپنی طرف سے تجاوز کیا اور تم نے غیر افضل کو افضل پر فضیلت دیدی، اور تم نے وسیلے (صبر) کو مقصود (شکر) پر مقدم کر دیا اور مقصود لغیرہ کو مقصود لذاتہ پر مقدم کر دیا اور عملِ کامل کو عملِ اکمل پر ترجیح دی، فاضل کو افضل پر برتری دی، اور تم نے شکر کو کما حقہ نہیں سمجھا اور تم نے اس کے مرتبہ کا حق ادا نہ کیا، حالانکہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے شکر کے تذکرہ کو اپنے تذکرہ کے ساتھ متصل کر دیا ہے اور قرآن پاک میں خلق سے شکر ہی مراد ہے، اور وہ دونوں ہی خلق وامر سے مقصود ہے، اور صبر تو ان کا خادم ہے اور ان تک پہونچنے کا وسیلہ ہے اور ان دونوں کا معاون ہے اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے فرمایا: ﴿فَاذْكُرُوْنِيْ اَذْكُرْكُمْ وَاشْكُرُوْلِيْ وَلَا تَكْفُرُوْنِ﴾ اور اللہ عزوجل نے شکر کو ایمان کے ساتھ ملایا، بتلایا کہ اگر مخلوق شکر ادا کرتی ہے اور اللہ پر ایمان لے آتے ہیں تو پھر ان کو عذاب دینے کا کوئی مطلب نہیں اور اس کی کوئی ضرورت نہیں ،فرمایا اللہ تعالیٰ نے ﴿مَا يَفْعَلُ اللّٰهُ بِعَذَابِكُمْ اِنْ شَكَرْتُمْ وَآمَنْتُمْ﴾ ''یعنی اگر تم احکام کو پورا (ادا) کرو جس کے لئے تم کو پیدا کیا گیا ہے اور وہی شکر وایمان ہے تو میں تمہیں عذاب دیکر کیا کروں گا''۔

نیز اللہ عزوجل نے یہ بھی بتلایا کہ دیگر بندوں میں سے شاکرین ہی اللہ کے احسان کے ساتھ مخصوص ہے، اللہ عزوجل نے فرمایا: ﴿وَكَذَالِكَ فَتَنَّا بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ لِّيَقُوْلُوْا اَهٰٓؤُلَاءِ مَنَّ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنْ بَيْنِنَا أَلَيْسَ اللّٰهُ بِاَعْلَمَ بِالشَّاكِرِيْنَ﴾ ترجمہ: ''اور اسی طور پر ہم نے ایک کو دوسروں کے ذریعہ سے آزمائش میں ڈال رکھا ہے تاکہ یہ لوگ کہا کریں کیا یہ لوگ ہیں کہ ہم سب میں سے ان پر اللہ تعالیٰ نے فضل کیا ہے، کیا یہ بات نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ شاکرین کو خوب جانتا ہے''۔

اللہ جَلَّ جَلَالُہٗ نے انسانوں کو دو حصوں میں تقسیم فرمایا، شاکرین وکافرین (ناشکر گزار)، سو اللہ کے نزدیک سب سے مبغوض ناشکری اور ناشکرے ہیں، اور سب سے محبوب شکر اور شکر گزار حضرات ہیں، اللہ جَلَّ جَلَالُہٗ نے انسان کے بارے میں فرمایا: ﴿اِنَّا هَدَيْنَاهُ السَّبِيْلَ اِمَّا شَاكِرًا وَّاِمَّا كَفُوْرًا﴾ ترجمہ: ''ہم نے اس کو راستہ بتلایا، یا تو وہ شکر گزار ہو گیا یا ناشکر ہو گیا''۔

اللہ کے نبی حضرت سلیمان علیہ السلام نے فرمایا: ﴿هٰذَا مِنْ فَضْلِ رَبِّيْ لِيَبْلُوَنِيْ ءَاَشْكُرُ اَمْ اَكْفُرُ وَمَنْ شَكَرَ فَاِنَّمَا يَشْكُرُ لِنَفْسِهٖ وَمَنْ كَفَرَ فَاِنَّ رَبِّيْ غَنِيٌّ كَرِيْمٌ﴾ ترجمہ: ''یہ بھی میرے پروردگار کا ایک فضل ہے تاکہ وہ میری آزمائش کرے کہ میں شکر کرتا ہوں یا ناشکری کرتا ہوں اور جو شخص شکر کرتا ہے وہ اپنے ہی نفع کے لئے شکر کرتا ہے اور جو ناشکری کرتا ہے، میرا رب غنی ہے کریم ہے''۔

اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿وَاِذْ تَاَذَّنَ رَبُّكُمْ لَئِنْ شَكَرْتُمْ لَاَزِيْدَنَّكُمْ وَلَئِنْ كَفَرْتُمْ اِنَّ عَذَابِيْ لَشَدِيْدٌ﴾ ترجمہ: ''اور وہ وقت یاد کرو جب کہ تمہارے رب نے تم کو اطلاع فرمادی کہ اگر تم شکر کرو گے تو تم کو زیادہ نعمت دوں گا اور اگر تم ناشکری کروں گے تو میرا عذاب بڑا سخت ہے''۔

اللہ نے فرمایا: ﴿اِنْ تَكْفُرُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ غَنِيٌّ عَنْكُمْ وَلَا يَرْضٰى لِعِبَادِهِ الْكُفْرَ وَاِنْ تَشْكُرُوْا يَرْضَهُ لَكُمْ﴾ ترجمہ: ''اگر تم کفر کروں گے تو خدا تعالیٰ تمہارا حاجتمند نہیں اور وہ اپنے بندوں کے لئے کفر کو پسند نہیں کرتا اور اگر تم شکر کروں گے تو اس کو تمہارے لئے پسند کرتا ہے''۔

اور اس (طرح کے مضمون) کا قرآن میں اکثر ذکر ہے، اور اللہ تعالیٰ نے شکر کا تقابل کفر (ناشکری) سے کیا ہے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ اَفَاِنْ مَّاتَ اَوْ قُتِلَ انْقَلَبْتُمْ عَلٰى اَعْقَابِكُمْ وَمَنْ يَّنْقَلِبْ عَلٰى عَقِبَيْهِ فَلَنْ يَّضُرَّ اللّٰهَ شَيْئًا وَسَيَجْزِي اللّٰهُ الشّٰكِرِيْنَ﴾ ترجمہ: ''اور محمد نرے رسول ہی تو ہیں، آپ سے پہلے اور بھی بہت رسول گزر چکے ہیں سو اگر آپ کا انتقال ہو جاوے یا آپ شہید ہی ہو جاوے تو کیا تم لوگ اُلٹے پھر جاؤ گے اور جو شخص اُلٹا پھر بھی جاوے گا تو خدا تعالیٰ کا کوئی نقصان نہ کرے گا اور خدا تعالیٰ جلدی ہی عوض دے گا شاکرین لوگوں کو'' اور شاکرین وہی حضرات ہیں جو اللہ کی نعمتوں پر مستقیم ہیں اور اپنی اڑیوں کے بل نہیں پھرتے یعنی کفر نہیں کرتے اور اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے مزید (ثواب) کو شکر پر معلق کیا، اور مزید وہ ہے جس کی کوئی انتہاء نہ ہو جیسا کہ اس کے شکر کی کوئی انتہاء نہیں ہے۔

اوراللہ سبحانہ وتعالیٰ نے بہت سی جزاء کو مشیت پر موقوف کیا ہے، اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے فرمایا: ﴿فَسَوْفَ يُغْنِيكُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهِ اِنْ شَاءَ﴾ ترجمہ: ''تو خدا تم کو اپنے فضل سے اگر چاہے گا محتاج نہ رکھے گا'' اور اللہ تعالیٰ نے قبولیت کے بارے میں فرمایا: ﴿فَيَكْشِفُ مَاتَدْعُوْنَ اِلَيْهِ اِنْ شَاءَ﴾ ترجمہ: ''پھر جس کے لئے تم پکارو اگر وہ چاہے تو اس کو ہٹا بھی دے'' اور رزق کے بارے میں فرمایا: ﴿يَرْزُقُ مَنْ يَّشَاءُ﴾ ترجمہ: ''جس کو چاہتے ہیں روزی دیتے ہیں'' اور مغفرت کے بارے میں فرمایا: ﴿يَغْفِرُلِمَنْ يَّشَاءُ﴾ ترجمہ: ''جسے چاہتے ہیں اس کو بخش دیتے ہیں'' اور توبہ کے بارے میں فرمایا: ﴿وَيَتُوْبُ اللّٰهُ عَلٰى مَنْ يَّشَاءُ﴾ ترجمہ: ''اور جس پر منظور ہوگا اللہ تعالیٰ توجہ فرماوے گا'' اور اللہ تعالی نے شکر کا جہاں کہیں تذکرہ فرمایا اس کو مطلق فرمایا جیسے کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ﴿وَسَنَجْزِي الشَّاكِرِيْنَ﴾ ترجمہ: ''اور ہم بہت جلد عوض دیں گے شاکرین کو'' اور فرمایا: ﴿وَسَيَجْزِي اللّٰهُ الشَّاكِرِيْنَ﴾ ترجمہ: ''اور خدا تعالیٰ جلدی ہی عوض دینگے شاکرین کو''۔

اور اللہ کے دشمن شیطان نے شکر کے مقام و مرتبہ کو جان لیا اور یہ بھی جان لیا کہ شکر اجلّ مقامات میں سے اور قیمتی مرتبہ ہے تو اس نے اپنا مقصود ہی یہی بنا لیا کہ لوگوں کو صفتِ شکر سے محروم کر دے، لہٰذا ابلیس نے کہا ﴿ثُمَّ لَاٰتِيَنَّهُمْ مِنْ بَيْنِ اَيْدِيْهِمْ وَمِنْ خَلْفِهِمْ وَعَنْ اَيْمَانِهِمْ وَعَنْ شَمَائِلِهِمْ وَلَاتَجِدُ اَكْثَرَهُمْ شَاكِرِيْنَ﴾ ترجمہ: ''پھر ان پر حملہ کروں گا ان کے آگے سے بھی اور ان کے پیچھے سے اور ان کے داہنی جانب سے بھی اور ان کے بائیں جانب سے بھی اور آپ ان میں اکثروں کو شکر کرنے والا نہ پائیں گے''۔

اللہ تعالیٰ نے شاکرین کے بارے میں بیان فرمایا کہ وہ شاکرین اللہ کے بندوں میں سے بہت کم لوگ ہیں لہٰذا اللہ نے فرمایا: ﴿وَقَلِيْلٌ مِّنْ عِبَادِيَ الشَّكُوْرُ﴾ ترجمہ: ''اور میرے بندوں میں شکر گزار کم ہی ہوتے ہیں''۔

حضرت امام احمدؒ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت فرمایا ہے کہ انہوں نے ایک آدمی کو سنا وہ کہہ رہا تھا **''اللهم اجعلنی من الاقلین''** تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا یہ اقلین کیا ہے، تو اس شخص نے کہا اے امیر المؤمنین اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے ﴿وَمَا آمَنَ مَعَهٗ اِلَّا قَلِيْل﴾ اور اللہ نے فرمایا: ﴿وَقَلِيْلٌ مِّنْ عِبَادِيَ الشَّكُوْرُ﴾ اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿اِلَّا الَّذِيْنَ آمَنُوْا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ وَقَلِيْلٌ مَاهُمْ﴾ ترجمہ: ''مگر ہاں جو لوگ ایمان رکھتے ہیں اور نیک کام کرتے ہیں اور ایسے لوگ بہت ہی کم ہیں'' تو حضرت عمرؓ نے فرمایا تو نے سچ کہا۔

نیز اللہ تعالیٰ نے اپنے سب سے پہلے رسول جس کو زمین والوں کی طرف رسول بنا کر بھیجا تو ان کی شکر کے ذریعہ تعریف فرمائی، اللہ تعالیٰ نے فرمایا:﴿ ذُرِّيَّةَ مَنْ حَمَلْنَا مَعَ نُوحٍ إِنَّهُ كَانَ عَبْداً شَكُوراً ﴾ ترجمہ: ''اے ان لوگوں کی نسل جنکو ہم نے نوح کے ساتھ سوار کیا تھا وہ نوح بڑے شکر گزار بندے تھے'' یہاں نوح علیہ السلام کا مخصوص ذکر کرنا اور پھر اپنے بندے یعنی نوح کی اولاد کو خطاب کرنے میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ انکی اقتداء کرو (اسلئے کہ وہ ابوالبشر ثانی ہیں) اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے غرق کے بعد مخلوق کی کسی نسل کو باقی نہیں رکھا سواء نوح علیہ السلام کی اولاد و ذریت کے! جیسے کے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:﴿ وَجَعَلْنَا ذُرِّيَّتَهُ هُمُ الْبَاقِينَ ﴾ ترجمہ: ''اور ہم نے باقی انہی کی اولاد کو رہنے دیا'' تو اللہ تعالیٰ نے اولادِ نوح کو حکم دیا کہ وہ شکر میں اپنے والد کی اقتداء کرے مشابہت اختیار کرے، اسلئے کہ نوح علیہ السلام شاکر بندے تھے۔

اور اللہ جل جلالہ نے خبردار کیا ہے کہ اللہ کا عابد وہی ہے جو اسکا شاکر ہے، لہٰذا جو شخص اللہ کا شکر ادا نہ کرے وہ عابدین میں سے نہیں، اللہ تعالیٰ نے فرمایا:﴿ وَاشْكُرُوا لِلَّهِ إِنْ كُنْتُمْ إِيَّاهُ تَعْبُدُونَ ﴾ ترجمہ: ''اور حق تعالیٰ کی شکر گزاری کرو اگر تم خاص انکے ساتھ غلامی کا تعلق رکھتے ہو''۔

اور اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو حکم دیا کہ وہ نبوّت و رسالت اور صفتِ کلام کو جو اللہ نے ان کو عطا کیا ہے ان کو شکر کے ساتھ قبول کریں، لہٰذا اللہ تعالیٰ نے فرمایا:﴿ يَا مُوسَىٰ إِنِّي اصْطَفَيْتُكَ عَلَى النَّاسِ بِرِسَالَاتِي وَبِكَلَامِي فَخُذْ مَا آتَيْتُكَ وَكُنْ مِنَ الشَّاكِرِينَ ﴾ ترجمہ: ''اے موسیٰ میں نے پیغمبری اور اپنی ہم کلامی سے اور لوگوں پر تم کو امتیاز دیا ہے تو جو کچھ تم کو میں نے عطا کیا ہے اس کو لو اور شکر کرو''۔

اور سب سے پہلے تاکیدی حکم جو انسانوں کو اس کے عاقل و بالغ ہونے کے بعد دیا گیا وہ اللہ اور والدین کی شکر گزاری ہے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا:﴿ وَوَصَّيْنَا الْإِنْسَانَ بِوَالِدَيْهِ حَمَلَتْهُ أُمُّهُ وَهْنًا عَلَىٰ وَهْنٍ وَفِصَالُهُ فِي عَامَيْنِ أَنِ اشْكُرْ لِي وَلِوَالِدَيْكَ إِلَيَّ الْمَصِيرُ ﴾ ترجمہ: ''اور ہم نے انسان کو اسکے ماں باپ کے متعلق تاکید کی ہے اس کی ماں نے ضعف پر ضعف اُٹھا کر اس کو پیٹ میں رکھا اور دو برس میں اس کا دودھ چھوٹتا ہے کہ تو میری اور اپنے ماں باپ کی شکر گزاری کیا کر میری ہی طرف لوٹ کر آنا ہے''۔

اور اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے اس کی بھی اطلاع دی کہ اس کی رضامندی شکر ہی میں ہے، اللہ نے فرمایا:﴿ وَإِنْ تَشْكُرُوا يَرْضَهُ لَكُمْ ﴾ ترجمہ: ''اور اگر تم شکر کروں گے تو اس کو تمہارے لئے پسند کرتا ہے''۔

اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم کی نعمتوں کی شکر گزاری پر تعریف فرمائی، اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿اِنَّ اِبۡرَاهِيۡمَ كَانَ اُمَّةً قَانِتًا لِّلّٰهِ حَنِيۡفًا وَلَمۡ يَكُ مِنَ الۡمُشۡرِكِيۡنَ. شَاكِرًا لِّاَنۡعُمِهٖ اِجۡتَبٰهُ وَهَدٰهُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسۡتَقِيۡمٍ﴾ ترجمہ: ''بشک ابراہیم علیہ السلام بڑے مقتدا تھے، اللہ تعالیٰ کے فرماں بردار تھے، بالکل ایک طرف کے ہو رہے تھے، اور وہ شرک کرنے والوں میں سے نہ تھے اللہ کی نعمتوں کے شکر گزار تھے، اللہ تعالیٰ نے ان کو منتخب کر لیا تھا اور ان کو سیدھے رستہ پر ڈال دیا تھا'' اور اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بارے میں خبر دی کہ وہ ایک ''امت'' ہے یعنی ایسے مقتدیٰ ہے کہ خیر و بھلائی میں ان کی اقتداء کی جائے اور وہ اللہ کے مطیع تھے ''قانت'' کہتے ہیں اس شخص کو جو اللہ کی اطاعت میں قائم و دائم ہو، اور ''حنیف'' کہتے ہیں وہ شخص جو اللہ ہی کی طرف متوجہ ہو اور ماسوا اللہ سے کنارہ کش ہو، پھر حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ان صفتوں کے تذکرہ کو اس بات پر ختم کیا کہ وہ اللہ کی نعمتوں کے شکر گزار رہے، تو اللہ تعالیٰ نے شکر کو اپنے خلیل کا اعلیٰ مقصد قرار دیا۔

نیز اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ شکر ہی خلق (تخلیق) و امر (احکام) سے مقصود ہے، بلکہ شکر تو وہ اہم مقصد ہے جس کے لئے بندوں کی تخلیق ہوئی، فرمایا: ﴿وَاللّٰهُ اَخۡرَجَكُمۡ مِّنۡۢ بُطُوۡنِ اُمَّهٰتِكُمۡ لَا تَعۡلَمُوۡنَ شَيۡـًٔا وَّجَعَلَ لَكُمُ السَّمۡعَ وَالۡاَبۡصَارَ وَالۡاَفۡـِٕدَةَ لَعَلَّكُمۡ تَشۡكُرُوۡنَ﴾ ترجمہ: ''اور اللہ تعالیٰ نے تم کو تمہاری ماؤں کے پیٹ سے اس حالت میں نکالا کہ تم کچھ بھی نہ جانتے تھے اور اس نے تم کو کان دیئے اور آنکھ اور دل تا کہ تم شکر کرو'' تو یہی شکر خلق و امر کا مقصد ہے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿وَلَقَدۡ نَصَرَكُمُ اللّٰهُ بِبَدۡرٍ وَّاَنۡتُمۡ اَذِلَّةٌ فَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمۡ تَشۡكُرُوۡنَ﴾ ترجمہ: ''اور یہ بات محقق ہے کہ حق تعالیٰ نے تم کو بدر میں منصور فرمایا حالانکہ تم بے سروسامان تھے سو اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہا کرو تا کہ تم شکر گزار رہو'' اور یہ بات ممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ کا قول ﴿لَعَلَّكُمۡ تَشۡكُرُوۡنَ﴾ یہ اللہ تعالیٰ کا مؤمنین کے لئے نصرت کا فیصلہ کرنے کی اور ان کو تقوی کا حکم دینے کی اور دونوں کے لئے علّت ہو، اور دونوں کی علّت ہونا ظاہر ہے! لہٰذا شکر خلق و امر کا مقصد ہے، اور تحقیق کہ اللہ تعالیٰ نے اس بات کی صراحت فرمائی ہے کہ شکر ہی اس کے احکام اور رسولوں کو بھیجنے کا مقصود ہے، اللہ عزوجل نے فرمایا: ﴿كَمَاۤ اَرۡسَلۡنَا فِيۡكُمۡ رَسُوۡلًا مِّنۡكُمۡ يَتۡلُوۡا عَلَيۡكُمۡ اٰيٰتِنَا وَيُزَكِّيۡكُمۡ وَيُعَلِّمُكُمُ الۡكِتٰبَ وَالۡحِكۡمَةَ وَيُعَلِّمُكُمۡ مَّا لَمۡ تَكُوۡنُوۡا تَعۡلَمُوۡنَ. فَاذۡكُرُوۡنِىۡۤ اَذۡكُرۡكُمۡ وَاشۡكُرُوۡا لِىۡ وَلَا تَكۡفُرُوۡنِ﴾ ترجمہ: ''جس طرح تم لوگوں میں

ہم نے ایک رسول کو بھیجا تم ہی میں سے ہماری آیات پڑھ پڑھ کر تم کو سناتے ہیں اور تمہاری صفائی کرتے رہتے ہیں اور تم کو کتاب اور فہم کی باتیں بتلاتے رہتے ہیں اور تم کو ایسی باتیں تعلیم کرتے رہتے ہیں جن کی تم کو خبر بھی نہ تھی، ان نعمتوں پر مجھ کو یاد کرو میں تم کو یاد رکھوں گا اور میری شکر گزاری کرو اور میری ناسپاسی مت کرو‘‘۔

حضراتِ شاکرین فرماتے ہیں کہ شکر مقصود لذاتہ ہے اور صبر مقصود لغیرہ ہے اور صبر کی تعریف صرف اسی وجہ سے ہے کہ وہ شکر تک پہونچانے والا ہے تو وہ تو شکر کا خادم ہوا۔

صحیحین میں نبی کریم ﷺ سے منقول ہے کہ آپ ﷺ نماز (اتنی طویل) پڑھتے کہ آپ کے پاؤ مبارک میں ورم آجاتا، تو آپ ﷺ سے کہا گیا کہ آپ یہ کیا (مشقت) کرتے ہیں؟ حالانکہ اللہ تعالیٰ نے آپ کے اگلے پچھلے سب گناہوں کو بخش دیا ہے؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا کیا میں شکر گزار بندہ نہ بنوں؟

مسند و ترمذی شریف میں حدیث موجود ہے نبی کریم ﷺ نے حضرت معاذ رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ اے معاذ میں تم سے محبت کرتا ہوں! لہٰذا ہر نماز کے بعد یہ (دعاء) پڑھنا مت بھولنا ﴿اَللّٰهُمَّ اَعِنِّیْ عَلٰی ذِكْرِكَ وَشُكْرِكَ وَحُسْنَ عِبَادَتِكَ﴾۔

ابن ابی دنیاؒ فرماتے ہیں ھشام ابن عروہ فرماتے ہیں کہ آپ ﷺ کی دعاؤں میں سے ایک دعاء یہ تھی ﴿اَللّٰهُمَّ اَعِنِّیْ عَلٰی ذِكْرِكَ وَشُكْرِكَ وَحُسْنَ عِبَادَتِكَ﴾۔

ابن ابی الدنیاؒ فرماتے ہیں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، چار چیزیں ایسی ہے جس کو وہ عطا کی گئی اس کو دنیا و آخرت کی خیر عطا کر دی گئی (۱) شکر گزار قلب، (۲) ذکر کرنے والی زبان، (۳) مصیبت پر صبر کرنے والا بدن ۴ وہ زوجہ جو شوہر کے مال اور اپنے نفس میں خیانت نہ کرے۔

نیز ابن ابی الدنیاؒ ذکر کرتے ہیں حضرت عائشہؓ آپ ﷺ سے روایت فرماتی ہے، نبی کریم ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ جب کسی بندے پر کوئی انعام فرماتے ہیں پھر وہ بندہ یہ جان لے کہ یہ نعمت اللہ کی طرف سے ہے تو اللہ اس کے لئے شکر (کا ثواب) لکھتے ہیں، اور جب اللہ تعالیٰ کسی بندے کو گناہ پر نادم دیکھتے ہیں تو اس کے گناہ کو معاف کر دیتے ہیں اس کا اس گناہ سے مغفرت طلب کرنے سے پہلے ہی! اور آدمی دینار (روپیوں) سے کپڑا خریدتا ہے، پھر اس کو پہنتا ہے اور اللہ کی تعریف (شکر) کرتا ہے تو وہ کپڑا اس کے گھٹنوں تک نہیں پہونچتا کہ اللہ اس کی مغفرت فرما دیتے ہیں۔

صحیح مسلم میں نبی کریم ﷺ سے ثابت ہے آپ ﷺ نے فرمایا: بلاشبہ اللہ تعالیٰ بندے سے راضی ہوتا ہے، وہ کھانا کھاتا ہے پھر اللہ کی تعریف (شکر) کرتا ہے اور پانی پیتا ہے پھر اللہ کی تعریف (شکر) کرتا ہے تو یہ (رضاء رب) بہت بڑی جزاء اور جزاء وصلہ کے اقسام میں سے سب سے بڑی جزاء ہے جیسے کہ اللہ نے فرمایا: ﴿وَرِضْوَانٌ مِّنَ اللّٰهِ أَكْبَرُ﴾ یہاں حمد کا مطلب شکر ہے۔

ابن ابی الدنیاؒ ذکر کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: اللہ سبحانہ وتعالیٰ کسی بندے کو شکر (کی صفت) عطا نہیں کرتے تا کہ وہ مزید نعمتوں سے محروم ہو جائے اس لئے کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے فرمایا: ﴿لَئِنْ شَكَرْتُمْ لَأَزِيدَنَّكُمْ﴾۔

حضرت حسن بصریؒ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نعمتوں سے جس کو چاہتے ہیں متمتع و منتفع فرماتے ہیں پھر جب وہ بندہ اس پر شکر ادا نہیں کرتا تو اللہ ان نعمتوں کو عذاب سے مبدّل کر دیتے ہیں، اسی وجہ سے مشائخ شکر کو ''حافظ'' کہتے تھے اس لئے کہ وہ (شکر) موجودہ نعمتوں کا محافظ ہے اور اس (شکر) کو 'جالب'' بھی کہتے تھے اس لئے کہ وہ (شکر) مفقود نعمتوں کو کھینچنے والا ہے۔

ابن ابی الدنیاؒ نے ذکر کیا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ایک ہمدانی آدمی سے کہا کہ شکر نعمتوں کے حصول کا ذریعہ ہے، اور شکر زیادتیٔ نعمتوں کے ساتھ متعلق ہے اور وہ دونوں ایک ہی لڑی میں پیروئے ہوئے ہیں، لہٰذا اللہ کی جانب سے مزید نعمتیں منقطع نہیں ہوتی جب تک کہ بندے کی طرف سے شکر منقطع نہ ہو جائے۔

حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ فرماتے ہیں کہ اللہ کی نعمتوں کو اللہ کے شکر سے روک لو۔

اور کہا جاتا تھا کہ شکر نعمتوں کی قید ہے۔

حضرت مطرف بن عبداللہؒ فرماتے ہیں کہ میں عافیت میں رہوں پھر شکر ادا کروں یہ مجھے محبوب ہے اس بات سے کہ میں آزمایا جاؤں پھر میں صبر کروں۔

حضرت حسن بصریؒ فرماتے ہیں کہ تم لوگ اللہ کی نعمتوں کا ذکر کثرت سے کرو اس لئے کہ اس کا ذکر بھی شکر ہے، اور اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کو تحدیثِ نعمت کا حکم فرمایا ہے ﴿وَأَمَّا بِنِعْمَةِ رَبِّكَ فَحَدِّثْ﴾ اللہ تعالیٰ اپنے بندے سے یہی چاہتے ہیں کہ اس پر اپنی نعمتوں کے اثر کو دیکھے اس لئے کہ وہ زبانِ حال سے نعمتوں کا شکر ہے۔

حضرت علی بن جعدیؒ فرماتے ہیں کہ میں نے سفیان ثوریؒ سے کہتے ہوئے سنا کہ حضرت داؤد علیہ السلام

نے فرمایا: "الحمد لله حمداً کما ینبغی لکرم وجهه وعز جلا له" تو اللہ تعالیٰ نے ان کی طرف وحی بھیجی کہ اے داؤد تو نے فرشتوں کو (ثواب لکھتے لکھتے) تھکا دیا۔

حضرت ابو رجاء عطاردیؒ فرماتے ہیں کہ ہمارے پاس حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ تشریف لائے اور آپ رضی اللہ عنہ کے بدن پر منقش ریشمی چادر تھی جس کو ہم نے اس سے پہلے اور اس کے بعد کبھی نہیں دیکھا، پھر انھوں نے فرمایا کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب اللہ تعالیٰ کسی بندے کو کوئی نعمت عطا کرتا ہے تو اللہ چاہتے ہیں کہ اپنی نعمت کا اثر اپنے بندے پر دیکھے۔

اور حضرت عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جدّہ کے صحیفہ میں ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کھاؤ، پیؤ اور صدقہ کرو بغیر امید کے اور بغیر اسراف کے اس لئے کہ اللہ جل جلالہ چاہتے ہیں کہ اپنی نعمت کا اثر اپنے بندے پر دیکھے۔

اور حضرت شعبہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ابو الاحوص اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ وہ فرماتے ہیں کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور میں پراگندہ حال میلا کچیلا تھا، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کیا تمہارے پاس مال ہے تو وہ فرماتے ہیں کہ میں نے کہا ''ہاں'' پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کونسا مال ہے، تو میں نے کہا کہ ہر قسم کا مال ہے اللہ تعالیٰ نے مجھ کو اونٹ، گھوڑے، غلام، بکریاں سب کچھ عطا کیا ہے، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب اللہ نے آپ کو مال دیا ہے تو اللہ تم پر (اثر کو) دیکھنا چاہتے ہیں۔

بعض مرسل احادیث میں ہے، اللہ تعالیٰ چاہتے ہیں کہ وہ اپنے بندے پر اپنی نعمتوں کا اثر اس کے کھانے پینے میں دیکھے۔

بحوالہ عبداللہ بن یزید، بکیر بن عبداللہ مرفوعاً روایت کرتے ہیں جس کو کوئی خیر (نعمت) عطا کی گئی پھر اس پر نعمت کا اثر نظر آیا تو اس کو حبیب اللہ، اللہ کی نعمتوں کو بیان کرنے والا کہا جاتا ہے، اور جس کو خیر (نعمت) عطا کی گئی اور اس پر نعمت کا اثر نظر نہیں آیا تو اس کو اللہ کا مبغوض، اللہ کی نعمتوں کی مخالفت کرنے والا لکھا جاتا ہے۔

حضرت فضیل بن عیاضؒ فرماتے ہیں کہا جاتا تھا کہ جس شخص نے اللہ کی نعمت کو دل سے جان لیا اور اپنی زبان سے اللہ کی تعریف کی تو وہ نعمت (ابھی) اتمام تک نہیں پہونچتی کہ وہ مزید (نعمتوں) کو دیکھ لیتا ہے، اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿لَئِنْ شَكَرْتُمْ لَأَزِيدَنَّكُمْ﴾ اور فرمایا کہ نعمت کا شکریہ ہے کہ اس کا اظہار کیا جائے۔

تحقیق کہ اللہ نے فرمایا کہ اے فرزندِ آدم جب تو میری نعمتوں میں نقل و حرکت کرتا ہے اور تو میری نافرمانی میں مصروف و مشغول ہوتا ہے تو مجھ سے ڈر کہ میں میری نافرمانی کے درمیان پکڑ کرلوں، اے فرزندِ آدم تو مجھ سے ڈر اور جہاں چاہے سو جا۔

حضرت شعبی فرماتے ہیں کہ شکر نصف ایمان ہے اور یقین مکمل ایمان ہے۔

حضرت ابو قلابہ فرماتے ہیں دنیا تم کو کوئی نقصان نہیں پہونچائے گی اگر تم اس (دنیا) کا شکر ادا کروگے۔

حضرت حسن بصریؒ فرماتے ہیں جب اللہ تعالیٰ کسی قوم پر انعام فرماتا ہے تو ان سے شکر کا مطالبہ کرتے ہیں تو جب وہ (قوم) شکر ادا کرتی ہے تو اللہ اس بات پر قادر ہیں کہ ان کو مزید (نعمتیں) عطا کرے اور جب وہ ناشکری کرتے ہیں تو اللہ اس بات پر بھی قادر ہیں کہ اپنی نعمت کو ان پر عذاب بنا کر بھیج دے۔

اور اللہ تعالیٰ نے (قرآن میں) "کنود" کی مذمت بیان کی ہے اور کنود وہ شخص ہے جو اللہ کی نعمتوں کا شکر ادا نہ کرے، حضرت حسن بصریؒ فرماتے ہیں ﴿إِنَّ الْإِنسَانَ لِرَبِّهِ لَكَنُودٌ﴾ یعنی وہ شخص جو مصائب و تکالیف کو گنائے اور نعمتوں کو بھول جائے، اور اللہ کے نبی ﷺ نے باخبر کیا ہے کہ جہنم میں اکثر عورتیں اسی وجہ سے جائے گی، آپ ﷺ نے فرمایا: اگر تو ان (عورت) کے ساتھ پوری زندگی احسان و بھلائی کرے گا پھر اگر تیری جانب سے ایک (معمولی) چیز دیکھے گی تو وہ کہے گی میں نے تجھ سے کوئی بھلائی نہیں دیکھی، پھر جب یہ (دخولِ جہنم) صرف شوہر کی نعمت کی ناشکری کی وجہ سے ہے حالانکہ وہ بھی اللہ کی جانب سے ہے تو پھر کیا حال ہوگا ان لوگوں کا جو اللہ کی نعمتوں کی ناشکری کرتے ہیں۔

يَا أَيُّهَا الظَّالِمُ فِي فِعْلِهِ　　وَالظُّلْمُ مَرْدُودٌ عَلَى مَنْ ظَلَمَ
اے وہ شخص جو اپنے کردار میں ظالم ہے　　اور ظلم ظالم ہی پر لوٹتا ہے
إِلَى مَتَى أَنْتَ وَحَتَّى مَتَى　　تَشْكُو الْمُصِيبَاتِ وَتَنْسَى النِّعَمَ
کب تک اور کہاں تک تو مصائب کی　　شکایت کرتا رہے گا اور نعمتوں کو بھولے رہے گا

ابن ابی الدنیاؒ نے ذکر کیا ہے، نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا نعمتوں کا

اظہار شکر ہے اور اس کا ترکِ اظہار ناشکری ہے، جس شخص نے تھوڑے پر شکر نہیں کیا اس نے زیادہ کا بھی شکر ادا نہیں کیا، اور جس نے لوگوں کا شکر ادا نہیں کیا اس نے اللہ کا بھی شکر ادا نہیں کیا، اور جماعت میں برکت ہے اور فرقہ بندی عذاب ہے۔

حضرت مطرف بن عبداللہؒ فرماتے ہیں کہ میں نے عافیت وشکر میں غور کیا تو میں نے ان دونوں میں دنیا وآخرت کی بھلائی پائی، اسی لئے میں عافیت میں رہوں پھر شکر ادا کروں مجھے محبوب ہے اس بات سے کہ میں تکلیف میں رہوں اور صبر کروں۔

حضرت بکر بن عبداللہ مزنیؒ نے ایک حمّال (قلی) کو دیکھا جس پر بوجھ تھا اور وہ کہہ رہا تھا "**الحمدللّٰہ استغفراللّٰہ**" راوی فرماتے ہیں کہ میں اس کو دیکھتا رہا حتی کے اپنی پیٹھ سے بوجھ کو اتار دیا تو میں نے کہا کیا اس کے علاوہ کوئی اور کارِ خیر کرتا ہے؟ تو اس نے کہا کیوں نہیں! بہت سے کارِ خیر کرتا ہوں، میں قرآن شریف پڑھتا ہوں، مگر بندہ چونکہ نعمت وگناہ کے مابین ہوتا ہے، لہٰذا میں اللہ کی وسیع نعمتوں پر حمد (شکر) کرتا ہوں اور اپنے گناہوں سے استغفار کرتا ہوں، تو میں (بکر بن عبداللہ) نے کہا کہ حمّال (قلی) بکر سے زیادہ فقیہ ہے۔

ترمزی شریف میں حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ کی حدیث مذکور ہے، وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ صحابہ کے پاس آئے پھر آپ ﷺ نے ان کے سامنے سورۂ رحمٰن کی اوّل تا آخر تلاوت فرمائی، تو صحابہ خاموش رہے، تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ میں نے یہ (سورۂ رحمٰن) لیلۃ الجنّ میں جنّ کے سامنے تلاوت فرمائی تو انھوں نے تم سے بہتر جواب دیا، میں جب بھی اس آیت کو پڑھتا ﴿فَبِاَیِّ آلَاءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبَانِ﴾ تو وہ (جنّ) فرماتے "**لَابِشَیْئٍ مِنْ نِعَمِكَ رَبَّنَا نُكَذِّبُ، فَلَكَ الْحَمْدُ**" کہ اے ہمارے رب ہم تیری نعمتوں میں سے کسی کا انکار (ناشکری) نہیں کرتے تیرے ہی لئے تمام تعریفیں ہیں۔

حضرت مشعر فرماتے ہیں، جب آلِ داؤد سے کہا گیا ﴿اِعْمَلُوْا آلَ دَاوٗدَ شُكْرًا﴾ تو قومِ داؤد پر ایک گھڑی ایسی نہیں گزرتی تھی جس میں ایک مصلّی نہ ہو (یعنی ہر وقت کوئی نہ کوئی ضرور نماز وعبادت میں مشغول ہوتا تھا)۔

حضرت عون بن عبداللہؒ فرماتے ہیں کہ بعض فقہاء فرماتے ہیں کہ میں نے اپنے معاملہ میں غور کیا، تو میں نے کوئی ایسی خیر وبھلائی نہیں دیکھی جس کے ساتھ کوئی برائی (تکلیف) نہ ہو (یعنی ہر خیر کے ساتھ تکلیف

ہے)مگر عافیت وشکر، لہٰذا بہت سارے شاکر بغیر عافیت (تکلیف) ہوتے ہیں،اور بہت سارے عافیت والے شاکر نہیں ہوتے، لہٰذا جب تم اللہ سے مانگو تو دونوں (شکر و عافیت) کو ایک ساتھ مانگو۔

حضرت ابو معاویہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایک قمیص پہنا پھر جب وہ قمیص ہنسلی تک پہونچا تو آپ رضی اللہ عنہ نے یہ دعا پڑھی "اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ کَسَانِیْ مَا اُوَارِیْ بِہٖ عَوْرَتِیْ وَاَتَجَمَّلُ بِہٖ فِیْ حَیَاتِیْ" پھر اپنے ہاتھوں کو دراز کیا تو ایک چیز کو دیکھا جو آپ رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر زائد تھی تو آپ رضی اللہ عنہ نے اس کو کاٹ دیا پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ حدیث بیان کرنے لگے اور فرمایا میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے آپ ﷺ فرماتے ہیں جو شخص (نیا) کپڑا پہنے پھر وہ کہے جس وقت وہ کپڑا ہنسلی تک پہونچے یا آپ ﷺ نے فرمایا کہ وہ کپڑا گھٹنوں تک پہونچے پھر وہ اپنے پرانے کپڑوں (کو صدقہ کرنے) کا ارادہ کرے اور کسی غریب کو پہناوے تو وہ ہمیشہ اللہ کے جوار (پناہ) میں رہے گا، اللہ کے ذمہ میں، اللہ کی حمایت میں رہے گا، زندہ ہو یا مردہ، جب تک اس کپڑے میں سلائی باقی رہے گی۔

حضرت عون بن عبداللہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں ایک آدمی نیا قمیص پہنتا ہے پھر اللہ کی تعریف کرتا ہے تو اللہ سبحانہ وتعالیٰ اس کی مغفرت فرمادیتے ہیں، تو ایک آدمی نے کہا کہ واپس جاتا ہوں تاکہ قمیص خریدوں اور پہنوں تاکہ اللہ مغفرت کردے۔

حضرت شریح فرماتے ہیں کہ کسی بھی بندے کو کوئی مصیبت پہونچتی ہے تو اس میں اللہ کی تین نعمتیں ہوتی ہے اوّل کہ وہ مصیبت اسکے دینی معاملات میں نہیں ہے، دوم کہ اس سے بڑی مصیبت نازل نہ ہوئی، سوم جو ہونی تھی وہ ہوگئی۔

حضرت عبداللہ بن عمر بن عبدالعزیزؒ فرماتے ہیں کہ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ جب بھی اللہ کی عطا کردہ نعمت پر نظر ڈالتے تو یہ دعا مانگتے "اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُبِکَ اَنْ اُبَدِلَ نِعْمَتَکَ کُفْراً وَاَنَا اَکْفُرُھَا بَعْدَ اَنْ عَرَفْتُھَا وَاَنْ اَنْسَاھَا وَلَا اُثْنِیْ بِھَا" اے اللہ میں تیری پناہ چاہتا ہوں اس بات سے کہ میں تیری نعمت کو ناشکری سے بدلدوں، اور اس بات سے کہ میں نعمت کو جاننے کے بعد اس کی ناقدری کروں، اور اس بات سے کہ میں اس کو بھلادوں اور اس پر تیری تعریف نہ کروں۔

حضرت روح بن قاسمؒ فرماتے ہیں، ایک آدمی نے زہد اختیار کیا پھر کہا کہ میں کھجور بالائی حلوہ کچھ

نہیں کھاؤں گا تا کہ میں اس کے شکر کا ذمہ دار نہ بنوں، تو حضرت حسن بصریؒ نے فرمایا کہ وہ بے وقوف ہے کیا وہ ٹھنڈے پانی کے شکر کا ذمہ دار نہیں ہے؟۔

بعض حدیثِ قدسی میں ہے اللہ سبحانہ وتعالیٰ فرماتے ہیں کہ اے فرزندِ آدم میری خیرات (نعمتیں) تیری طرف نازل ہوتی ہے اور تیرا شر (ناشکری) میرے پاس پہونچتا ہے میں تجھ سے نعمتوں کے ذریعہ اظہارِ محبت کرتا ہوں اور تو مجھ سے گناہوں کے ذریعہ اظہارِ نفرت کرتا ہے، ہمیشہ ایک معزز فرشتہ تیرے افعالِ قبیحہ (برے اعمال) مجھ تک پہونچاتا ہے۔

ابن ابی الدنیاؒ فرماتے ہیں کہ مجھے ابو علی نے بیان کیا، وہ فرماتے ہیں میں نے اپنے ایک پڑوسی کو رات میں سنا وہ کہہ رہا تھا، اے الٰہی تیری خیرات (نعمتیں) میری طرف نازل ہو رہی ہے، اور میری شرارت (ناشکری) تیرے پاس پہونچ رہی ہے، کتنے ہی تیرے معزز فرشتے میرے برے اعمال لے کر تیرے پاس آتے ہوں گے، اور تو مجھ سے بے نیاز ہونے کے باوجود مجھ سے نعمتوں کے ذریعہ اظہارِ محبت کرتا ہے اور میں تیرا محتاج ہونے کے باوجود گناہوں کے ذریعہ تجھ سے اظہارِ نفرت کرتا ہوں، اور تو اس معاملہ میں مجھ کو باخبر کرتا ہے، میرے عیوب کو چھپاتا ہے اور مجھے عطا کرتا ہے۔

حضرت ابو مغیرہؒ سے جب کہا جاتا تھا اے ابو محمد کیسے صبح کی؟ تو وہ فرماتے تھے میں نے صبح کی اللہ کی نعمتوں میں مستغرق ہونے کی حالت میں، اور شکر سے عاجز ہونے کی حالت میں، ہمارا رب ہم سے محبت کرتا ہے حالانکہ وہ ہم سے بے نیاز ہے، اور ہم نفرت (ناشکری) کرتے ہیں حالانکہ ہم اس کے محتاج ہے۔

حضرت معاویہ بن مرّہؒ جب نیا کپڑا پہنتے تھے تو کہتے تھے "بسم الله والحمد لله"۔

حضرت عبداللہ بن ثعلبہؒ فرماتے ہیں اے الٰہی تیرے فضل و کرم کا حق تو یہ ہے کہ تیری اطاعت کی جائے اور تیری نافرمانی نہ کی جائے اور یہ تیرا حلم ہے کہ تیری نافرمانی کی جاتی ہے اور تو چشم پوشی کرتا ہے! کونسی گھڑی ہے جس میں تیری زمین پر رہنے والے تیری نافرمانی نہ کرتے ہوں اور تو خیر ہی کا عادی رہتا ہے۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب کوئی بندہ اللہ کی عبادت کا ذمہ دار و ضامن بن جاتا ہے تو اللہ جل جلالہ آسمانوں اور زمین کو حکم دیتا ہے کہ وہ اس کو رزق پہونچائے، پھر اللہ جل جلالہ وہ رزق انسانوں کے

حوالہ کر دیتے ہیں جو اس میں کام کاج کرتے رہتے ہیں حتی کہ اپنے سے رزق دور کر کے اس عابد تک پہونچا دیتے ہیں، بندہ پھر اگر قبول کرلے شکر واجب ہوتا ہے اور اگر رد کر دے تو غنی محمود دوسرے محتاج بندوں کو منتخب کرتے ہیں جو اس کا رزق لے لے اور اللہ کا شکر ادا کرے۔

حضرت یونس بن عبیدؒ فرماتے ہیں کہ ایک آدمی نے ابو تیمیہؒ سے کہا کہ کس حالت میں صبح کی ؟ تو انہوں نے فرمایا کہ دو نعمتوں کے مابین صبح کی ! میں نہیں جانتا کہ اس میں سے کونسی افضل ہے؟ ایک گناہ جس سے اللہ نے پردہ پوشی کی ہے اب کوئی بھی اس گناہ کی وجہ سے عار نہیں دلا سکتا، اور دوم محبت جو اللہ نے لوگوں کے دلوں میں ڈال دی ہے جس محبت کو میرے عمل حاصل نہیں کر سکتے۔

ابن ابی الدنیاؒ روایت فرماتے ہیں، حضرت عبد اللہ بن سلام رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا اے میرے رب کون سا شکر تیرے شایانِ شان ہے، تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا، تیری زبان ہمیشہ میرے ذکر سے تر رہے۔

سہیل بن ابی صالحؒ وہ اپنے والد سے روایت فرماتے ہیں کہ حضرت ابو ھریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اہلِ قباء میں سے ایک آدمی نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو دعوت دی پھر ہم بھی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ گئے، پھر جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کھانے سے فارغ ہو گئے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دستِ مبارک کو دھویا تو یہ دعا پڑھی "اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ یُطْعِمُ وَلَا یُطْعَمُ. مَنَّ عَلَیْنَا فَھَدَانَا وَاَطْعَمَنَا وَسَقَانَا وَکُلُّ بَلَاءٍ حسنٍ اَبْلَانَا. اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ غَیْرِ مُوَدِّعٍ رَبِّیْ وَلَا مَکَافأٍ وَلَا مَکْفُوْرٌ وَلَا مُسْتَغْنِیْ عَنْہُ. اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ اَطْعَمَ مِنَ الطَّعَامِ وَسَقٰی مِنَ الشَّرَابِ وَکَسٰی مِنَ الْعُرٰی وَھَدٰی مِنَ الضَّلَالَۃِ وَبَصَّرَ مِنَ الْعَمٰی وَفَضَّلَ عَلٰی کَثِیْرٍ مِنْ خَلْقِہٖ تَفْضِیْلًا اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ"۔

مسند حسن بن صلاح میں حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ جب کسی بندے کو کوئی نعمت اس کے اہل میں، مال میں، اولاد میں عطا کرتا ہے پھر وہ بندہ "مَاشَاءَ اللّٰہُ لَاحَوْلَ وَلَا قُوَّۃَ اِلَّا بِاللّٰہِ" کہتا ہے تو اس (نعمت) میں سواء موت کے کوئی آفت دیکھے ایسا نہ ہوگا۔

حضرت امام احمدؒ روایت فرماتے ہیں کہ حضرت ابو الخلدؒ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت داؤد علیہ السلام کی

دعا میں پڑھا ہے حضرت داؤد علیہ السلام نے فرمایا: اے میرے رب میرے لئے کیسے ممکن ہے کہ میں تیرا شکر ادا کروں چونکہ میں تیرا شکر ادا نہیں کر سکتا مگر وہ بھی تیری نعمت ہی کے ذریعہ! راوی فرماتے ہیں کہ حضرت داؤد علیہ السلام پر وحی آئی کہ اے داؤد کیا تو نہیں یقین رکھتا کہ جو نعمت بھی حاصل ہوتی ہے وہ میری جانب سے ہے؟ تو حضرت داؤد علیہ السلام نے فرمایا کیوں نہیں اے میرے رب! تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ بس تیری جانب سے اتنے شکر ہی پر میں راضی ہوں۔

حضرت عبداللہ بن احمدؒ فرماتے ہیں کہ سعد بن عبدالعزیزؒ فرماتے ہیں کہ حضرت داؤد علیہ السلام کی دعا میں یہ بھی تھا "سُبْحَانَ اللّٰهِ مُسْتَخْرِجَ الشُّكْرِ بِالْعَطَاوَمُسْتَخْرِجَ الدُّعَاءِ بِالْبَلَاءِ" اے سبحان جو عطا سے شکر کو پیدا کرنے والا ہے، اور جو تکلیف سے دعا کو پیدا کرنے والا ہے۔

حضرت امام احمدؒ فرماتے ہیں کہ عبداللہ بن حارثؒ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت داؤد علیہ السلام کی طرف وحی فرمائی کہ مجھ سے محبت کر اور میری عبادت کو پسند کر اور مجھ کو میرے بندوں کے نزدیک محبوب کر دے، تو حضرت داؤد علیہ السلام نے فرمایا: اے میرے رب یہ تیری محبت اور تیری عبادت کی محبت واضح ہے میں تجھ کو تیرے بندوں میں کیسے محبوب بناؤں؟ تو اللہ نے فرمایا کہ میرا انکے پاس ذکر کر کہ وہ لوگ مجھے بھلائی کے ساتھ ہی یاد کریں، "کہ واقعی ہمارے رب صاحبِ جلال وعظمت ہے اور اس کا نام بڑا بابرکت ہے اور اس کے اسماء مقدس ہیں اور اسکی حمد اعلیٰ ہے اور اس کے سواء کوئی معبود نہیں"۔

امام احمدؒ فرماتے ہیں کہ حضرت عبدالرزّاق بن عمرانؒ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت وہب سے سنا وہ فرماتے ہیں کہ میں نے آلِ داؤد کی کتاب میں پایا "میری عزت کی قسم جو شخص مجھ پر اعتماد رکھے گا، پھر اگر سب آسمان اپنے افراد کے ساتھ اور تمام زمینیں اپنے افراد کے ساتھ اس کے خلاف تدبیر کریں گے تو میں اس کے لئے ان تمام کے درمیان سے راستہ نکال دوں گا، اور جو شخص مجھ پر اعتماد نہ کرے تو میں ان کے ہاتھوں کو آسمانی اسباب سے روک لوں گا اور اسکو قدموں کے نیچے زمین میں دھنسا دونگا، اور اس کو ہواء میں معلّق کر دوں گا، پھر اس کو اس کی ذات کے سپرد کر دوں گا! اور میں میرے بندے کے لئے مال کے اعتبار سے کافی ہوں جب میرا بندہ میری اطاعت میں لگتا ہے تو میں اس کو مانگنے سے پہلے ہی دے دیتا ہوں، اور مجھ سے دعا مانگنے سے پہلے ہی قبول کر لیتا ہوں، اور میں اس کی ان حاجتوں کو جانتا ہوں جس سے اس کا دل آرام پاتا ہے۔

امام احمدؒ نے فرمایا کہ حضرت ثابت فرماتے ہیں کہ حضرت داؤد علیہ السلام نے رات و دن کے اوقات کو اپنے گھر والوں پر تقسیم کردیا تھا لہٰذا رات و دن کی کوئی گھڑی ایسی نہیں ہوتی تھی جس میں آلِ داؤد میں سے کوئی نماز نہ پڑھتا ہو، راوی فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں ان کو عام حکم فرمایا ﴿اِعۡمَلُوۡۤا اٰلَ دَاوٗدَ شُکۡرًا ؕ وَ قَلِیۡلٌ مِّنۡ عِبَادِیَ الشَّکُوۡرُ﴾۔

امام احمدؒ فرماتے ہیں حضرت داؤد علیہ السلام نے فرمایا اے میرے رب کیا تیری مخلوق میں سے کوئی پوری رات گزارتا ہے جس میں مجھ سے بھی زیادہ وہ تیرا طویل ذکر کرتا ہوں؟ تو اللہ عزوجل نے ان پر وحی فرمائی کہ ہاں! مینڈک! اور اللہ عزوجل نے ان پر یہ حکم نازل فرمایا: ﴿اِعۡمَلُوۡۤا اٰلَ دَاوٗدَ شُکۡرًا ؕ وَ قَلِیۡلٌ مِّنۡ عِبَادِیَ الشَّکُوۡرُ﴾ حضرت داؤد علیہ السلام نے فرمایا اے میرے رب میں تیرا شکر کیسے کرسکتا ہوں؟ حالانکہ تو مجھ پر نعمتیں برساتا رہتا ہے، پھر مجھ کو نعمت پر شکر کی توفیق عطا کرتا ہے پھر تو ہی نعمت پر مزید نعمت عطا کرتا ہے تو نعمت بھی تیری جانب سے ہے اور شکر بھی تیری جانب سے! تو میں کیسے تیرا شکر ادا کرسکتا ہوں؟ تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا اے داؤد تو نے مجھے اب پہچان لیا۔

امام احمدؒ نے فرمایا، حضرت حسن بصریؒ نے فرمایا کہ اللہ کے نبی حضرت داؤد علیہ السلام نے فرمایا: اے میرے رب اگر میرے ہر بال کی دو زبان ہوتی اور دونوں رات و دن اور پورا زمانہ بھی تسبیح پڑھتی رہتی تو بھی میں تیری ایک نعمت کا حق ادا نہ کرپاتا۔

ابن ابی الدنیاؒ نے ذکر کیا ہے ابو الخلد فرماتے ہیں حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا، اے میرے رب! میرے لئے یہ کیسے ممکن ہے کہ میں تیرا شکر ادا کروں؟ حالانکہ تیری نعمتوں میں سے ایک چھوٹی نعمت جو تو نے میرے لئے مقرر کی ہے اس کو میرے تمام اعمال بھی (شکر کے لئے) کافی نہیں، تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا، اے موسیٰ اب تو نے میرا شکر ادا کیا۔

بکر بن عبداللہؒ فرماتے ہیں جب بھی کوئی اللہ کا بندہ "الحمد للّٰہ" کہتا ہے تو اس کا "الحمد للّٰہ" کہنے پر اس پر ایک نعمت (ثابت) ہوجاتی ہے پھر اس نعمت کا شکر یہ ہے کہ وہ کہے "الحمد للّٰہ" تو دوسری نعمت ثابت ہوگی، سو اللہ کی نعمتیں ختم نہیں ہوتی۔

حضرت حسن بصریؒ نے فرمایا اللہ کے نبی علیہ السلام نے ایک آدمی سے یہ کہتے ہوئے سنا "الحمدللّٰہ بالاسلام" تو اس نبی نے فرمایا بے شک تو نے اللہ کی بڑی نعمت پر شکرادا کیا۔

حضرت خالد بن معدانؒ فرماتے ہیں کہ میں نے عبدالملک بن مروانؒ سے سنا وہ فرماتے ہیں کہ اللہ کے نزدیک زیادہ محبوب اور ادائے شکر میں زیادہ مؤثر "الحمد للّٰہ الذی انعم علینا وھدانا بالاسلام" کے کلام سے بڑھ کر کوئی کلمہ نہیں ہے۔

حضرت سلمان بن تیمیؒ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ اپنی شایانِ شان بندوں کو نعمت عطا کرتا ہے اور ان کو ان کی طاقت کے مطابق شکر کا مکلّف بنایا ہے۔

حضرت حسن بصریؒ جب اپنے درسِ حدیث کو شروع فرماتے تھے تو کہتے تھے "اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ اَللّٰھُمَّ رَبَّنَا لَکَ الْحَمْدُ. بِمَاخَلَقْتَنَا وَرَزَقْتَنَا وَھَدَیْتَنَا وَعَلِمْتَنَا وَأَنْقَذْتَنَا وَفَرَجْتَ عَنَّا الخ" تمام تعریفیں اللہ ہی کے لئے ہے اے اللہ، اے ہمارے رب تیرے لئے تمام تعریفیں ہیں، اس بات پر کہ تو نے ہم کو پیدا کیا تو نے رزق عطا کیا، تو نے ہم کو ہدایت عطا کی، علم عطا کیا اور تو نے ہمیں جہنم سے بچایا اور ہم سے تکلیف کو دور کیا، تیرے ہی لئے تمام تعریفیں ہیں، عطاءِ اسلام وقرآن پر، اور تیرے ہی لئے سب تعریفیں ہیں، عطاءِ اہل وعیال پر عطاءِ مال وعافیت پر! تو نے ہی ہمارے دشمنوں کو زیر کیا، اور ہمارا رزق وسیع کیا، اور ہماری اتّم چیز (دین اسلام) کو ظاہر کیا! اور تو نے ہی ہمارے مختلف لوگوں کو جمع کیا، اور تو نے ہی ہماری صحت کو اچھا کیا، اور ہر وہ چیز جو ہم نے تجھ سے مانگی تو نے عطا کی، بس ان تمام پر تیری بے شمار حمد ہے، تیری ہی تعریف ہے ہر اس نعمت پر جو تو نے ہم کو عطا کی ہے چاہے وہ نعمت قدیم ہو یا جدید، ظاہراً ہو یا باطناً، خاص ہو یا عام، حالتِ حیات میں ہو یا ممات میں، ہمارے حاضرین پر ہو یا غائبین پر، تیرے ہی لئے سب تعریفیں ہیں حتی کہ تو راضی ہو جائے، اور تیرے ہی لئے تمام تعریف ہے جب تو راضی ہو۔

حضرت حسن بصریؒ فرماتے ہیں کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا اے میرے رب حضرت آدم علیہ السلام تیرا شکر کیسے ادا کر سکتے ہیں ان انعاموں پر جو تو نے ان پر کیئے کہ تو نے اپنے ہاتھ سے ان کو بنایا، اور تو نے اپنی روح ان میں ڈالی، اور تو نے جنت میں ان کو سکونت عطا کی، اور تو نے فرشتوں کو حکم دیا تو انہوں نے ان کو سجدہ

کیا، تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا اے موسیٰ اس (آدم علیہ السلام) کو یقین ہے کہ یہ سب میری جانب سے ہے پھر انہوں نے اس پر میری تعریف کی، بس یہی شکر ہے ان انعاموں کا جو میں نے کئے ہیں۔

حضرت سعد بن مسعود ثقفیؒ فرماتے ہیں بلاشبہ حضرت نوح علیہ السلام کو عبدِ شکور (شاکر بندہ) کہا گیا ہے، اس لئے کہ انھوں نے جب بھی نیا کپڑا پہنا اور کوئی کھانا کھایا تو اس پر اللہ کی حمد بیان کی۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ بن ابی طالب جب بیت الخلاء سے نکلتے تو اپنے پیٹ پر ہاتھ پھیرتے اور کہتے کیا ہی عجیب نعمت ہے کاش کہ بندے اس کے شکر کو جانتے پہچانتے۔

حضرت مخلد بن حسینؒ فرماتے ہیں کہ کہا جاتا تھا کہ معاصی کو چھوڑنا یہی شکر ہے۔

ابو حازم فرماتے ہیں کہ ہر وہ نعمت جو اللہ سے قریب نہ کردے وہ مصیبت ہے۔

سلیمانؒ فرماتے ہیں نعمت کا ذکر اللہ کی محبت کو پیدا کرتا ہے۔

حضرت حمّاد بن زیدؒ فرماتے ہیں کہ ابو بردہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں مدینہ میں آیا تو میں حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ سے ملا تو انھوں نے مجھ سے کہا کیا تم اس گھر میں داخل نہیں ہوں گے جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم داخل ہوئے، اور ہم تم ہیں ستو اور کھجور نہ کھلائیں، پھر فرمایا: جب اللہ تعالیٰ کل (قیامت کو) لوگوں کو جمع کریں گے تو اللہ تعالیٰ ان کے سامنے اپنی نعمتوں کا ذکر کریں گے، تو بندہ کہے گا کہ اس کی نشانی کیا ہے؟ تو اللہ تعالیٰ فرمائیں گے، اس کی علامت یہ ہے تو ایک تکلیف میں ایسا ایسا پریشان تھا، تو نے مجھ سے دعا کی تو میں نے اس تکلیف کو دور کر دیا تھا، اور اس کی علامت یہ ہے کہ تو ایک سفر میں ایسا ایسا پریشان تھا تو نے مجھ سے رفاقت طلب کی تھی تو میں نے تیرا ساتھ دیا تھا! راوی فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ اس کو یاد کرائیں گے حتی کہ اس کو یاد آجائے گا، پھر اللہ فرمائیں گے اس کی علامت یہ ہے کہ تو نے فلاں کی لڑکی کو پیغامِ نکاح دیا تھا اور اس لڑکی سے اوروں نے بھی پیغامِ نکاح دیا تھا تو میں نے تیرا نکاح کرا دیا اور اوروں کا پیغام رد کر دیا، اللہ اپنے بندے کو اپنے سامنے کھڑا کریں گے، اور اس کو اپنی نعمتیں شمار کرائیں گے، پھر راوی رونے لگے اور زیادہ رونے لگے پھر فرمایا کہ میں اللہ سے امید رکھتا ہوں کہ وہ اپنے کسی بندے کو اپنے سامنے اس لئے نہیں بیٹھائے گا کہ وہ اس کو عذاب دے۔

لیث بن ابی سلیمؒ فرماتے ہیں کہ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قیامت کے دن بندہ کی نعمتوں کو، نیکیوں کو، گناہوں کو لایا جائے گا، پھر اللہ تعالیٰ اپنی نعمتوں میں سے ایک نعمت کو

فرمائیں گے کہ تو نیکیوں میں سے اپنا حق لیلے تو وہ نعمت اس (بندے) کی کسی بھی نیکی کو نہیں چھوڑے گی حتی کہ وہ سب نیکیاں لے لیگی۔

حضرت بکر بن عبداللہ مزنیؒ فرماتے ہیں کہ بندے کو جب کوئی حادثہ پیش آتا ہے پھر وہ اللہ سے دعا کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس سے اس حادثہ کو دور فرما دیتے ہیں، تو شیطان اس کے پاس آتا ہے اور اس (بندے) کے شکر کو کمزور کرنے کی کوشش کرتا ہے، شیطان کہتا ہے، وہ حادثہ تو تیرے دیگر معاملات سے بہت آسان تھا! تو بندہ کہتا ہے کہ نہیں! حادثہ تو بہت شدید و مشکل تھا لیکن اللہ تعالیٰ نے اس کو مجھ سے دور کر دیا (آسان کر دیا)۔

ابن ابی الدنیاؒ ذکر کرتے ہیں کہ صدقہ بن یسارؒ فرماتے ہیں کہ حضرت داؤد علیہ السلام اپنے محراب (مسجد) میں تشریف فرماں تھے کہ اچانک ایک (چھوٹی چیونٹی) ان کے پاس سے گزری، تو حضرت داؤد علیہ السلام اس کو دیکھنے لگے اور اس کی تخلیق میں غور کرنے لگے اور ان کو اس سے بڑا تعجب ہوا اور کہا کہ اللہ کو اس سے کیا غرض! تو اللہ نے اس چیونٹی کو گویا ہی عطا کی تو اسنے کہا اے داؤد! کیا تو اپنے آپ کو بہت اچھا سمجھتا ہے؟ اس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں میں ہوں! میں اللہ کی عطا کردہ فضل و نعمت پر اس سے زیادہ شکر ادا کرتی ہوں، جتنا تو اللہ کی عطا کردہ فضل و نعمت پر کرتا ہے۔

ایوبؒ فرماتے ہیں کہ اللہ کی نعمتوں میں سے اپنے بندے پر سب سے بڑی نعمت یہ ہے کہ بندہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے لائے ہوئے احکام پر مامون و مطمئن ہو جائے۔

حضرت سفیان ثوریؒ فرماتے ہیں کہ کہا جاتا تھا کہ فقیہ وہ شخص نہیں جو بلاء کو نعمت نہ سمجھے اور راحت کو مصیبت نہ سمجھے۔

حضرت زاذانؒ فرماتے ہیں کہ صاحبِ نعمت پر اللہ کے لئے اس نعمت کا جو حق واجب ہے وہ یہ ہے کہ وہ اس نعمت کو اللہ کی نافرمانی کا ذریعہ نہ بنائے۔

ابن ابی الدنیاؒ فرماتے ہیں کہ مجھے محمود وراق نے یہ اشعار سنائے۔

اِذَا کَانَ شُکْرِیْ نِعْمَۃَ اللّٰہِ نِعْمَۃٌ عَلَیَّ لَہٗ فِیْ مِثْلِھَا یَجِبُ الشُّکْرُ

جب میرا شکر بھی اللہ کی نعمت ہے تو یہ بھی مجھ پر ایک نعمت ہے جس کا شکر واجب ہے

فَـكَـيُفَ وُقُـوُعُ الشُّـكُـرِ اِلَّا فَـضُـلَـةً وَاِنُ طَـالَـتِ الاَيَّـامُ وَاتَّـصِلِ الـعـمـرُ

لہٰذا شکر کی ادائیگی کیسے ہوسکتی ہے بغیر اس کے فضل کے اگر چہ ایام وعمر طویل ہوجائے

اَذَا مَـــسَّ بِـــالسَّـرَّاءِ عَـمَّ سُـرُوُرُهَـــا وَاِنُ مَـــسَّ بِـــالـضَّـرَّاءِ اَعُـقَبَهَـا الاجـرُ

جب راحت پہونچتی ہےتو اس کی خوشی پھیل جاتی ہے اور اگر تکلیف پہونچے تو اس کا نتیجہ بھی اجر ہے

وَمَـــا مِـنُـهُـمَـــا اِلَّالَـــهٗ فِيُـــهِ مِـنَّـةٌ تُـضِيُـقُ بِهَـــا الاَوُهَـــامُ وَالبِـرُّ والبحـر

اور دونوں میں سے ہر ایک میں بندہ کے لئے انعام ہے جس سے عقل اور خشکی وتری سب قاصر ہیں

دراوردی نے روایت فرمایا ہے،حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ عزوجل فرماتے ہیں مومن (کی حالت) میرے نزدیک مکمل خیر ہی ہے،وہ میری حمد بیان کرتا ہےاور میں اس کے پہلوؤں سے روح کو نکال لیتا ہوں۔

محمد بن منکدرؒ ایک جوان کے پاس سے گزرے جو گوشۂ نظر سے ایک عورت کو دیکھ رہا تھا،توانھوں نے فرمایا،اے جوان یہ کیا ہے،اللہ کی جونعمتیں تجھ پر ہیں اس کا بدلہ ہے؟۔

حماد بن سلمہؒ حضرت ثابت سے روایت کرتے ہیں،وہ فرماتے ہیں کہ ابو عالیہ نے فرمایا کہ مجھے امید ہے بندہ دو چیزوں کے درمیان کبھی ہلاک نہ ہوگا ایک وہ نعمت جس پر وہ اللہ کی حمد بیان کردے،دوم وہ گناہ جس سے وہ استغفار کرلے۔

حضرت ابن سماکؒ نے حضرت محمد بن حسن رضی اللہ عنہ کو خط لکھا جس وقت وہ مقامِ رقہ میں قاضی بنے، فرمایا: امّا بعد،اپنے ہر حال میں تقویٰ اختیار کرو،اور اللہ کی عطا کردہ ہر نعمت کے بارے میں ڈرو کہ نعمت پر شکرِ قلیل ہووہ بھی گناہ کے ساتھ (اس سے ڈرو) اس لئے کہ نعمت میں (تیرے خلاف) حجت بھی ہےاور اس میں تاوان وجرمانہ بھی ہے نعمت کا (تیرے خلاف) حجت ہونا یہ ہے کہ اس نعمت کے ساتھ نافرمانی ہو،اور نعمت میں تاوان ہونا یہ ہے کہ اس پر شکرِ قلیل ہو،بس اللہ تجھ کو معاف کرے جب بھی تو شکر سے لاپرواہی اختیار کرے یا کسی گناہ کی طرف قدم اٹھائے یا ذمہ داری میں کوتاہی کرے۔

حضرت ربیع بن ابی راشدؒ ایک آدمی کے پاس سے گزرے جو اپاہج تھا کہ وہ بیٹھ کر اللہ کی حمد بیان کر رہاہےاور رورہا ہے! تو اس سے کہا گیا کہ تو کیوں رورہا ہے! تو اس نے کہا کہ میں نے اہل جنت واہل جہنم کو یاد

کیا، تو میں نے اہل جنت کو اہل عافیت کے مشابہ پایا اور اہل جہنم کو اہل بلاء (مصیبت زدہ) کے مشابہ پایا! بس یہی وہ چیز ہے جو مجھ کو رولا رہی ہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے منقول ہے، نبی کریم ﷺ نے فرمایا: جب تم میں سے کوئی شخص اللہ کی عطا کردہ نعمت کی قدر و منزلت کو جاننا چاہے تو وہ اپنے سے نیچے لوگوں کو دیکھے اپنے سے اوپر والوں کو نہ دیکھے۔

حضرت عبداللہ بن مبارک رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جس شخص نے اللہ کی نعمت کو صرف اپنے کھانے پینے ہی میں سمجھا تو اس کا عملِ (شکر) بہت کم ہے اور اس کا عذاب تیار ہے۔

حضرت عبداللہ بن مبارک رحمہ اللہ فرماتے ہیں، حضرت انس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے سنا کہ آپ ﷺ نے ایک آدمی کو سلام کیا، تو اس نے سلام کا جواب دیا، پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس آدمی سے کہا کیا حال ہے؟ تو اس آدمی نے کہا میں آپ کے سامنے اللہ کی نعمتوں پر شکر ادا کرتا ہوں، تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا یہی جواب تو میں تجھ سے چاہتا تھا۔

حضرت ابن مبارک رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ہم حضراتِ صحابہ دن میں بہت سی مرتبہ ایک دوسرے سے ملاقات کرتے تھے اور ایک دوسرے کا حال پوچھتے تھے، تو ہم میں سے ہر ایک یہی جواب دیتا تھا "الحمد للہ عزّوجلّ"۔

حضرت مجاہد رحمہ اللہ کے قول ﴿وَاَسۡبَغَ عَلَيۡكُمۡ نِعَمَهٗ ظَاهِرَةً وَّبَاطِنَةً﴾ کے بارے میں فرماتے ہیں کہ "لا الہ الا اللہ" اور حضرت ابن عیینہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ نے بندوں کو کلمہ "لا الہ الا اللہ" کی تعلیم دی اس سے بڑھ کر کوئی انعام ان پر نہیں کیا ہے، اور فرمایا: بندوں کے لئے آخرت میں "لا الہ الا اللہ" ایسا ہی (اہم) ہے جیسا کہ دنیا میں پانی (اہم) ہے۔

بعض علماءِ سلف اپنے عید کے خطبہ میں فرماتے تھے "اصبحتم زھراً واصبح الناس غبراً الخ" کہ تم (مسلمانوں) نے تروتازگی و صفائی کی حالت میں صبح کی، اور (دیگر) لوگوں نے گرد و غبار اور مایوسی کی حالت میں صبح کی، اور لوگ کپڑا تیار کر رہے ہیں اور تم لباس میں ملبوس ہو اور لوگ عطا کر رہے ہیں اور تم لے رہے ہو، اور لوگ سواری کو تیار کر رہے ہیں اور تم سوار ہو، اور لوگ کھیتی کر رہے ہیں اور تم کھا رہے ہو، پھر وہ خطیب روتے تو لوگ بھی رونے لگتے۔

حضرت عبداللہ بن قرط ازدی رضی اللہ عنہ (یہ صحابی ہیں) نے عیدالاضحٰی کو منبر پر فرمایا جبکہ لوگوں پر بہترین رنگ برنگی لباس کو دیکھا کہ کیا ہی عجیب نعمت ہے جو شکم سیر کر دیتی ہے اور کیا ہی عجیب اکرام ہے جو اس کو ظاہر کرتی ہے اور لوگوں سے نعمت سے زیادہ کوئی دوسری چیز جلد زائل نہیں ہوتی کہ جس کی واپسی بھی ناممکن ہوتی ہے اور نعمت تو منعم علیہ کا منعم کی شکر گزاری ہی سے باقی رہتی ہے۔

سلمان فارسی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ایک آدمی کے لئے دنیا کی چیزیں پھیلا دی (عطا کر دی) جائے، پھر اس کے پاس جو کچھ بھی ہے وہ سب چھین لیا جائے پھر وہ اس پر بھی اللہ کی حمد وثناء بیان کرتا رہے حتی کہ اس کے پاس بستر کے لئے بوری رہ جائے (راوی فرماتے ہیں) کہ پھر بھی وہ اس پر اللہ کی حمد وثناء بیان کرے اور دوسرے آدمی کے لئے بھی دنیا پھیلا دی جائے پھر یہ شخص اس بوری والے سے کہے کہ تو مجھے بتا تو کس چیز پر اللہ کی حمد وثناء بیان کرتا ہے تو اس نے کہا کہ میں اللہ کی تعریف کرتا ہوا اس چیزوں پر کہ جو نعمتیں مخلوق کو دی گئی ہیں وہ مجھے دی جاتی تو بھی میں مخلوق کو وہ چیزیں نہ دیتا! تو اس نے کہا کہ وہ کیا ہے؟ تو اس نے کہا کہ کیا تو اپنی آنکھ کو نہیں دیکھتا، کیا تو اپنی زبان کو، ہاتھ کو، پاؤں کو نہیں دیکھتا۔

ایک آدمی یونس بن عبیدؒ کے پاس آیا اور اپنی تنگ دستی کی شکایت کرنے لگا، تو حضرت یونس نے کہا، کیا تو پسند کرتا ہے کہ تیری یہ آنکھ ایک لاکھ درہم کے بدلہ میں دیدی جائے؟ تو اس نے کہا نہیں، پھر فرمایا کہ تیرے دونوں ہاتھ ایک لاکھ درہم میں؟ تو اس نے کہا نہیں، پھر کہا تیرے پیر ایک لاکھ درہم میں دیدئے جائے؟ اس نے کہا نہیں، راوی فرماتے ہیں کہ یونس اس کو اللہ کی عطا کردہ نعمتیں ذکر کرتے گئے، پھر فرمایا کہ میں سمجھتا ہوں کہ تیرے پاس کروڑوں روپئے ہیں، اور تو محتاجگی کی شکایت کرتا ہے۔

ابودردہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں تندرستی بادشاہت ہے۔

جعفر بن محمدؒ فرماتے ہیں کہ حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کا خچر گم ہوگیا، تو انھوں نے (دل میں) کہا، اگر اللہ اس کو واپس عطا کر دے تو میں اللہ کی ایسی حمد بیان کروں گا کہ اللہ اس سے راضی ہوجائیں گے، لہٰذا ابھی تھوڑی ہی دیر گزری تھی کہ وہ خچر مع زین ولگام کے واپس آ گیا، تو حضرت ابی رضی اللہ عنہ اس پر سوار ہوئے اور جب

سواری پر درست بیٹھ گئے اور اپنے کپڑوں کو درست کر لیا تو آسمان کی طرف اپنا سر اٹھایا، پھر کہا "الحمد للّٰہ" اس سے کچھ بھی زیادہ نہ کہا، تو ان کو اس کے بارے میں کہا گیا، تو انہوں نے (جواباً) کہا کیا میں نے کوئی چیز ترک کر دی اور میں نے کوئی چیز باقی رکھی؟ (بلکہ) میں نے تمام کی تمام تعریف اللہ ہی کے لئے قرار دی ہے۔

ابن ابی الدنیاؒ نے روایت فرمایا ہے حضرت کعب بن عجرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے انصار کی ایک جماعت کو بھیجا اور فرمایا، اگر اللہ ان کو صحیح وسالم واپس لائیں اور ان کو مالِ غنیمت عطا کرے تو اللہ کے لئے مجھ پر اس کا شکر واجب ہے، پھر کچھ ہی دن گزرے تھے کہ وہ حضرات مالِ غنیمت کے ساتھ صحیح وسالم واپس آئے، تو بعض صحابہ فرماتے ہیں کہ ہم نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ اگر یہ حضرات صحیح وسالم واپس آئے اور مالِ غنیمت بھی لائے تو مجھ پر اللہ کا شکر واجب ہے؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: وہ تو میں نے کر بھی لیا "اللهم لك الحمد شكراً ولك المنّ فضلاً"۔

حضرت عبدالرحمٰن بن زیدؒ فرماتے ہیں کہ محمد بن منکدرؒ نے ابوحازمؒ سے کہا کہ اے ابوحازم بہت سے لوگ مجھ سے ملتے ہیں پھر میرے لئے بھلائی کی دعا کرتے ہیں نہ میں ان کو جانتا ہوں اور نہ میں نے ان کے ساتھ کبھی بھلائی کا معاملہ کیا، تو ابوحازمؒ نے کہا تو یہ مت سمجھ کہ یہ تیری جانب سے ہے بلکہ تو اس ذات کی طرف دیکھ جس کی جانب سے یہ ہے، لہٰذا تو اس کا شکر ادا کر، اور حضرت عبدالرحمٰنؒ نے یہ آیت تلاوت فرمائی ﴿إِنَّ الَّذِيْنَ آمَنُوْا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ سَيَجْعَلُ لَهُ الرَّحْمٰنِ وُدًّا﴾۔

حضرت علی بن جعدؒ فرماتے ہیں کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اپنی دعا میں یہ کہا کرتے تھے "اَسْأَلُكَ تَمَامَ النِّعْمَةِ فِیْ الْاَشْيَاءِ كُلِّهَا وَالشُّكْرُ لَكَ عَلَيْهَا حَتّٰى تَرْضٰى وَبَعْدَ الرِّضٰى وَالْخِيَرَةَ فِیْ جَمِيْعِ مَاتَكُوْنُ فِيْهِ الْخِيَرَةُ بِجَمِيْعِ مَيْسِرِ الْاُمُوْرِ كُلِّهَا لَا مَعْسُوْرِهَا يَا كَرِيْمُ"۔

حضرت حسن بصریؒ نے فرمایا کہ جب اللہ تعالیٰ کسی بندے کو کوئی نعمت عطا کرے پھر وہ بندہ اس پر "الحمد للّٰہ" کہے تو اس نے (اللہ کو) اس سے زیادہ عطا کیا جتنا اس نے لیا ہے، ابن ابی الدنیاؒ فرماتے ہیں کہ مجھ کو سفیان بن عیینہ سے یہ بات پہونچی کہ وہ فرماتے ہیں کہ حضرت حسنؒ کا یہ قولِ مذکور خطاء (غلط) ہے، اس لئے کہ بندے کا فعل اللہ کے فعل سے افضل نہیں ہوسکتا، پھر فرمایا کہ بعض علماء فرماتے ہیں کہ حضرت حسن بصریؒ

کے قول کا مطلب یہ ہے کہ جب اللہ نے بندے کو کوئی نعمت عطا کی اور وہ بندہ ان لوگوں میں سے ہے جس پر واجب ہے کہ وہ اللہ کی حمد بیان کرے، تو جو انعام اس کے ساتھ کیا گیا ہے اس کو پہچانے پھر اس پر اللہ کا شکر کرے جیسا کہ اس کی شایانِ شان ہے تو یہ حمد اس کے لئے افضل ہے۔

میں (مصنف) کہتا ہوں کہ حضرت سفیانؒ کے قول سے حضرت حسنؒ پر کوئی الزام واشکال نہیں، اس لئے کہ بندے کا قول "الحمد للّٰہ" یہ بھی اللہ کی نعمتوں میں سے ایک نعمت ہے اور وہ نعمت جس پر اس نے اللہ کی حمد بیان کی ہے وہ بھی اللہ کی نعمتوں میں سے ایک نعمت ہے اور بعض نعمتیں بعض نعمتوں سے اجلّ واعلیٰ ہوتی ہے، لہٰذا شکر کی نعمت یہ مال وجاہ اور بیوی وبچوں وغیرہ نعمتوں سے اعلیٰ وافضل ہے، واللہ اعلم، اور یہ (قولِ حسن) اس بات کو مستلزم نہیں کہ بندہ کا فعل اللہ کے فعل سے افضل ہے، اگر چہ اس قول میں اس بات پر دلالت ہے کہ بندہ کا فعلِ شکر کبھی کبھی اللہ کے بعض کئے ہوئے فعل سے افضل ہوتا ہے اور ویسے بندہ کا فعل وہ بھی اللہ ہی کا کیا ہوا ہے اور اس بات میں کوئی شک نہیں کہ خود اللہ کے بعض افعال دیگر افعال سے افضل ہوتے ہیں۔

بعض علماء فرماتے ہیں کہ اللہ کی ہم پر وہ دنیوی نعمتیں جو عطا نہیں کی گئی وہ افضل ہے ان دنیوی نعمتوں سے جو ہم کو عطا کی گئی ہے، اور یہ اس لئے کہ اللہ جل جلالہ نے اپنے نبی کے لئے دنیا کو پسند نہیں کیا، لہٰذا جن چیزوں پر اللہ اپنے نبی سے راضی ہوئے اور اپنے نبی کے لئے پسند کیا میں بھی چاہتا ہوں کہ وہ مجھے بھی زیادہ محبوب ہو بنسبت ان چیزوں کے جس کو اللہ نے اپنے نبی کے لئے ناپسند فرمایا، اور اس سے ناراض ہوئے۔

ابن ابی الدنیاؒ فرماتے ہیں کہ مجھ کو بعض علماء سے یہ بات پہونچی ہے کہ وہ فرماتے ہیں عالم کے لئے مناسب یہ ہے کہ وہ ان دنیوی خواہشات پر جو اس سے روک دی گئی ہے اللہ کا شکر ادا کرے، جیسے کہ وہ ان چیزوں پر شکر ادا کرتا ہے جو اس کو عطا ہوئی ہے، کہ اگر اللہ اس کو عطا کر دیتا تو وہ کہاں ہوتا؟ اور اس پر حساب بھی ہوتا، اللہ نے ان چیزوں سے عافیت دی اور اس میں مبتلی نہیں فرمایا، لہٰذا وہ اپنے قلب کو (ذکرِ خدا میں) مشغول رکھے اور جوارح واعضاء کو (عبادتِ الٰہی میں) تھکا دے، اور اللہ جل جلالہ کا سکونِ قلب پر اور اطمنانِ قلب پر شکر ادا کرے۔

ابن ابی حواریؒ سے بیان کیا گیا ہے وہ فرماتے ہیں کہ ایک رات حضرت فضیل بن عیاضؒ، سفیان بن عیینہؒ بیٹھے اور صبح تک اللہ کی نعمتوں کا تذکرہ کرتے رہے تو حضرت سفیان کہنے لگے کہ اللہ نے ہم کو ایسی ایسی نعمت عطا کی ہے، اور اللہ نے ہم پر ایسا ایسا احسان فرمایا ہے۔

حضرت عبداللہ بن داؤدؒ سے منقول ہے وہ حضرت سفیانؒ سے روایت فرماتے ہیں کہ اللہ کے قول ﴿سَنَسْتَدْرِجُهُمْ مِّنْ حَيْثُ لَا يَعْلَمُوْنَ﴾ کے بارے میں حضرت سفیانؒ نے فرمایا کہ اللہ ان کو اس طور پر جہنم کی طرف لیجاتے ہیں کہ ان کو پتہ بھی نہیں چلتا بایں طور کہ اللہ ان پر نعمتیں برساتے ہیں اور شکر سے روک دیتے ہیں، اور حضرت سفیانؒ کے علاوہ دیگر علماء فرماتے ہیں کہ (بایں طور کہ) جب بھی وہ کوئی گناہ کرتے ہیں تو اللہ ان کو ایک نئی نعمت عطا کرتے ہیں (پھر وہ جہنم میں پہونچ جاتے ہیں) حضرت ثابت البنانیؒ سے اس استدراج کے بارے میں پوچھا گیا تو انہوں نے فرمایا کہ یہ اللہ کی اپنے ناشکرے بندوں کے ساتھ ایک تدبیر ہے! حضرت یونس رضی اللہ عنہ اس آیت کی تفسیر کے بارے میں فرماتے ہیں کہ بندہ کا جب اللہ کے نزدیک کوئی مقام ومرتبہ ہوتا ہے تو وہ اس کی حفاظت کرتا ہے اور اس پر باقی رہتا ہے پھر وہ اللہ کی عطا کردہ نعمتوں کا شکر ادا کرتا ہے تو اللہ اس کو اس سے بھی اشرف واعلیٰ مرتبہ عطا کرتا ہے، اور جب بندہ شکر کو بجا نہیں لاتا تو اللہ تعالیٰ اس کو (ناشکری) میں بڑھاتے ہیں اور یہی شکر سے لاپرواہی استدراج ہے، ابو حازمؒ فرماتے ہیں، اللہ کی وہ دنیوی نعمتیں جو مجھ سے روک دی گئی ہے وہ اعظم وبہتر ہے ان نعمتوں سے جو اللہ نے مجھ کو عطا کی ہے، اس لئے کہ میں نے دیکھا کہ وہ نعمتیں جس قوم کو عطا کی گئی وہ سب ہلاک ہو گئے، اور ہر وہ نعمت جو اللہ سے قریب نہ کرے وہ مصیبت ہے اور جب تو دیکھے کہ اللہ تجھ پر اپنی نعمتیں یکے بعد دیگرے برسا رہے ہیں اور تو اس کی نافرمانی کرتا ہے تو تو اس سے ڈر اور سہم جا۔

کاتب اللیثؒ نے ذکر کیا ہے کہ امام اوزاعیؒ نے لوگوں میں وعظ فرمائی، تو انھوں نے اپنے وعظ میں فرمایا اے لوگوں اللہ کی ان نعمتوں کو جس میں تم نے صبح کی ہے (شکر کر کے) اللہ کی جہنم سے بچنے کا ذریعہ بناؤ، جو جہنم کی آگ ایسی ہے جو دلوں تک جا پہونچے گی، تم ایسے دارِ فانی میں ہو جس میں قیام قلیل ہے اور تم لوگ اس دارِ فانی میں ان لوگوں کی نیابت میں ہو جو پہلے زمانوں میں گزر گئے، جنہوں نے دنیا کا یعنی اس کے فوائد اور رنگنیوں کا استقبال کیا کہ وہ لوگ تم سے کئی زیادہ طویل عمروں والے، بڑی جسامت والے اور بڑی عمارتوں والے تھے، اور پہاڑوں کو تراشتے تھے اور چٹانوں میں سوراخ کرتے تھے پتھروں میں سرنگ لگاتے تھے، اور اپنی زبردست طاقت اور ستون جیسے جسم کے بل بوتے پر ہر شہر کو چھانتے پھرتے تھے، پھر رات دن (زمانہ) گزرتے گئے کہ ان کی طویل عمریں لپیٹ دی گئی، اور ان کے آثار مٹ گئے، اور ان کی عمارتیں ویران ہو گئی اور ان کا ذکر بھی بھولا بھلایا ہو گیا پھر نہ تو ان میں سے کسی کو پائے گا اور نہ کسی کی آہٹ کو سنے گا، اور وہ لوگ امن کے

ساتھ سیر وتفریح میں مشغول رہتے تھے، تاکہ رات کو غافل قوم کی طرح ہو جائے اور صبح میں نادم قوم کی طرح ہو جائے، پھر تم جانتے ہو اس عذاب کو جو اللہ ﷻ نے رات کے وقت ان علاقوں میں اتارا تو صبح کے وقت ان میں سے بہت سے لوگ اپنے گھروں میں اوندھے منہ گیرے ہوئے تھے، اور باقی لوگ ان کے کھنڈرات میں اپنی سزا کو اور زوالِ نعمت کو اور ویران مکانات کو دیکھ رہے تھے، اس واقعہ میں عبرت ہے ان لوگوں کے لئے جو دردناک عذاب سے ڈرتے ہیں، اور اس شخص کے لئے بھی عبرت ہے جو خشیتِ الٰہی کو اختیار کرنا چاہتا ہے، اور تم لوگ ان کے بعد بہت قلیل عمروں کو لے کر پیدا ہوئے ہو اور محدود (سامانِ) دنیا کے ساتھ پیدا ہوئے ہو اور ایسے زمانے میں جس کا خالص حصہ چلا گیا! اور اس کی تر و تازگی بھی ختم ہوگئی ہے بس اس زمانے میں اب صرف خرابی، شرارت اور صرف تنگی و ناجائز محبت اور صرف عبرت ناک ہولناکیاں اور صرف خوف ناک سزائیں اور صرف فتنوں کا آنا اور مسلسل زلزلوں کا ہونا اور ذلیل حاکموں کا آنا باقی رہ گیا ہے، ان کی وجہ سے خشکی و تری میں فساد ظاہر ہو گیا ہے، اور تم لوگ ان لوگوں کی طرح مت ہو جانا جن کو جھوٹے ارمانوں نے دھوکے میں ڈال رکھا ہے اور طویل امیدوں پر اکتفاء کر لیا ہے، اور ان کو خیالی پلاؤ باتوں میں مشغول کر دیا ہے، ہم لوگ اللہ سے دعا کرتے ہیں کہ ہم کو اور تم کو ان لوگوں میں شامل کر دے جنہوں نے اس کے ڈرانے کو بخوبی سنا اور اس کی بشارتوں کو سمجھا، پھر اس نے اپنے نفس کے لئے تیاری کر لی! اور کہا جاتا تھا کہ شکر معاصی کو ترک کرنا ہے۔

اور سفیان ثوریؒ فرماتے ہیں کہ فقیہ وہ شخص نہیں جو بلاء کو نعمت اور راحت کو مصیبت نہ سمجھے۔

اور مروان بن حکمؒ جب اسلام کا ذکر کرتا تو وہ کہتا تھا کہ میرے رب کے فضل سے میں اس (اسلام) تک پہونچا ہوں، نہ کہ اعمال کی وجہ سے جو میں نے کئے ہیں، اور نہ میرے کسی ارادہ واختیار سے، میں خطا کار ہوں۔

وَكَمْ مِنْ مَدْخَلٍ لَوْ مِتُّ فِيْهِ	لَكُنْتُ فِيْهِ نَكَالًا فِي الْعَشِيْرَةِ
کتنی ہی رذیل گھاٹیاں ہیں کہ اگر میں اس میں	مرجاتا تو خاندان میں ذریعۂ عبرت ہوتا
وَقِيْتُ السُّوْءَ وَالْمَكْرُوْهَ فِيْهِ	وَظَفَرْتُ بِنِعْمِهِ مِنْهُ كَبِيْرَةٌ
لیکن میں (ان ذلیل گھاٹیوں) میں برائی و ناپسندیدہ	چیزوں سے بچا اور اس کے فضل سے بڑا کامیاب ہوا
وَكَمْ مِنْ نِعْمَةٍ لِلّٰهِ تُمْسِيْ	وَتُصْبِحُ فِي الْعَيَانِ وَفِي السَّرِيْرَةِ
اور کتنے ہی اللہ کی ظاہری و باطنی نعمتیں ہیں	جس میں تو صبح و شام گزارتا ہے

حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کو ایک قوم کے پاس کسی شک کی بنیاد پر بلایا گیا تو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ چلے تا کہ ان کو پکڑے (لیکن) حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے پہونچنے سے پہلے وہ لوگ بھاگ گئے، تو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اللہ کے شکر میں ایک غلام کو آزاد کیا کہ ان کے ہاتھوں مسلمان کی ذلت نہ ہوئی۔

حضرت یزید بن ھارونؒ فرماتے ہیں کہ مجھ کو اصبغ بن یزیدؒ نے خبر دی کہ حضرت نوح علیہ السلام جب بیت الخلاء سے نکلتے تھے تو یہ دعا پڑھتے تھے "اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ اَذَاقَنِیْ لَذَّتَہٗ وَاَبْقٰی مَنْفَعَتَہٗ فِیْ جَسَدِیْ وَاَذْھَبَ عَنِّیْ اَذَاہٗ" تو حضرت نوح علیہ السلام کا نام "عبدالشکور" رکھ دیا گیا۔

ابن ابی الدنیاؒ فرماتے ہیں کہ حضرت عائشہؓ نے فرمایا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب بھی بیت الخلاء سے باہر تشریف لاتے تو وہی دعاء پڑھتے۔

ایک آدمی نے ابو حازمؒ سے کہا، کہ ابو حازم دونوں آنکھوں کا شکر کیا ہے؟ تو ابو حازم نے فرمایا کہ جب تو ان آنکھوں سے کوئی اچھائی دیکھے تو تو اس کو ظاہر کر، اور اگر تو کوئی بری بات دیکھے تو تو اس کو پوشیدہ رکھ، اس آدمی نے کہا کہ دونوں کانوں کا شکر کیا ہے؟ تو ابو حازمؒ نے کہا اگر تو ان کانوں سے کوئی اچھی بات سنے تو تو اس کو محفوظ رکھ اور اگر کوئی بری بات سنے تو تو اس کو دور کر، پھر اس آدمی نے کہا کہ دونوں ہاتھوں کا شکر کیا ہے؟ تو ابو حازمؒ نے کہا کہ جو چیز ان ہاتھوں کی نہیں ہے اس کو ہاتھوں سے مت لے! اور ہاتھوں میں جو اللہ کا حق ہے اس کو تو ہاتھوں سے مت روک! اس آدمی نے کہا کہ پیٹ کا شکر کیا ہے؟ تو ابو حازمؒ نے فرمایا کہ اس (پیٹ) کا ادنیٰ (حق) کھانا ہے اور اس کا اعلیٰ (حق) علم ہے! اس آدمی نے کہا شرمگاہ کا شکر کیا ہے؟ تو ابو حازمؒ نے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿وَالَّذِیْنَ ھُمْ لِفُرُوْجِھِمْ حَافِظُوْنَ. اِلَّا عَلٰی اَزْوَاجِھِمْ اَوْمَامَلَکَتْ اَیْمَانُھُمْ فَاِنَّھُمْ غَیْرُ مَلُوْمِیْنَ، فَمَنِ ابْتَغٰی وَرَاءَ ذَالِکَ فَاُوْلٰئِکَ ھُمُ الْعَادُوْنَ﴾ ترجمہ: "اور جو اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کرنے والے ہیں، لیکن اپنی بیبیوں سے یا اپنی لونڈیوں سے کیونکہ ان پر کوئی الزام نہیں ہاں جو اس کے علاوہ طلبگار ہو ایسے لوگ حد سے نکلنے والے ہیں" اس آدمی نے کہا دو پیروں کا شکر کیا ہے؟ تو ابو حازمؒ نے کہا کہ اگر تجھے کسی ایسے میت کے بارے میں معلوم ہو جس پر تو رشک وغبطہ کرے تو اس کے عمل (کی طرح عمل کرنے) میں ان دونوں پیروں کو استعمال کر، اور اگر وہ ایسا ہے کہ اس سے تو نفرت کرتا ہے تو تو اس جیسے اعمال سے اعراض و پرہیز کر اس حال میں کہ تو اللہ کا شکر گزار رہو۔

اور جس شخص نے اپنی زبان سے شکر ادا کیا اور اپنے تمام اعضاء سے شکر ادا نہیں کیا تو اس کی مثال ایسی ہے جیسے وہ شخص کہ اس کے پاس چادر ہے وہ اس چادر کے کنارہ کو پکڑے اور اس کو نہ پہنے تو وہ کپڑا نہ اس کو ٹھنڈی سے نفع دیگا اور نہ گرمی سے اور نہ برف سے نہ بارش سے نفع دیگا۔

حضرت عبد اللہ بن مبارکؒ نے ذکر کیا ہے کہ نجاشی نے اپنے قاصد کو حضرت جعفر رضی اللہ عنہ اور دیگر صحابہ رضی اللہ عنہم کے پاس بھیجا تو صحابہ رضی اللہ عنہم نجاشی کے پاس آئے اور وہ ایک کمرہ میں تھے اور اس پر پرانے کپڑے تھے اور وہ زمین پر بیٹھا تھے، حضرت جعفر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم نے جب اس حالت میں اس کو دیکھا تو ہم کو اس سے خوف محسوس ہوا، تو اس نجاشی نے ہمارے چہروں پر ڈر کا اثر دیکھا تو اس نے کہا کہ میں تم کو ان باتوں کی خوش خبری دیتا ہوں جو تم کو خوش کردے گی، کہ تمہاری سرزمین سے میرا ایک جاسوس آیا ہے اس نے مجھے بتایا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی ﷺ کی نصرت کی اور ان کے دشمن کو ہلاک کردیا، اور فلاں فلاں کو قیدی بنایا گیا ہے اور فلاں فلاں کو قتل کیا گیا ہے ان کی جنگ ایک وادی میں ہوئی جس کو ''بدر'' کہا جاتا ہے جہاں کثرت سے پیلو کے درخت ہوتے ہیں، میں گویا اس میدان کو دیکھ رہا ہوں میں اپنے سردار کے لئے جانور چرایا کرتا تھا جو بنی ضمرہ کا ایک شخص تھا، تو حضرت جعفر رضی اللہ عنہ نے اس سے کہا کہ کیا حال ہے کہ تو زمین پر بیٹھا ہے؟ تیرے نیچے کوئی چٹائی بھی نہیں ہے اور تجھ پر یہ پرانے کپڑے کیوں ہے؟ تو نجاشی نے کہا ہم نے اس کتاب میں جو اللہ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر نازل فرمائی ہے پایا ہے کہ اللہ کے بندوں پر حق ہے کہ جب اللہ ان کے لئے کوئی نعمت پیدا کرے تو بندے بھی اللہ کے لئے تواضع اختیار کرے تو جب اللہ نے اپنے نبی ﷺ کی نصرت فرما کر نعمت عطا کی ہے تو اس لئے میں نے یہ تواضع اختیار کیا ہے۔

حضرت حبیب بن عبیدؒ فرماتے ہیں کہ جب اللہ تعالیٰ کسی بندے کو کسی تکلیف میں مبتلیٰ کرتا ہے تو اس تکلیف میں بھی بندے کے لئے ایک نعمت ہوتی ہے وہ یہ کہ موجودہ حالت سے سخت نہ ہو۔

حضرت عبد الملک بن اسحاقؒ فرماتے ہیں کہ جب کوئی بندہ عافیت میں مبتلیٰ ہو تو غور کرے کہ اس کا شکر کیسے ادا ہو، اور کسی مصیبت میں مبتلیٰ ہو تو غور کرے کہ صبر کیسے ہو۔

حضرت سفیان ثوریؒ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ بندہ پر اس کی حاجت میں اسکے تضرع وزاری کے مقابل اس پر انعام زیادہ عطا کرتے ہیں۔

رسول اللہ ﷺ کو جب کوئی ایسا معاملہ پیش آتا جو آپ ﷺ کو خوش کر دیتا تو آپ ﷺ فوراً اللہ کا شکر ادا کرتے ہوئے سجدہ میں گر جاتے۔

حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ ہمارے پاس آئے پھر آپ ﷺ مالِ صدقہ (غنیمت) کے پاس گئے جب وہاں پہونچے تو قبلہ روخ ہو کر سجدہ میں گر گئے، اور طویل سجدہ کیا میں نے کہا کہ اے اللہ کے رسول ﷺ آپ نے ایسا (طویل) سجدہ کیا کہ میں نے سمجھا کہ (کہیں) سجدہ میں اللہ نے آپ ﷺ کی روح کو قبض تو نہیں کر لیا! تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ جبرئیل علیہ السلام میرے پاس آئے اور مجھے اس بات کی بشارت دی کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو کہا ہے کہ جو شخص آپ پر درود پڑھے گا تو میں اس بندہ پر درود (رحمت) پڑھوں گا، اور جو شخص آپ پر سلام بھیجے گا تو میں اس پر سلامتی نازل کروں گا، لہٰذا میں نے سجدۂ شکر ادا کیا۔

حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کے ہم نبی کریم ﷺ کے ساتھ مکہ سے مدینہ کے ارادہ سے نکلے پھر جب ہم مقام عزور کے قریب پہونچے تو آپ پر وحی نازل ہوئی پھر آپ ﷺ نے اپنے ہاتھ بلند کیے اور کچھ دیر دعا کی پھر شکر ادا کرتے ہوئے سجدہ میں چلے گئے اور پھر بہت دیر سجدہ میں رہے پھر آپ ﷺ سجدہ سے اٹھے ہاتھوں کو بلند کر کے تھوڑی دیر دعا کی پھر سجدہ میں چلے گئے اس طرح آپ ﷺ نے تین مرتبہ کیا، اور کہا کہ میں نے اپنے رب سے اپنی امّت کی شفاعت کی دعا کی تو اللہ نے مجھے تہائی امّت کی شفاعت عطا کی، تو میں نے اپنے رب کا شکر ادا کرتے ہوئے سجدہ کیا، پھر میں نے سر اٹھایا اور امّت کے لئے دعا کی تو اللہ نے مجھے پھر سے تہائی امّت کی شفاعت عطا فرمائی، تو میں نے شکر ادا کرتے ہوئے سجدہ کیا پھر میں نے سر اٹھایا اور میرے رب سے دعا کی تو پھر اللہ نے آخری تہائی امّت کی شفاعت عطا کی تو پھر میں نے سجدۂ شکر ادا کیا۔

محمد بن اسحاق رحمہ اللہ نے اپنی کتاب ''الفتوح'' میں ذکر کیا ہے جب بدر کے دن ایک خوش خبری دینے والا ابوجہل کے قتل کی خوش خبری لے کر آیا، تو آپ ﷺ نے اس کو تین مرتبہ "باللہ الذی لا الہ الا ھو" کے الفاظ سے قسم لی کہ (قسم کھا) تو نے ابوجہل کو مقتول دیکھا تو اسنے قسم کھا کر کہا ہاں! تو آپ ﷺ سجدہ میں گر گئے۔

سعید بن منصور رحمہ اللہ نے ذکر کیا ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے سجدۂ شکر ادا کیا جس وقت آپ رضی اللہ عنہ کو مسیلمہ کذاب کے قتل کی خبر پہونچی۔

امام احمدؒ فرماتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے سجدۂ شکر ادا کیا جس وقت آپ رضی اللہ عنہ نے خوارج میں ذوثدیہ (نامی شخص کو مقتول) پایا۔

حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں سجدۂ شکر ادا کیا جس وقت آپ رضی اللہ عنہ کو قبولِ توبہ کی خوش خبری دی گئی۔

پھر اگر سوال کیا جائے کہ اللہ کی نعمتیں تو ہمیشہ بندے پر مسلسل برستی ہی رہتی ہے پھر کیا وجہ ہے کہ ایک نئی نعمت کو سجدۂ شکر سے مخصوص کیا جائے، ہمیشہ والی نعمتوں کو چھوڑ کر؟ حالانکہ دائمی نعمت یہ زیادہ سجدۂ شکر کی مستحق ہے؟

تو چند طرح سے اس کا جواب دیا جائے گا۔

(اوّل) یہ ہے کہ نعمتِ جدید یہ نعمتِ دائمی کو بھی یاد دلاتی ہے اور انسان ادنیٰ (شکر) کا مکلّف ہے۔

(دوم) یہ ہے کہ نعمتِ جدیدہ وہ عباداتِ جدیدہ کی متقاضی ہے، اور بندے پر سب سے آسان اور اللہ کو سب سے محبوب عبادت سجدہ ہے جو اس کے شکر میں ہو۔

(سوم) یہ ہے کہ نعمتِ جدید یہ اوقع فی النفس ہوتی ہے اور قلوب بھی اس سے وابستہ ہوتے ہیں اور اسی وجہ سے حصولِ نعمت پر مبارک بادی دی جاتی ہے اور زوالِ نعمت پر تسلّی دی جاتی ہے۔

(چہارم) یہ ہے کہ حصولِ نعمت یہ دل کو خوشی و فرحت عطا کرتا ہے اور بسا اوقات یہ خوشی برائی، تکبّر، غرور تک پہونچا دیتی ہے اور سجدہ یہ اللہ کے سامنے عاجزی و انکساری اور بندگی ہے تو جب اللہ کی نعمت پر بندے کی خوشی اور قلب کا سرور و فرحت سجدہ کے ساتھ ہو تو وہ اس نعمت کے دوام و ہمیشگی میں مؤثر ہوتا ہے (ورنہ) جب وہ نعمت اس خوشی، برائی، تکبر کے ساتھ جو اللہ کو پسند نہیں ہے مل جاتی ہے جیسا کہ بہت سے جہلاء اس وقت کرتے ہیں جب ان کو اللہ کوئی نعمت عطا کرتا ہے، تو یہ نعمتیں سریع الزوال ہوں گی، اور نعمت کے بدل جانے کی دلیل ہے اور وہ نعمت سزاء سے تبدیل ہو جاتی ہے اور وہ استدراج ہو جاتی ہیں، اور جیسے کہ پہلے نجاشی کے واقعہ میں گزرا کہ اللہ تعالیٰ جب کسی بندے کو کوئی نعمت عطا کرتے ہیں تو چاہتے ہیں کہ وہ نعمت کے بدلہ میں تواضع اختیار کرے، حضرت علامہ بن مغیرہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت حسن بصریؒ کو حجاج کے موت کی خوش خبری دی اس حال میں کہ حضرت حسن بصریؒ روپوش تھے تو وہ فوراً اللہ کے سامنے سجدہ ریز ہو گئے۔

فصــــل

بندے پر اللہ کی نعمتوں کے دقائق وحقائق میں سے یہ ہے کہ جس کو سمجھنا مشکل ہے کہ بندے پر انعام کا دروازہ بند کر دیا گیا ہے، پھر اللہ تعالیٰ اس کی طرف کسی بندے کو بھیجتے ہیں جو اس پر اس دروازہ کو کھٹکھٹاتا ہے تا کہ کسی چیز کا سوال کرے، نعمتوں کے بارے میں پوچھتا ہے تا کہ وہ اللہ کی عطا کردہ نعمتوں کی معرفت حاصل کرے۔

حضرت سلّام بن ابی مطیعؒ فرماتے ہیں کہ میں ایک مریض کے پاس اس کی عیادت کے لئے آیا تو وہ تو آہ وزاری کرر ہا تھا تو میں نے اس سے کہا، یاد کران لوگوں کو جو راہ پر پڑے ہوئے ہیں، یاد کران لوگوں کو جن کا نہ کوئی ٹھکانا ہے اور نہ کوئی خادم ہے؟ راوی فرماتے ہیں کہ پھر میں اس کے بعد اس کے پاس گیا تو میں نے سنا کہ وہ خود کو کہہ رہا تھا اے نفس یاد کران لوگوں کو جو راہ پر پڑے ہوئے ہیں، یاد کران لوگوں کو جن کا نہ کوئی ٹھکانا ہے اور نہ کوئی خادم ہے۔

عبداللہ بن ابی نوحؒ فرماتے ہیں کہ کسی ساحل پر ایک آدمی نے مجھ سے کہا، کتنے ایسے معاملات ہے جو تو نے اللہ کے ساتھ کئے ہے جو اس کو ناپسند ہیں پھر اللہ نے تیرے ساتھ کتنے معاملات کئے جو تجھ کو پسند ہے؟ تو میں نے کہا میں اس کو شمار نہیں کرسکتا، اس نے کہا پھر تو نے مشکل حالت میں اس سے درخواست کی ہو اور اس نے تجھے چھوڑ دیا ہوں ایسا ہے؟ تو میں نے کہا کہ اللہ کی قسم نہیں میرے ساتھ احسان کیا اور میری مدد کی، اس نے کہا کیا تو نے اس سے کوئی ایسی چیز طلب کی جو اس نے عطا نہ کی ہو؟ تو میں نے کہا کہ میں نے جب بھی اس سے کوئی چیز مانگی تو اس نے مجھ کو وہ عطا کی اور جب بھی مدد طلب کی اسنے میری مدد کی، اسنے کہا کہ تو مجھ کو بتا کہ اگر تیرے ساتھ کوئی انسان اس طرح کا معاملہ کرتا تو تیرے نزدیک اس کا کیا بدلہ ہوتا؟ تو میں نے کہا کہ نہ میں اس کا بدلہ دے سکتا ہوں اور نہ صلہ ادا کرسکتا ہوں! تو اس نے کہا کہ تب تو پھر تیرا رب اس بات کا زیادہ حقدار ولائق ہے کہ تو اپنے آپ کو ہمیشہ اس کے شکر کی ادائیگی میں مشغول رکھے، وہی تیرا قدیم وجدید (نعمتوں کا) محسن ہے، قسم بخدا اللہ کا شکر بندوں کے مکافات سے زیادہ آسان ہے، اس لئے کہ اللہ تعالیٰ بندوں سے شکر میں ”الحمد للّٰہ“ سے راضی ہوجاتے ہیں۔

حضرت سفیان ثوریؒ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ایسے نہیں ہے کہ وہ اپنے کسی بندے کو دنیا میں نعمت عطا کرے پھر آخرت میں اس کو ذلیل ورسواء کرے، منعِم (اللہ) پر ضروری ہے کہ وہ منعَم علیہ (بندے) پر نعمت کو تام فرماوے۔

ابن ابی الحواریؒ فرماتے ہیں کہ میں نے ابو معاویہؒ سے کہا کہ توحید کے سلسلہ میں ہم پر نعمتوں میں سب سے بڑی نعمت کیا ہے؟ تا کہ ہم اللہ سے دعا کرے کہ وہ نعمت ہم سے سلب نہ کرے! تو انہوں نے فرمایا کہ منعم (اللہ) پر حق ہے کہ وہ منعَم علیہ (بندے) پر نعمت کو تام کرے اور اللہ کی شانِ کریمی یہی ہے کہ وہ کسی نعمت سے نوازتا ہے تو اس کو تام ہی کر دیتا ہے اور کسی عمل کی توفیق دیتا ہے تو اس کو قبول ہی کر لیتا ہے۔

ابن ابی الحواریؒ فرماتے ہیں کہ ایک عورت نے مجھ سے کہا کہ میں اپنے گھر میں تھی کہ میرے قلب کو ایک بات نے مشغول کر دیا! میں نے کہا کہ وہ کیا بات ہے؟ اس نے کہا کہ میں چاہتی ہوں کہ اللہ نے مجھ کو جو نعمتیں عطا کی ہے اس کو پلک جھپک نے میں پہچان لوں؟ یا میرا نعمت کے شکر سے عجز وانکساری کو پلک جھپک نے میں جان لوں؟ تو میں نے کہا تو ایسی بات کو چاہتی ہے جس تک ہماری عقلیں راہ نہیں پا سکتی۔

ابن زیدؒ فرماتے ہیں کہ مجلس میں ایک آدمی کو تو چاہیئے کہ وہ اللہ کی حمد بیان کرے، تو اللہ عزوجل اس مجلس کی (برکت سے) ان تمام کی حاجتوں کو پوری کر دے گا، فرماتے ہیں کہ اللہ کی نازل کردہ بعض کتب میں اللہ عزوجل نے فرمایا: تم (ملائکہ) میرے عبد مؤمن کو خوشحالی پہونچاؤ، سو اس کے پاس کوئی ایسی نعمت نہیں آتی مگر اس پر "الحمد لله، ماشاء الله" کہتا ہے، اللہ عزوجل نے فرمایا: تم (ملائکہ) میرے مؤمن بندے کو گھبراہٹ میں مبتلا کر دو، تو ناپسندیدہ حالات میں کوئی حالت اس پر نہیں آتی مگر وہ کہتا ہے "الحمد لله الحمد لله" لہٰذا اللہ عزوجل کہتے ہیں کہ میرا بندہ میری حمد بیان کرتا ہے جس وقت میں اس کو گھبراہت میں ڈالتا ہوں جیسا کہ وہ میری حمد بیان کرتا ہے جب میں اس کو خوش کرتا ہوں! تم (ملائکہ) میرے بندے کو میری جنت دارالعزت میں داخل کر دو اس لئے کہ وہ میری ہر حالت میں حمد بیان کرتا تھا۔

وھبؒ فرماتے ہیں کہ ایک عابد نے پچاس سال اللہ کی عبادت کی تو اللہ نے اس کو الہام کیا کہ میں نے تیری مغفرت کر دی تو اس نے کہا کہ اے رب تو میری مغفرت کیسے کرتا ہے جب کہ میں نے کوئی گناہ ہی نہیں کیا، تو اللہ نے اس کے گردن کی ایک رگ کو حکم دیا کہ وہ اس پر پھڑکے! تو وہ نہ تو سو سکا اور نہ عبادت کر سکا، پھر اچھا ہو گیا اور سو گیا! پھر اس کے پاس فرشتہ آیا، تو اس عابد نے فرشتہ سے شکایت کی اور ضربانِ عرق سے جو تکلیف پہونچی وہ بیان کر دی، تو فرشتے نے کہا کہ تیرا رب کہتا ہے کہ تیری پچاس سال کی عبادت رگ کے اچھا ہو جانے کے برابر ہے۔

ابن ابی الدنیاؒ نے ذکر کیا ہے کہ حضرت داؤد علیہ السلام نے کہا اے میرے رب مجھے بتا کہ تیری نعمتوں میں سے ادنیٰ نعمت مجھ پر کونسی ہے؟ تو اللہ تعالیٰ نے ان کی طرف وحی بھیجی کہ اے داؤد سانس لے! اس پر داؤد علیہ السلام نے ایک سانس لی یہ میری تجھ پر ادنیٰ نعمت ہے۔

﴿فصــــل﴾

اسی سے اس حدیث کا مطلب واضح ہو گیا جو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ بلا شبہ اللہ تعالیٰ اگر سب آسمان والوں اور زمین والوں کو عذاب دے تو بھی اللہ ظالم نہ ہوگا اور اگر ان سب پر رحم فرمادے تو اللہ کی رحمت ان کے لئے ان کے اعمال سے بہتر ہوگی۔

اور اس حدیث کا مطلب بھی واضح ہو گیا، جو صحیح بخاری میں ہے کہ تم میں سے کوئی شخص اپنے عمل سے نجات نہیں پائے گا، صحابہ نے فرمایا آپ بھی نہیں اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہاں! میں بھی نہیں! مگر یہ ہے کہ اللہ کی رحمت وفضل مجھ کو ڈھانپ دے، اس لئے کہ بندے کے اعمال یہ اللہ کی نعمتوں میں سے کسی نعمت کا بدلہ نہیں ہو سکتا۔

لیکن بعض فقیہ علماء کا قول ہے کہ کسی شخص نے قسم کھائی کہ وہ اللہ کی بہتر وافضل حمد بیان کرے گا تو وہ اپنی قسم سے بری ہو جائے گا جب کہ وہ کہدے "اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ حَمْداً یُوَافِیُ نِعَمَهٗ وَیُکَافِیُ مَزِیْدَهٗ" اور یہ نہ کسی حدیث سے ثابت ہے اور نہ کسی صحابی سے بلکہ یہ اسرائیلی روایت ہے جو حضرت آدم علیہ السلام کی طرف منسوب ہے اور اس میں صحیح یہ ہے "اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ غَیْرَ مُکْفِی وَلَا مُوْدِعٍ وَلَا مُسْتَغْنِیُ عَنْهُ رَبَّنَا" اور بندہ کا حمد وشکر اللہ کی نعمتوں میں سے کسی نعمت کا بدلہ بن جائے یہ ناممکن ہے چہ جائے کے اللہ کی تمام نعمتوں کا بدلہ بن جائے اور بندے کا فعل اور اس کا حمد بیان کرنا نہ مزید نعمتوں کا بدلہ بن سکتا ہے، لیکن اس (قسم) کو اس صورت پر محمول کیا جائے گا جو صحیح ہو اور وہ یہ ہے کہ وہ حمد جس کے اللہ جل جلالہ حقدار ہیں جو حمد اس کی نعمتوں کا بدل اور اس کی مزید نعمتوں کا صلہ ہو جائے اور بندہ اس کے ادا کرنے پر قادر نہیں ہے جیسے تو کہے "اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ مِلْءَ السَّمٰوٰتِ وَمِلْءَ الْاَرْضِ وَمِلْءَ مَابَیْنَهُمَا وَمِلْءَ مَاشِئْتَ مِنْ شَیْئٍ بَعْدُ . وَعَدَدَ الرِّمَالِ وَالتُّرَابِ وَالْحَصٰی وَالْقَطْرِ وَعَدَدَ اَنْفَاسِ الْخَلَائِقِ وَعَدَدَ مَاخَلَقَ اللّٰهُ وَمَا هُوَ خَالِقٌ" اور یہ اس حمد کی خبر دیتا ہے جس کا وہ مستحق ہے نہ کہ وہ حمد جو بندے کے جانب سے بیان ہوتی ہے۔

فصل

ابو ملیحؒ فرماتے ہیں کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ اے میرے رب کون سا شکر افضل ہے؟ تو اللہ جل جلالہ نے فرمایا، افضل شکر یہ ہے کہ تو ہر حال میں میرا شکر ادا کرے۔

بکر بن عبداللہ فرماتے ہیں کہ میں نے اپنے ایک بھائی سے کہا کہ تو مجھ کو کوئی نصیحت کر! تو اس نے کہا کہ میں کیا کچھ کہوں، علاوہ اس کے کہ اس بندہ کے لئے مناسب یہی ہے کہ وہ کبھی حمد و استغفار کے دامن کو نہ چھوڑے اس لئے کہ آدمی نعمتوں و گناہوں کے مابین ہوتا ہے اور نعمت حمد اور شکر کے لائق ہی ہوتی ہے اور گناہ تو بہ و استغفار کے لائق ہوتا ہے، سو اس نے علم کا وسیع دروازہ کھول دیا جو میں چاہتا تھا۔

عبدالعزیز بن ابی داؤدؒ فرماتے ہیں کہ میں نے محمد بن واسعؒ کے ہاتھ میں ایک زخم دیکھا، تو گویا کہ انہوں نے سمجھ لیا کہ یہ (زخم) مجھ پر بڑا بھاری گزر رہا ہے، تو انہوں نے مجھ سے کہا کہ کیا تجھے پتہ ہے کہ اس زخم میں مجھ پر اللہ کا کیا انعام ہے؟ جب کہ اس نے یہ زخم نہ میری آنکھ میں دیا اور نہ میری زبان میں دیا اور نہ میری شرمگاہ پر دیا، تو ان کا زخم مجھ کو معمولی لگنے لگا۔

جویریؒ روایت فرماتے ہیں کہ حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ایک آدمی کے پاس سے گزرے اور وہ یہ کہہ رہا تھا "اَللّٰھُمَّ اِنِّیۡ اَسۡأَلُكَ تَمَامَ النِّعۡمَةِ" تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اے شخص کیا تو جانتا ہے کہ "تمام النعمة" (مکمل نعمت) کیا ہے؟ تو اس آدمی نے کہا کہ اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں ایسی دعا مانگ رہا ہوں، جس پر مجھے خیر کی امید ہے! (یعنی میں تمام النعمة کو نہیں جانتا) تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، تمامِ نعمت (مکمل نعمت) جہنم سے چھٹکارا اور جنت میں داخلہ ہے۔

حضرت سہم بن سلمہؒ فرماتے ہیں کہ مجھے بیان کیا گیا ہے کہ جب آدمی کھانا کھانے کے شروع میں ''بسم اللہ الخ'' پڑھتا ہے اور کھانے سے فارغ ہو کر "الحمد للّٰہ" کہتا ہے تو اس کو اس کھانے کی نعمت کے بارے میں سوال نہیں ہوگا۔

﴿فصــــل﴾

اور صبر پر شکر کی فضیلت پر یہ بات بھی دلیل ہے کہ اللہ تعالیٰ چاہتے ہیں کہ اس سے عافیت طلب کی جائے، اور اللہ تعالیٰ سے مانگی جانے والی چیزوں میں سے عافیت سے زیادہ کوئی چیز اللہ کو محبوب نہیں جیسے کہ مسند میں ابو صالح سے بروایت حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ منقول ہے وہ فرماتے ہیں کہ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ منبر پر کھڑے ہوئے پھر فرمایا کہ اے لوگوں تم اللہ سے عافیت طلب کرو، اس لئے کہ یقین (ایمان) کے بعد بندے کو کوئی چیز عافیت سے بہتر عطا نہیں کی گئی۔

اور دوسری حدیث میں ہے کہ لوگوں کو دنیا میں عفو و عافیت سے افضل کوئی چیز عطا نہیں کی گئی لہٰذا تم اللہ سے دونوں کو طلب کرو۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے چچا حضرت عباس رضی اللہ عنہ سے فرمایا: اے میرے چچا عافیت کی دعا کثرت سے کرو، ترمذی شریف میں ہے میں (حضرت عباس رضی اللہ عنہ) نے کہا، اے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مجھے کوئی چیز سکھلائے کہ میں اللہ سے اس کو مانگوں، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، اللہ سے عافیت طلب کرو، چند دن گزرے تھے کہ میں واپس آیا اور کہا کہ مجھ کو کوئی چیز بتائے کہ میں اللہ سے اس کو مانگوں؟ تو اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے کہا، اے عباس، اے میرے چچا، اللہ سے دنیا و آخرت میں عافیت طلب کرو۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے طائف کے دن اپنی دعا میں فرمایا: "اِنْ لَمْ یَکُنْ بِكَ عَلَیَّ غَضَبٌ فَلَا اُبَالِیْ. غَیْرَ اَنَّ عَافِیَتَكَ اَوْسَعُ لِیْ" تو اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ کی عافیت کی پناہ لی جیسے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے عافیت کے ذریعہ پناہ چاہی اپنے قول "اَعُوْذُ بِرَضَاكَ مِنْ سَخَطِكَ وَاَعُوْذُ بِمُعَافَاتِكَ مِنْ عُقُوْبَتِكَ وَاُعُوْذُبِكَ مِنْكَ"۔

اور دوسری حدیث میں ہے کہ اللہ سے عفو، عافیت، معافات کو طلب کرو، اور یہ دعا مشتمل ہے گزرے ہوئے گناہوں سے عفو پر اور فی الحال عافیت پر اور مستقبل میں ہمیشہ عافیت (معافات) پر۔

حضرت عبدالاعلیٰ تیمیؒ فرمایا کرتے تھے کہ تم لوگ اللہ سے دعا میں کثرت سے عافیت طلب کرو، اسلئے کہ مبتلیٰ کہ جس کی مصیبت سخت ہے وہ عافیت والے سے جو آئندہ بلاؤں سے مامون نہیں دعاؤں کا زیادہ حقدار نہیں ہے اور آج کوئی مبتلاء (مصیبت) نہیں مگر گزشتہ کل وہ عافیت والوں میں (سے) تھا اور آئندہ کل کوئی ایسا مبتلاء (مصیبت) ہوگا مگر آج وہ عافیت والوں میں ہوتا ہے اور اگر مصیبت خیر تک ہی پہونچاتی تو ہم

مصیبت زدہ لوگوں میں نہ ہوتے (اسلئے کہ) بہت سی بلاء دنیا میں مشقت میں ڈالتی ہے اور آخرت میں رسوا کرتی ہے، (بس) پھر جو شخص طویل زمانہ تک معصیتِ الٰہی میں قائم رہا ہو تو وہ بے فکر نہ ہوئے (کیوں) کہ باقی ماندہ زندگی میں ایسی بلاء آسکتی ہے جو دارِ دنیا میں مشقت میں ڈال دے اور دارِ آخرت میں رسوا کردے، پھر اس (سوال عافیت) کے بعد کہتے "اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ اِنْ نَّعُدُّ نِعْمَۃً لَا نُحْصِیُھَا وَاِنْ نَدْأَبُ لَہٗ عَمَلًا لَا نُجْزِیُھَا وَاِنْ نَعْمُرُ فِیْھَا لَا نُبْلِیْہِ"۔

نبی کریم ﷺ ایک آدمی کے پاس سے گزرے وہ اللہ سے صبر کی دعا کر رہا تھا، تو آپ ﷺ نے فرمایا یہ تو نے تو تکلیف مانگی، عافیت کو طلب کر، صحیح مسلم میں ہے آپ ﷺ نے ایک آدمی کی عیادت کی، تو وہ شخص تو بالکل نحیف ولاغر تھا اور وہ سکڑ کر مرغی کے چوزہ کی طرح ہوگیا تھا، تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ کیا تو نے اللہ سے کسی چیز کی دعا کی تھی؟ تو اس نے کہا ہاں، میں نے اللہ سے دعا کی تھی کہ اے اللہ تو مجھ کو آخرت میں جو سزا دینے والا ہے تو وہ سزا مجھ کو دنیا میں ہی عطا کردے، تو اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا کہ سبحان اللہ، کہ تو نہ بالکل اس کی طاقت رکھتا ہے نہ تجھ میں استطاعت ہے، تو نے یہ دعا کیوں نہیں کی "اَللّٰھُمَّ رَبَّنَا آتِنَا فِی الدُّنْیَا حَسَنَۃً وَفِی الْآخِرَتِ حَسَنَۃً وَقِیْنَا عَذَابَ النَّارِ" پھر اس نے اللہ سے یہ دعا کی تو اللہ نے اس کو شفا عطا فرمائی۔

اور ترمذی شریف میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے وہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے اس دعا کو یاد کرلیا اور کبھی اسکو نہیں چھوڑا "اَللّٰھُمَّ اجْعَلْنِیْ اُعْظِمَ شُکْرِكَ وَاُکْثِرَ ذِکْرِكَ وَاَتَّبِعَ نَصِیْحَتَكَ وَاَحْفَظُ وَصِیَّتَكَ"۔

حضرت شیبان رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ حضرت حسن بصری رحمہ اللہ جب کسی مجلس میں بیٹھتے تھے تو کہتے تھے "لَكَ الْحَمْدُ بِالْاِسْلَامِ ۔ وَلَكَ الْحَمْدُ بِالْقُرْآنِ وَلَكَ الْحَمْدُ بِالْاَھْلِ وَالْمَالِ. بَسَطتَ رِزْقَنَا وَاَظْھَرْتَ اَمْنَنَا، وَاَحْسَنْتَ مُعَافَاتَنَا. وَمِنْ كُلِّ مَا سَأَلْنَاكَ اَعْطَیْتَنَا، فَلَكَ الْحَمْدُ كَثِیْراً كَمَا تُنْعِمُ كَثِیْراً . اَعْطَیْتَ خَیْراً كَثِیْراً وَصَرَّفْتَ شَراً كَثِیْراً . فَلِوَجْھِكَ الْجَلِیْلِ الْبَاقِیْ الدَّایِمِ الْحَمْدُ"۔

بعض علماءِ سلف کہا کرتے تھے اے اللہ نعمتوں اور عافیت کے ساتھ اور دین ودنیا میں شرافت کی حالت میں ہم نے صبح کی، یہ چیزیں ہم پر گزشتہ زندگی میں بھی برقرار تھی اور آئندہ بقیہ زندگی میں بھی ہم پر برقرار رہے گی، بس یہ سب تیری ہی جانب سے ہے تو واحدہ لاشریک لہ ہے اور ہم پر ان نعمتوں پر تمام تعریفیں تیرے

ہی لئے ہے اور تیرے لئے ہی بزرگی وفضیلت ہے اور تیرے ہی لئے تمام تعریفیں ہیں ان تمام نعمتوں کے برابر جو تو نے ہم پر کی ہے اور اپنی تمام مخلوق پر کی ہے تیرے سواء کوئی معبود نہیں۔

حضرت مجاہدؒ فرماتے ہیں کہ جب حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سفر میں ہوتے اور فجر طلوع ہوتی تو اپنی آواز کو بلند کر کے پکارتے کہ سننے والے نے اللہ کی تعریف کو اور اس کی نعمتوں کو اور ہمارے لئے حسنِ اجر کو بھی سنا یہ تین مرتبہ کہتے، پھر فرماتے کہ اے اللہ ہمارے ہمراہ رہنا، ہم پر فضل فرماں، اور جہنم سے اللہ کی پناہ چاہتے اور تین مرتبہ "لاحول ولا قوة الّا بالله" پڑھتے۔

امام احمدؒ نے ذکر فرمایا ہے کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے حضرت موسیٰ بن عمران علیہ السلام پر وحی نازل فرمائی کہ اے موسیٰ متنبہ رہ اپنے ذات کے لئے رفقاء تلاش کر لے اور ہر وہ رفیق جو میری خوشی پر موافقت نہ کرے تو تو اس کے ساتھ مت رہ وہ تیرا دشمن ہے وہ تیرا دل سخت کر دے گا اور میرا ذکر کثرت سے کرنا کہ تو قدردانی کا مستحق ہو جائے اور مزید کی تکمیل کر لے۔

حضرت حسن بصریؒ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو پیدا کیا جس وقت اللہ نے ان کو پیدا کیا تو اللہ نے ان کی داہنی پسلی سے اہل جنت کو نکالا اور انکی بائیں پسلی سے اہل جہنم کو نکالا پھر وہ زمین پر چلنے پھرنے لگے تو ان میں سے بعض اندھے تھے بعض بہرے تھے، تو حضرت آدم علیہ السلام نے فرمایا: اے میرے رب کیا تو نے میری اولاد کو برابر سرابر پیدا نہیں کیا؟ تو اللہ نے فرمایا: اے آدم میں چاہتا ہوں کہ میرا شکر ادا کیا جائے!

سنن میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول ہے، جس شخص نے صبح کے وقت کہا "اَللّٰهُمَّ مَا اَصْبَحَ بِیْ مِنْ نِعْمَةٍ اَوْ بِاَحَدٍ مِنْ خَلْقِكَ فَمِنْكَ وَحْدَكَ لَا شَرِيْكَ لَكَ فَلَكَ الْحَمْدُ وَلَكَ الشُّكْرُ" تو اس نے اس دن کا شکر ادا کر دیا، اور جس نے یہ دعا شام کو پڑھی تو اس نے اس رات کا شکر ادا کر دیا۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے مذکور ہے جو شخص آزمایا گیا تو اس پر صبر کیا اور جس کو عطا کیا گیا تو اس نے شکر ادا کیا اور اس پر ظلم کیا گیا تو اس نے معاف کر دیا اور ظلم کیا تو معافی مانگ لی تو یہی وہ لوگ ہیں جن کے لئے امن ہے اور وہ ہدایت یافتہ ہے۔

اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک آدمی کو تین وصیت فرمائی، (۱) موت کو کثرت

سے یاد کر کہ وہ اللہ کے علاوہ سے غافل کر دیتا ہے، (۲) اور تو دعا کو لازم پکڑ اس لئے کہ تو نہیں جانتا کہ کب تیری دعا قبول کر لی جائے، (۳) اور تجھ پر شکر لازم ہے اس لئے کہ شکر (نعمتوں کو) زیادہ کرتا ہے۔

اور رسول اللہ ﷺ سے منقول ہے کہ جب آپ ﷺ کھانا تناول فرماتے تھے تو فرماتے تھے "اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ اَطْعَمَنِیْ وَسَقَانِیْ وَهَدَانِیْ وَکُلّ بَلَاءٍ حَسَنٍ اَبْلَانِیْ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الرَّازِقِ ذِی الْقُوَّةِ الْمَتِیْن. اَللّٰهُمَّ لَاتَنْزِعْ مِنَّا صَالِحاً اَعْطَیْتَنَا وَلَاصَالِحاً رَزَقْتَنَا وَجَعَلْنَا لَکَ مِنَ الشَّاکِرِیْنَ" اور نبی کریم ﷺ سے منقول ہے کہ جب آپ ﷺ کھانا تناول فرماتے تھے تو فرماتے تھے "اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ اَطْعَمَ وَسَقٰی وَسَوَّغَهٗ وَجَعَلَ لَهٗ مَخْرَجاً۔

حضرت عروۃ بن زبیر رضی اللہ عنہ کے پاس کھانا لایا جاتا تو ڈھکا ہوا رہتا حتی کہ یہ کلمات کہہ لیتے "اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ هَدَانَا وَاَطْعَمَنَا وَسَقَانَا وَنَعَمَنا ،اَللّٰهُ اَکْبَرُ اَللّٰهُمَّ أَلْفَتنَا نِعْمَتَکَ وَنَحْنُ بِکُلِّ شَرٍ فَاَصْبَحْنَا وَاَمْسَیْنَا بِخَیْرٍ نَسْأَلُ تَمَامَهَا وَشُکْرَهَالَاخَیْرَ اِلَّا خَیْرُکَ وَلَا اِلٰهَ غَیْرُکَ اِلٰهُ الصَّالِحِیْنَ وَرَبُّ الْعَالَمِیْنَ. الحمد للّٰہ. لا الٰہ الا اللہ. ماشاء اللہ. لاقوّۃ الا باللہ. اَللّٰهُمَّ بَارِکْ لَنَا فِیْمَا رَزَقْتَنَا وَقِنَا عَذَابَ النَّارِ"۔

حضرت وہب بن منبہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نعمتوں میں اصل تین چیز ہے، (۱) اسلام کی نعمت کہ اس کے بغیر کوئی نعمت تام نہیں ہوتی، (۲) عافیت کی نعمت کہ جس کے بغیر زندگی خوشگوار نہیں ہوتی، (۳) استغناء کی نعمت کہ اس کے بغیر عیش تام نہیں ہوتا۔

حضرت سعید الجریریؒ حج سے واپس آئے تو کہنے لگے کہ ہم کو سفر میں اللہ کی ایسی ایسی نعمتیں میسّر ہوئی! پھر فرمایا کے نعمتوں کا شمار بھی شکر ہے۔

حضرت وہب ایک اندھے کوڑھی کے پاس سے گزرے جس کا ستر بھی عریاں تھا اور برص کے داغ بھی اس پر تھے اور وہ کہہ رہا تھا "الحمد للّٰہ علی نعمہ" تو اس آدمی نے جو حضرت وہب کے ساتھ تھا اس نے کہا کونسی نعمت اب تجھ پر باقی ہے کہ تو اس پر حمد بیان کرتا ہے؟ تو اس مبتلی آدمی نے ان سے کہا، تو اپنی نگاہ اہلِ شہر پر ڈال پھر شہر کے کثیر لوگوں کو دیکھ، کیا میں اللہ کی اس بات پر حمد بیان نہ کروں، کہ اس شہر میں کوئی بھی اس (اللہ) کو میرے علاوہ نہیں جانتا۔

نبی کریم ﷺ سے منقول ہے آپ ﷺ نے فرمایا، جب اللہ سبحانہ وتعالیٰ کسی بندے کو کوئی نعمت عطا کرتے ہیں پھر بندہ اس وقت اللہ کی حمد بیان کرتا ہے تو اس نے اس نعمت کا شکر ادا کر لیا۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ ذکر فرماتے ہیں کہ بخت نصر حضرت دانیال علیہ السلام کے پاس آیا، اور حکم دیا کہ حضرت دانیال علیہ السلام کو کوٹھڑی میں قید کر دیا جائے اور دو دو (بھوکے، شکاری) شیروں کو اکسائے جائے اور انکو حضرت دانیال علیہ السلام کے پاس چھوڑ دیا جائے، پھر پانچ دن کے بعد کوٹھڑی کو کھولا گیا تو دیکھا حضرت دانیال علیہ السلام کھڑے ہو کر نماز پڑھ رہے ہیں اور دونوں شیر کوٹھڑی کے ایک گوشے میں بیٹھے ہیں اور انہوں نے حضرت دانیال علیہ السلام کو کوئی نقصان نہیں پہونچایا، تو ان سے کہا کہ آپ نے ان کو اپنے سے دفع کرنے کے لئے کیا پڑھا؟ تو حضرت دانیال علیہ السلام نے فرمایا: میں نے یہ پڑھا "اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ لَا یَنْسٰی مَنْ ذَکَرَهٗ . وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ لَا یَخِیْبُ مَنْ رَجَاهُ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ لَا یَکِلُ مَنْ تَوَکَّلَ عَلَیْهِ اِلٰی غَیْرِهٖ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ هُوَ ثِقَتُنَا حِیْنَ تنقطع عَنَّا الْحِیَلَ. وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ هُوَ رَجَاؤُنَا حِیْنَ یَسُوْءُ ظَنُّنَا بِاَعْمَالِنا. وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ یَکْشِفُ عَنَّا ضُرَّنَا بَعْدَ کُرْبَتِنَا. وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ یُجْزِیْ بِالْاِحْسَانِ اِحْسَاناً وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ یُجْزِیْ بِالصَّبْرِ نَجَاةً"۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مذکور ہے جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم آئینہ میں دیکھتے تو یہ دعا پڑھتے "اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ اَحْسَنَ خَلْقِی وخُلُقِی وزان منّی ماشان من غیری"۔

حضرت ابن سیرین رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کثرت سے آئینہ میں دیکھتے تھے اور آئینہ آپ کے ساتھ سفر میں بھی ہوتا تھا، تو میں نے آپ رضی اللہ عنہ سے پوچھا آپ ایسا کیوں کرتے ہیں؟ تو فرمایا کہ میں دیکھتا ہوں کہ میرے چہرے میں کونسی چیز زینت کی ہے جو دوسروں کے چہرے میں عیب ہوتا کہ میں اس پر اللہ کی حمد بیان کروں۔

حضرت ابوبکر بن ابومریم سے پوچھا گیا کہ نعمت کا اتمام کیا ہے؟ تو فرمایا وہ یہ ہے کہ تو ایک قدم پُل صراط پر رکھے اور دوسرا قدم جنت میں رکھے۔

حضرت بکر بن عبداللہ نے فرمایا کہ اے فرزندِ آدم اگر تو چاہتا ہے کہ تو اللہ کی عطا کردہ نعمتوں کا مقام پہچانے تو اپنی آنکھوں کو بند کر لے۔

حضرت مقاتل اللہ کے قول ﴿واسبغ علیکم نعمه ظاهرة وباطنة ﴾ کے بارے میں فرماتے ہیں کہ ظاہری نعمت تو وہ اسلام ہے اور باطنی نعمت تو وہ اللہ کا تیرے گناہوں کی پردہ پوشی کرنا ہے۔

حضرت ابن شوذبؒ فرماتے ہیں کہ حضرت ابن مسعودؓ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کو حق ہے کہ وہ جہنم والوں پر احسان جتلائے کہ اگر اللہ چاہتے کہ وہ ان کو جہنم سے زیادہ سخت عذاب دے تو وہ دیتا۔

ابو سلیمان دارانیؒ فرماتے ہیں کہ قیامت کے دن وہ لوگ رحمان کے جلساء اور ہمنشیں ہوں گے جس میں یہ چند خصلتیں ہو، کرم، سخاوت، حلم، نرمی، رحم، شکر، نیکی اور صبر۔

حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں کہ کوئی شخص کسی کو گرفتارِ مصیبت دیکھے تو کہے "اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ عَافَانِیْ مِمَّا ابْتَلَاكَ بِهٖ وَفَضَّلَنِیْ عَلَیْكَ وَعَلٰی جَمِیْعِ خَلْقِهٖ تَفْضِیْلًا" تو گویا اس نے اس نعمت کا شکر ادا کر دیا، اور حضرت عبداللہ بن وہب فرماتے ہیں کہ میں نے عبدالرحمٰن بن زیدؒ سے سنا وہ فرماتے ہیں کہ شاکر حمد کی پختگی اور اصل وفرع کو پالیتا ہے، فرمایا کہ وہ بندہ اللہ کی نعمتوں کو اپنے بدن میں، کان میں، آنکھ میں، ہاتھوں میں، پیروں وغیرہ میں دیکھتا ہے کہ ان میں سے کوئی (عضو) ایسا نہیں جس میں اللہ کی کوئی نعمت نہ ہو، بندے پر واجب ہے کہ ان نعمتوں (کے صلہ) میں جو اس کے بدن میں ہے اللہ کے لئے اس کی اطاعت میں لگائے رکھے! اور دوسری نعمت رزق میں ہے اور بندہ پر واجب ہے کہ وہ اللہ کے لئے اس رزق (کے صلہ) میں جو اللہ نے اس کو عطا کیا ہے اس کی اطاعت میں عمل کرے، بس جس شخص نے اس پر عمل کیا تو گویا اس نے شکر کی پختگی کو اور اس کی اصل وفرع کو پالیا۔

حضرت کعبؓ فرماتے ہیں کہ جب اللہ کسی بندہ کو دنیا میں کوئی نعمت عطا کرتا ہے پھر بندہ اس پر شکر ادا کرتا ہے اور اس نعمت کی وجہ سے اللہ کے لئے تواضع اختیار کرتا ہے تو اللہ اس کو دنیا میں اس نعمت کا نفع عطا کرتا ہیں اور اس کے لئے آخرت میں ایک درجہ بلند کرتے ہیں اور جس کو اللہ دنیا میں کوئی نعمت عطا کرتے ہیں پھر وہ بندہ اس کا شکر ادا نہیں کرتا اور نہ تواضع اختیار کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ دنیا میں اس نعمت کے نفع کو روک دیتے ہیں اور اس کے لئے جہنم کے طبقات کو کھول دیتے ہیں چاہے تو اللہ اسک کو عذاب دے یا اس کو معاف فرمادے۔

حضرت حسن بصریؒ نے فرمایا، جس شخص نے اللہ کی نعمت محض کھانے پینے اور لباس میں ہی سمجھا تو تحقیق کہ اس نے (شکر کو) محدود کر دیا اور اس کا عذاب تیار ہے۔

حضرت حسن بصریؒ نے ایک دن بکر مزنی سے کہا، آؤ اے ابو عبداللہ تیرے بھائیوں کے لئے دعا کرے، تو پہلے انہوں نے اللہ کی حمد وثنا بیان کی، اور نبی کریم ﷺ پر درود پڑھا پھر فرمایا کہ اللہ کی قسم میں نہیں جانتا

کہ مجھ پراورتم پران دونعمتوں میں سے کونسی نعمت افضل ہے؟ کیا داخل ہونے کا راستہ (منھ) کی نعمت یا نکل نے کے راستہ (مقام استنجاء) کی نعمت، جب کہ ہم سے (نجاست) کو نکال دے؟ حضرت حسن بصریؒ نے فرمایا کہ بلاشبہ وہ (مخرج) اللہ کی بڑی نعمتوں میں سے ہے۔

حضرت عائشہؓ فرماتی ہے جب کوئی بندہ خالص پانی پئے سو وہ بغیر کسی تکلیف کے داخل ہو جاتا ہے اورنجاست بن کر نکل جائے تو اس پر شکر واجب ہے۔

حضرت حسنؒ فرماتے ہیں کہ کیا ہی عجیب نعمت ہے کہ ہر لذیذ چیز داخل ہو جاتی ہے اور وہ آسانی سے نکل جاتی ہے، تحقیق کہ اس (علاقہ) کے بادشاہوں میں سے ایک بادشاہ تھا اس نے اپنے لڑکوں میں سے ایک لڑکے کو دیکھا کہ وہ کنویں کے پاس آیا پھر اس سے کوزہ میں پانی نکالا پھر وہ کھڑے کھڑے گھٹ گھٹانے لگا، پھر وہ کہنے لگا کہ کاش کہ مجھے اس پانی سے بھی بہتر کوئی چیز ملتی جس سے پیاس ختم ہو جاتی پھر جب اس نے پیا تو اس کے لئے اس پینے میں موت تھی! کیا عجیب نعمت ہے۔

بعض علماء نے اپنے برادر کو خط لکھا، امّا بعد: تحقیق کہ اللہ کی ہم پر بے شمار نعمتیں ہیں، باوجودیکہ کثرت سے ہم اس کی نافرمانی کرتے ہے، بس ہم نہیں جانتے کے ان دو بات میں سے کس پر ہم شکرادا کرے، کیا اس (ذاتِ) جمیل کا جو ستّار ہے یا اس (گناہِ) قبیح کا جو مستور ہے۔

حضرت حسن بصریؒ کو کہا گیا کے یہاں ایک آدمی ہے جو لوگوں کے ساتھ بیٹھتا اُٹھتا نہیں ہے، تو حضرت حسنؒ اس کے پاس آئے اور اس کو اس کے بارے میں پوچھا؟ تو اس نے کہا کہ میں گناہوں اور نعمتوں کے مابین صبح وشام کرتا ہو، بس میں نے طے کرلیا کہ اپنے دل کو لوگوں سے ہٹا کر گناہوں سے استغفار میں اور نعمتوں پر اللہ کا شکرادا کرنے میں مشغول کردوں، تو حضرت حسنؒ نے اس سے فرمایا تو میرے نزدیک اے اللہ کے بندے حسن بصری سے بھی زیادہ فقیہ ہے بس تو اس (تنہائی) کو لازم پکڑ جس پر تو ہے۔

حضرت ابن مبارکؒ فرماتے ہیں کہ میں نے علی بن صالح سے سنا وہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کا قول ﴿لَئِنْ شَكَرْتُمْ لَاَزِيْدَنَّكُمْ﴾ یعنی اگر تم شکرادا کروگے تو میں تم کو مزید عطا کروں گا یعنی میری اطاعت کی مزید (توفیق) عطا کروں گا، اور تحقیق یہی ہے کہ نعمتوں کی زیادتی اور اس کی اطاعت کی زیادتی اس کی بڑی نعمتوں میں سے ہے۔

ابن ابی الدنیاؒ نے ذکر فرمایا ہے کہ محارب بن دثارؒ رات کو نماز کے لئے کھڑے ہوتے تھے، اور اپنی آواز کو کبھی کبھی بلند کرتے تھے، اور کہتے تھے! میں وہ چھوٹا بچہ ہوں جس کی تو (اللہ) نے پرورش کی تیرے ہی لئے تمام تعریفیں ہیں، میں وہی کمزور ہوں جس کو تو نے قوت عطا کی بس تیرے لئے ہی تمام تعریفیں ہیں، اور میں وہی محتاج ہوں جس کو تو نے بے نیاز کر دیا بس تیرے ہی لئے تمام تعریفیں ہیں، اور میں وہی حقیر وفقیر ہوں جس کو تو نے مستغنی کر دیا بس تیرے ہی لئے تمام تعریفیں ہیں، اور میں وہی کنوارا ہوں جس کو تو نے زوجہ عطا کی بس تیرے ہی لئے تمام تعریفیں ہیں، اور میں وہی بھوکا ہوں جس کو تو نے شکم سیر کیا بس تیرے ہی لئے تمام تعریفیں ہیں، اور میں وہی برہنہ ہوں جس کو تو نے لباس پہنایا بس تیرے ہی لئے سب حمد ہے، اور میں وہی مسافر ہوں جس کو تو نے رفاقت عطا کی بس تیرے ہی لئے سب حمد ہے، اور میں وہی شخص ہوں جو مسافر تھا کہ تو نے اس کو واپس ٹھکانے پر پہونچا دیا، اور میں وہی پیدل چلنے والا ہوں جس کو تو نے سوار کیا بس تیرے ہی لئے سب تعریفیں ہیں، اور میں وہی مریض ہوں جس کو تو نے شفا عطا کی ہے بس تیرے ہی لئے سب تعریفیں ہیں، اور میں وہی سائل ہوں جس کو تو نے عطا کیا ہے بس تیرے ہی لئے سب تعریفیں ہیں، اور میں وہی دعا کرنے والا ہوں جس کی دعا کو قبول کرتا ہے اے ہمارے رب تیرے ہی لئے کثرتِ حمد ہے۔

بعض خطیب اپنے خطبہ میں کہا کرتے تھے، اللہ نے تیرے لئے ناک لگائی پھر اس کو درست کر دیا اور مکمل کیا اور بہت اچھا مکمل کیا، پھر اللہ نے تیری آنکھ کی پتلی کو گردش دی اور اس کو مناسب سانچہ میں پلکوں کے نیچے ڈھال دیا، اور تجھ کو ایک حالت سے دوسری حالت کی طرف منتقل کیا، اور تجھ پر والدین کے دل کو محبت ونرمی کے ساتھ مہربان کر دیا، بس اس کی نعمتیں تجھ پر درخت کے پتوں کی طرح (کثیر) ہے اور اس کا احسان تجھ کو محیط ہے۔

بعض علماء فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے قول ﴿وَاِنْ تَعُدُّوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ لَاتُحْصُوْهَا﴾ کے بارے میں کہا کرتے تھے کہ پاک ہے وہ ذات جس نے اپنی نعمتوں کی معرفت کی حد صرف ان نعمتوں کی معرفت سے عاجز ہونے کا علم قرار دی ہے جیسے کہ اللہ ﷻ نے اپنی معرفت (ادراک) کی حد عدمِ ادراک کے علم سے زیادہ قرار نہیں دیا، لہٰذا اللہ ﷻ نے محض نعمتوں کی معرفت ہی کو شکر قرار دیا ان نعمتوں کی (حقیقی) معرفت سے بے

بس ہونے کی وجہ سے! جیسے کہ دنیا والوں کا یہ علم کہ وہ ادراک میں نہیں آ سکتا اس کو ایمان قرار دیا، اللہ کا یہ جاننے کی وجہ سے کہ بندے اس حد سے زیادہ آگے نہیں جا سکتے۔

حضرت عبداللہ بن مبارکؒ فرماتے ہیں، کہ حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں، دو عادتیں جس شخص میں ہوگی اللہ تعالیٰ اس کو صابر و شاکر لکھ دیتے ہیں، اور جس میں یہ دو خصلتیں نہ ہو تو اللہ اس کو صابر و شاکر نہیں لکھتے، اوّل جو شخص دین کے معاملہ میں اپنے سے اوپر والے کو دیکھے پھر اس کی اقتداء کرے، اور جو دنیا کے معاملہ میں اپنے سے نیچے والے کو دیکھے پھر اس پر اللہ کی حمد بیان کرے اس زیادتی پر جو اللہ نے اس کو دوسرے کے مقابلہ میں عطا کی ہے، تو اللہ اس کو صابر و شاکر لکھ دیتے ہیں، اور جو شخص دین کے معاملہ میں اپنے سے نیچے (کم) کو دیکھے، اور دنیا کے معاملہ میں اپنے سے اوپر والے کو دیکھے پھر فوت شدہ چیز پر افسوس کرے تو اللہ اس کو صابر و شاکر نہیں لکھتے، اور اسی سند سے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے موقوفاً روایت ہے، کہ چار خصلتیں جن میں ہوگی اللہ جنت میں اس کے لئے ایک گھر تعمیر فرمائیں گے، (۱) وہ شخص جس کے معاملہ کی حفاظت "لاالہ الا اللہ" ہو (۲) جب اس کو کوئی مصیبت پہونچے تو وہ "اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ" کہے (۳) اور جب کوئی چیز عطا کی جائے تو وہ "الحمد للّٰہ" کہے اور جب کوئی گناہ کرے تو "استغفر اللہ" کہے۔

حضرت عبداللہ بن مبارکؒ نے فرمایا کہ حضرت مجاہد فرماتے ہیں، اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے قول ﴿اِنَّہُ کَانَ عَبْدًا شَکُوْرًا﴾ کے بارے میں کہ حضرت نوح علیہ السلام کوئی بھی چیز کھاتے تھے تو "الحمد للّٰہ" کہتے تھے اور کوئی بھی چیز پیتے تھے تو اس پر "الحمد للّٰہ" کہتے تھے اور کوئی بھی چیز پکڑتے تھے تو اس پر "الحمد للّٰہ" کہتے تھے اور اس پر اللہ کی ثنا بیان کرتے تھے تو وہ عبدِ شکور ہو گئے۔

حضرت محمد بن کعب فرماتے ہیں کہ حضرت نوح علیہ السلام جب کھانا کھاتے تھے تو "الحمد للّٰہ" کہتے تھے اور جب پانی پیتے تھے تو "الحمد للّٰہ" کہتے تھے اور جب لباس پہنتے تھے تو "الحمد للّٰہ" کہتے تھے اور جب سوار ہوتے تھے تو "الحمد للّٰہ" کہتے تھے تو اللہ نے ان کو عبدِ شکور کا لقب عطا فرمایا۔

ابن ابی الدنیاؒ فرماتے ہیں کہ مجھ کو بعض حکماء سے یہ بات پہونچی ہے، وہ فرماتے ہیں کہ اگر اللہ عزوجل اپنی نافرمانی پر عذاب نہ دے تو بھی (واجب) یہ ہے کہ اس کی نعمتوں کے شکر میں اس کی نافرمانی نہ کی جائے۔

فصل

اللہ عزوجل کے اس کے بندوں پر دو قسم کے حقوق ہیں کہ بندہ کبھی ان سے مستغنی نہیں ہوتا۔

(اوّل) وہ امر و نہی جو محض اللہ کا حق ہے۔

(دوم) اللہ کی عطا کردہ نعمتوں کا شکر۔

بس اللہ عزوجل بندے سے اپنی نعمتوں کا شکر اور اپنے اوامر کے قیام کا مطالبہ کرتے ہیں، پس بندے پر اس ذمہ داری کا معائنہ یہ ہے کہ ہمیشہ ان واجبات میں کمزوری وتفریط کا معائنہ کرتا رہے اور یہ کہ اس میں وہ اللہ کے عفو ومغفرت کا محتاج ہے پھر اگر بندے کو اتنی بھی واقفیت نہیں ہوئی تو وہ ہلاک ہوگیا، اور جب جب بھی بندے کو دین کی سمجھ زیادہ حاصل ہوگی تو اپنے اوپر ذمہ داریوں کا معائنہ اور زیادہ بڑھ جائے گا اور اس میں کوتاہیوں کا معائنہ کرنا بھی بڑھ جائے گا (چونکہ) دین محض ظاہری ممنوعات کے ترک کا نام نہیں ہے بلکہ اس کے ساتھ ان اوامر کا قیام بھی ضروری ہے جو اللہ کو محبوب ہے اور اکثر دینداران اوامر میں سے کسی کی پرواہ نہیں کرتے سواء ان اوامر کے جس میں عام لوگ بھی شریک ہوتے ہیں، لہٰذا جہاد، امر بالمعروف، نہی عن المنکر، اللہ اور رسول اور بندوں کی خیر خواہی، اللہ اور رسول اور ان کے دن وکتاب کی نصرت تو یہ واجبات کہ کسی کے دل میں ان کا خیال بھی نہیں گزرتا چہ جائے کے اس کے ادا کرنے کا ارادہ کرے، اور وہ لوگ ان واجبات کے ترک کرنے کی وجہ سے لوگوں میں سب سے کم دیندار اور اللہ کے نزدیک لوگوں میں سب سے زیادہ ناپسند ہوتے ہیں، اگرچہ مکمل دنیا سے زہد اختیار کئے ہوئے ہو، اور تم لوگوں میں سے بہت کم لوگوں کو دیکھو گے جن کا چہرا اللہ کی وجہ سے سرخ ہوتا ہو اور چہرے کا رنگ بدلتا ہو اور وہ اللہ کے محرمات وممنوعات کی وجہ سے غصہ ہوتا ہو، اور اللہ کی دین کی نصرت میں اپنی عزت وجان خرچ کرتا ہو، اور گناہِ کبیرہ کرنے والے اللہ کے نزدیک حالت کے اعتبار سے ان لوگوں سے زیادہ اچھی حالت میں ہوتے ہیں اور حضرت ابوعمرو وغیرہ نے ذکر کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ فرشتوں میں سے ایک فرشتے کو حکم دیتا ہے کہ وہ فلاں بستی کو دھنسا دے تو وہ فرشتہ کہتا ہے کہ اے رب اس بستی

والوں میں فلاں عابد وزاہد آدمی ہے، تو اللہ فرماتے ہیں کہ اسی سے شروع کر! اور تو مجھ کو اس کی آواز سنا، بلاشبہ اس کا چہرہ کبھی کسی دن (دین کے معاملہ میں) متغیر نہیں ہوا۔

فصل

اور نعمتوں کا مشاہدہ تو وہ یہ ہے کہ نیک اعمال میں سے کسی اچھے عمل کو کبھی نہ چھوڑے اگرچہ وہ انس وجنّ کے اعمال کی طرح عمل کرتا ہو، اس لئے کہ اللہ کی نعمتیں اس کے اعمال سے کئی گنا زیادہ ہے، اور اللہ کی نعمتوں میں سے ادنی نعمت اس کے تمام اعمال کو ختم کردے، لہٰذا بندے کے لئے مناسب یہی ہے کہ وہ ہمیشہ اللہ کے حقوق میں غور کرتا رہے اور دیکھتا رہے۔

امام احمدؒ فرماتے ہیں کہ حضرت وہب فرماتے ہیں کہ مجھے یہ بات پہونچی کہ اللہ کے نبی حضرت موسیٰ علیہ السلام ایک آدمی کے پاس سے گزرے، وہ آدمی عاجزی، انکساری سے دعا کررہا تھا، حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کہا اے میرے رب تو اس پر رحم فرما، تحقیق کہ مجھ کو اس پر رحم آگیا، تو اللہ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام پر وحی فرمائی کہ اگر یہ دعا کرتا رہے حتی کے اس کے اعضاء ٹکڑے ٹکڑے ہوجائے تب بھی میں اس کی دعا قبول نہیں کروں گا یہاں تک کہ وہ میرے حقوق میں غور کرنے لگے (ادا کرنے لگے)۔

لہٰذا بندے کو نعمتوں کا مشاہدہ اور واجبات کا معائنہ کرنا یہ ہے کہ اللہ کے لئے وہ کسی نیکی کو جس کو وہ نیکی سمجھتا ہو نہ چھوڑے، اور ہمیشہ اپنے نفس کو اس کی مذمت سے عتاب کرتا رہے جب ان دونوں مشاہدوں سے دونوں حق ادا کرے گا تو وہ اللہ کی رحمت سے قریب ہوجائے گا۔

﴿ اکیسواں باب ﴾

صابرین وشاکرین کے مابین حکم اوران کے مابین فیصلہ

پھر مصنفؒ فرماتے ہیں کہ دونوں (صبر وشکر) میں سے ہر ایک اپنے مابین توازن وتقابل کا مطالبہ کرتے ہیں اور راجح اور مرجوح کا تقاضی کرتے ہیں، اور یہ ان دونوں (صبر وشکر) کی معرفت کے بعد ہی ممکن ہے، اور ہم نے صبر کی حقیقت اور اس کے انواع واقسام کو ذکر کردیا ہے اور اب ہم شکر کی حقیقت اور ماہیت کو ذکر کرتے ہیں۔

صحاح میں ہے کہ شکر نام ہے محسن کی اس بھلائی واحسان پر ثنا کرنا جو بھلائی اس نے اس پر کی ہے، اور کہا جاتا ہے "شَكَرْتُهٗ، شَكَرْتُ لَهٗ" اور لام (کے ساتھ) افصح ہے، اور اللہ جَلَّ جَلَالُهٗ کا قول ﴿لَا نُرِيْدُ مِنْكُمْ جَزَاءً وَّلَا شُكُوْرًا﴾ احتمال ہے کہ شکور مصدر ہو جیسے کہ عقود، یا جمع ہو جیسے کہ برود، کفور، اور شکران یہ کفران کی ضد ہے اور "تَشَكَّرْتُ لَهٗ" یہ (معنًی) "شَكَرْتُ لَهٗ" ہی کی طرح ہے، اور جانور کی طرف شکور کی نسبت کی جائے تو معنی ہوگا چوپایوں کا تھوڑی گھاس وغیرہ پر اکتفی کرنا، اور آسمان کی طرف نسبت کی جائے تو معنی ہوگا تیز بارش کا ہونا، اور اگر تشکّر کی نسبت تھن کی طرف کی جائے تو معنی ہوگا تھن کا دودھ سے بھر جانا اور اسی معنی میں ہے "شَكِرَ النَّاقَةُ" (بکسرالکاف) تو یہ باب سمع سے ہے مصدر ہوگا "شَكِرَةٌ" اور جب اس (شَكِرَ) کی نسبت درخت کی طرف کی جائے تو معنی ہوگا درخت سے شکیر نکلنا اور شکیر وہ جڑ ہے جو درخت کے اردگرد اُگ آتی ہے۔

تو تو اس فعل کے اشتقاق میں غور کر اور اس (مشتق شکر) اور مامور بہ شکر کے مابین مطابقت دے اور اس شکر کے مابین جو ربِّ شکور کی جانب سے جزا ہے کیسے ہم ان تمام کے معنی میں زیادتی اور نماء کا معنی پاتے ہیں، اور یہ بھی کہا جاتا ہے "دَابَّةٌ شَكُوْرٌ" جبکہ جانور عطا کردہ تھوڑے چارہ سے زیادہ موٹا، فربہ ہو جائے۔

اور بندے کا شکر تین ارکان پر دائر ہوتا ہے اور ان تین چیزوں کے مجموعہ سے وہ ''شکور'' ہوتا ہے، (اوّل) اللہ کی عطا کردہ نعمتوں کا اعتراف، (دوم) اس پر اللہ کی حمد وثناء، (سوم) ان نعمتوں کے ذریعہ اللہ کی مرضیات پر استعانت۔

شکر کے بارے میں علماء کے اقوال، ایک جماعت کہتی ہے شکر نام ہے منعم (نعمت دینے والے) کی نعمت کا بطورِ تواضع کے اعتراف کرنا، اور بعض حضرات فرماتے ہیں کہ شکر نام ہے محسن کی اس کے کئے ہوئے احسان کا ذکر کر کے تعریف کرنا، لہٰذا بندہ کا شکر اللہ کے کئے ہوئے احسانوں کا ذکر کر کے اس کی حمد و ثناء کرنا ہے اور بعض حضرات فرماتے ہیں کہ نعمت کا شکر اس احسان کا استحضار اور تقدّس و حرمت کی حفاظت اور قیامِ خدمت ہے، اور بعض حضرات فرماتے ہیں کہ نعت کا شکر یہ ہے کہ تو اپنے آپ کو اس نعمت کا محتاج سمجھے، اور بعض حضرات فرماتے ہیں کہ شکر یہ ہے کہ شکر کی معرفت (یعنی شکر کی ادائیگی سے) اظہارِ عجز کرے، اور بعض حضرات فرماتے ہیں کہ شکر پر شکر کرنا یہ محض شکر سے زیادہ تام ہے بایں طور کے تو یہ سمجھے کے تیرا شکر کرنا بھی اللہ ہی کی توفیق سے ہے اور یہ توفیق بھی تجھ پر بڑی نعمت میں سے ہے تو تو (اداءِ) شکر پر بھی شکر کرے پھر اس (اداءِ) شکر پر بھی شکر کرے کہ تو اپنے آپ کو نعمتوں کا اہل نہ سمجھے اور بعض حضرات فرماتے ہیں کے اطاعت میں طاقت کو صرف کرنا شکر ہے، اور بعض حضرات یہ فرماتے ہیں کہ شاکر وہ ہے جو موجودہ (نعمتوں) پر شکر ادا کرے اور شکور وہ ہے جو فوت شدہ (نعمتوں) پر شکر کرے، اور بعض حضرات فرماتے ہیں کے شاکر وہ شخص ہے جو انعام اور بخشیش پر شکر کرے اور شکور وہ شخص ہے جو محرومی پر شکر ادا کرے اور بعض حضرات فرماتے ہیں کہ شاکر وہ ہے جو (حصولِ) نفع پر شکر کرے اور شکور وہ ہے جو منعِ (نفع) پر شکر ادا کرے اور بعض حضرات فرماتے ہیں کے شاکر وہ ہے جو عطاءِ (نعمت) پر شکر کرے اور شکور وہ ہے جو تکالیف پر شکر کرے۔

حضرت جنید بغدادیؒ فرماتے ہیں کہ میں ایک مرتبہ سرّی سقطی (ایک بزرگ ہیں) کے سامنے کھیل رہا تھا اور میں اس وقت سات سال کا لڑکا تھا، اور وہاں کچھ لوگ بیٹھ کر شکر کے بارے میں بحث کر رہے تھے، تو اس سرّی نے مجھے کہا اے لڑکے شکر کیا ہے؟ تو میں نے کہا اللہ کی نعمتوں کے ساتھ تو اس کی نافرمانی نہ کرے (یہ شکر ہے) تو اس نے کہا کے عنقریب تو خوش قسمت ہوگا اللہ کا تیرے زبان سے اس کلمات کو جاری کرنے کی وجہ سے! بس میں ہمیشہ ان کلمات پر روتا رہا جو سرّی نے کہے تھے۔

حضرت شبلیؒ فرماتے ہیں کہ شکر نام ہے منعم (نعمت دینے والے) کا استحضار نہ کہ نعمت کا! اور یہ (قول) مناسب و صحیح نہیں، بلکہ شکر کی تکمیل یہ ہے کہ منعم کی نعمت کا استحضار ہو۔

اور بعض حضرات فرماتے ہیں کہ شکر یہ موجودہ (نعمت) کے لئے قید اور فوت شدہ (نعمت) کے لئے صید (شکاری) ہے۔

ابو عثمان فرماتے ہیں کہ عام لوگوں کا شکر کھانے پینے کی چیزوں پر ہوتا ہے اور خاص لوگوں کا شکران معانی و علوم پر ہوتا ہے جو ان کے قلوب پر وارد ہوتے ہیں۔

بادشاہ نے ایک آدمی کو قید کر دیا تو اس کے دوست نے اس کے پاس اپنے قاصد کو بھیجا کہ اللہ کا شکر ادا کر پھر اس (قیدی) کو مارا گیا تو اس کے پاس قاصد بھیجا کہ تو اللہ کا شکر ادا کر پھر ایک مجوسی قیدی کو لایا گیا جس کو دست (جھاڑے) کا مرض تھا، اور اس کو بیڑیاں پہنائی گئی اور اس مجوسی کی بیڑیوں میں سے ایک حلقہ اس آدمی کے پیر میں ڈال دیا، اور ایک حلقہ مجوسی کے پیر میں ڈال دیا! اب وہ مجوسی بار بار رات کو (قضاءِ حاجت کے لئے) کھڑا ہوتا تو یہ آدمی بھی اس کے سر پر کھڑا رہتا یہاں تک کہ وہ مجوسی فارغ ہو جاتا! تو اس کے دوست نے اس کو لکھا کہ اللہ کا شکر ادا کر، تو اس (قیدی) نے اپنے دوست سے کہا کہ کب تک تو کہے گا کہ اللہ کا شکر ادا کر، اللہ کا شکر ادا کر! ابھی کونسی مصیبت اس سے بڑھکر (باقی) ہے؟ تو اس دوست نے کہا کہ اگر بادشاہ وہ زنّار جو اس مجوسی کے بدن پر ہے وہ تیرے بدن پر رکھ دیتا جیسے کہ اس کے پیر کی بیڑی کو تیرے پیر میں رکھ دیا ہے تو تو کیا کرتا؟ لہٰذا تو اللہ کا شکر ادا کر۔

ایک آدمی سہل بن عبداللہؒ کے پاس آیا اور کہا کہ ایک چور میرے گھر میں آیا اور میرا سامان چرا کر لے گیا تو حضرت سہل بن عبداللہؒ نے کہا کہ اللہ کا شکر ادا کر، اس لئے کہ اگر تیرے قلب میں چور (شیطان) داخل ہو جاتا اور تیری توحید (ایمان) کو خراب کر دیتا تو تو کیا کرتا؟

بعض حضرات فرماتے ہیں کہ شکر نام ہے ان نعمتوں پر جس کا تو مستحق و اہل نہیں تھا حمد و ثناء بیان کر کے لذت حاصل کرنا۔

بعض حضرات فرماتے ہیں کہ جب تیرا ہاتھ بدلہ و صلہ دینے سے عاجز ہو جائے تو پھر تو اپنی زبان کو شکر کے ذریعہ طویل کر دے۔

بعض حضرات فرماتے ہیں کہ چار چیزیں ایسی ہے جس کا کوئی فائدہ نہیں ہے، (۱) بہرے کو مشورہ

دینا، (۲) اوراس شخص کونعمت دینا جواس کا شکرادا نہ کرتا ہو، (۳) شورزمین میں بیج ڈالنا، (۴) اورسورج کی روشنی میں چراغ رکھنا۔

شکرقلب، زبان، اعضاء سے متعلق ہے، لہٰذا قلب معرفت ومحبت کے لئے ہے اورزبان حمدوثناء کے لئے ہے، اوراعضاء ان کومشکور (نعمت دینے والے) کی اطاعت میں استعمال کرنا اوراس کی نافرمانی سے روکنے کے لئے ہے۔ شاعرنے کہا۔

اَفَادَتْكُمُ النَّعْمَاءَ مِنِّی ثَلَاثَةٌ　　يَدِی وَلِسَانِی وَالضَّمِيرُ الْمُحَجَبَا

اے نعمت عطا کرنے والوں تم کو مجھ سے تین چیز　　فائدہ دیگی میراہاتھ، میری زبان، اورمیراپوشیدہ دل

اورشکرافعال کے ساتھ خاص ہے اورحمداقوال کے ساتھ خاص ہے اورحمد کا سبب یہ شکر کے سبب سے عام ہے اورشکر کے متعلقات اوروہ چیزیں جس سے شکرادا ہوتا ہے حمد کے متعلقات سے عام ہے، لہٰذاوہ چیز جس پراللہ کی حمد بیان کی جائے وہ بھی عام ہوگی ان چیزوں سے جس پراللہ کا شکرادا کیا جاتا ہے لہٰذا اللہ کی حمد بیان کی جائے گی اس کے اسماء پر، اس کی صفات پر، اس کے افعال پر، اس کی نعمتوں پر، اورشکرصرف اس کی نعمتوں پر کیا جائے گا اوروہ چیز جس سے حمد بیان کی جاتی ہے وہ خاص ہے ان چیزوں سے جس سے شکرادا کیا جاتا ہے، لہٰذا شکردل، زبان اوراعضاءسب سے ادا کیا جاتا ہے اورحمدصرف زبان ودل سے بیان کی جاتی ہے۔

﴿فصل﴾

جب تونے یہ جان لیا توصبروشکرمیں سے ہرایک دوسرے کی حقیقت میں جمع ہوجاتے ہیں کہ ان میں سے کسی کا وجوددوسرے کے بغیرممکن نہیں اوران میں سے ہرایک کوایک خاص نام سے تعبیر کیا جاتا ہے اس (خصوصیت) کا اس پرغالب ہونے کے اعتبارسے اس کا دوسرے سے زیادہ ظاہرہونے کے اعتبارسے ورنہ تو شکرکی حقیقت وہ صبر، ارادہ، فعل ہی کی لڑی سے جڑی ہوئے ہے، اس لئے کہ شکروہ اللہ کی اطاعت میں عمل کرنا اوراس کی معصیت کوترک کرنا ہے اورصبراس کی اصل ہے اورصبراللہ کی اطاعت پراستقامت اورمعصیت سے رکنا ہے اوریہی عینِ شکرہے اورجب صبرمامور بہ ہے تواس کا ادا کرنا وہی شکر ہے۔

پھر اگر اعتراض کیا جائے کہ اس سے تو صبر وشکر کا اتحاد مفہوم ہوتا ہے اور وہ دو ایک ہی مسمّٰی کے دو اسم ہے اور یہ عقلاً ،لغتہً ،عرفاً محال ہے حالانکہ اللہ نے ان کے مابین فرق بیان کیا ہے۔

تو (جواباً) کہا جائے گا، بلکہ ان دونوں کے معانی الگ الگ ہے اور ہم نے صرف دونوں کے درمیان تلازم کو اور ہر ایک کا اپنی تعریف میں دوسرے کا محتاج ہونا بیان کیا ہے کہ جب شکر صبر سے عاری ہو جاتا ہے تو اس کا شکر ہونا ہی باطل ہو جاتا ہے،اور جب صبر شکر سے خالی ہو جاتا ہے تو اس کا صبر ہونا ہی باطل ہو جاتا ہے، پہلا (شکر کا بطلان) تو وہ ظاہر ہے اور ثانی تو جب صبر شکر سے عاری ہو جائے تو وہ ناشکر ہوگا اور ناشکری کا صبر کے منافی ہونا یہ ناراضگی وغصہ کے منافی ہونے سے زیادہ عظیم ہے۔

پھر اگر اعتراض کیا جائے کہ یہاں پر ایک دوسری قسم ہے اور وہ یہ ہے کے بندہ نہ شکور ہو اور نہ کفور ہو بلکہ وہ تکالف اور سخت ناگوار چیزوں پر برداشت کرنے والا ہو،تو یہاں نہ شکر کی حقیقت پائی گئی اور نہ وہ صبر کی حقیقت سے نکلا؟

تو (جواباً) کہا جائے گا، ہماری بحث اس صبرِ مامور بہ کے بارے میں ہے جو اطاعت ہے نہ کے اس صبر کے بارے میں جو صرف برداشت کرنا اور تحمّل کرنا ہے جیسے کے جانوروں کا صبر! اور طاعت پر صبر شاکر ہی کرتا ہے لیکن اس کا شکر اس کے صبر میں مندرج (شامل) ہے تو اس کا حکم صبر ہی ہوگا جیسے کہ شکور کا صبر اس کے شکر میں مندرج (شامل) ہے تو (صبر) کا حکم بھی شکر ہوگا،لہٰذا ایمان کے درجات یہ ایک دوسرے میں منتقل ہونے سے (ایمان) معدوم نہیں ہوتا، بلکہ وہ اسی میں مندرج وشامل ہوتا ہے اور ادنی یہ اعلی میں موجود ہوتا ہے جیسے کے ایمان یہ اخلاص میں مندرج وموجود ہے اور جیسے کے صبر رضاء کے درجات میں موجود وشامل ہے ایسا نہیں کے صبر زائل ہو جاتا ہے،اور رضاء (اللہ کو تمام معاملات) تفویض کرنے میں ہے اور خوف وامید محبت میں شامل وموجود ہے نہ یہ کہ وہ (خوف وامید) محبت سے زائل ہو جاتے ہیں،بس ایک ہی متعین شي ہے اس کے ساتھ صبر بھی متعلق ہے اور شکر بھی چاہے وہ شي محبوب ہو یا مکروہ مثلاً فقر اس کے ساتھ صبر متعلق ہے اور اس کے ساتھ صبر زیادہ خاص ہے فقر میں کراہت وناپسندگی ہونے کی وجہ سے اور اس (فقر) کے ساتھ شکر بھی متعلق ہے اس لئے کہ اس میں بھی نعمت ہے،لہٰذا جس شخص کو اللہ کی نعمتوں کا استحضار اور اس سے تلذذ اور آرام واطمنان غالب ہوگا تو وہ اس

(فقر) کونعمت شمار کرے گا اس پر شکرادا کرے گا اور جس شخص پر اس فقر میں مصیبت وتنگی اور حاجت کا غلبہ ہوگا تو وہ اس (فقر) کومصیبت شمار کرے گا تو اس پر صبر کرے گا، اسی کے برعکس غنی و مالدار کا معاملہ ہے۔

علاوہ اس کے کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ بندوں کو نعمتوں سے بھی آزماتا ہے جیسے کے مصائب سے آزماتا ہے اور یہ سب (نعمت ومصائب) ابتلاء ہے! لٰہذا اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿وَنَبْلُوكُم بِالشَّرِّ وَالْخَيْرِ فِتْنَةً﴾ ترجمہ: ''ہم تم کو بُری بھلی حالتوں سے آزماتے ہیں'' اور فرمایا: ﴿فَأَمَّا الْإِنسَانُ إِذَا مَا ابْتَلَاهُ رَبُّهُ فَأَكْرَمَهُ وَنَعَّمَهُ فَيَقُولُ رَبِّي أَكْرَمَنِ وَأَمَّا إِذَا مَا ابْتَلَاهُ فَقَدَرَ عَلَيْهِ رِزْقَهُ فَيَقُولُ رَبِّي أَهَانَنِ﴾ ترجمہ: ''سو آدمی کو اس کا پروردگار آزماتا ہے یعنی اس کو اکرام انعام دیتا ہے تو وہ کہتا ہے کہ میرے رب نے میری قدر بڑھادی اور جب اس کو آزماتا ہے یعنی اس کی روزی اس پر تنگ کردیتا ہے تو وہ کہتا ہے کہ میرے رب نے میری قدر گھٹا دی'' اور فرمایا: ﴿إِنَّا جَعَلْنَا مَا عَلَى الْأَرْضِ زِينَةً لَّهَا لِنَبْلُوَهُمْ أَيُّهُمْ أَحْسَنُ عَمَلًا﴾ ترجمہ: ''ہم نے زمین پر کی چیزوں کو اس کے لئے باعث رونق بنایا تاکہ ہم لوگوں کی آزمائش کریں کہ ان میں زیادہ اچھا عمل کون کرتا ہے'' اور فرمایا: ﴿الَّذِي خَلَقَ الْمَوْتَ وَالْحَيَاةَ لِيَبْلُوَكُمْ أَيُّكُمْ أَحْسَنُ عَمَلًا﴾ ترجمہ: ''جس نے موت اور حیات کو پیدا کیا تاکہ تمہاری آزمایش کرے کہ تم میں کون شخص عمل میں زیادہ اچھا ہے'' اور فرمایا: ﴿وَهُوَ الَّذِي خَلَقَ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ فِي سِتَّةِ أَيَّامٍ وَكَانَ عَرْشُهُ عَلَى الْمَاءِ لِيَبْلُوَكُمْ أَيُّكُمْ أَحْسَنُ عَمَلًا﴾ ترجمہ: ''اور وہ ایسا ہے کہ سب آسمان اور زمین کو چھ دن میں پیدا کیا اور اس وقت اس کا عرش پانی پر تھا تاکہ تم کو آزماوے کہ تم میں اچھا عمل کرنے والا کون ہے'' لٰہذا اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے باخبر کیا کہ اس نے عالمِ علوی اور عالمِ سفلی کو پیدا کیا ہے اور مخلوق کی اجل (عمروں) کو مقدّر کردیا ہے اور روئے زمین کی سب چیزوں کو پیدا کیا آزمائش وامتحان کے لئے! اور یہ آزمائش اچھائی اور برائی میں اور تکلیف وراحت میں بندوں کے شکر وصبر کی آزمائش ہے پس نعمتوں کے ذریعہ یعنی غنی کی عافیت اور جاہ ومرتبہ کے ذریعہ آزمائش ہوتی ہے، اور اسباب بھی دو ابتلاء میں سے بڑا ابتلاء ہے، اور اللہ کی اطاعت پر صبر کرنا دیگر صبر سے زیادہ شاق ومشکل ہے جیسے کہ صحابہ کرام فرماتے ہیں کہ ہم تنگی و پریشانی کے ذریعہ آزمائے گئے تو ہم نے صبر کیا اور جب راحت وفراخی کے ذریعہ آزمائے گئے تو ہم صبر نہ کرسکے! اور فقر ومرض اور دنیا اور دنیا کے اسباب کا چھین جانا اور مخلوق کی اذیتوں کی نعمت

کبھی کبھی دیگر نعمتوں سے عظیم اور بڑھی ہوئی ہوتی ہے اور اس پر شکر کرنا فرض بلکہ اس کے اضداد (غنی، صحت وغیرہ) پر شکر کرنے سے بھی زیادہ واجب ہوتا ہے۔

لہٰذا اللہ سبحانہ وتعالیٰ اپنی نعمتوں کے ذریعہ بھی آزماتا ہے، اور تکالف کے ذریعہ بھی آزماتا ہے مگر صبر وشکر یہ اللہ کے اوامر، نواہی اور قضاء وقدر میں بندے کے لئے لازم ملزوم ہے کہ بندہ ان دونوں سے ایک گھڑی کے لئے بھی مستغنی نہیں، اور یہ سوال کہ ان دونوں (صبر وشکر) میں سے افضل کون؟ تو یہ سوال ایسا ہی ہے جیسا کے حسّ وحرکت کے بارے میں پوچھنا کہ ان میں سے افضل کون ہے؟ اور کھانے اور پینے کے بارے میں پوچھنا کہ ان میں سے کون افضل؟ اور بندے کے خوف وامید کے بارے میں سوال ہو کہ ان میں سے افضل کون ہے؟ البتہ مامورات (احکام) کی ادائیگی تو وہ صبر وشکر ہی سے ہوسکتی ہے اور محذورات (ممنوعات) سے پرہیز بھی صبر وشکر ہی سے ہوسکتا ہے اور وہ مصائب جو بندے کے لئے مقدر ہو چکے ہیں تو جب ان (مصائب) پر صبر کرے گا تو اس کے صبر میں شکر بھی شامل ہوگا جیسا کے شاکر کا صبر اس کے شکر میں شامل ہوتا ہے۔

ان باتوں سے یہ بات واضح ہو چکی کہ اللہ تعالیٰ بندے کو اس کے نفس وخواہشات کے ذریعہ آزماتے ہیں، اور اس (بندے) پر ان دونوں سے اللہ کے لئے جہاد کرنا واجب ہے، لہٰذا وہ (بندہ) ہر وقت مجاہداتِ نفس میں ہی ہوتا ہے حتی کہ وہ مامور بہ شکر کو بجالاتا ہے، اور اللہ کی اطاعت سے روکنے والی خواہشات سے (بچنے پر) وہ صبر بھی کرتا ہے، لہٰذا بندہ کبھی بھی صبر وشکر سے علیحدہ نہیں ہوتا چاہے وہ غنی ہو یا فقیر چاہے عافیت میں ہو یا تکالیف میں۔

اور یہی غنیٔ شاکر اور فقیرِ صابر کا مسئلہ ہے کہ ان میں سے کون افضل ہے اور علماء کے اس کے بارے میں تین قول ہے اور وہ وہی تین قول ہے جس کو ابو الفرج ابن جوزی نے صبر وشکر کی عمومیت کے بارے میں ذکر کئے تھے کہ ان میں سے کون افضل ہے؟ اور ہر فریق اپنی حجتوں اور دلائل سے اپنے قول پر استدلال واحتجاج کرتے ہیں۔

تحقیق اس مسئلہ میں یہ ہے کہ کہا جائے گا کہ ان (غنیٔ شاکر اور فقیرِ صابر) میں سے جو بھی زیادہ متقی ہوگا وہی افضل ہوگا، پھر اگر بالفرض وہ دونوں تقویٰ میں برابر ہو تو فضیلت میں بھی برابر ہوں گے، اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے افضلیت فقر وغناء کی وجہ سے عطا نہیں کی جیسے کہ اللہ تعالیٰ نے عافیت وابتلاء کی وجہ سے فضیلت عطا

نہیں فرمائی، بلکہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے فضیلت وشرافت تقویٰ کی وجہ سے عطا کی ہے، جیسے کے اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے فرمایا: ﴿اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَاللّٰهِ اَتْقَاکُمْ﴾ اور اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا: ﴿لَافَضْلَ لِعَرَبِیٍّ عَلٰی عَجَمِیٍّ وَلَافَضْلَ لِعَجَمِیٍّ عَلٰی عَرَبِیٍّ اِلَّا بِالتَّقْوٰی،النَّاسُ مِنْ آدَمَ وَآدَمُ مِنْ تُرَابٍ﴾۔

اور تقویٰ دو اصل پر مبنی ہے، صبر وشکر، اور غنی وفقیر دونوں میں سے ہر ایک کے لئے یہ (صبر وشکر) دونوں ضروری ہے لہٰذا جس کا صبر وشکر اتم ہوگا وہ افضل ہوگا۔

پھر اگر (سوالاً) کہا جائے کہ جب فقیر کا صبر اتم ہو اور غنی کا شکر بھی اتمّ ہو تو پھر ان میں سے کون افضل؟

تو (جواباً) کہا جائے گا جو اپنی صفت میں اور اپنے مقتضیٰ حال میں اللہ سے زیادہ ڈرنے والا ہوگا وہ افضل ہوگا، اور اس تقوی کے بغیر تو فضیلت دینا بالکل صحیح نہیں، اس لئے کہ غنی بھی کبھی کبھی اپنے شکر میں اللہ سے زیادہ ڈرنے والا ہوتا ہے فقیر کا اپنے صبر میں ڈرنے سے! اور کبھی کبھی فقیر اپنے صبر میں اللہ سے زیادہ ڈرنے والا ہوتا ہے غنی کا اپنے شکر میں ڈرنے سے! لہٰذا نہ یہ کہنا صحیح ہے کہ وہ اپنے غناء کی وجہ سے افضل ہے اور نہ وہ اپنے فقر کی وجہ سے افضل ہے! اور نہ یہ کہنا صحیح ہوگا کہ وہ شکر کی وجہ سے افضل ہے اور وہ صبر کی وجہ سے مفضول ہے اور نہ اس کے برعکس کہنا صحیح ہوگا اس لئے کہ یہ (صبر وشکر) دونوں ایمان کے لئے سواری ہے یہ دونوں ضروری ہے! بلکہ ضروری ہے کہ کہا جائے کہ ان (غنی وفقیر) میں سے جو بھی واجبات ومستحبات کو قائم کرنے والا ہوگا وہی افضل ہوگا اس لئے کہ افضلیت انہی دو امر کے تابع ہے جیسے کے اللہ تعالیٰ نے حدیث قدسی میں فرمایا ہے کہ ﴿مَا تُقَرِّبُ اِلَیَّ عَبْدِیْ بِمِثْلِ مُدَاوَمَةِ مَا افْتَرَضْتُ اِلَیْهِ وَلَا یَزَالُ عَبْدِیْ یَتَقَرَّبُ اِلَیَّ بِالنَّوَافِلِ حَتّٰی اُحِبَّهٗ﴾ لہٰذا ان دونوں میں سے جو بھی زیادہ واجب (عبادت) کو قائم کرنے والا ہوگا اور کثرت سے نوافل (عبادت) کو قائم کرنے والا ہوگا وہ افضل ہوگا۔

اور اگر (سوالاً) کہا جائے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ ﴿یَدْخُلُ فُقَرَاءُ اُمَّتِیْ الْجَنَّةَ قَبْلَ اَغْنِیَائِهِمْ بِنِصْفِ یَوْمٍ وَذَالِكَ خَمْسُ مِائَةِ عَامٍ﴾ کہ میری امت کے فقراء اغنیاء سے آدھے دن پہلے جنت میں داخل ہوں گے اور وہ آدھا دن پانچ سو سال کا ہوگا۔

تو (جواباً) کہا جائے گا یہ حدیث فقراء کی اغنیاء پر اعلیٰ مرتبہ ومقام کی دلیل نہیں ہے، اگر چہ وہ فقراء

دخولِ جنت میں ان اغنیاء سے پہلے ہوں گے، واقعی اغنیاء (مالدار) اور عادل ومنصف بادشاہ اپنے حساب کی وجہ سے بعد میں داخل ہوں گے لیکن جب وہ داخل ہوں گے تو ان کا درجہ اعلی ہوگا اور ان کا مقام بلند ہوگا جیسے کہ اس فقیر کا پہلے چلے جانا جو تنگی وپریشانی وغیرہ میں لاغر ونحیف ہوجاتا تھا اور دوسروں کے بوجھ کو اٹھانے والے (مالدار) کا بعد میں جانا۔

پھر اگر (سوالاً) کہا جائے کے جب فقراء نے آپ ﷺ سے شکایت کی کہ مالداران سے عمل میں زیادہ ہے کہ وہ غلاموں کو آزاد کرتے ہیں اور صدقہ کرتے ہیں وغیرہ اور ہم یہ (نیکی کے کام) نہیں کر سکتے تو آپ ﷺ نے ان سے کہا کہ کیا میں تم کو ایسی چیز نہ بتاؤں کہ جب تم اس کو کروگے تو تم اس درجہ کو حاصل کرلوگے جس میں وہ تم سے آگے ہیں پھر آپ ﷺ نے ان کو تسبیح وتحمید وتکبیر بتائی کہ وہ اس کو ہر نماز کے بعد پڑھے، پھر جب مالدار صحابہ کرام نے اس کو سنا تو وہ بھی عمل کرنے لگے، تو فقراء صحابہ نے اس کا ذکر آپ ﷺ سے کیا، تو آپ ﷺ نے فرمایا: ﴿ذَالِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيهِ مَنْ يَّشَاءُ﴾ اور یہ غنیٔ شاکر کی ترجیح پر دلیل ہے؟ تو جواب دیا جائے گا، کہ یہ تو ہمارے مدعیٰ کی قوی دلیل ہے، اور وہ یہ ہے کہ ان میں سے افضل وہ ہوگا جس کے نوافل کثیر ہوں گے پھر اگر ان کے نوافل برابر ہوں گے تو وہ دونوں بھی مستوی الحال ہوں گے، اور یہاں پر دونوں فقراء واغنیاء اپنے اپنے فرائض ونوافل اعمال میں برابر ہیں اور اغنیاء یہ عتق وصدقہ کے نوافل میں فقراء سے زیادہ ہیں، تو وہ ان (نوافل کی زیادتی) کی وجہ سے فقراء سے افضل ہوں گے! نیز یہ صحابہ (فقراء واغنیاء) جہاد پر اور اللہ کی راہ میں پہونچنے والی تکلیفوں پر صبر کرنے میں اور مقدرات پر صبر کرنے میں برابر ہے (لیکن) اغنیاء صحابہ شکر کے ساتھ مالی نوافل سے فقراء صحابہ سے بڑھے ہوئے ہیں، پھر اگر فقراء صحابہ اپنے صبر کے ساتھ ساتھ ایسے نوافل (عبادت) پڑھتے جو اغنیاء کی نوافل سے زیادہ ہوتی تو ان (فقراء) کو ان (نوافل) کی وجہ سے افضلیت حاصل ہوجاتی۔

پھر اگر (سوالاً) کہا جائے کہ آپ ﷺ کو دنیا کے خزانوں کی کنجیاں عطا کی گئی تھی تو آپ ﷺ نے اس کو واپس کردیا، اور آپ ﷺ نے فرمایا، بلکہ میں ایک دن شکم سیر ہوں اور ایک دن بھوکا رہوں! اور حضرت ہشام بن عروہ رضی اللہ عنہ روایت فرماتے ہیں کہ حضرت عائشہؓ فرماتی ہے کہ نبی کریم ﷺ اس دنیا سے تشریف لے گئے اور کبھی

آپ ﷺ نے گہوں کی روٹی شکم سیری سے نہیں کھائی اور آپ ﷺ وفات پا گئے اور آپ کی زرہ ایک یہودی کے پاس رہن رکھی ہوئی تھی چونکہ آپ ﷺ نے اپنے گھر والوں کے لئے غلہ لیا تھا۔

حضرت امام احمدؒ فرماتے ہیں، حضرت ابو ہرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ﴿اَللّٰهُمَّ اجْعَلْ رِزْقَ آلِ محمدٍ قُوْتاً﴾۔

حضرت امام احمدؒ فرماتے ہیں کہ حضرت عائشہؓ سے مروی ہے وہ فرماتی ہے کہ میرے پاس ایک انصاری عورت آئی تو اس نے دیکھا کہ نبی کریم ﷺ کا بستر مبارک محض ایک کپڑا ہے جو دوہرا کر دیا ہے تو وہ عورت اپنے گھر واپس گئی پھر اس نے میرے پاس ایک بستر بھیجا جس میں اون بھرا تھا، پھر جب آپ ﷺ میرے پاس آئے تو آپ ﷺ نے فرمایا یہ کیا ہے؟ تو میں نے کہا کے فلاں انصاری عورت آئی تھی تو اس نے آپ کے بستر کو دیکھا تھا تو اس نے میرے پاس اس بستر کو بھیجا ہے تو آپ ﷺ نے فرمایا، اس کو واپس بھیج دو، تو میں نے اس کو واپس نہیں کیا، اور مجھ کو یہ بات پسند آئی کے وہ میرے گھر میں ہو، یہاں تک کے آپ ﷺ نے مجھ کو تین مرتبہ کہا، اور کہا کہ اے عائشہؓ اس کو واپس بھیج دے، قسم بخدا اگر میں چاہتا تو اللہ میرے ساتھ سونے چاندی کے پہاڑ چلاتا، تو میں نے اس بستر کو واپس کر دیا! اور اللہ تعالیٰ ایسے نہیں ہے کہ اپنے رسول ﷺ کے لئے شیئِ افضل کے سواء کوئی اور چیز منتخب کرے! اور اس کے باوجود اگر نبی کریم ﷺ دنیا کو اختیار کر بھی لیتے تو اس کو اللہ کی مرضیات ہی میں صرف کرتے اور آپ ﷺ کا شکر تمام دنیا والوں کے شکر سے اعلیٰ ہوتا۔

تو (جواباً) کہا جائے گا آپ ﷺ کی حالت سے دونوں فریق میں سے ہر ایک استدلال کرتا ہے اور حق بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے دونوں (صبر وشکر) کو علیٰ وجہ الاتم آپ ﷺ میں جمع فرما دیا تھا، ایک طرف آپ ﷺ سید الاغنیاء الشاکرین تھے تو دوسری طرف آپ سید الفقراء الصابرین تھے لہٰذا آپ ﷺ کو فقر پر جتنا صبر حاصل تھا آپ کے سواء کسی اور کو حاصل نہیں، اور غنیٰ پر جتنا شکر حاصل تھا آپ کے سواء کسی اور کو اتنا شکر حاصل نہیں، لہٰذا جو شخص آپ ﷺ کی سیرت کا بغور مطالعہ کرے گا تو وہ اس معاملہ کو اسی طرح پائے گا، لہٰذا آپ ﷺ مقاماتِ صبر میں مخلوق سے زیادہ صابر تھے اور مقاماتِ شکر میں مخلوق سے زیادہ شاکر تھے اور اللہ جل جلالہ نے کمال کے تمام مراتب کو آپ ﷺ کے لئے مکمل کر دیئے تھے، لہٰذا اللہ جل جلالہ نے آپ ﷺ کو اغنیاءِ شاکرین کے اعلیٰ مراتب پر فائز

فرمایا ہے اور فقراءِ صابرین کے اعلیٰ مراتب پر فائز فرمایا ہے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿وَوَجَدَكَ عَائِلًا فَأَغْنٰى﴾ اور مفسرین کا اتفاق ہے کہ "عائل" سے مراد فقیر ہے، کہا جاتا ہے "عَالَ الرَّجُلُ، يَعِيْلُ" جب آدمی محتاج وفقیر ہو جائے، اور "اَعَالَ يُعِيْلُ" جبکہ آدمی اہل وعیال والا ہو جائے، جیسے کہ "لبن، أثمر اور أثری" جبکہ وہ دودھ والا، پھل والا، مال والا ہو جائے، اور "عَالَ يَعُوْلُ" جبکہ وہ ظلم کرے! اور اسی معنی میں ہے اللہ ﷻ کا قول ﴿ذٰلِكَ اَدْنٰى اَلَّا تَعُوْلُوْا﴾ بعض حضرات فرماتے ہیں کے "الّا تعولوا" یعنی "الّا تکثر عیالکم" کثیر لاولاد ہونا! اور پہلا قول وہی صحیح ہے چند وجہ سے۔

پہلی وجہ:۔ لغۃ "عال یعول" کا معنیٰ کثیر الاولاد ہونا یہ معروف نہیں اور اس معنیٰ میں معروف "عال یعیل" ہے اور "عال یعول" کا معنیٰ ظلم کرنا ہی ہے، اور یہ وہ معنیٰ ہے جس کو اہلِ لغت نے بالاتفاق ذکر کیا ہے۔

دوسری وجہ:۔ اللہ ﷻ نے اس "تعولوا" کو عدل کے مقابل ذکر فرمایا ہے، اللہ ﷻ نے شوہروں کو جب عدمِ عدل کا خوف ہو تو ایک (عورت) سے نکاح کا حکم دیا اور اس بات کا حکم دیا کہ وہ اپنی باندیوں میں سے جس کے ساتھ چاہے شب گزاری کرلے، اور یہاں عدمِ عیال کی تاویل منطبق نہیں ہوتی۔

تیسری وجہ:۔ اللہ ﷻ نے شوہروں کو یتیم بچوں سے نکاح میں عدمِ انصاف کا خوف ہونے کے وقت حکم دیا یتامیٰ کے علاوہ اور عورتوں سے نکاح کا تاکہ وہ لوگ یتیم زوجہ کے ساتھ ظلم کرنے والے نہ ہو جائے، اور شوہروں کو ایک سے زیادہ چار عورتوں تک نکاح کی اجازت دی پھر اللہ تعالیٰ نے اندیشۂ ظلم کے وقت اور باری میں اندیشۂ ناانصافی کے وقت صرف ایک عورت سے نکاح کا حکم دیا، یا ان عورتوں سے استمتاع کا حکم دیا جس کے ساتھ استمتاع میں شوہروں پر باری واجب نہیں ہے اور وہ باندیاں ہیں، لہٰذا یہ آیت یتیم بچیوں اور بالغ عورتوں کے ساتھ نکاح کے جواز پر مشتمل ہے اور اس بات پر مشتمل ہے کہ انصاف کے ارادہ کے وقت ان دو قسموں کی عورتوں کے ساتھ نکاح اولی ہے لہٰذا یہاں کثرت عیال کا کوئی مطلب ہی نہیں۔

چوتھی وجہ:۔ اگر کثرتِ عیال یہ ممنوع ہی ہوتا تو اللہ تعالیٰ شوہروں کو یہ حکم کیوں دیتے کہ جتنی باندیوں کو چاہو رکھ سکتے ہو اس میں کوئی عدد کی شرط نہیں، اس لئے کے اولاد جس طرح آزاد عورتوں سے ہوتی ہے اسی طرح باندیوں سے بھی ہوتی ہے اس میں کوئی فرق نہیں، نیز اللہ تعالیٰ نے باندیوں سے خدمت لینے کا حکم نہیں فرمایا، بلکہ ان سے استمتاع کا حکم فرمایا ہے۔

پانچویں وجہ:۔ کثرتِ عیال یہ کوئی حکمِ ممنوع نہیں ہے اور نہ اللہ کو یہ ناپسند ہے، اور (کیسے) ناپسند ہوسکتا ہے جبکہ اس امّت کا بہترین آدمی وہ ہے جو کثیر النساء ہو، اور نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ﴿تَزَوَّجُوا الْوَدُوْدَ الْوَلُوْدَ فَاِنِّیْ مُکَاثِرٌ بِکُمُ الْاُمَمْ﴾ تو آپ ﷺ نے ایسی عورت سے نکاح کا حکم دیا جو زیادہ بچہ جننے والی ہوتا کہ آپ ﷺ اس کے ذریعہ قیامت کے دن کثرتِ امّت پر فخر کرے۔

الغرض مقصود یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی ﷺ کو غنی شاکر قرار دیا ہے بعد اس کے کہ آپ ﷺ فقیرِ صابر تھے، لہٰذا کوئی جماعت آپ ﷺ کی اس حالت سے استدلال نہیں کرسکتی مگر دوسری جماعت بھی اسی سے استدلال کرسکتی ہے۔

پھر اگر (سوالاً) کہا جائے کہ حضرت عبد الرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ شاکرین میں سے تھے، امام احمدؒ نے اپنے مسند میں ذکر فرمایا ہے کہ ہم کو عمارہ نے حضرت ثابت سے روایت کیا ہے وہ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ ہم حضرت عائشہؓ کے گھر میں بیٹھے ہوئے تھے کے اچانک شہر مدینہ میں ایک شور وغل کو سنا تو حضرت عائشہؓ نے کہا کے یہ کیا ہے؟ تو صحابہؓ نے فرمایا، حضرت عبد الرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کا (تجارتی) قافلہ ہے جو شام سے آیا ہے جو ہر طرح کے سامان کو لادے ہوئے ہے! راوی فرماتے ہیں کہ وہ قافلہ سات سو اونٹ پر مشتمل تھا، مدینہ قافلہ کی آواز سے لرز گیا، تو حضرت عائشہؓ نے فرمایا کہ میں نے آپ ﷺ سے سنا ہے آپ ﷺ نے فرمایا کہ میں نے عبد الرحمٰن کو دیکھا کہ وہ جنت میں سرین کے بل گھسٹے ہوئے داخل ہو رہے ہیں، جب حضرت عبد الرحمٰن کو یہ بات پہونچی تو انہوں نے فرمایا: میں ضرور جنت میں کھڑے ہو کر داخل ہوسکتا ہوں لہٰذا آپنے قافلہ کے پورے ساز وسامان کو راہِ خدا میں تقسیم کردیا۔

تو (جواباً) کہا جائے گا کہ حضرت امام احمدؒ نے فرمایا کہ یہ حدیث جھوٹی ومنکر ہے، محدثین فرماتے ہیں کہ (روایت کی سند میں ایک شخص) عمارہ ہے جو منکر حدیث کو روایت کرتا ہے ابو حاتم الرازی کہتے ہیں کہ عمارہ ابن زاذان کی حدیث سے استدلال درست نہیں۔

ابو الفرج ابن جوزیؒ فرماتے ہیں کہ جراح بن منہال اپنی سند سے روایت فرماتے ہے کہ حضرت عبد الرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ اے عبد الرحمٰن تو مالداروں میں سے ہے تو

جنت میں سرین کے بل داخل ہوگا لہٰذا تو (نفلی صدقات کے ذریعہ) اللہ کو قرض دے تو اللہ تیرے قدم کو کھول دے گا، امام نسائی فرماتے ہیں کہ یہ حدیث موضوع ہے، اور (اس سند کا ایک راوی) جراح متروک الحدیث ہے، اور یحییٰ بن قطانؒ فرماتے ہیں کہ جراح کی حدیث کوئی چیز نہیں ہے اور ابن مدینی فرماتے ہیں کہ اس کی حدیثوں کو مت لکھو، اور ابن حبانؒ فرماتے ہیں کہ وہ کذّاب ہے اور دار قطنی نے اس کو متروک کہا ہے۔

پھر اگر سوالاً کہا جائے کے تم کیا کہو گے اس حدیث کے بارے میں جس کو بیہقی نے احمد بن علی سے روایت کی ہے، حضرت عبد الرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: اے ابن عوف تو مالداروں میں سے ہے اور تو جنت میں چوتڑ کے بل داخل ہوگا، تو اللہ کو قرض دے تاکہ وہ تیرے قدموں کو کھول دے! تو حضرت عبد الرحمٰن رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اے اللہ کے رسول وہ کیا چیز ہے جس کو میں قرض دوں؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا: ان مالوں سے خالی ہوجا، تو حضرت عبد الرحمٰن رضی اللہ عنہ نے فرمایا: یا رسول اللہ ﷺ کیا تمام مال سے خالی ہوجاؤں؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا: ہاں، پھر حضرت عبد الرحمٰن نکلے اس حال میں کہ وہ اس کی وجہ سے غمگین تھے، تو حضرت جبرئیل علیہ السلام آئے اور کہا آپ ابن عوف کو حکم دیجئے کہ وہ مہمان کی مہمانی کرے اور مساکین کو کھانا کھلائے اور اس سے شروع کرے جو اہل وعیال والا ہو اور سائل کو عطا کرے جب یہ کرلیں گے تو یہ ان اموال کا تزکیہ ہے جو ان کے پاس ہے۔

تو (جواباً) کہا جائے گا کہ محدثین فرماتے ہیں کہ یہ حدیث بھی باطل ہے آپ ﷺ سے صحیح سند سے منقول نہیں، اس لئے کہ اس حدیث کی رواۃ میں سے ایک خالد بن یزید بن مالک ہے، امام احمدؒ فرماتے ہیں کہ وہ کوئی چیز نہیں، اور ابن معینؒ فرماتے ہیں ''واہ'' (یعنی لغو ہے) اور امام نسائی فرماتے ہیں کہ وہ ثقہ نہیں ہے، اور دارِ قطنی فرماتے ہیں کہ وہ ضعیف ہے، یحییٰ بن معینؒ فرماتے ہیں کہ وہ راضی نہیں ہے کہ اپنے باپ کے بارے میں جھوٹ بولے اور وہ صحابہ کے بارے میں جھوٹ بولتا ہے۔

پھر اگر (سوالاً) کہا جائے کہ اس حدیث کے بارے میں تم کیا کہو گے، جس کو امام احمدؒ نے روایت فرمایا ہے، حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: میں جنت میں داخل ہوا، تو میں نے اپنے آگے چلنے کی آواز کو سنا، تو میں نے کہا، یہ کیا ہے؟ تو کہا، بلال کی آواز ہے، پھر میں چلتا رہا کہ اچانک جنت

میں فقراءِ مہاجرین اور مسلمان کی اولاد تھی، اور میں نے جنت میں مالداروں اور عورتوں سے کم کسی کو نہیں دیکھا! تو مجھ سے کہا گیا کہ مالدار حضرات دروازے پر ابھی حساب کتاب دے رہے ہیں، اور معاملہ صاف کر رہے ہیں، اور عورتیں تو دو سرخ چیزوں نے ان کو مشغول کر دیا، سونا، ریشم نے! پھر ہم جنت کے آٹھ دروازوں میں سے ایک دروازہ سے نکلے تو جب میں دروازہ پر تھا کہ ترازو کا پلڑا لایا گیا، مجھ کو اس میں رکھا گیا اور دوسرے پلڑے میں میری امّت کو رکھا گیا تو میرا پلڑا بھاری ہو گیا پھر حضرت ابوبکر کو لایا گیا اور ان کو ایک پلڑے میں رکھا گیا اور میری پوری امّت کو لایا گیا اور ان کو دوسرے پلڑے میں رکھا تو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا پلڑا بھاری ہو گیا، پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو لایا گیا اور ان کو ایک پلڑے میں رکھا گیا اور میری پوری امّت کو دوسرے پلڑے میں رکھا گیا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ غالب آ گئے اور میری امت میں سے ایک ایک آدمی کو پیش کیا گیا، اور لوگ گزرنے لگے اور عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ سست چال چل رہے تھے، پھر حضرت ابن عوف مایوسی و ناامیدی کے بعد آئے تو میں نے کہا اے عبدالرحمٰن (کیا ہوا؟) تو حضرت عبدالرحمٰن نے کہا اے اللہ کے رسول میرے ماں باپ آپ پر فدا ہوں، اس ذات کی قسم جس نے آپ کو حق کے ساتھ بھیجا، میں آپ تک نہیں پہونچ سکا حتی کہ میں نے یقین کر لیا کہ میں سر کی سفیدی کے بعد آپ تک پہونچوں گا! تو میں نے کہا، یہ کیوں؟ تو حضرت عبدالرحمٰن نے کہا اپنے کثیر مال کی وجہ سے میرا حساب چلتا رہا اور اب چھوڑا گیا ہوں۔

تو (جواباً) کہا جائے گا کہ یہ ایسی حدیث ہے کہ اس کی سند کی وجہ سے استدلال صحیح نہیں، اور ابوالفرج نے اس حدیث کو اور اس کے ماقبل کی حدیث کو اپنی کتاب "الموضوعات" میں ذکر فرمایا ہے، اور فرمایا کہ (اس کی سند کا ایک راوی) عبید بن زحر ہے، یحیٰی بن معین رحمہ اللہ فرماتے ہیں کے وہ کوئی چیز نہیں ہے، اور ایک دوسرا راوی علی بن یزید بھی متروک الحدیث ہے، اور ابن حبان رحمہ اللہ نے فرمایا: کے عبید اللہ وہ ثقات سے موضوع حدیث روایت کرتا ہے اور جب وہ (عبید اللہ) علی بن یزید سے روایت کرتا ہے تو وہ مصیبت کو پیش کرتا ہے اور جب کسی حدیث کی سند میں عبید اللہ بن زحر اور علی بن یزید اور قاسم بن عبدالرحمٰن جمع ہو جائے تو وہ حدیث نہیں ہوتی بلکہ ان کے ہاتھ کی بناوٹ ہوتی ہے۔

ابوالفرج رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہی باطل احادیث کا قلیل سرمایا جملہ زاہدین کا توشہ ہے وہ حضرات یہ سمجھتے ہیں کہ مال یہ جنت میں دخولِ اوّل سے مانع ہے اور وہ حضرات فرماتے ہیں کہ جب حضرت عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ اپنے

مال کی وجہ سے گھٹنوں کے بل جنت میں داخل ہوں گے تو مال کی مذمت کے لئے تو یہی کافی ہے حالانکہ وہ احادیث صحیح نہیں ہے، حاشاللہ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ جن کو جنت کی بشارت دی گئی ہو ان کو ان کا مال دخول اوّلین سے مانع ہو، اس لئے کہ مال کا جمع کرنا مباح ہے اور مال کا مذموم ہونا تو یہ ہے کہ اللہ کی رضا مندی کے خلاف حاصل کیا ہو اور اس مال سے حق واجب کو ادا نہ کیا ہو اور حضرت عبدالرحمٰن ان دونوں باتوں سے بری اور پاک ہے، اور تحقیق کہ حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ نے اپنی وفات کے بعد تین سو اونٹ کے بوجھ کے بقدر سونا چھوڑا، اور حضرت زبیر رضی اللہ عنہ وغیرہ نے بھی! تو اگر یہ حضرات جانتے ہوتے کے جمعِ مال مذموم ہے تو سب مال کو خرچ کر دیتے، اور کتنے ہی خطیب وواعظ ان جیسی احادیث سے تسلّی دیتے ہیں اور ان جیسی احادیث سے فقر پر ابھارتے ہیں، اور مالداری کی مذمت کرتے ہیں! بس اللہ کا کمال ہے ان علماء کے لئے جو صحیح (احادیث) کو جانتے ہیں اور اصول کو سمجھتے ہیں۔

میں (مصنف) کہتا ہوں کے اس حدیث کی تردید میں ابوالفرج جوزی نے بہت ہی مبالغہ کیا ہے، اور اس حدیث کو موضوع احادیث میں داخل کرنے کے لئے حد سے تجاوز کیا گیا ہے، اور گویا کہ حضرت عبدالرحمٰن کے احتباس (روک لینے) کو بہت بڑی چیز سمجھ لیا ہے حالانکہ وہ سابقین واوّلین صحابہ میں سے ہے جن کو جنت کی بشارت دیدی گئی ہے کہ جنت میں دخولِ اوّل نہ ہوگا، اور جنت میں گھٹنوں کے بل داخل ہوں گے اور ان چیزوں کو اس سبقت ومرتبہ کے مخالف سمجھتے ہیں جو اللہ نے ان کے لئے جنت میں تیار کر رکھا ہے، یہ ان کی جانب سے وہم ہے۔

اور یہ ہوا چلا دی ہے کہ ان دو احادیث میں طعن پایا جاتا ہے تو کیا پھر آپ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں کوئی قدح وطعن پاتے ہیں جس میں ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ فقراء مسلمین جنت میں مالداروں سے نصف دن قبل داخل ہوں گے، اور امام ترمذی نے فرمایا کہ یہ حدیثِ حسن صحیح ہے۔

اور اس حدیث میں کوئی طعن پاتے ہیں جو امام مسلم نے اپنی صحیح مسلم میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت فرمایا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: فقراء مہاجرین مالدار صحابہ سے قیامت کے دن چالیس سال قبل داخل ہوں گے۔

اور اس حدیث میں کوئی طعن پاتے ہیں جو مسند احمد میں ہے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کیا تم جانتے ہو جنت میں سب سے پہلے کون داخل ہوگا تو صحابہ نے فرمایا: "اللہ ورسولہ اعلم" تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: وہ

فقراء مہاجرین جوڑا کرتے تھے، ان میں سے ایک وفات پاتا تھا اور اس کی حاجتیں ان کے سینہ میں ہی رہ جاتی تھی کہ وہ اس کو پورا نہیں کر سکتے تھے۔

اور جامع ترمذی میں ہے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میری امّت کے فقراء جنت میں مالداروں سے چالیس سال پہلے داخل ہوں گے۔

یہ احادیث اور اس جیسی دیگر احادیث صحیح وصریح ہے اس بات میں کہ فقراء صحابہ یہ مالدار صحابہ سے پہلے جنت میں جائیں گے، ہاں، وہ سبقت و پہل میں متفاوت ومختلف ہوں گے، ان میں سے بعض وہ ہوں گے جو پانچ سوسال پہلے جائیں گے، اور بعض چالیس سال پہلے جائیں گے، اور اس سے بعد میں داخل ہونے والے صحابہ کے مقام ومرتبہ میں قدح و برائی نہیں ہے اس لئے کہ وہ ان لوگوں سے بھی اعلیٰ مراتب پر ہوں گے جو داخل ہونے میں سبقت لے گئے ہیں، اگر چہ حساب کی وجہ سے وہ (مالدار) بعد میں داخل ہوں گے، اس لئے کہ امام عادل حساب کی وجہ سے کھڑا ہوگا اور اس سے پہلے بہت سے وہ لوگ جنت میں داخل ہو جائیں گے جو مسلمانوں کے امور کے والی نہیں تھے، پھر جب امامِ عادل اس کے بعد داخل ہوگا تو اس کا مقام ومرتبہ فقراء کے مرتبہ سے اعلیٰ وارفع ہوگا بلکہ وہ دیگر لوگوں کی بنسبت اللہ سے زیادہ قریب ہوگا جیسے کہ صحیح مسلم میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا انصاف کرنے والے بادشاہ قیامت کے دن رحمٰن کے داہنی جانب نور کے منبروں پر ہوں گے، اور اللہ کے دونوں ہاتھ داہنے ہیں یعنی وہ لوگ جو لوگوں کے مقدموں میں اور ان کے اہلوں میں انصاف کرتے تھے اور اس میں تھوڑی سی بھی کمی نہیں کرتے تھے، اور ترمذی میں ہے حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے، کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: قیامت کے دن لوگوں میں سب سے زیادہ محبوب اللہ کو اور اس سے سب سے زیادہ قریب بیٹھنے والا امام عادل ہوگا، اور لوگوں میں سب سے زیادہ مبغوض اور سخت عذاب میں ظالم حاکم ہوگا۔

لہٰذا امام عادل اور مالدار ان میں سے ہر ایک حساب کی وجہ سے اگر چہ تاخیر سے جنت میں داخل ہوں گے (لیکن) دخول کے بعد پہلے جانے والے فقیر سے مقام ومرتبہ میں اعلیٰ ہوں گے، (لہٰذا) حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کا بھی چونکہ مال کثیر ہے تو ان کو روکے رکھنے سے حتی کہ ان کا حساب ہو جائے پھر وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

اور دیگر صحابہ سے جا ملے اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ ان کی حیثیت کم ہوگئی یا ان پر یہ کوئی عیب ہے (نہیں) اور نہ ان کے مرتبہ میں کوئی کمی کی جائے گی، اور یہ سب (ان کو روکے رکھنا، تاخیر سے دخولِ جنت) ان کے سابقین اوّلین ہونے کے خلاف نہیں، اور نہ ان کے مبشر بالجنت ہونے کے خلاف ہے۔

اور رہا گھٹنوں کے بل داخل ہونا تو معاملہ اس کے سلسلہ میں ایسا ہی ہے جیسا کہ امام احمدؒ نے فرمایا کہ وہ (حدیث، راوی) منکر جھوٹی ہے، اور ایسا ہی ہے جیسا کہ امام نسائی نے فرمایا کہ وہ حدیث موضوع ہے، اور حضرت عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ کے درجات، آپ کا جہاد، آپ کے بڑے بڑے انفاق وصدقات یہ اس بات کا تقاضہ کرتے ہیں کہ آپ بجلی کی طرح گزرنے والوں کے ساتھ داخل ہوں گے، پلک جھپکنے کی طرح یا تیز رفتار گھوڑے کی طرح داخل ہوں گے، اور اللہ ان کو اس حال پر نہیں چھوڑے گا کہ وہ گھٹنوں کے بل داخل ہو۔

﴿فصل﴾

اللہ تعالیٰ جس طرح مخلوق کا خالق ہے اسی طرح وہ ان چیزوں کا بھی خالق ہے جس سے غنی وفقیر ہوتے ہیں، اسی نے فقیر وغنی کو پیدا کیا ہے تا کہ وہ اپنے بندوں کو فقر وغنی سے آزمائے کہ کون اچھے اعمال کرتا ہے اور انہی دونوں (فقر وغنی) کو ہی اطاعت ومعصیت کا، اور سزا وثواب کا سبب بنایا، اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے فرمایا: ﴿وَنَبۡلُوكُم بِالشَّرِّ وَالۡخَيۡرِ فِتۡنَةً وَّاِلَيۡنَا تُرۡجَعُوۡنَ﴾ ترجمہ: ''اور ہم تم کو بُری بھلی حالتوں سے اچھی طرح آزماتے ہیں، اور پھر تم سب ہمارے پاس چلے آؤ گے''۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ (آیت کی تفسیر میں) فرماتے ہیں کہ سختی وآسانی سے، تندرستی ومرض سے، غنٰی وفقر سے اور حلال وحرام سے (آزمائیں گے) اور یہ سب کے سب بلاء وآزمائش ہے۔

ابن یزیدؒ فرماتے ہیں کہ ہم تم کو تمہاری محبوب ومبغوض چیزوں سے آزمائیں گے، تا کہ ہم دیکھیں کہ تمہاری محبوب چیزوں میں تمہارا شکر اور تمہاری مبغوض چیزوں میں تمہارا صبر کیسا ہوتا ہے۔

حضرت کلبیؒ فرماتے ہیں کہ (آیت میں) "بالشر" سے مراد فقر وبلاء ہے اور "بالخیر" سے مراد مال واولاد ہے۔

لہٰذا اللہ عزوجل نے یہ بتلا دیا کہ غنٰی وفقر یہ ابتلاء وامتحان کے دو پہیئے ہیں، اور اللہ عزوجل نے فرمایا: ﴿فَاَمَّا الۡاِنۡسَانُ اِذَامَا ابۡتَلٰهُ رَبُّهٗ فَاَكۡرَمَهٗ وَنَعَّمَهٗ فَيَقُوۡلُ رَبِّىۡۤ اَكۡرَمَنِ. وَاَمَّاۤ اِذَا مَا ابۡتَلٰهُ فَقَدَرَ عَلَيۡهِ رِزۡقَهٗ فَيَقُوۡلُ

رَبِّی اَهَانَنِ. کَلَّا... ﴾ تو اللہ تعالیٰ نے باخبر کیا ہے کہ وہ اپنے بندے کو اس کے اعجاز واکرام اور نعمتوں کو عطا کر کے اور اس کے لئے رزق کو وسیع کر کے آزماتا ہے اسی طرح وہ اپنے بندے کو رزق میں تنگی دیکر آزماتا ہے تو بلاشبہ یہ دونوں کے دونوں آزمائش وامتحان ہے، پھر اس کے بعد (آیات میں) ان لوگوں کے اس زعمِ باطل کی بھی تردید کی جو یہ سمجھتے ہیں کہ رزق کا وسیع اور زیادہ ہوجانا یہ اللہ کی جانب سے اس بندے کا اعجاز واکرام ہے اور رزق کا تنگ ہونا اس بندے کی اہانت ہے تو اللہ تعالیٰ نے کہا "کلا" ہرگز ایسا نہیں، (یعنی) معاملہ ایسا نہیں جیسا انسان کہتا ہے اور خیال کرتا ہے! بلکہ کبھی کبھی اللہ اپنی نعمتوں کے ذریعہ آزماتے ہیں اور کبھی کبھی بلاؤں کے ذریعہ انعام فرماتے ہیں، اور جب تو آیات کے الفاظ میں غور کرے گا تو اس معنی ومطلب کو پائے گا کہ وہ (مطلب) اس کے صفحات پر بالکل ظاہر ہوکر غور کرنے والے کے لئے چمک رہا ہے، اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا:
﴿وَهُوَ الَّذِی جَعَلَکُمْ خَلَائِفَ الْاَرْضِ وَرَفَعَ بَعْضَکُمْ فَوْقَ بَعْضٍ دَرَجَاتٍ لِیَبْلُوَکُمْ فِیمَا آتَاکُمْ﴾
ترجمہ: "اور وہ ایسا ہے جس نے تم کو زمین میں صاحبِ اختیار بنایا اور ایک کا دوسرے پر رتبہ بڑھایا تاکہ تم کو آزماوے ان چیزوں میں جو کہ تم کو دی ہیں" اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿اِنَّا جَعَلْنَا مَا عَلَی الْاَرْضِ زِینَةً لَّهَا لِنَبْلُوَهُمْ اَیُّهُمْ اَحْسَنُ عَمَلاً﴾ ترجمہ: "ہم نے زمین کی چیزوں کو اس کے لئے باعثِ رونق بنایا تاکہ ہم لوگوں کی آزمائش کریں کہ ان میں زیادہ اچھا عمل کون کرتا ہے" تو ان آیات میں اللہ عزوجل نے آگاہ کیا کہ روئے زمین پر یہ سب چیزیں مال وغیرہ جو زمین کی زینت ہے وہ آزمائش وامتحان کا سامان ہیں جیسے کہ اللہ عزوجل نے فرمایا کہ موت وحیات کو اسی وجہ سے پیدا کیا ہے اور زمین وآسمان کو بھی اسی ابتلا وآزمائش کے لئے پیدا کیا ہے۔

لہٰذا یہ قرآنِ مجید کے تین مقامات ہیں جس میں اللہ جل جلالہ نے یہ بیان کردیا کہ اللہ تعالیٰ نے اس عالمِ بالا کو اور عالمِ سافل کو اور اس کے مابین تمام چیزوں کو پیدا کیا ہے اور دنیا کی مدّت اور اہلِ دنیا کی عمریں اور ان کے معاش کے اسباب اور وہ چیزیں روئے زمین کی زینت ہے سونا، چاندی، عمارتیں، لباس، سواریاں، کھیتیاں، پھل، حیوان، عورتیں، بیٹے وغیرہ سب کا سب اللہ تعالیٰ نے ابتلاء وآزمائش کے لئے پیدا کیا ہے تاکہ اپنی مخلوق کو آزمائے کہ ان میں سے کون اس کی سب سے زیادہ اطاعت کرتا ہے اور کون اس کو راضی کرتا ہے (جو کرے گا) تو وہی اچھے اعمال کرنے والا ہوگا۔

اور یہی وہ حق بات ہے جس کے لئے تمام چیزوں کو پیدا کیا اوراس کی وجہ سے آسمان وزمین اوراس کے مابین کی تمام چیزیں ہیں اوراس کا مقصد ثواب وعقاب ہے اوراس مقصد وغرض کا فوت ہونا اور معطل ہونا وہ تو عبث کام ہے، جس سے اللہ کی ذات پاک ومنزہ ہے، اور اللہ تعالیٰ نے یہ بھی بتلا دیا کہ اس کی ذات تمام چیزوں سے اعلیٰ وبالا ہے اور وہی مالکِ حقیقی ہے اور معبودیت والوھیت میں یکتا ومنفرد ہے اور ہر چیز کی ربوبیت میں بھی یکتا ہے اور (یہ حقیقت) گمانِ باطل اور ظن کاذب کی نفی کرتا ہے جیسے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ﴿اَفَحَسِبْتُمْ اَنَّمَا خَلَقْنٰكُمْ عَبَثاً وَاَنَّكُمْ اِلَيْنَا لَاتُرْجَعُوْنَ. فَتَعَالَ اللّٰهُ الْمَلِكُ الْحَقُّ لَااِلٰهَ اِلَّا هُوَ رَبُّ الْعَرْشِ الْكَرِيْمِ﴾ ترجمہ: ’’ہاں تو کیا تم نے یہ خیال کیا تھا کہ ہم نے تم کو یوں ہی مہمل پیدا کردیا ہے اور یہ کہ تم ہمارے پاس نہیں لائے جاؤ گے، سو اللہ تعالیٰ بہت ہی عالیشان ہے جو کہ بادشاہِ حقیقی ہے اس کے سوا کوئی لائقِ عبادت نہیں عرشِ عظیم کا مالک ہے‘‘ لہٰذا اللہ تعالیٰ نے ایسے عبث کاموں سے اپنے آپ کو منزہ کردیا ہے جیسے کہ اس نے اپنے آپ کو شریک، اولاد، بیوی اور دیگر تمام عیوب ونقائص سے برأت کو بیان کردیا ہے جیسے کہ نیند، اونگھ، تھکان، محتاجگی، آسمان وزمین کی حفاظت سے لاپرواہی، اس کی اجازت کے بغیر اس کے سامنے شفعاء کا شفارش کرنے وغیرہ سے (اللہ نے اپنی پاکی بیان کردی ہے) جیسا کہ اللہ کے دشمن مشرکین گمان کرتے تھے کہ اللہ کے علم سے عالم کے کچھ جزیات اور عالم کی کچھ چیزیں خارج ہے، بس اسی طرح اللہ کے تقدس کا کمال اوراس کے اسماء وصفات کا کمال اس (عقیدہ وخیال) سے مانع ہے پھر اسی طرح اس (عقیدہ وخیال) کو باطل کردیتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو عبث پیدا کیا ہے کہ ان کو اسی طرح مہمل چھوڑ دے کہ نہ ان کو اوامر کا حکم دے اور نہ نواہی سے روکے اور نہ وہ (بندے) اللہ کی طرف لوٹ کر جائیں گے! پس وہ محسنین کو ان کے احسان کا صلہ دے گا اور ان کے برے لوگوں کو ان کی برائی کی سزا دے گا اور ان میں سے باطل پرست جان لیں گے کہ وہی جھوٹے ہیں، اور وہ اس بات کا مشاہدہ کرلیں گے کہ اللہ کے سب رسول اور ان کے متبعین وہی زیادہ حقدار تھے کہ ان کی تصدیق کی جائے اور ان کو حق سمجھا جائے، بس جس نے (قیامت کا) انکار کیا تحقیق کہ اس نے اللہ کی الوہیت وربوبیت اور اس کے مالکِ حقیقی ہونے کا انکار کیا اور یہی عینِ کفر وانکار ہے، جیسا کہ ایک مؤمن نے اپنے اس ساتھی سے کہا تھا جس کے ساتھ وہ بعثت وآخرت کے بارے میں گفتگو کر رہا تھا اور وہ دوست اس کا انکار کرتا تھا

﴿اَكَفَرْتَ بِالَّذِيْ خَلَقَكَ مِنْ تُرَابٍ ثُمَّ مِنْ نُّطْفَةٍ ثُمَّ سَوّٰكَ رَجُلاً﴾ ترجمہ: ''کیا تو اس ذات کے ساتھ کفر کرتا ہے جس نے تجھ کو مٹی سے پیدا کیا پھر نطفہ سے پھر تجھ کو صحیح سالم آدمی بنایا'' تو اللہ تعالیٰ نے خبر دی کہ اس دوست کا بعث بعد الموت کا انکار کرنا یہ اللہ رب العالمین کی ذات کا انکار کرنا ہے اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا'' ﴿وَاِنْ تَعْجَبْ فَعَجَبٌ قَوْلُهُمْ ءَاِذَا كُنَّا تُرَاباً ءَاِنَّا لَفِيْ خَلْقٍ جَدِيْدٍ . اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِرَبِّهِمْ﴾ ترجمہ: ''اور اگر آپ کو تعجب ہو تو ان کا یہ قول تعجب کے لائق ہے کہ جب ہم خاک ہوں گے کیا ہم پھر از سرنو پیدا ہوں گے، یہ وہ لوگ ہیں کہ انہوں نے اپنے رب کے ساتھ کفر کیا'' اور یہ اس لئے کہ معاد اور بعث بعد الموت کا انکار کرنا یہ اس بات کو متضمن ہے کہ وہ اللہ کی قدرت وعلم اور اس کی حکمت و مالکِ حقیقی اور اس کے رب و معبود ہونے کا منکر ہے جیسا کہ اللہ کے رسولوں کی تکذیب کرنا اور ان کی رسالت کا انکار کرنا بھی ان باتوں کو متضمن ہے لہٰذا جس شخص نے اللہ کے رسولوں کی تکذیب کی اور معاد و قیامت کا انکار کیا تو تحقیق کہ اس نے اللہ کی ربوبیت کا انکار کیا اور اس بات کی نفی کی کہ اللہ تعالیٰ رب العالمین ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ اللہ جل جلالہ نے غنٰی و فقر کو پیدا کیا ہے اور یہ دونوں ابتلاء امتحان کے پہیے ہیں، اللہ تعالیٰ نے مال کو محض انتفاع و استفادہ کے لئے نازل نہیں کیا ہے جیسے کہ مسند میں ہے نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ہم نے مال کو اس لئے نازل کیا تاکہ نماز قائم کرے اور زکوٰۃ ادا کرے، اور اگر فرزندِ آدم کو ایک وادی مال کی عطا کردی جائے تو وہ دوسری وادی کو تلاش کرے گا اور اگر اس کو دوسری بھی عطا کر دی جائے تو وہ تیسری کو تلاش کرے گا اور انسان کا پیٹ تو قبر کی مٹی ہی بھرے گی، تو اللہ نے فرمایا کہ ہم نے مال کو اس لئے نازل کیا ہے تاکہ اس کے ذریعہ اللہ کا حقِ نماز قائم کرنے میں اور بندوں کا حقِ زکوٰۃ ادا کرنے میں مدد حاصل کرے نہ اس لئے کہ اس سے صرف استمتاع و انتفاع ہو جیسے کہ جانور کھاتے ہیں، پھر جب مال اس سے زیادہ ہو اور مال ان دونوں (صلوٰۃ و زکوٰۃ) مقصدوں سے بڑھ جائے تو پھر وہ غرض و حکمت جس کے لئے نزولِ مال ہوا ہے اب اس کے لئے مٹی اولیٰ ہے، لہٰذا وہ بندہ وفات پا جاتا ہے اور اس کا جوف (دل) اس ایمان و علم سے بھرپور ہوتا ہے جس کے لئے اس کو پیدا کیا گیا ہے، اس لئے کہ اس (بندے) کو پیدا کیا گیا تھا تاکہ وہ اپنے رب و خالق کی معرفت اور ایمان اور اس کی محبت و ذکر سے بھرپور ہو، اور اس پر مال اسی لئے نازل کیا تھا تاکہ

اس کے ذریعہ ان مذکورہ چیزوں پر تعاون حاصل کرے، اور جو شخص اللہ سے اور اس کے اوامر، توحید، اور اس کے اسماء وصفات سے جاہل ہوتا ہے اور وہ ان چیزوں سے خالی ہوتا ہے جس کے لئے وہ پیدا کیا گیا ہے اور وہ مالِ فانی کی محبت سے بھرپور ہوتا ہے جو مال خود صاحبِ مال سے بھی چلے جانے والا ہے اور صاحبِ مال بھی خود مال کو چھوڑ کر چلے جانے والا ہے اور وہ مال کو جمع کرتا ہے اور کثرت سے جمع کرتا ہے پھر بھی اس کا دل نہیں بھرتا بلکہ اس کا فقر وحرص بڑھتا ہی رہتا ہے حتی کہ اس کا پیٹ وہ مٹی ہی بھرتی ہے جس سے وہ پیدا ہوا ہے بس وہ اسی مادۂ ترابی میں لوٹ جاتا ہے جس سے وہ اور اس کا مال پیدا ہوا تھا، اور اس کا (دل) پیٹ اس علم وایمان سے بھر کر اس کا مادۂ ترابی تکمیل تک نہیں پہونچتا جس (علم وایمان) سے اس (بندے) کے معاش میں کمال اور عقیدۂ معاد میں فلاح وسعادت حاصل ہوتی ہے۔

الغرض مال اگر صاحبِ مال کے لئے نافع نہیں ہوگا تو اس کو بالضرور نقصان دہ ہوگا، اسی طرح علم، حکومت، قدرت یہ سب اگر وہ عالم، حاکم، قادر کے لئے نافع نہیں ہوگا تو وہ ان کو نقصان دہ ہوگا، یہ سب (علم و مال وغیرہ) مقاصد کے لئے اسباب ووسائل ہیں، کہ انہی کے ذریعہ خیر وشر کے مقصد تک پہونچا جاسکتا ہے لہٰذا اگر ان چیزوں کو اچھے مقاصد واغراض تک پہونچنے میں استعمال نہیں کریں گے تو یہ چیزیں ان کے اضداد ومخالف چیزوں میں استعمال ہوگی، لہٰذا وہ سب سے زیادہ کامیاب ہے جس نے ان وسائل کو اللہ اور دارِ آخرت کے لئے استعمال کئے اور یہی چیز ان کو ان کے معاش (رزق) و (عقیدہ) معاد میں نافع ہوگی اور وہ سب سے زیادہ خسارہ میں ہے جس نے ان (علم ومال) کو خواہشات وشہوات کے حصول کے اور دنیوی اغراض کے حصول کے ذرائع بنائے بس وہ دنیا میں بھی خسارہ اٹھانے والے ہیں اور آخرت میں بھی! اور یہ اس وقت ہے جبکہ ان وسائل کو مقاصد نہ بنائے اور اگر ایسا ہی کیا تو وہ خسارہ میں ہے، لیکن اگر اس نے مقاصد کو ان اضداد کے وسائل بنائے جس کے لئے وہ (وسائل) بنائے گئے ہیں تو تو یہ اس شخص کا مقام ہے جو اسبابِ لذت کو بڑی بڑی تکالف وامراض کے وسائل بناتے ہیں۔

بس یہ چار اقسام ہوئے جس کی پانچویں قسم نہیں، (اوّل) اسباب (مال وعلم وحکومت وغیرہ) کو بالکلیہ معطل کردے اور ان سے اعراض کرے، (ثانی) ان اسباب میں بالکلیہ منہمک ہوجائے اور ان کو جمع کرنے اور

ان کو حاصل کرنے میں کمر بستہ ہو جائے ، (ثالث) ان اسباب کو نقصان دہ چیزوں میں استعمال کرے اور اپنے معاش و معاد میں فائدہ حاصل نہ کرے، تو یہ تینوں قسم کے لوگ خسارہ و نقصان میں ہے، (رابع) ان اسباب سے ان چیزوں کو حاصل کرے جو اس کے معاش و معاد میں نافع ہو تو وہ فائدہ میں ہے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿مَنْ كَانَ يُرِيْدُ الْحَيَاةَ الدُّنْيَا وَزِيْنَتَهَا نُوَفِّ اِلَيْهِمْ اَعْمَالَهُمْ فِيْهَا وَهُمْ فِيْهَا لَا يُبْخَسُوْنَ. اُولٰئِكَ الَّذِيْنَ لَيْسَ لَهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ اِلَّا النَّارُ وَحَبِطَ مَا صَنَعُوْا فِيْهَا وَبَاطِلٌ مَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ﴾ ترجمہ: ’’جو شخص محض حیاتِ دنیوی اور اس کی رونق چاہتا ہے تو ہم ان لوگوں کے اعمال ان کو دنیا ہی میں پورے طور سے بھگتا دیتے ہیں اور ان کے لئے دنیا میں کچھ کمی نہیں ہوتی ، یہ ایسے لوگ ہیں کہ ان کے لئے آخرت میں بجز دوزخ کے اور کچھ نہیں ، اور انہوں نے جو کچھ کیا تھا وہ آخرت میں سب ناکارہ ہوگا اور جو کچھ کر رہے ہیں وہ بے اثر ہے‘‘۔

اور تحقیق کہ اس آیت کے فہم میں بہت سے لوگوں کو اشکال ہو گیا ، بایں طور کہ انہوں نے اس آیت سے یہ سمجھا کہ جو شخص حیاتِ دنیوی اور اس کی رونق کی خواہش رکھتا ہو اس کے لئے یہ وعید ہے ، پھر اس کے معنی و مطلب میں علماء نے اختلاف کیا ہے ، ایک جماعت کہتی ہے جس میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ ہے کہ جو شخص اپنے اعمالِ خیر سے حیاتِ دنیوی ہی میں (فائدہ) چاہتا ہو اور قیامت کے دن پر اور ثواب و عقاب پر ایمان نہ رکھتا ہو (اسکے بارے میں یہ وعید ہے) لہٰذا مفسرین فرماتے ہیں کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کے قول کے مطابق آیت کفار ہی کے ساتھ خاص ہوگی۔

اور حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جو شخص (اپنے کارِ خیر سے) دنیا ہی اس کا حزن و غم بنی ہو اور دنیا ہی اس کی اصل و طلب ہو تو اللہ تعالیٰ دنیا ہی میں اس کو اس کی نیکیوں کا صلہ و بدلہ عطا کر دیتے ہیں ، پھر وہ آخرت میں پہونچے گا تو اس کے پاس کوئی نیکی نہیں ہوگی ، جس پر اس کو بدلہ دیا جائے ، اور مؤمن تو دنیا میں بھی اس کی نیکیوں کا بدلہ اس کو عطا کیا جاتا ہے اور آخرت میں بھی اس پر ثواب عطا کیا جائے گا۔

مفسرین فرماتے ہیں کہ آیت کفار ہی کے بارے میں ہے اس کی دلیل اللہ ہی کا قول ’’﴿اُولٰئِكَ الَّذِيْنَ لَيْسَ لَهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ اِلَّا النَّارُ وَحَبِطَ مَا صَنَعُوْا فِيْهَا وَبَاطِلٌ مَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ﴾ ہے، ترجمہ: ’’یہ ایسے لوگ ہیں کہ ان کے لئے آخرت میں بجز دوزخ کے اور کچھ نہیں ، اور انہوں نے جو کچھ کیا تھا وہ آخرت میں

سب ناکارہ ہوگا اور جو کچھ کر رہے ہیں وہ بے اثر ہے" اور مفسرین فرماتے ہیں کہ مؤمن تو وہ ہے جو دنیا وآخرت دونوں (میں ثواب) کو چاہتا ہے، اور وہ شخص جس کی چاہت محض دنیا ہی تک محدود ہو تو وہ مؤمن نہیں ہے۔

اور ابو صالح حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت فرماتے ہیں کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا یہ آیت اہل قبلہ کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔

اور حضرت مجاہد فرماتے ہیں کہ اس آیت کے مصداق صاحبِ ریا ونمود ہیں۔

اور ضحاک فرماتے ہیں کہ جو مؤمن بندہ عملِ صالح بغیر تقوی کے کرے تو اس کے عمل کا ثواب اس کو دنیا ہی میں عطا کر دیا جاتا ہے۔

اور امام فرآء نے اسی قول کو اختیار کیا ہے، اور فرمایا کہ اہل قبلہ میں سے جو شخص اپنے عمل سے دنیا کا صلہ چاہتا ہو تو اس کو تعجیلاً پورا پورا صلہ عطا کر دیا جاتا ہے۔

اور یہی قول راجح ہے، اور اسی قول کے مطابق آیت کا معنی ہوگا، جو شخص اپنے عمل سے حیاتِ دنیوی اور اس کی رونق چاہتا ہے تو وہ مؤمن نہیں ہوگا، اس لئے کہ فاسق وفاجر اگر چہ وہ اپنے گناہوں اور فسق وفجور میں حد سے بڑھ جائے پھر بھی ان کا ایمان ان کو اس بات پر آمدہ کر دے گا کہ وہ اللہ کے لئے نیک اعمال پر گامزن ہو جائے بس وہ اپنے نیک اعمال سے اللہ کی رضامندی ہی کو چاہیں گے، اگر چہ وہ اس کی نافرمانی کرتے ہو، بہر حال وہ شخص جو اپنے اعمال سے اللہ کی رضامندی نہیں چاہتے اور اس سے محض دنیا طلبی مقصود ہے تو یہ اس وقت دائرۂ ایمان میں داخل نہیں ہوں گے۔

اور یہی وہ معنی ومطلب ہے جو معاویہ نے اس آیت سے سمجھا ہے اور اس معنی پر حدیث ابی ہریرہ رضی اللہ عنہ دلیل ہے، جس کو امام مسلم نے اپنی صحیح مسلم میں روایت فرمایا ہے، کہ تین شخص جن کو سب سے پہلے قیامت کے دن جہنم کی آگ میں جھونک دیا جائے گا، وہ قاری ہے جو اس لئے قرآن کو پڑھتا ہو، تا کہ اس کو قاری کہا جائے، اور وہ صدقہ وخیرات کرنے والا جو اپنے مال کو اسلئے خرچ کرتا تھا تا کہ اس کو سخی کہا جائے، اور وہ مجاہد جس نے اللہ کی راہ میں اس لئے قتال وجہاد کیا تا کہ اس کو بہادر کہا جائے۔

اللہ کی مخلوق میں منتخب وبرگزیدہ وہی حضرات ہیں جو انبیاء وصالحین، صدیقین، شہداء ہیں اور مخلوق

میں سے بدترین وہ لوگ ہیں جو ان حضرات کی مشابہت اختیار کرتے ہیں حالانکہ وہ ان میں سے نہیں ہے لہٰذا جو لوگ صادقین و مخلصین کی مشابہت اختیار کرتے ہیں حالانکہ وہ ریا کار ہوتے ہیں جیسے کہ وہ شخص جو انبیاء کی مشابہت اختیار کرتا ہے حالانکہ وہ کذاب وجھوٹا ہوتا ہے۔

ابن ابی الدنیاؒ فرماتے ہیں، حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جب قیامت قائم ہوگی، تو میری امّت تین جماعت میں متفرق ہوگی، ایک وہ جماعت جو دنیا کے لئے اللہ کی عبادت کرتے تھے، اور دوسری وہ جماعت جو ریاء ونمود کے لئے اللہ کی عبادت کرتے تھے اور تیسری وہ جماعت جو صرف اللہ اور آخرت کے لئے اللہ کی عبادت کرتے تھے، لہٰذا اللہ تعالیٰ ان لوگوں سے فرمائے گا جو دنیا کے لئے اللہ کی عبادت کرتے تھے کہ میری عزت وجلال کی قسم، تم میری عبادت سے کیا چاہتے تھے تو وہ لوگ کہیں گے یا اللہ تیری عزت وجلال اور مقام کی قسم دنیا چاہتے تھے! تو اللہ کہے گا میں نے تمہارا کوئی عمل قبول نہیں کیا (اے فرشتوں) ان کو جہنم میں لے جاؤ، اور اللہ تعالیٰ ان لوگوں سے کہے گا جو ریاء ونمود کے لئے اللہ کی عبادت کیا کرتے تھے! میری عزت وجلال اور مقام کی قسم تم میری عبادت سے کیا چاہتے تھے؟ تو وہ کہیں گے اے اللہ تیری عزت وجلال اور مقام کی قسم ریاء وشہرت! تو اللہ کہیں گے میں نے تمہارا کوئی عمل قبول نہیں کیا، (اے فرشتوں) ان کو جہنم میں لیجاؤ! پھر اللہ تعالیٰ ان لوگوں سے کہے گا جو صرف اللہ اور دارِ آخرت کے لئے اللہ کی عبادت کیا کرتے تھے میری عزت وجلال ومقام کی قسم تم میری عبادت سے کیا چاہتے تھے؟ تو وہ کہیں گے اے اللہ تیری عزت وجلال ومقام کی قسم صرف تیری رضامندی اور دارِ آخرت! تو اللہ کہیں گے، تم نے سچ کہا، اے فرشتوں ان کو جنت میں لیجاؤ۔

یہ حدیث سند سے مستغنی ہے اور قرآن اور دیگر احادیث اس حدیث کے صدق پر دلیل ہے اور اس حدیث کے صدق پر اللہ کی آیت بھی دلیل ہے ﴿نُوَفِّ اِلَیۡھِمۡ اَعۡمَالَھُمۡ فِیۡھَا﴾ اور یہ دلیل ہے اس بات پر کہ یہ آیت ان لوگوں کے بارے میں ہے جن کے اعمال اللہ کی رضامندی کے لئے نہیں ہے، اور وہ لوگ اپنے اعمال سے محض دنیا چاہتے ہیں اور اسی کے لئے اعمال کرتے ہیں تو اللہ تعالیٰ ان کے ان اعمال کا پورا پورا بدلہ بغیر کسی کمی کے دنیا ہی میں عطا کردے گا، اور وہ لوگ آخرت میں بغیر کسی عمل کے پہونچے گے، اور اس کی وجہ سے عذاب کے مستحق ہوں گے، اور یہ وہ چیزیں ہیں جو ایسے شخص سے واقع نہیں ہوسکتی جو آخرت پر ایمان رکھتا ہو علاوہ اس کے

کہ اس مؤمن سے گناہِ کبیرہ کسی عارض وغیرہ کی وجہ سے واقع ہو جائے جس سے وہ توبہ کرلے گا اور تجدیدِ ایمان بھی کرلے گا۔

ابن انباریؒ فرماتے ہیں کہ اس قول کے مطابق مطلب یہ ہوا کہ یہ آیت مسلمان حضرات کے بارے میں ہے جو نیک عمل کرتے ہیں تاکہ اس کے ذریعہ ان کی دنیا سنور جائے قطعِ نظر آخرت سے! تو ان کا بدلہ بھی جہنم ہوگا جبکہ وہ نیک اعمال سے اللہ کی رضامندی نہیں چاہتے اور نہ آخرت میں حصولِ ثواب کے متمنّی ہے۔

پھر اس قول کے قائلین اپنے اوپر ایک سوال قائم کرتے ہیں، کہ اگر سوال کیا جائے کہ اس قول کے مطابق آیتِ مذکورہ اس مؤمن کے لئے بھی جو اپنے نیک عمل سے دنیا طلبی کو مقصود بناتا ہو ہمیشہ کے لئے دخولِ جہنم کو ثابت کرتی ہے؟ اور وہ حضرات (جواباً) کہتے ہیں، ظاہری آیت اسی بات پر دال ہے کہ جو شخص اپنے عمل میں ریاکار ہو، اور ان اعمال سے ثوابِ آخرت مقصود نہ ہو بلکہ اس کا مطلوب دنیا ہو تو اللہ تعالیٰ موت کے وقت اس کے ایمان کو باطل کر دیتے ہیں، اور اللہ اس کو ایمان کے ساتھ موت نہیں دیتے، اور وہ فرماتے ہیں کہ اس مطلب پر اللہ کا قول ﴿وَحَبِطَ مَاصَنَعُوا فِيهَا وَبَاطِلٌ مَّا كَانُوا يَعْمَلُونَ﴾ دلیل ہے اور یہ آیت ایمان کے اصول وفروع کو شامل ہے۔

دوسری جماعت یہ جواب دیتی ہے کہ آیت جہنم میں ہمیشہ کے دخول کا تقاضیٰ نہیں کرتی اور آیت صرف اس بات کا تقاضیٰ کرتی ہے کہ وہ حضرات آخرت میں جہنم کے مستحق ہوں گے، اور ان کے پاس کوئی بھی نیک عمل نہ ہوگا کہ نجات کی امید ہو پھر ان کے ساتھ توحید کا ستون ہو، تو وہ (صاحبِ توحید) جہنم سے نکل جائے گا، جیسے کہ وہ شخص نکل جائے گا جو مؤمن گناہِ کبیرہ کا مرتکب ہو، اور یہی ابن انباری وغیرہ کا جواب ہے۔

اور آیت میں ''الحمدللہ'' کوئی اشکال نہیں ہے، اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں ان لوگوں کی سزا کا ذکر فرمایا ہے، جو اپنے اعمال (خیر) سے دنیوی زندگی اور اس کی رونق کو طلب کرتے ہیں، اور وہ (سزا) جہنم ہے، اور اللہ نے ان کے عمل کے ناکارہ اور بے اثر ہونے کی خبر دی، لہٰذا جب وہ اعمال بے کار اور بے اثر ہو گئے جس سے نجات مل سکتی تھی تو اب اس کے پاس کوئی عملِ ناجی باقی نہیں رہا، پھر اگر اس کے پاس ایمان ہے جس (ایمان) سے دنیا اور دنیا کی زینت مقصود نہیں ہے بلکہ وہ محض اللہ کی رضامندی اور دارِ آخرت مقصود ہے تو یہ

ایمان ان اعمال میں داخل نہیں ہوگا، جو بے کار و بے اثر ہونگے بلکہ اس کا ایمان اس کو ہمیشہ جہنم میں رہنے سے نجات دیدے گا، اگر چہ وہ ان اعمال کے ناکارہ ہونے کی وجہ سے جہنم میں (سزا کے لئے) داخل ہوگا جو اعمال اس کو نجاتِ مطلق دے سکتے تھے۔

اور ایمان دو قسم پر ہے، ایک وہ ایمان جو دخولِ جہنم سے مانع ہوگا اور وہ وہ ایمان ہے جو اس بات کا سبب ہو کہ اللہ کے لئے ہی اعمال ہو جس سے صرف اللہ کی رضا مندی اور آخرت کا ثواب مقصود ہو، اور دوسرا وہ ایمان ہے جو جہنم میں ہمیشہ رہنے سے مانع ہوگا، اگر چہ اس سے کچھ اعمال ریاء و نمود کے طور پر سرزد ہوئے ہو! ورنہ (اگر ان دونوں میں سے کوئی بھی ایمان نہیں) تو وہ ہمیشہ کے لئے جہنم میں ہوگا۔

بس آیت تو اس کے کچھ احکام ہے اور اس آیت کے نظائر دیگر آیاتِ وعید ہے، (واللہ الموفق) اور یہ اللہ کا قول ﴿مَنْ كَانَ يُرِيدُ حَرْثَ الْآخِرَةِ نَزِدْلَهُ فِي حَرْثِهِ وَمَنْ كَانَ يُرِيدُ حَرْثَ الدُّنْيَا نُؤْتِهِ مِنْهَا وَمَالَهُ فِي الْآخِرَةِ مِنْ نَّصِيبٍ﴾ ترجمہ: ''جو شخص آخرت کی کھیتی کا طالب ہو ہم اس کو اس کی کھیتی میں ترقی دیں گے، اور جو دنیا کی کھیتی کا طالب ہو تو ہم اس کو کچھ دنیا دیدیں گے، اور آخرت میں اس کا کچھ حصہ نہیں'' اور اسی بارے میں اللہ کا قول ہے ﴿مَنْ كَانَ يُرِيدُ الْعَاجِلَةَ عَجَّلْنَا لَهُ فِيهَا مَا نَشَاءُ لِمَنْ نُّرِيدُ ثُمَّ جَعَلْنَا لَهُ جَهَنَّمَ يَصْلَاهَا مَذْمُوماً مَّدْحُوراً. وَمَنْ اَرَادَ الْآخِرَةَ وَسَعٰى لَهَا سَعْيَهَا وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَاُولٰئِكَ كَانَ سَعْيُهُمْ مَّشْكُوراً﴾ ترجمہ: ''جو شخص دنیا کی نیت رکھے گا ہم ایسے شخص کو دنیا میں جتنا چاہیں گے جس کے واسطے چاہیں گے فی الحال ہی دیدیں گے پھر ہم اس کے لئے جہنم تجویز کریں گے وہ اس میں بدحال راندہ ہو کر داخل ہوگا، اور جو شخص آخرت کی نیت رکھے گا اور اس کے لئے جیسی سعی کرنا چاہئے ویسی ہی سعی بھی کرے گا بشرطیکہ وہ شخص مومن بھی ہو سو ایسے لوگوں کی یہ سعی مقبول ہوگی''۔

بس یہ قرآن کے تین مقامات ہے جو بعض بعض سے (معنی و مطلب میں) مشابہ ہے اور بعض بعض کی تصدیق کرتے ہیں، اور سب ایک ہی معنی کو جامع ہے اور وہ یہ کہ جو شخص کہ اس کا مطلوب و مقصود دنیا ہو وہ اس دنیا کے لئے انتہائی درجہ کی محنت و سعی کرتا ہو تو آخرت میں اس کا کوئی حصہ نہیں ہوگا، اور جو شخص کہ اس کا مطلوب و مقصود آخرت ہو اور اس کے لئے وہ اعمال کرے اور وہی آخرت اس کی محنت و سعی کا مقصود ہو تو آخرت اسی کے لئے ہے۔

باقی رہی یہ بات کہ اس شخص کا کیا حکم ہے جو دنیا و آخرت دونوں کو چاہتا ہو تو وہ ان دو ارادوں میں سے کس ارادہ کے حکم کے تحت داخل ہوگا، اور اس میں سے کس کے ساتھ اس کو لاحق کیا جائے گا؟

تو (جواباً) کہا جائے گا کہ یہاں پر اشکال پیدا ہوتا ہے، اور ان لوگوں کا خیال وہ ہے جو بعض مفسرین کا خیال ہے کہ یہ آیت کافر کے حق میں ہے اس لئے کہ وہ وہ شخص ہے جس کا مطلوب صرف دنیا ہے نہ کہ آخرت! حالانکہ یہ لازم نہیں نہ طرداً نہ عکساً، اس لئے کہ بعض کفار ہیں جو آخرت کو چاہتے ہیں اور بعض مسلمان وہ ہے جن کا مقصود صرف دنیا ہے اور اللہ تعالیٰ نے سعادت آخرت کو مقصود بنانے پر معلق رکھی ہے اور دنیا کو مقصود بنانے پر شقاوت کو معلق رکھا، پھر جب (بندہ) دونوں ارادوں سے خالی و عاری ہوگا تو وہ ان دونوں ارادوں کے موجب و مقتضی سے بھی خالی و عاری ہوگا، اور اگر اس بندے میں دونوں ارادیں جمع ہوتو ان دونوں ارادہ کے اجتماع کا حکم بندے میں نیکی و بدی، اطاعت و معصیت، ایمان و شرک کے اجتماع کے حکم کی طرح ہوگا، اور تحقیق کہ اللہ تعالیٰ نے رسولوں کے بعد مخلوق میں سب سے بہتر حضرات سے فرمایا ﴿مِنكُم مَّن يُرِيدُ الدُّنيَا وَمِنكُم مَّن يُرِيدُ الآخِرَةَ﴾ اور یہ ان لوگوں سے خطاب ہے جو آپ ﷺ کے ساتھ واقعہ احد میں ساتھ تھے، اور ان میں کوئی منافق نہیں تھا اسی وجہ سے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ مجھے معلوم نہیں تھا کہ اصحاب رسول میں سے کوئی دنیا کو بھی چاہتا ہوگا، یہاں تک کے احد کا دن تھا اور یہ آیت نازل ہوئی، اور وہ حضرات جو اس آیت میں مراد ہیں وہ وہ حضرات ہیں جنہوں نے اپنے متعین مرکز کو خالی چھوڑ دیا تھا جس مرکز کی حفاظت کا اللہ کے رسول ﷺ نے ان کو حکم دیا تھا اور وہ مسلمانوں میں اچھے اور برگزیدہ حضرات تھے، لیکن یہ ایک عارضی ارادہ تھا جس نے ان کو مرکز چھوڑنے پر آمدہ کر دیا، اور مالِ غنیمت کے حصول پر متوجہ کر دیا، برخلاف وہ حضرات جن کا اپنے اعمال سے مقصود دنیا اور اس کا نفع ہو تو یہ ارادہ قابلِ ملامت ہے اور صاحبِ ارادہ بھی قابلِ ملامت ہے۔

اور یہاں پر ایک خاص امر ہے جس پر تنبہ ضروری ہے اور وہ یہ ہے کہ یہ بات ناممکن ہے کہ نیک اعمال کے ذریعہ دنیا اور دنیا کے منافع کو مقصود بنایا جائے باوجودیکہ اللہ اور اس کے رسول پر اور قیامت کے دن پر ایمان رکھتا ہو اس لئے کہ اللہ پر اور دارِ آخرت پر ایمان رکھنا یہ اس بات کو مستلزم ہے کہ بندہ اپنے اعمال سے اللہ کی رحمت اور دارِ آخرت کو مقصود بناتا ہے، لہٰذا جب نیک اعمال سے بندے کا مقصود دنیا ہی ہوگی تو یہ اس

وقت ایمان کے ساتھ کبھی جمع نہیں ہوگا، اگرچہ بندے میں اقرار وعلم جمع ہوسکتے ہیں پھر ایمان تو اس کے بعد ہے اور اقرار و معرفت تو اس شخص کو حاصل ہے جس نے اللہ تعالیٰ کے لئے شہادت دی تو اس معرفت کے باوجود جیسے فرعون، قومِ ثمود اور وہ یہودی جنہوں نے رسول اللہ ﷺ کا مشاہدہ کیا اور وہ آپ ﷺ کو اسی طرح پہچانتے تھے جس طرح وہ اپنے بیٹوں کو پہچانتے تھے حالانکہ وہ مخلوق میں سب سے بڑھ کر کافر تھے لہٰذا اعمال سے دنیا اور اس کے منافع کا ارادہ اس معرفت وعلم کے ساتھ جمع ہوسکتا ہے لیکن ایمان تو اس کے بعد ہے کہ ضروری ہے کہ صاحبِ ایمان اعمال سے اللہ اور دارِ آخرت کی نیت کرے۔ والله المستعان۔

﴿فصل﴾

الغرض مقصود یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے غنیٰ وفقر کو شکر وصبر اور صدق وکذب اور اخلاص وشرک کو امتحان وآزمائش کے لئے پیدا کیا ہے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿لِيَبْلُوَكُمْ فِيمَا آتَاكُمْ﴾ اور فرمایا: ﴿الٓمٓ. اَحَسِبَ النَّاسُ اَنْ يُتْرَكُوا اَنْ يَقُولُوا آمَنَّا وَهُمْ لاَ يُفْتَنُونَ. وَلَقَدْ فَتَنَّا الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَلَيَعْلَمَنَّ اللّٰهُ الَّذِينَ صَدَقُوا وَلَيَعْلَمَنَّ الْكَاذِبِينَ﴾ ترجمہ: ''الم، کیا ان لوگوں نے یہ خیال کر رکھا ہے کہ وہ اتنا کہنے پر چھوٹ جائیں گے کہ ہم ایمان لے آئے اور ان کو آزمایا نہ جائے گا اور ہم تو ان لوگوں کو بھی آزما چکے ہیں جو ان سے پہلے ہو گزرے ہیں سو اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو جان کر رہے گا جو سچے تھے اور جھوٹوں کو بھی جان کر رہے گا'' اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿اِنَّمَا اَمْوَالُكُمْ وَاَوْلاَدُكُمْ فِتْنَةٌ وَاللّٰهُ عِنْدَهٗ اَجْرٌ عَظِيمٌ﴾ ترجمہ: ''تمہارے اموال اور اولاد بس تمہارے لئے ایک آزمائش کی چیز ہے، اور اللہ کے پاس بڑا اجر ہے''۔

بس اللہ جل جلالہ نے دنیا کو غیر قائم پونجی بنائی ہے اور مغالطہ میں ڈالنے والا سامان بنایا ہے، اور آخرت کو دارِ جزاء اور دارِ ثواب بنایا ہے، اور دنیا کو شہوات سے ڈھانپ دیا ہے اور شہوات کے ذریعہ مزیّن کر دیا ہے، جیسے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿زُيِّنَ لِلنَّاسِ حُبُّ الشَّهَوَاتِ مِنَ النِّسَاءِ وَالْبَنِينَ وَالْقَنَاطِيرِ الْمُقَنْطَرَةِ مِنَ الذَّهَبِ وَالْفِضَّةِ وَالْخَيْلِ الْمُسَوَّمَةِ وَالْاَنْعَامِ وَالْحَرْثِ ذَالِكَ مَتَاعُ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَاللّٰهُ عِنْدَهٗ حُسْنُ الْمَآبِ﴾ تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ یہ وہ دنیا کی لذتیں اور شہوات جس سے دنیا کو مزین کیا ہے، یہی دنیا کو طلب کرنے والے اور دنیا کو آخرت پر ترجیح دینے والوں کی تمناؤں کا منتہاء ومقصد ہے، اور وہ سات چیزیں ہیں،

(۱) وہ عورتیں جو دنیا کی عظیم زینت وشہوت ہے اور دنیا کی عظیم ذریعہ آزمائش ہے، (۲) اور وہ بیٹیں جن کے ذریعہ آدمی کا کمال اور فخر اور ان کے ذریعہ اس کی عزت واحترام ہے، (۳) اور سونا، (۴) چاندی یہ اپنے مختلف اجناس واقسام کے اعتبار سے مادۂ شہوات ہے، (۵) اورنشان کردہ گھوڑے اپنے مالک کے لئے عزت وفخر کا اوران کی حفاظت کا سبب ہے، اوران کے دشمنوں کوتلاش کرنے میں اوردشمنوں کا تعاقب کرنے میں آلۂ قہرو غلبہ ہے، (۶) اور وہ چوپائے جس میں سے کچھ ان کے لئے سواری ہے، کچھ ان کے کھانے کے لئے ہے اوران کے لباس وسامان کے لئے ہے، اور دیگر فوائد ومصالح کے لئے بھی ہے، (۷) اور وہ کھیتی جو ان انسانوں کی غذا، ان کے چوپایوں اور جانوروں کی غذا ہے اوران کے لئے میوے اور دواء ومعالجہ وغیرہ بھی ہے۔

پھر اللہ تعالیٰ نے فرمایا یہ سب دنیوی زندگی گزارنے کے کچھ استعمالی سامان ہے پھر اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو آخرت کے متاع کا شوق دلایا، اوران کو بتلایا کہ یہ آخرت کا متاع اس دنیوی متاع سے کئی بہتر اور پائیدار ہے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿قُلْ اَؤُنَبِّئُكُمْ بِخَيْرٍ مِنْ ذَالِكُمْ لِلَّذِيْنَ اتَّقَوْا عِنْدَ رَبِّهِمْ جَنَّاتٌ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهَارُ خَالِدِيْنَ فِيْهَا وَاَزْوَاجٌ مُطَهَّرَةٌ وَرِضْوَانٌ مِنَ اللّٰهِ. وَاللّٰهُ بَصِيْرٌ بِالْعِبَادِ﴾ ترجمہ: ’’آپ فرمادیجئے کیا میں تم کو ایسی چیز بتلادوں جو بہتر ہو ان چیزوں سے، ایسے لوگوں کے لئے جو ڈرتے ہیں ان کے مالک کے پاس ایسے ایسے باغ ہیں جن کے پائیں میں نہریں جاری ہیں ان میں ہمیشہ ہمیشہ کو رہیں گے اور ایسی بیبیاں ہیں جو صاف ستھری کی ہوئی ہیں اور خوشنودی ہے اللہ تعالیٰ کی طرف سے، اور اللہ تعالیٰ خوب دیکھتے ہیں بندوں کو‘‘۔

پھر اللہ تعالیٰ نے ان حضرات کا ذکر فرمایا جو اس متاعِ (آخرت) کے مستحق ہیں، اور وہ وہی حضرات ہیں جو ان نعمتوں کے حقدار ہیں، لہٰذا اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿اَلَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا اِنَّنَا آمَنَّا فَاغْفِرْلَنَا ذُنُوْبَنَا وَقِنَا عَذَابَ النَّارِ. اَلصَّابِرِيْنَ وَالصَّادِقِيْنَ وَالْقَانِتِيْنَ وَالْمُنْفِقِيْنَ وَالْمُسْتَغْفِرِيْنَ بِالْاَسْحَارِ﴾ ترجمہ: ’’ایسے لوگ جو کہتے ہیں کہ اے ہمارے پروردگار ہم ایمان لے آئے سو آپ ہمارے گناہوں کو معاف کردیجئے اور ہم کو عذابِ دوزخ سے بچالیجئے، صبر کرنے والے ہیں اور راستباز ہیں اور فروتنی کرنے والے ہیں اور خرچ کرنے والے ہیں اور اخیر شب میں گناہوں کی معافی چاہنے والے ہیں‘‘۔

پھراللہ تعالیٰ نے یہ بات بھی بتلادی کہ متاعِ آخرت جواس نے اپنے اولیاءِ متقین کے لئے تیار کررکھا ہے، وہ اس متاعِ دنیا سے کئی بہتر ہے وہ دوقسم کے ہیں، (۱) وہ ثواب جس سے وہ متمتع وسرفراز ہوں گے، (۲) اوراس سے بڑھ کر یہ کہ اللہ ان سے ہمیشہ کے لئے راضی ہوجائے گا اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿اِعْلَمُوْا اَنَّمَا الْحَیَاةُ الدُّنْیَا لَعِبٌ وَلَهْوٌ وَزِیْنَةٌ وَتَفَاخُرٌ بَیْنَکُمْ وَتَکَاثُرٌ فِی الْاَمْوَالِ وَالْاَوْلَادِ کَمَثَلِ غَیْثٍ اَعْجَبَ الْکُفَّارَ نَبَاتُهٗ ثُمَّ یَهِیْجُ فَتَرَاهُ مُصْفَرًّا ثُمَّ یَکُوْنُ حُطَامًا﴾ ترجمہ: ’’تم خوب جان لوکہ دنیوی حیات محض لہوولعب اور زینت اور باہم ایک دوسرے پر فخر کرنا اور اموال اور اولاد میں ایک کا دوسرے سے اپنے کو زیادہ بتلانا ہے جیسے مینہ ہے کہ اس کی پیداوار کاشتکاروں کو اچھی معلوم ہوتی ہے پھر وہ خشک ہوجاتی ہے سواس کو تو زرد دیکھتا ہے پھر وہ چورا چورا ہوجاتی ہے‘‘ لہٰذا اللہ تعالیٰ نے دنیا کی حقیقت کو ان چیزوں کے ذریعہ بیان فرمایا جو چیزیں حقیقی نظر رکھنے والوں کے لئے واضح ومشاہد ہے، کہ دنیا لہوولعب ہے کہ اس سے دل غافل ہوتا ہے اور جس سے جسم کی تفریح ہوتی ہے اور لہوولعب کی کوئی حقیقت نہیں، اور یہ لہوولعب دل کو غافل کردیتے ہیں، اور وقت کو ضائع کرتے ہیں، جس کے ذریعہ جہلاء عمر گزارتے ہیں، اور عمروزندگی بغیر کسی فائدہ کے ضائع ہوجاتی ہے پھر اللہ تعالیٰ نے باخبر کیا کہ یہ دنیا کی زینت صرف آنکھوں اور نفس کے لئے مزیّن کی گئی ہے کہ آنکھ اور نفس اس زینت سے مخمور ومسحور ہوتے ہیں، اور اگر قلوب دنیا کی حقیقت اور اس کے انجام اور مبغوضیت کی طرف رسائی کو جان لے تو دنیا پر آخرت کو ترجیح نہ دیتے اور دائمی بعد میں آنیوالی نعمت جو بہتر اور پائیدار ہے اس پر دنیا کو ترجیح نہ دیتے۔

حضرت امام احمدؒ فرماتے ہیں، حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مجھے اور دنیا کو کیا نسبت بلاشبہ میری اور دنیا کی مثال ایک سوار کی طرح ہے جو موسمِ گرماں میں درخت کے سایہ میں کچھ دیر آرام کے لئے ٹھہرتا ہے پھر چل دے اور درخت کو اس کی جگہ چھوڑ دیتا ہے۔

جامع ترمذی میں حضرت سہل بن سعد سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اگر یہ دنیا اللہ کے نزدیک مچھر کے برابر بھی (مقام) رکھتی تو اس میں سے کافر کو ایک گھونٹ پانی بھی نہ دیتے۔

اور صحیح مسلم میں حضرت مستورد بن شداد رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: دنیا آخرت

کے مقابلہ میں صرف ایسی ہی ہے جیسے کہ تم میں سے کوئی شخص اپنی انگلی کو سمندر میں ڈالے پھر اس کو دیکھنا چاہیئے کہ (کتنے پانی کے ساتھ) وہ انگلی لوٹی ہے، اور آپ ﷺ نے اپنی انگشتِ شہادت سے اشارہ فرمایا۔

جامع ترمذی میں ہے (حضرت مستورد) فرماتے ہیں کہ میں ان لوگوں کے ساتھ تھا جو نبی کریم ﷺ کے ساتھ مردہ بکری کے بچہ کے پاس کھڑے تھے! تو نبی کریم ﷺ نے فرمایا: کیا تم اس مردار کو اس کے مالک پر اتنا حقیر سمجھتے ہو کہ اس کو پھینک دیا جائے؟ تو صحابہ نے فرمایا: اس کی حقارت میں سے یہی ہے کہ اس کو پھینک دیا جائے اے اللہ کے رسول تو آپ ﷺ نے فرمایا (سن لو) دنیا اللہ کے نزدیک اس سے زیادہ حقیر ہے جتنا یہ مردہ اپنے مالک کے نزدیک حقیر ہے۔

نیز جامع ترمذی میں ہے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: دنیا ملعون ہے اور جو چیزیں دنیا میں ہے وہ بھی ملعون ہے مگر ذکرِ الٰہی اور وہ اعمال جس کو خدا پسند کرتا ہے اور عالمِ دین اور علمِ دین سکھانے والے۔

امام احمدؒ فرماتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اپنے حواریّین سے فرمایا: اللہ کی قسم میں تم کو کہتا ہوں کہ دنیا کی حلاوت (چاشنی) یہ آخرت کی تلخی ہے، اور دنیا کی تلخی آخرت کی حلاوت ہے، اور اللہ کے بندے تو وہ عیش پرستی میں نہیں ہوتے، اللہ کی قسم میں تم کو کہتا ہوں تم میں سے بدترین عمل کے اعتبار سے وہ عالم ہے جو دنیا سے محبت کرتا ہے اور دنیا کو آخرت پر ترجیح دیتا ہے، اس لئے کہ اگر وہ کرسکتا تو تمام لوگوں کو اس عمل میں اپنے جیسا کر دیتا۔

امام احمدؒ فرماتے ہیں، حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا: اے حواریّین کی جماعت کیا تم میں سے کوئی اس بات کی طاقت رکھتا ہے کہ وہ سمندر کی موج پر گھر تعمیر کرے؟ تو انہوں نے کہا اے روح اللہ، کون اس کی طاقت رکھے گا؟ تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا: تم دنیا سے بچو اور اس کو جاءِ قرار مت بناؤ۔

حضرت امام احمدؒ نے اپنی کتاب "الزھد" میں فرمایا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام فرمایا کرتے تھے، اللہ کی قسم میں تم سے کہتا ہوں؟ کتوں کے ساتھ روٹی کھانا، میٹھے پانی کا پینا اور کوڑا کرکٹ میں سونا یہ تو اس شخص کے لئے بہت بڑی چیز ہے جو یہ چاہتا ہو کہ اس کو جنت الفردوس عطا کی جائے۔

اور مسند احمد میں بنی کریم ﷺ سے منقول ہے اللہ تعالیٰ نے دنیا کی مثال انسان کے کھانے کی

چیزوں سے بیان کی ہے، کہ اس کھانے کا مسالہ ونمک (جسکی وجہ سے کھانا پرلطف ولذیذ) ہوتا ہے، لیکن غور کرنا چاہئے کہ اتنا پرلطف ولذیذ کھانا) کیا ہو کر نکلتا (لوٹتا) ہے۔

﴿فصـــل﴾

پھر اللہ تعالیٰ نے دنیا کے بارے میں آگاہ فرمایا کہ دنیا کے ذریعہ بعض لوگ ایک دوسرے پر فخر کرتے ہیں پھر وہ دنیا کو طلب کرتے ہیں تاکہ وہ اپنے ساتھیوں پر فخر کرسکے، اور یہ حال ہر اس شخص کا ہے جو مال وجاہ کو قوت وعلم کو زہد کو تفاخر کے لئے حاصل کرتے ہیں۔

اور تفاخر دو طرح کا ہوتا ہے ایک: محمود، دوسرا: مذموم، تو تفاخرِ مذموم تو وہ اہلِ دنیا کا دنیا کی چیزوں کے ذریعہ ایک دوسرے پر فخر کرنا ہے، اور تفاخرِ محمود تو وہ آخرت کے معاملہ میں فخر میں مقابلہ کرنا ہے، اور یہ مامورات میں منافسۃ (ایک دوسرے سے آگے بڑھنا) کی جنس سے ہے، اور وہ " نَـفَـــسَ " یہ ہے کہ آدمی کسی چیز میں دوسرے سے آگے بڑھنے کی کوشش کرے اور یہ چاہے کہ وہی اس (چیز) کو پورا پورا حاصل کرے اور وہ اس (چیز) پر اس کی وجہ سے عار کرے، لہٰذا جب تو کسی سے آگے بڑھنا چاہے اور یہ چاہے کہ وہ چیز تیرے پاس ہی رہے اس کے پاس نہ جائے تو اس وقت کہا جاتا ہے "نفستُ علیہ الشیئی یا انفسه نفاسةً" اور تنافس یہ باب تفاعل سے آتا ہے، بمعنی مقابل میں سے ہر ایک یہ چاہتا ہو کہ وہ اپنے ساتھی سے آگے بڑھ جائے، اور منافسۃ کی حقیقت یہ ہے کہ نفیس اور عمدہ اور جائز چیز میں مسابقہ اور مقابلہ اور ایک دوسرے سے آگے بڑھنے کی سعی کرنا اور اس میں مکمل رغبت وچاہت رکھنا۔

﴿فصـــل﴾

پھر اللہ تعالیٰ نے دنیا کے بارے میں باخبر کیا کہ مال واولاد کی کثرت پر فخر کرنا، لہٰذا ہر ایک یہ چاہتا ہے کہ وہ بیٹوں کی کثرت کو ظاہر کرے اور وہ اس بات پر اتراتا ہے کہ وہ اپنے آپ کو دوسروں کے مقابلہ میں مال واولاد میں زیادہ سمجھتا ہے اور وہ یہ بات (کی بھی چاہت رکھتا ہے کہ) اس کے بارے میں یہ سب باتیں کہی جائے اور یہ بہت بھاری وعظیم چیز ہے جو بندے کو اللہ سے اور دارِ آخرت سے غافل کردیتی ہے، جیسے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿اَلْهٰـكُـمُ التَّكَاثُرُ. حَتّٰى زُرْتُمُ الْمَقَابِرَ. كَلَّا سَوْفَ تَعْلَمُوْنَ. ثُمَّ كَلَّا سَوْفَ تَعْلَمُوْنَ﴾ اور تکاثر ہر چیز میں (ہوسکتا) ہے، لہٰذا ہر وہ شخص جس کو معاملات میں سے کسی بھی معاملہ کی کثرت اللہ سے اور دارِ

آخرت سے غافل ولاپرواہ کردے تو وہ اس آیت کے حکم (وعید) میں داخل ہے، لہٰذا بہت سے لوگ وہ ہیں جن کو مال کی کثرت غافل کردیتی ہے، اور بہت سے وہ ہیں جن کو جاہ ومرتبہ یا علم کی کثرت بے پروہ کردیتی ہیں، کہ (بندہ) اس علم کو تکاثر وتفاخر کے لئے حاصل کرے، جمع کرے، اور یہ اللہ کے نزدیک جاہ ومال کے تکاثر سے بھی بدترین حالت ہے، اس لئے کہ اس نے اسبابِ آخرت کو دنیا کے لئے استعمال کئے، اور صاحبِ مال اور صاحبِ جاہ تو اسبابِ دنیا کو دنیا ہی کے لئے استعمال کرتے ہیں، اور اس کے اسباب کی کثرت پر اتراتے ہیں۔

﴿فصل﴾

پھر اللہ تعالیٰ نے دنیا کے انجام اور دنیا کی حقیقت سے خبردار کیا کہ دنیا کی مثال ایسی ہی ہے جیسے مینہ برستا ہے تو اس کی کھیتی اور پیداوار کفار کو بہت اچھی معلوم ہوتی ہے، اور صحیح یہ ہے کہ انشاء اللہ (یہاں) کفار سے مراد اللہ کے منکرین وکافر ہے، اور یہ قرآن کا عرف ہے کہ جہاں کہیں ان کا ذکر کرتے ہیں تو ہر جگہ اسی صفت کے ساتھ ذکر کرتا ہے، اور اگر "کـفّـار" سے مراد" کاشتکار" ہوتے تو اللہ اس کو اسی نام واسم کے ساتھ ذکر کرتے جس نام سے وہ معروف ہیں جیسے کے اللہ تعالیٰ نے دوسری جگہ فرمایا: ﴿يُعۡجِبُ الزُّرَّاعَ﴾ اور بلاشبہ یہاں اللہ نے کفار کو (اسم کفار سے) خاص فرمایا، اس لئے کہ وہی دنیا کی چیزوں پر زیادہ متعجب اور خوش ہوتے ہیں، اس لئے کہ دنیا ہی ان کا دار ومستقر ہے جس کے لئے وہ محنت وسعی کرتے ہیں، اور وہ دنیا اور دنیا کی زینت پر مؤمن سے زیادہ متعجب وخوش ہوتے ہیں۔

پھر اللہ تعالیٰ نے اس پیداوار کے انجام کو ذکر فرمایا، اور وہ (کھیتی کا) خشک وزرد ہوجانا ہے اور یہی دنیا کی حقیقت اور اس کا انجام ہے، کہ اگر بندہ دنیا کا اوّل سے آخر تک مالک بھی ہوجائے تو بھی دنیا کی انتہاء یہی ہے، پھر جب آخرت کا دن ہوگا تو وہ دنیا (کی حالت) منقلب اور بدل دے گا، یا اللہ کی مغفرت اور اچھے ثواب وجزاء سے بدل دے گا جیسے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ دنیا دار الصدق ہے اس شخص کے لئے جس نے اس کی تصدیق کرلی اور دارِ عافیت ہے اس شخص کے لئے جس نے اس کو سمجھا اور مقصدِ نجات ہے اس شخص کے لئے جو سلامت رہا، دنیا میں انبیاء علیہم السلام کے مساجد (مقابر) ہیں، اور دنیا میں نزولِ وحی کے مقامات ہیں، اور ملائکہ کی جائے نماز ہے، اور اولیاء اللہ کے نشاناتِ مبارکہ ہیں، دنیا میں ان حضرات نے رحمت کو حاصل کیا اور

عافیت سے منتفع ہوئے، کون ہے جو اس کی مذمت کرتا ہے حالانکہ اس نے اہلِ دنیا کے سامنے خود اپنے اور اہلِ دنیا کے اوصاف بیان کر دیئے ہیں، وہ کبھی بلاؤں کی صورت میں متشکل ہوتی ہے ڈرانے کے لئے اور کبھی خوشحالیوں کے ذریعہ ترغیب دینے کے لئے خوشحالی کی طرف شوق دلاتی ہے پھر ایک قوم ندامت کے وقت مذمت کرتی ہے اور دوسرے لوگ اس کی تعریف کرتے ہیں جبکہ یاد دہانی کرے تو یاد کر لیتے ہیں اور نصیحت کرتی ہے تو قبول کر لیتے ہیں اے دنیا کی مذمت کرنیوالے جو اس کے دھوکہ دہی سے دھوکہ میں پڑا ہوا ہے اس نے کب تیرے ساتھ قابلِ ملامت عمل کیا اس نے تجھے کب دھوکہ دیا تیرے آباء کے قبروں کے ذریعہ یا تیری ماؤں کی قبروں کے ذریعہ تو کتنے مورث کو جانتا ہے تیرے ہاتھوں سے کتنے مریضوں کو دوا پلائی اور علاج کیا جن کی شفاء کا تو متمنی رہا ہے اور ڈاکٹروں سے تو نے نسخے لکھوائے پھر بھی تیری کوشش نے نفع نہ دیا اور نہ تیری طلب نے حاجت روائی کی دنیا نے تیرے لئے گرنے کے وقت گرنے کی جگہ کو نمونہ بنا دیا اور لیٹنے کے وقت لیٹنے کی جگہ کو، (لہٰذا نصیحت پکڑ) پھر قبرستان کی طرف متوجہ ہوئے اور کہا کہ اے مسافرو اے مٹی میں سونے والو، مکانات میں دوسرے رہنے لگے، اموال تقسیم کر لئے گئے، تمہاری بیویوں نے نکاح کر لئے، یہ تو ہمارے یہاں کی خبریں ہیں تم تمہارے وہاں کی خبریں سناؤ پھر حضرت ہماری طرف متوجہ ہوئے اور کہا کہ اگر ان کو اجازت دی جاوے تو وہ کہیں گے کہ بہترین توشہ تو تقویٰ ہے۔

تو دنیا حقیقت میں مذموم اور بری نہیں ہے، اور دنیا میں جو برائی آئی ہے تو بندوں کے افعال سے آئی ہے، اور یہ دنیا تو جنت وجہنم میں جانے کے لئے ایک پُل اور راہگزر ہے، لیکن جب دنیا پر شہوات وشرور اور اللہ اور دارِ آخرت سے اعراض وغفلت غالب ہو جاتی ہے تو یہ اس وقت ایسا ہی ہو جاتا ہے کہ اہلِ دنیا اور جو دنیا میں ہے ان سب پر مذکورہ چیزیں غالب ہوتی ہے اور جو چیزیں غالب ہو اس کا وہی نام ہوتا ہے لہٰذا اطلاق کے وقت ذمّ وبرائی میں دنیا ہی کا نام ہوتا ہے ورنہ تو یہی دنیا آخرت کا مبنی وکھیتی ہے، اور دنیا ہی میں جنت کا توشہ ہے اور دنیا ہی میں تو قلوب ایمان اور اللہ کی معرفت اور اس کی محبت اور ذکر اور اس کی رضامندی کو حاصل کرتے ہیں، اور اہل جنت جنت میں عیش کی زندگی حاصل کریں گے، ان اعمال کے سبب جو دنیا میں انہوں نے کئے ہوں گے، اور دنیا کی تعریف وفضیلت کے لئے یہی بات کافی ہے کہ اللہ کے اولیاء کے لئے دنیا میں آنکھوں کی ٹھنڈک،

دلوں کا سرور، نفس کی تازگی، روح کی لذت اور وہ نعمتیں تھی کہ اس جیسی دوسری نعمتیں نہیں ہوسکتی، اور اللہ کا ذکر، اس کی محبت، اس کی عبادت، اس پر توکل، اس کی طرف رجوع وانابت، اس سے نسبت، اس کی قربت سے خوشی، اسی کے لئے عاجزی، اس سے سرگوشی کی لذت، اس کی طرف متوجہ ہونا، اور اس کے علاوہ تمام سے ہٹ کر اسی میں اشتغال یہ سب دنیا میں ہے، اور دنیا میں اللہ کا کلام، اس کی وحی، اس کی ہدایت اور اس کی وہ روح جو اس کے احکام کا القاء کرتی ہے یہ سب ہیں اور اللہ نے اپنے بندوں کو وہ وہ باتیں بتائی جو اس نے چاہی۔

اسی وجہ سے ابن عقیلؒ وغیرہ اس دنیا (کی نعمتوں) کو جنت کی نعمتوں پر فضیلت دیتے تھے، اور وہ کہتے تھے کہ یہ (دنیا کی نعمتیں) اللہ کا بندوں پر حق ہے، اور وہ (جنت کی نعمتیں) بندوں کا حصہ اور ان کا انعام ہے اور اللہ کا حق بندوں کے حق سے افضل ہے، اور فرماتے ہیں کہ ایمان واطاعت یہ اس کی جزاء وصلہ سے افضل ہے۔

اور تحقیقی بات یہ ہے کہ ان دو مختلف دارِ (دنیا، آخرت) کو دو امر کے مابین فضیلت دینا صحیح نہیں ہے، ہاں! اگر ان دونوں (دار) کا ایک ہی دار میں اجتماع ممکن ہو تو پھر ان دونوں کے مابین افضلیت بیان کرنا صحیح ہوگا، اور ایمان اور اطاعت اس دارِ دنیا میں دیگر دنیا کی چیزوں سے افضل ہے! اور جنت میں داخل ہونا، اللہ عزوجل کا دیدار کرنا، اس سے ہم کلام ہونا، اس کی خوشنودی کو حاصل کرنا یہ آخرت کی دیگر نعمتوں سے افضل ہے، تو یہ (دنیا کی نعمتیں) افضل ہے دنیا کی دیگر چیزوں سے، اور یہ (آخرت کی نعمتیں) دیگر اخروی نعمتوں سے افضل ہے، لہٰذا یہ صحیح نہیں کہ یہ کہا جائے کہ ان دو (نعمتوں) میں سے کون افضل ہے؟ لہٰذا یہ (دنیا) افضل ہے اسباب کے اعتبار سے اور وہ (آخرت) افضل ہے نتائج و بدلہ کے اعتبار سے۔

فصل

جب اللہ تعالیٰ نے دنیا کی حقیقت کو واضح کر دیا اور اس کی انتہاء ونتائج کو بیان کر دیا، اور اس دنیا کا آخرت میں سخت عذاب یا اللہ کی مغفرت وثواب سے بدل جانے کو بیان کر دیا، تو اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو ان اعمال میں مسابقت ومسارعت کا حکم دیا جو اعمال اچھے اور باقی رہنے والے ہیں، اور اس بات کا بھی حکم دیا کہ وہ بندے آخرت کو اس دنیا پر ترجیح دے جو دنیا ختم ہونے والی ہے اور محرومی اور نامرادی سے مخلوط ہے۔

پھر اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ یہ اس کا فضل ہے وہ جسے چاہتا ہے عطا کرتا ہے ﴿وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ

العَظِیمِ﴾اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا:﴿وَاضرِب لَھُم مَّثَلَ الحَیاۃِ الدُّنیا کَماءٍ اَنزَلنَاہُ مِنَ السَّماءِ فَاختَلَطَ بِہٖ نَباتُ الاَرضِ فَاَصبَحَ ھَشِیماً تَذرُوہُ الرِّیَاحُ. وَکَانَ اللّٰہُ عَلٰی کُلِّ شَیءٍ مُّقتَدِراً﴾ترجمہ:''اور آپ ان لوگوں سے دنیوی زندگی کی حالت بیان فرمائے کہ وہ ایسی ہے جیسے آسمان سے ہم نے پانی برسایا ہو پھر اس کے ذریعہ سے زمین کی نباتات خوب گنجان ہوگئیں ہوں پھر وہ ریزہ ریزہ ہوجاوے کہ اس کو ہوا اُڑائے لئے پھرتی ہو اور اللہ تعالیٰ ہر چیز پر پوری قدرت رکھتے ہیں''۔

سو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ مال اور بیٹے یہ دنیوی زندگی کی زینت ہے اور باقیات الصالحات تو وہ نیک اور اچھے اعمال و اقوال ہیں جن کا ثواب باقی رہنے والا ہے اور ان کا صلہ، بدلہ دائمی ہوگا، اور اس سے بھی بہتر ہوگا جس کا بندہ آرزو و امید رکھتا ہے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا:﴿اِنَّمَا مَثَلُ الحَیاۃِ الدُّنیا کَمَآءٍ اَنزَلنَاہُ مِنَ السَّماءِ فَاختَلَطَ بِہٖ نَباتُ الاَرضِ مِمَّا یَأکُلُ النَّاسُ وَالاَنعَامُ حَتّٰی اِذَا اَخَذَتِ الاَرضُ زُخرُفَھَا وَازَّیَّنَت وَظَنَّ اَھلُھَا اَنَّھُم قَادِرُونَ عَلَیھَا. اَتَاھَا اَمرُنَا لَیلاً اَو نَھَاراً فَجَعَلنَاھَا حَصِیداً کَاَن لَّم تَغنَ بِالاَمسِ کَذَالِكَ نُفَصِّلُ الآیَاتِ لِقَومٍ یَتَفَکَّرُونَ﴾ترجمہ:''بس دنیوی زندگی کی حالت تو ایسی ہے جیسے ہم نے آسمان سے پانی برسایا پھر اس سے زمین کی نباتات جن کو آدمی اور چوپائے کھاتے ہیں خوب گنجان ہوکر نکلے یہاں تک کہ جب وہ زمین اپنی رونق کا پورا حصہ لے چکی اور اس کی خوب زیبائش ہوگئی اور اس کے مالکوں نے سمجھ لیا کہ اب ہم اس پر بالکل قابض ہو چکے تو دن میں یا رات میں اس پر ہماری طرف سے کوئی حادثہ آپڑا سو ہم نے اس کو ایسا صاف کردیا کہ گویا کل وہ موجود ہی نہ تھی ہم اسی طرح آیات کو صاف صاف بیان کرتے ہیں ایسے لوگوں کے لئے جو سوچتے ہیں''۔

اور جب اللہ تعالیٰ نے دنیا کی ان آفتوں سے اپنے بندوں کو آگاہ کیا تو ان کو اس دار السلام کی طرف بھی دعوت دی جو دار السلام تغیّر و تبدل اور زوال و فناء سے محفوظ ہیں اور اپنے بندوں میں اس دعوت کو بوجہ عدل عام رکھا اور جس کو چاہا اس کو ہدایت کے ساتھ خاص کردیا اپنے فضل سے۔

اور اللہ تعالیٰ نے اس بات سے بھی آگاہ فرمایا کہ اموال و اولاد مخلوق کو اللہ کا مقرب نہیں بنا سکتے بلاشبہ مخلوق کو اللہ سے قریب تقویٰ اور دوامِ تقویٰ ہی کرسکتا ہے، اور اللہ نے اپنے بندوں کو متنبہ فرمایا کہ ان کا مال و اولاد ان کو اللہ کے ذکر سے غافل نہ کردے اور بتلایا کہ جو شخص ایسا کرے گا تو وہی حقیقت میں خسارہ میں ہوگا نہ کہ وہ شخص جس کا مال و اولاد دنیا میں کم ہے۔

نیز اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کریم ﷺ کو بھی اس بات سے روکا کہ آپ ہرگز ان چیزوں کی طرف نظر اٹھا کر بھی نہ دیکھے جن سے ہم نے اہلِ دنیا کو ان کی آزمائش وامتحان کے لئے متمتع اور منتفع کررکھا ہے، اور فرمایا کہ آپ کے رب کا عطیہ جو آپ کے لئے آخرت میں اللہ نے تیار کررکھا ہے بدرجہا بہتر اور باقی رہنے والا ہے، ان چیزوں سے جس سے اہلِ دنیا متمتع ہیں، اور اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے یہ بھی فرمایا کہ اللہ نے آپ کو سبعِ مثانی (سورۂ فاتحہ) اور قرآنِ عظیم کی نعمت سے سرفراز فرمایا ہے، اور یہ (دونوں نعمت) ان چیزوں سے بدرجہا بہتر وافضل ہے جس سے اہلِ دنیا متمتع ہیں، اور اللہ تعالیٰ نے ان دونوں نعمتوں کو آپ ﷺ کے لئے ان دنیوی چیزوں کی طرف نگاہ اٹھانے سے مانع بنایا، تو یہ (دونوں نعمتیں) جو دنیا میں عطیہ ہے اور آخرت کا عطیہ جو آپ ﷺ کے لئے محفوظ ہے وہ دنیوی چیزوں سے جس سے اہلِ دنیا متمتع ومنتفع ہیں کئی درجہ بہتر ہے لہٰذا ان چیزوں کی طرف آپ نگاہ اٹھا کر نہ دیکھے۔

فصل

اور جب آپ نے جان لیا کہ مالداری اور فقیری، مصیبت وعافیت یہ اللہ کی طرف سے بندوں کے لئے امتحان وآزمائش ہے تاکہ اللہ تعالیٰ اس سے بندوں کو شکر وصبر میں آزمائے، معلوم ہوا کہ صبر وشکر یہ ایمان کے دو پہیے ہیں کہ انہی پر ایمان سوار ہوتا ہے، اور مؤمن کے لئے دونوں ضروری ہے، اور ان دونوں میں سے ہر ایک اپنے مقام میں افضل ہے، لہٰذا صبر مقامِ صبر میں افضل ہے، اور شکر مقامِ شکر میں افضل ہے یہ اس وقت ہے جبکہ ہر ایک کو دوسرے سے جدا قرار دینا صحیح ہو لیکن اگر صبر مسمّیٰ شکر کا جزو ہو اور شکر مسمّیٰ صبر کا جزو ہو تو یہ دونوں ایک حقیقت سے مرکّب ہیں جیسے کہ اس کا بیان پہلے گزر چکا ہے تو ان دونوں کے مابین فضیلت دینا صحیح نہ ہوگا ہاں مگر جب کہ دونوں کو الگ الگ کردیں، اور یہ بھی ایک فرضی بات ہے جس کا خارج میں کوئی وجود نہیں۔

لیکن یہ فضیلت بھی ایک صورت میں صحیح ہے، اور وہ یہ ہے کہ بندہ کا صبر اس شکر پر غالب ہوتا ہے جو محض صبر پر مقدار زائد ہوتا ہے اقوال اور اعمالِ ظاہری وباطنی کے اعتبار سے پھر اس بندے کے دل میں اس صبر کے علاوہ کسی اور چیز کی وسعت وگنجائش باقی نہیں رہتی، اس مصیبت کی قوۃ کی وجہ سے اور دل کی تنگی کی وجہ سے اور محل تنگ ہے تو اس کے تمام اعضاء اللہ کے لئے صرف نفس کو روکتے ہیں (تو گویا محض صبر پایا گیا شکر نہیں) اور کبھی کبھی اقوال اور اعمالِ ظاہری وباطنی کی وجہ سے شکر غالب ہوتا ہے اس قوتِ صبر پر جو قوت (بندے

کے) نفس کو اللہ کے لئے (خواہشات سے) روکتی ہے لہٰذا (اس وقت) اس کی قوتِ ارادی اور قوتِ عملی قوتِ منع وحبس سے زیادہ قوی ہوتی ہے (تو گویا شکر پایا گیا صبر نہیں)۔

اور آپ (صبر وشکر کو) دو شخص فرض کیجئے کہ ان میں سے ایک اپنے نفس پر حاکم ہے اور وہ اس کو شہوات سے روکنے پر قادر ہے اور مصائب پر بہت کم شکوی کرنے والا ہے (یعنی شکوی نہیں کرتا) اور یہ اس کا بہت بڑا اور عظیم عمل ہے اور دوسرا شخص اچھے کام پر بہت عطیہ عطا کرنے والا ہے چاہے وہ نیک کام چھوٹا ہو یا بڑا، اور اس کا دل مال کو خرچ کرنے میں فیاض وفراخ ہے اور یہ دوسرا شخص قوتِ صبر کے اعتبار سے ضعیف النفس ہے۔

اور نفس میں دو قوتیں ہوتی ہے اوّل: صبر اور رکنے اور نفس کو روکنے کی قوت اور دوسرا: خرچ کرنے کی قوت اور بھلائی کے اعمال کرنے کی قوت اور ان چیزوں کے کرنے پر اقدام کی قوت جس سے کارِ خیر کی تکمیل ہوتی ہے، اور نفس کا کمال یہ ہے کہ اس میں یہ دونوں قوتیں موجود ہوں۔

لہٰذا اس اعتبار سے لوگوں کی چار قسمیں ہوتی ہے، ان میں سے اعلیٰ وہ لوگ ہیں جس میں یہ دونوں قوتیں جمع ہوں، اور ان میں سے اسفل وہ ہے جن میں دونوں قوتیں معدوم ہوں اور ان میں سے بعض وہ ہیں جن کو قوتِ صبر ان کی قوتِ خرچ اور قوتِ فعل سے زیادہ کامل واکمل ہے، اور ان میں سے بعض وہ ہیں جو اس میں پہلوں سے برعکس ہے، یعنی ان کی قوتِ خرچ اور قوتِ فعل قوتِ صبر سے زیادہ کامل واکمل ہو۔

لہٰذا جب شکر کو صبر پر فضیلت دیں گے یا تو ایک مقام میں دوسرے مقام کے مقابل میں باعتبارِ ترجیح کے اور یا تو دونوں امر سے باعتبارِ تجرید کے اور قطعِ نظر صبر کے اعتبار سے! اس غنی شاکر اور فقیر صابر کے مسئلہ کی مکمل وضاحت ہم مستقل باب میں ذکر کریں گے اور اس میں صحیح فیصلہ منکشف ہو جائے گا۔

﴿بائیسواں باب﴾

غنیٔ شاکر وفقیرِ صابر میں سے کون افضل ہے اور اس معاملہ میں راجح قول کیا ہے اس میں علماء کا اختلاف

یہ مالدار وفقیر کا مسئلہ کثیر الاختلاف ہے، اور ہر جماعت اسی قرآن وحدیث اور آثارِ صحابہ اور قیاس سے استدلال کرتے ہیں جس کا دفع ممکن نہیں، اسی وجہ سے غور وفکر کرنے والے کے لئے دونوں جماعت کا مساوی اور برابر ہونا ظاہر ہوتا ہے اس لئے کہ ہر ایک کی دلیل ایسے دلائل سے ہے جس کا دفع ممکن نہیں اور صحیح بات یہ ہے کہ وہ دلائل آپس میں مخالف ومعارض بھی نہیں بلکہ ہر دلیل کے مقتضی کی اتباع لازم ہے چاہے وہ جو بھی ہو! اور جانبین سے کثیر افراد اس مسئلہ میں ہیں، اور اس مسئلہ میں دونوں جماعت کے بارے میں تصانیف لکھی ہے اور فقہاء نے، فقراء نے، اغنیاء نے اور صوفیاء نے اور محدثین نے اور مفسرین نے اسی معنی اور حقیقت میں سب لوگوں کا شامل ہونے کی وجہ سے بحث ومباحثہ کیا ہے، اور امام احمدؒ سے اس مسئلہ میں دو روایت منقول ہے، ان دونوں قول کو امام ابوالحسن نے اپنی کتاب ''التمام'' میں ذکر فرمایا ہے، پھر (ابوالحسن نے) فرمایا کہ فقیرِ صابر غنیٔ شاکر سے افضل ہے دونوں قول میں سے صحیح قول کے مطابق! اور دوسری روایت ہے کہ غنی شاکر وہ افضل ہے اور اسی قول کو ایک جماعت نے اختیار کیا ہے اور اس میں ابن قتیبہ ہے اور پہلی صورت کو ابواسحاق بن شاقل اور والد سعید نے اختیار کیا ہے۔

(جماعتِ ثانیہ جو فقیرِ صابر کی افضلیت کے قائل ہیں ان کے مستدلات)

اللہ تعالیٰ کا قول ﴿اُولٰئِكَ يُجْزَوْنَ الْغُرْفَةَ بِمَا صَبَرُوْا﴾۔

محمد بن علی بن حسینؒ فرماتے ہیں کہ "الغرفة" سے مراد جنت ہے اور "بما صبروا" یعنی وہ لوگ جنہوں نے دنیا میں فقر پر صبر کیا (ان کو وہ غرفہ حاصل ہوگا)۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے نبی کریم ﷺ نے فرمایا ﴿اَللّٰهُمَّ اَحْيِنِیْ مِسْكِيْنًا وَامِتْنِیْ مِسْكِيْنًا وَاحْشُرْنِیْ فِیْ زُمْرَةِ الْمَسَاكِيْنَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ﴾ اے اللہ مجھے حالتِ مسکین میں حیات رکھ اور جب موت دے تو حالتِ مسکین میں دے اور مجھے قیامت کے دن مساکین کی جماعت میں شامل فرما! تو حضرت عائشہؓ نے

فرمایا کیوں اے اللہ کے رسول؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا: اس لئے کہ وہ جنت میں مالداروں سے چالیس سال پہلے داخل ہوں گے، اے عائشہ کسی مسکین کو واپس مت کرا گرچہ کھجور کی ایک شق ہی سے کیوں نہ ہو! اے عائشہ مساکین سے محبت کر اور تو ان سے قریب رہ اس لئے کہ اللہ قیامت کے دن تجھ کو قریب کرلے گا۔

میں (مصنف) کہتا ہوں ان دو دلیلوں میں سے ایک بھی کسی کے لئے دلیل نہیں ہے، آیت (تو اس لئے دلیل نہیں ہے) کہ اس میں تو شاکر کا اللہ کی اطاعت پر صبر کرنا بھی شامل ہے اور اس کا گناہوں (سے بچنے) پر صبر کرنا بھی شامل ہے اور اس شخص کا صبر بھی شامل ہے جو فقر کے ساتھ دیگر بلاؤں میں بھی مبتلی ہو! اور اگر آیت میں صبر سے مراد صرف صبر علی الفقر ہی ہے تو بھی اس صبر کی شکر پر ترجیح کی کوئی دلیل نہیں اس لئے کہ قرآن جس طرح صابرین کی جزاء پر دلیل ہے اسی طرح وہ شاکرین کی جزاء پر بھی دلیل ہے جیسے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿وَسَنَجْزِي الشَّاكِرِينَ﴾ اور ﴿وَسَيَجْزِي اللَّهُ الشَّاكِرِينَ﴾ بلکہ حدیث میں آتا ہے کہ اللہ کی رضاء شکر میں ہے اور اللہ کی رضاء جنت اور جنت کی تمام نعمتوں سے بڑھ کر ہے اور جب اللہ صابرین کو ان کے صبر کی وجہ سے غرفہ عطا کریں گے تو یہ اس بات پر دلیل نہیں کہ اللہ شاکرین کو ان کے شکر کی وجہ سے غرفہ عطا نہیں کریں گے۔

اور حدیث تو اس میں دو وجہ سے کوئی دلیل نہیں ہے۔

اوّل:۔ حدیث سند کی وجہ سے قابل استدلال نہیں چونکہ وہ حدیث مروی ہے محمد بن ثابت الکوفی سے اور وہ روایت کرتے ہیں حارث بن نعمان سے اور حارث بن نعمان اصحاب صحیح کے نزدیک قابلِ حجت نہیں بلکہ امام بخاری نے اس کے بارے میں کہا کہ وہ منکر الحدیث ہے اور اسی وجہ سے امام ترمذی نے ان کی اس حدیث کو صحیح نہیں کہا نہ حسن کہا اور نہ اس سے سکوت اختیار کیا ہے بلکہ اس کی حدیث پر غرابت کا حکم لگایا ہے۔

دوم:۔ اگر حدیث صحیح بھی ہو تو بھی ان کے مقصود پر دلیل نہیں ہے، اس لئے کہ وہ مسکنت وغربت جو اللہ کو اپنے بندے سے محبوب ہے وہ مسکنت مال کا فقر نہیں ہے بلکہ قلب ودل کی مسکنت ہے اور (قلب کا مسکین ہونا) وہ دل کا اللہ کے لئے عاجزی، انکساری، خشوع وخضوع اور تواضع کرنا ہے اور یہ مسکنت غناء کے منافی نہیں ہے اور نہ اس کے لئے فقر شرط ہے، اور اس بندے کا اللہ کی عظمت وجلال اور اس کی کبریائی اور اس کے اسماء وصفات کی وجہ سے مسکنت اختیار کرنا یہ افضل واعلیٰ ہے عدمِ مال کی مسکنت سے، جیسے کہ ایک صاحبِ

مال کا گناہوں سے بچنے پر صبر کرنا خوشی اور اختیار سے (صبر کرنا) اور اللہ کی خشیت و محبت کی وجہ سے (صبر کرنا) یہ افضل و اعلیٰ ہے ایک فقیر عاجز کے صبر سے! اور تحقیق کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے انبیاء و رسولوں کی ایک جماعت کو مال و ملک عطا کیا تھا پھر بھی وہ اللہ کی اس مسکنت سے خارج نہیں ہوئے۔

امام احمدؒ نے فرمایا کہ حضرت داؤد علیہ السلام (کسی مجلس میں) داخل ہوتے تھے، پھر وہ بنی اسرائیل کے سب سے حقیر و گھٹیا حلقہ کو دیکھتے تھے تو ان میں بیٹھ جاتے تھے (پھر کہتے تھے) کہ میں مسکین ہوں اور میرے اردگرد بھی مسکین ہے، تو یہ (حضرت داؤد علیہ السلام نے اپنے آپ کو مسکین کہا) باوجودیکہ اللہ نے ان کو سلطنت و مالداری عطا فرمائی تھی جو نبوت کے علاوہ تھی۔

ابوالحسن فرماتے ہیں کہ حضرت ابو برزہ اسلمی رضی اللہ عنہ روایت فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مسلمان فقراء یہ مالداروں سے چالیس سال پہلے جنت میں داخل ہوں گے حتیٰ کہ مالدار تمنّا کریں گے قیامت کے دن کہ وہ دنیا میں فقراء ہوتے۔

میں (مصنف) کہتا ہوں اس حدیث کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے صحابہ کی ایک جماعت نے روایت کیا ہے ان میں حضرت ابو ہریرہ، ابن عمر، جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہم بھی ہیں، اور حضرت ابو سعید، انس بن مالک رضی اللہ عنہم سے بھی مروی ہے (لیکن) یہ حدیث فقراء کے علوِ مرتبہ پر دلیل نہیں ہے کہ وہ حضرات مالداروں سے پہلے جنت میں داخل ہوں گے، بلکہ یہ حدیث صرف سبقت پر دلالت کرتی ہے، ان حضراتِ فقراء کے پاس وہ چیزیں مفقود ہونے کی وجہ سے جس پر حساب لیا جائے گا، اور اس بات میں کوئی شبہ نہیں کہ منصف و عادل حاکم حساب کی وجہ سے اس کا داخلہ تاخیر سے ہوگا، اسی طرح غنی شاکر (لیکن) ان دونوں کے دخول کی تاخیر سے یہ لازم نہیں آتا کہ ان کے درجات بھی فقراء کے درجات سے کم ہوں گے، جیسے کہ پہلے گزر چکا ہے! اور مالداروں کا تمنّا کرنا کہ (کاش) وہ دنیا میں فقراء ہوتے تو اگر یہ الفاظ حدیثِ صحیح میں ہو تو بھی ان اغنیاء کے درجات کی کمی پر کوئی دلیل نہیں، جیسے کہ منصف قاضی قیامت کے دن بعض مواقع پر جب حساب کے معاملہ کی شدت کو دیکھے گا تو وہ تمنّا کرے گا کہ (کاش) اس نے دو آدمیوں میں ایک کھجور کے بارے میں بھی فیصلہ نہ کیا ہوتا! تو فقر و گمنامی کا ایک درجہ ہوگا اور سلامتی کا بھی ایک درجہ ہوگا، اور غنیٰ و ولایت کا ایک الگ درجہ ہوگا، اور غنیمت و مشقت کا بھی ایک الگ درجہ ہوگا۔

حضرت ابوالحسنؒ فرماتے ہیں کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ اپنے صحابہ میں کھڑے ہوئے اور کہا، کون لوگ بہتر ہے؟ تو بعض صحابہ رضی اللہ عنہم نے فرمایا: وہ مالدار جو اپنا اور اپنے مال کا حق ادا کرتا ہو، تو آپ ﷺ نے فرمایا: کیا ہی بہتر ہے وہ شخص (لیکن) وہ نہیں ہے! بلکہ لوگوں میں بہتر وہ مفلس مؤمن ہے جو مشقت کے باوجود دیتا ہے۔

میں (مصنف) کہتا ہوں کہ اس حدیث کی کوئی سند بیان نہیں کی ہے کہ اس میں غور کر سکے اور یہ ایسی حدیث ہے جس کا حال معلوم نہیں ہے اس سے استدلال صحیح نہیں، اور اگر یہ حدیث صحیح بھی ہو تو بھی اس میں کوئی دلیل نہیں، اس لئے کہ اس میں تو صرف اس فقیر کی افضلیت کو ذکر کیا گیا ہے جو (حالتِ تنگی) میں بھی مشقت کے باوجود صدقہ کرتا ہے اور اس کے ساتھ صابرین کا فقر اور شاکرین کا غنیٰ ہو تو افضلیت کے اسباب کو جمع کر لیا ہے! اور اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ تینوں قسموں میں افضل ہے، اور اس کا ایک درہم دوسرے کے ایک لاکھ درہم سے بھی آگے بڑھ جاتا ہے جیسے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ﴿سَبَقَ دِرْهَمٌ مِأَتَه اَلْفِ دِرْهَمٍ﴾ تو صحابہ رضی اللہ عنہم نے فرمایا: اے اللہ کے رسول کیسے ایک درہم ایک لاکھ درہم سے بڑھ جائے گا؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا: ایک آدمی کہ اس کے پاس دو درہم ہے پھر وہ اس میں سے ایک کو صدقہ کر دے اور دوسرا آدمی کہ اس کے پاس کثرت سے مال ہے اور وہ اپنے مال میں سے ایک لاکھ لے اور اس کو صدقہ کر دے۔

امام بیہقی نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ذکر کی ہے وہ فرماتے ہیں کہ تین آدمی نبی کریم ﷺ کے پاس آئے اور ان میں سے ایک نے کہا کہ میرے پاس سو اوقیہ چاندی ہے تو میں نے اس میں سے دس اوقیہ چاندی کو صدقہ کر دیا! اور دوسرے نے کہا میرے پاس سو دینار ہے تو میں نے اس میں سے دس دینار صدقہ کر دیا! اور تیسرے نے کہا میرے پاس دس دینار ہے اور میں اس میں سے ایک دینار صدقہ کر دیا، تو آپ ﷺ نے فرمایا: تم سب اجر و ثواب میں برابر ہو، (کیونکہ) تم سب نے اپنے مال کا دسواں حصہ صدقہ کیا ہے۔

حضرت ابوسعید بن اعرابی فرماتے ہیں کہ حضرت حسن بصریؒ فرماتے ہیں کہ ایک آدمی نے حضرت عثمان بن عفانؓ رضی اللہ عنہ سے کہا، اے مالداروں نیکیاں تو تم ہی لے گئے، تم لوگ صدقہ کرتے ہو، غلاموں کو آزاد کرتے ہو، حج کرتے ہو، خرچ کرتے ہو! تو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے کہا تم ہم پر رشک کرتے ہو اور ہم تم پر رشک

کرتے ہیں اور فرمایا کہ اللہ کی قسم وہ ایک درہم جس کو (تم میں سے) کوئی مشقت کے ساتھ خرچ کرتا ہے وہ دس ہزار دراہم سے بہتر ہے جو بہت میں سے تھوڑا ہے۔

سنن ابی داؤد میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا اے اللہ کے رسول ﷺ کونسا صدقہ افضل ہے؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا: کم سرمایہ دار کا مشقت کے باوجود صدقہ کرنا، اور خرچ میں پہل ان سے کر جو تیرے زیرِ کفالت ہیں۔

مسند احمد میں حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے، حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا اے اللہ کے رسول ﷺ کونسا صدقہ افضل ہے؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا: ﴿جهد من مقل﴾ کم سرمایہ دار کا باوجود مشقت کے صدقہ کرنا۔

سنن نسائی میں حضرت عبد بن حبشی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ سے پوچھا گیا کہ کونسا عمل افضل ہے؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا: وہ ایمان جس میں کوئی شک نہ ہو، اور وہ جہاد جس میں کوئی خیانت نہ ہو، اور حجِ مبرور! پھر پوچھا گیا کون سی نماز افضل ہے؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا: (وہ نماز) جس کا قیام طویل ہو! پھر پوچھا گیا کونسا صدقہ افضل ہے؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا: غریب نادار کا باوجود مشقت کے صدقہ کرنا! پھر پوچھا گیا کون سی ہجرت افضل ہے؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا: بندہ ان چیزوں کو چھوڑ دے جس کو اللہ نے حرام قرار دیا ہے! پھر پوچھا گیا کہ کونسا جہاد افضل ہے؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا، وہ شخص جس کا خون بہایا جائے اور اس کے گھوڑے کی ٹانگیں کاٹ دی جائے۔

یہ سب کی سب احادیث دلیل ہے اس بات پر کہ فقیر کا مشقت والا صدقہ یہ غنی کا اپنے بعض مال کے صدقہ کرنے سے بہتر ہے، جس مال کے صدقہ سے مالدار پر کچھ نقصان کا اثر ظاہر نہ ہو، حالانکہ وہ صدقہ کیا ہوا مال کثیر ہے، اس لئے کہ اعمال کا تفاضل اللہ کے نزدیک دل کے اخلاص کے تفاضل سے ہوتا ہے نہ کہ کثرت اور صورتوں سے افضلیت ہوتی ہے۔

﴿فصل﴾

اور یہ حضرات (جو فقیرِ صابر کی افضلیت کے قائل ہیں) ابن عدی کی روایت سے استدلال کرتے ہیں، حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے آپ نے فرمایا: ﴿اللهم توفني فقيراً ولا توفني غنيا﴾ اے اللہ مجھے حالتِ فقر میں وفات عطا کر اور مجھے حالتِ غناء میں موت عطا نہ کر۔

اور یہ حدیث صحیح نہیں ہے اس لئے کہ (اس حدیث کی سند میں ایک راوی) خالد بن یزید بن عبدالرحمٰن دمشقی ان کے ضعیف ہونے پر اوران کی حدیث سے عدمِ استدلال پر محدثین کا اتفاق اور اجماع ہے، اور امام احمدؒ فرماتے ہیں کے وہ کوئی (قابلِ استدلال) چیز نہیں ہے اور ابن معین فرماتے ہیں ''واہ'' اور یحییٰ بن قطان فرماتے ہیں وہ کذاب ہے جیسے کہ پہلے گزر چکا۔

اور تحقیق کہ حضرت شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ سے اس مسئلہ کے بارے میں پوچھا گیا تو انہوں نے فرمایا کہ اکثر متاخرین علماء نے اس مسئلہ (غنی شاکر اور فقیر صابر) میں اختلاف کیا ہے کہ ان میں سے کون افضل ہے؟ لہٰذا علماء وعابدین کی ایک جماعت نے ایک کوراجح قرار دیا ہے اور دیگر علماء وعابدین نے دوسرے کوراجح قرار دیا، اور امام احمدؒ سے اس سلسلہ میں دوروایت مروی ہے، اور صحابہ وتابعین تو ان میں سے کسی سے بھی ان دو میں سے ایک کی دوسرے پر کوئی افضلیت منقول نہیں؟ اور ایک تیسری جماعت کہتی ہے کہ ان دو (فقیر صابر غنی شاکر) میں سے کسی کو بھی ایک دوسرے پر بغیر تقویٰ کے کوئی افضلیت نہیں ہے، لہٰذا ان میں سے جس کا ایمان وتقویٰ اعظم ہوگا تو وہ افضل ہوگا، اور وہ دونوں اگر ایمان وتقویٰ میں برابر ہے تو افضلیت میں بھی مساوی وبرابر ہوں گے۔

مصنف فرماتے ہیں کہ یہ (آخری قول) اقوال میں سے اصحّ قول ہے، اس لئے کہ قرآن اوراحادیث کی نصوص ایمان وتقویٰ کی بنیاد پر افضلیت کو ثابت کرتے ہیں، اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿اِنْ يَكُنْ غَنِيًّا اَوْ فَقِيْرًا فَاللّٰهُ اَوْلٰى بِهِمَا﴾ ترجمہ: ''وہ شخص اگر امیر ہے تو اور غریب ہے تو دونوں کے ساتھ اللہ تعالیٰ کو زیادہ تعلق ہے'' اور تحقیق کہ انبیاء علیہم السلام اور سابقین اوّلین (صحابہ) میں جو اغنیاء ومالدار ہیں وہ اکثر فقراء سے افضل ہیں، اور انبیاء علیہم السلام اور سابقین اوّلین (صحابہ) میں جو فقراء ہیں وہ اکثر اغنیاء سے افضل ہے، اور کاملین وہ ہیں جو ان دونوں مقام ودرجہ سے سرفراز ہیں، یعنی وہ حضرات شکر وصبر کو کامل طریقہ سے انجام دیتے ہیں، جیسے کہ ہمارے نبی کریم ﷺ کا حال اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ وعمر رضی اللہ عنہ کا حال ہے۔

لیکن کبھی کبھی فقر بعض لوگوں کے لئے نافع ہوتا ہے اور دیگر لوگوں کے لئے غناء زیادہ نافع ہوتا ہے جیسے کہ بعض لوگوں کے لئے صحت وتندرستی نافع ہوتی ہے اور بعضوں کے لئے مرض نافع ہوتا ہے جیسے کہ وہ حدیث جس کو امام بغوی وغیرہ نے روایت کی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں، میرے

بندوں میں سے بعض بندے وہ ہیں جن کے لئے غناء و مالداری ہی مصلحت ہوتی ہے اگر میں ان کو فقیر کردوں تو وہ (فقیری) اس کو خراب کردے، اور میرے بعض بندے وہ ہیں جن کے لئے فقر ہی صحیح ہے اگر میں ان کو مالدار کردوں تو وہ (غنٰی) اس کو خراب کردے، اور میرے بعض بندے وہ ہیں کہ ان کے لئے صحت وتندرستی ہی مناسب ہے اگر میں ان کو مریض کردوں تو وہ (مرض) اس کو خراب کردے گا، اور میرے بعض بندے وہ ہیں جن کے لئے مرض ہی مناسب ہے اگر میں ان کو تندرستی دیدوں تو وہ ان کو خراب کردے، اپنے بندوں میں میں ہی تدبیر کرتا ہوں اور میں ان کے (مکمل حالات) سے باخبر دیکھنے والا ہوں۔

اور تحقیق کہ نبی کریم ﷺ سے صحیح روایت سے ثابت ہے آپ ﷺ نے فرمایا کہ فقراء مسلمین مالداروں سے پہلے جنت میں داخل ہوں گے، اور دوسری حدیث میں ہے جب نبی کریم ﷺ نے فقراء کو بعدِ نماز ذکر سکھلایا تو مالداروں نے سنا تو وہ لوگ بھی وہی ذکر کرنے لگے، تو فقراء صحابہ نے اس کا ذکر نبی کریم ﷺ سے کیا، تو آپ ﷺ نے فرمایا: ﴿ذَالِكَ فَضۡلُ اللّٰهِ يُؤۡتِيهِ مَنۡ يَشَاءُ﴾ تو فقراء اپنے حساب کے ہلکا وخفیف ہونے کی وجہ سے جنت میں پہلے داخل ہوں گے اور مالدار اپنے حساب کی وجہ سے تاخیر سے داخل ہوں گے، پھر جب ان (فقراء واغنیاء) کا حساب (موازنہ) ہوگا اور مالداروں کی نیکیاں فقراء کی نیکیوں سے اعظم وبڑھی ہوئی ہوگی تو ان (اغنیاء) کا درجہ بھی جنت میں اعلیٰ ہوگا، اگر چہ وہ داخل ہونے میں مؤخر ہیں، جیسے کہ ستر ہزار غرباں جو جنت میں بغیر حساب کے داخل ہوں گے ان میں سے عکاشہ بن محصن بھی ہے، تو جنت میں حساب کے بعد وہ شخص بھی داخل ہوگا جو ان میں سے کسی سے درجات میں افضل ہوگا لیکن ہاں! وہ ستر ہزار لوگ حساب کے تھکان سے راحت پالیں گے، تو یہ اس فقیر کے بارے میں ہے جو کتاب وسنت میں مذکور ہے اور یہ (فقر) اس غنیٰ کی ضد ہے جس میں زکوٰۃ لینا جائز ہے، یا اس غنیٰ کی ضد ہے جس میں زکوٰۃ ثابت نہیں ہوتی۔

پھر بہت سے لوگوں کی اصطلاح میں فقر زہد وعبادت اور اخلاق کا نام ہوگیا ہے اور وہ حضرات ان لوگوں کو جو ان (زہد وعبادت کی) صفات سے متصف ہوتے ہیں ان کو فقیر کہنے لگے اگر چہ وہ مالدار ہو اور جو لوگ ان صفات سے متصف نہ ہوتے ان کو وہ فقیر نہیں کہتے اگر چہ اس کے پاس تھوڑا بھی مال نہ ہو، اور اسی مطلب کو ''تصوف'' بھی کہتے ہیں، اور بعض حضرات اس شخصیتِ فقیر اور شخصیتِ صوفی میں فرق کرتے ہیں، پھر انہی میں سے بعض شخصیتِ فقیر کو افضل کہتے ہیں، اور بعض شخصیتِ صوفی کو افضل کہتے ہیں۔

اور تحقیق اس باب میں یہ ہے کہ ان ایجاد کردہ اصطلاحات کی طرف کوئی توجہ نہ دی جائے بلکہ ان اسماء ومطالب کی طرف دیکھنا چاہیئے جو قرآن وحدیث میں مذکور ہے اور اللہ تعالیٰ نے اپنے اولیاء ومحبین کے اوصاف صرف ایمان وتقوی کو بیان کیا ہے لہٰذا جس شخص کو ان صفات میں سے زیادہ سے زیادہ حصہ حاصل ہے وہ افضل ہے، اور غنی وفقیر اس کے علاوہ ہیں۔

﴿تیئیسواں باب﴾

وہ آیات واحادیث اورآثار وقیاس جس سے فقراءِ صابرین احتجاج کرتے ہیں

فقراء حضرات فرماتے ہیں کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے قرآن مجید میں مال وغنی کوصرف چند وجوہ ہی سے بیان کیا ہے۔

(پہلی وجہ) اللہ تعالیٰ نے مال کو مذمت وبرائی کے طور پر ذکر کیا ہے جیسے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:﴿كَلَّا اِنَّ الْاِنْسَانَ لَيَطْغٰى. اَن رَّآهُ اسْتَغْنٰى﴾ ترجمہ:''سچ مچ بیشک آدمی حد سے نکل جاتا ہےاس وجہ سے کہ اپنے کو مستغنی دیکھتا ہے''۔

اوراللہ تعالیٰ نے فرمایا:﴿وَلَوْ بَسَطَ اللّٰهُ الرِّزْقَ لِعِبَادِهٖ لَبَغَوْا فِى الْاَرْضِ﴾ ترجمہ:''اوراگراللہ تعالیٰ اپنے سب بندوں کے لئے روزی فراخ کردیتا تو دنیامیں شرارت کرنے لگتے''۔

اوراللہ تعالیٰ نے فرمایا:﴿وَلَوْلَا اَنْ يَّكُوْنَ النَّاسُ اُمَّةً وَّاحِدَةً لَّجَعَلْنَا لِمَنْ يَّكْفُرُ بِالرَّحْمٰنِ لِبُيُوْتِهِمْ سُقُفاً مِّنْ فِضَّةٍ وَّمَعَارِجَ عَلَيْهَا يَظْهَرُوْنَ. وَلِبُيُوْتِهِمْ اَبْوَابًا وَّسُرُراً عَلَيْهَا يَتَّكِئُوْنَ. وَزُخْرُفًا وَاِنْ كُلُّ ذَالِكَ لَمَّا مَتَاعُ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا. وَالآخِرَةُ عِنْدَ رَبِّكَ لِلْمُتَّقِيْنَ﴾ ترجمہ:''اوراگر یہ بات نہ ہوتی کہ تمام آدمی ایک ہی طریقہ کے ہوجاویں گےتو جولوگ خدا کے ساتھ کفر کرتے ہیں ہم ان کے لئے ان کے گھروں کی چھتیں چاندی کی کردیتے اورزینے بھی جن پر چڑھا کرتے اوران کے گھروں کے کواڑ بھی اورتخت بھی جن پر تکیہ لگا کر بیٹھتے ہیں اورسونے کے بھی، اوریہ سب کچھ بھی نہیں صرف دنیوی زندگی کی چندروزہ کامرانی ہےاورآخرت آپ کے پروردگار کے یہاں خداترسوں کے لئے ہے''۔

اوراللہ تعالیٰ نے فرمایا:﴿فَلَا تُعْجِبْكَ اَمْوَالُهُمْ وَلَا اَوْلَادُهُمْ اِنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ بِهَا فِى الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَتَزْهَقَ اَنْفُسُهُمْ وَهُمْ كَافِرُوْنَ﴾ ترجمہ:''سوان کے اموال اوراولاد آپ کوتعجب میں نہ ڈالیں، اللہ کوصرف یہ منظور ہیں کہ ان چیزوں کی وجہ سے دنیوی زندگی میں ان کوگرفتارِعذاب رکھےاوران کی جان کفرہی کی حالت میں نکل جاوے''۔

اوراللہ تعالیٰ نے فرمایا:﴿اَلْمَالُ وَالْبَنُوْنَ زِیْنَةُ الْحَیَاةِ الدُّنْیَا ﴾ترجمہ:’’مال اوراولادحیاتِ دنیا کی ایک رونق ہے‘‘۔

اوراللہ تعالیٰ نے فرمایا:﴿زُیِّنَ لِلنَّاسِ حُبُّ الشَّھَوَاتِ مِنَ النِّسَآءِ وَالْبَنِیْنَ وَالْقَنَاطِیْرِ الْمُقَنْطَرَةِ مِنَ الذَّھَبِ وَالْفِضَّةِ﴾ترجمہ:’’لوگوں کومرغوب چیزوں (یعنی)عورتیں،بیٹے،ڈھیر لگے ہوئے سونا چاندی کی محبت خوشنما معلوم ہوتی ہے‘‘اوراس کی دیگر بہت ساری مثالیں ہیں۔

(دوسری وجہ) یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مال کو بطور ابتلاء وامتحان کے ذکر کیا ہے،اللہ تعالیٰ نے فرمایا:﴿اِنَّمَا اَمْوَالُکُم وَاَوْلَادُکُم فِتْنَةٌ﴾۔

اوراللہ تعالیٰ نے فرمایا:﴿اَیَحْسَبُوْنَ اَنَّمَا نُمِدُّھُمْ بِهٖ مِنْ مَّالٍ وَّبَنِیْنَ . نُسَارِعُ لَھُمْ فِی الْخَیْرَاتِ بَلْ لَّایَشْعُرُوْنَ ﴾ترجمہ:’’کیا یہ لوگ یوں گمان کررہے ہیں کہ ہم ان کو جو کچھ مال واولاد دیتے چلے جاتے ہیں تو ہم ان کو جلدی جلدی فائدے پہونچارہے ہیں (یہ بات ہرگزنہیں) بلکہ یہ لوگ نہیں جانتے‘‘۔

اوراللہ تعالیٰ نے باخبر کیا کہ وہ غنیٰ ومالداری سے اسی طرح آزماتا ہے جس طرح وہ فقرو محتاجگی سے آزماتا ہے،اللہ تعالیٰ نے فرمایا:﴿فَاَمَّا الْاِنْسَانُ اِذَا مَاابْتَلَاهُ رَبُّهٗ فَاَکْرَمَهٗ وَنَعَّمَهٗ فَیَقُوْلُ رَبِّی اَکْرَمَن ﴾ترجمہ:’’سوآدمی کو جب اس کا رب آزماتا ہے یعنی اس کو اکرام وانعام دیتا ہے تو وہ کہتا ہے کہ میرے رب نے میری قدر بڑھادی‘‘۔

اوراللہ تعالیٰ نے فرمایا:﴿وَنَبْلُوْکُمْ بِالشَّرِّ وَالْخَیْرِ فِتْنَةً وَاِلَیْنَا تُرْجَعُوْنَ﴾ترجمہ:’’ہم تم کو بری بھلی حالتوں سے اچھی طرح آزماتے ہیں اور پھر تم سب ہمارے پاس چلے آؤگے‘‘۔

(تیسری وجہ) اللہ تعالیٰ نے آگاہ فرمایا کہ مال واولاد اس سے اللہ عزوجل کا تقرب ذرہ برابر حاصل نہیں کیا جاسکتا،اورتقرب تو صرف ایمان اوراعمالِ صالحہ ہی سے حاصل ہوتا ہے،جیسے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:﴿وَمَا اَمْوَالُکُمْ وَلَا اَوْلَادُکُمْ بِالَّتِیْ تُقَرِّبُکُمْ عِنْدَنَا زُلْفٰی اِلَّا مَنْ آمَنَ وَعَمِلَ صَالِحاً فَاُولٰئِكَ لَھُمْ جَزَاءُ الضِّعْفِ بِمَا عَمِلُوْا وَھُمْ فِی الْغُرُفَاتِ آمِنُوْنَ﴾ترجمہ:’’اورتمہارے اموال واولاد ایسی چیزنہیں جو تم کو درجہ میں ہمارا مقرب بنادے۔ہاں!مگر جو ایمان لاوے اوراچھے کام کرے سوایسے لوگوں کے لئے ان کے عمل کا دگنا صلہ ہے اوروہ بالاخانوں میں چین سے ہونگے‘‘۔

(چوتھی وجہ) اللہ تعالیٰ نے خبر دار کیا کہ دنیا، مالداری، مال یہ سب صرف عیش کی چیزیں ہیں ان لوگوں کے لئے جن کا آخرت میں کوئی حصہ نہیں اور آخرت تو صرف اللہ نے متقیوں کے لئے بنائی ہے، جیسے کہ اللہ جل جلالہ نے فرمایا: ﴿وَلَا تَمُدَّنَّ عَيۡنَيۡكَ إِلَىٰ مَا مَتَّعۡنَا بِهِۦٓ أَزۡوَٰجًا مِّنۡهُمۡ زَهۡرَةَ ٱلۡحَيَوٰةِ ٱلدُّنۡيَا لِنَفۡتِنَهُمۡ فِيهِۚ وَرِزۡقُ رَبِّكَ خَيۡرٌ وَأَبۡقَىٰ﴾ ترجمہ: ''اور ہرگز ان چیزوں کی طرف آپ آنکھ اُٹھا کر بھی نہ دیکھیئے جن سے ہم نے کفار کے مختلف گروہوں کو ان کی آزمائش کے لئے متمتع کر رکھا ہے کہ وہ دنیوی زندگی کی رونق ہے، اور آپ کے رب کا عطیہ بدرجہا بہتر ہے اور دیرپا ہے'' اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿وَيَوۡمَ يُعۡرَضُ ٱلَّذِينَ كَفَرُواْ عَلَى ٱلنَّارِ أَذۡهَبۡتُمۡ طَيِّبَٰتِكُمۡ فِي حَيَاتِكُمُ ٱلدُّنۡيَا وَٱسۡتَمۡتَعۡتُم بِهَا﴾ ترجمہ: ''اور جس روز کفار آگ کے سامنے لائے جاویں گے کہ تم اپنی لذت کی چیزیں اپنی دنیوی زندگی میں حاصل کر چکے اور ان کو خوب برت چکے'' اور اسی معنی ومطلب کی طرف نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے ﴿أَمَا تَرۡضَىٰ أَنۡ تَكُونَ لَهُمُ الدُّنۡيَا وَلَنَا فِي الْآخِرَةِ﴾ اور عنقریب یہ حدیث آگے آئے گی۔

(پانچویں وجہ) اللہ تعالیٰ نے خوشحال لوگوں اور اصحابِ ثروت کو مذمت وبرائی کے ساتھ ہی یاد فرمایا ہے، جیسے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿إِنَّهُمۡ كَانُواْ قَبۡلَ ذَٰلِكَ مُتۡرَفِينَ﴾ اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿وَإِذَآ أَرَدۡنَآ أَن نُّهۡلِكَ قَرۡيَةً أَمَرۡنَا مُتۡرَفِيهَا فَفَسَقُواْ فِيهَا﴾ اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿لَا تَرۡكُضُواْ وَٱرۡجِعُوٓاْ إِلَىٰ مَآ أُتۡرِفۡتُمۡ فِيهِ وَمَسَٰكِنِكُمۡ لَعَلَّكُمۡ تُسۡـَٔلُونَ﴾ ترجمہ: ''بھاگو مت اور اپنے سامانِ عیش کی طرف اور اپنے مکانوں کی طرف واپس چلو شاید تم سے پوچھا جاوے''۔

(چھٹی وجہ) اللہ تعالیٰ نے مال سے محبت کرنے والوں کی برائی کی ہے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿وَتَأۡكُلُونَ ٱلتُّرَاثَ أَكۡلًا لَّمًّا وَتُحِبُّونَ ٱلۡمَالَ حُبًّا جَمًّا﴾ ترجمہ: ''اور میراث کا مال سارا سمیٹ کر کھا جاتے ہو اور مال سے بہت ہی محبت رکھتے ہو'' تو اللہ تعالیٰ نے ان کی مذمت وبرائی فرمائی مال کی محبت کی وجہ سے اور ان کو اس پر عار دلائی۔

(ساتویں وجہ) اللہ تعالیٰ نے دنیا اور مالداری کی تمنا کرنے والے کی اور اس میں محنت وسعی کرنے والے کی مذمت وبرائی فرمائی ہے، اور جو لوگ ان پر انکار کرتے ہیں اور تردید کرتے ہیں اور جو اس کی مخالفت کرتے ہیں اللہ نے ان کی مدح وتعریف فرمائی لہٰذا اللہ تعالیٰ اس زمانہ کے سب سے زیادہ غنی ومالدار کے

بارے میں فرماتے ہیں ﴿فَخَرَجَ عَلٰی قَوْمِهٖ فِیْ زِیْنَتِهٖ قَالَ الَّذِیْنَ یُرِیْدُوْنَ الْحَیَاةَ الدُّنْیَا یَالَیْتَ لَنَا مِثْلَ مَا اُوْتِیَ قَارُوْنُ اِنَّهٗ لَذُوْحَظٍّ عَظِیْمٍ. وَقَالَ الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ وَیْلَكُمْ ثَوَابُ اللّٰهِ خَیْرٌ لِّمَنْ آمَنَ وَعَمِلَ صَالِحاً وَلَا یُلَقَّاهَا اِلَّا الصَّابِرُوْنَ﴾ ترجمہ: ''پھر وہ اپنی آرائش سے اپنی برادری کے سامنے نکلا جو لوگ دنیا کے طالب ہے کہنے لگے کیا خوب ہوتا کہ ہم کو بھی وہ ساز و سامان ملا ہوتا جیسا قارون کو ملا ہے واقع بڑا صاحب نصیب ہے، اور جن لوگوں کو فہم عطا ہوئی تھی وہ کہنے لگے ارے تمہارا ناس ہو اللہ تعالیٰ کے گھر کا ثواب ہزار درجہ بہتر ہے جو ایسے شخص کو ملتا ہے کہ ایمان لائے اور نیک عمل کرے اور انہی کو دیا جاتا ہے جو صبر کرنے والے ہیں'' تو ان (علماء نے) بتایا کہ جو چیزیں اللہ کے پاس ہے وہ دنیا سے کئی بہتر ہے اس شخص کے لئے جو اللہ پر ایمان لائے اور نیک اعمال کئے اور اس وصیت کو پس پشت نہیں ڈالتا اور وہ وصیت وہ بات ہے جو اہلِ علم نے کہی تھی یا تو وہ ثواب ہے یا جنت ہے جس پر دلیل اللہ کا قول ﴿ثَوَابُ اللّٰهِ خَیْرٌ﴾ ہے، اور وہ طریقہ اور راستہ ہے جس پر اللہ کا قول ﴿لِمَنْ آمَنَ وَعَمِلَ صَالِحاً﴾ دلیل ہے بہر حال دونوں صورت میں اس وصیت و نصیحت کو قبول نہیں کرتے مگر وہی لوگ جو فقر پر صبر کرنے والے ہیں اور دنیا اور دنیا کی شہوات اور وہ چیزیں جس میں مالدار ناز میں ہیں ان سب سے بچنے پر صبر کرنے والے ہیں، اور اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کے بارے میں شہادت دی کہ وہی حضرات اہل علم ہیں نہ کہ وہ لوگ جو دنیا اور دنیا کی رنگنیوں کی تمنّا کرتے ہیں۔

(آٹھویں وجہ) اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کی تردید کی جو یہ سمجھتے ہیں کہ افضلیت مال کی وجہ سے ہے جس مال کی ضرورت حکومت چلانے میں پڑتی ہے، پھر یہ کیسے ہوسکتا ہے جبکہ وہ مال صرف زیادتی اور فضلہ ہے، لہٰذا اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿وَقَالَ لَهُمْ نَبِیُّهُمْ اِنَّ اللّٰهَ قَدْ بَعَثَ لَكُمْ طَالُوْتَ مَلِكاً قَالُوْا اَنّٰی یَكُوْنُ لَهُ الْمُلْكُ عَلَیْنَا وَنَحْنُ اَحَقُّ بِالْمُلْكِ مِنْهُ وَلَمْ یُؤْتَ سَعَةً مِّنَ الْمَالِ قَالَ اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفَاهُ عَلَیْكُمْ وَزَادَهُ بَسْطَةً فِی الْعِلْمِ وَالْجِسْمِ﴾ ترجمہ: ''اور ان لوگوں سے ان کے پیغمبر نے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے تم پر طالوت کو بادشاہ مقرر فرمایا کہنے لگے ان کو ہم پر حکمرانی کا کیسے حق حاصل ہوسکتا ہے حالانکہ بنسبت ان کے ہم حکمرانی کے زیادہ مستحق ہیں اور ان کو تو کچھ مالی وسعت بھی نہیں دی گئی ان پیغمبر نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے تمہارے مقابلہ میں ان کو منتخب فرمایا ہے اور علم اور جسامت میں اس کو زیادتی دی ہے'' تو اللہ نے ان بنی اسرائیل کے قول کی تردید کی، اور اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے بتلایا کہ فضیلت مال سے نہیں جیسے کہ وہ سمجھتے ہے، اور فضیلت تو علم سے ہے نہ

کہ مال سے! اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿قُلْ بِفَضْلِ اللّٰهِ وَبِرَحْمَتِهِ فَبِذَالِكَ فَلْيَفْرَحُوا هُوَخَيْرٌ مِّمَّا يَجْمَعُوْنَ﴾ ترجمہ: ''آپ کہہ دیجئے کہ پس لوگوں کو خدا کے اس انعام اور رحمت پر خوش ہونا چاہئے وہ اس سے بدرجہا بہتر ہے جس کو جمع کر رہے ہیں'' تو اللہ تعالیٰ کا فضل اور اس کی رحمت تو علم، ایمان اور قرآن ہے، اور جو کچھ وہ جمع کرتے ہیں تو وہ مال اور اس کے اسباب ہے، اور اس کی مثال اللہ کا قول ﴿اَهُمْ يَقْسِمُوْنَ رَحْمَةَ رَبِّكَ سے وَرَحْمَةُ رَبِّكَ خَيْرٌ مِّمَّا يَجْمَعُوْنَ﴾ تک ہے۔

(نویں وجہ) اللہ تعالیٰ نے فرمایا: مال وغیرہ کو جمع کرنے میں اور اس کے لئے تیاری کرنے میں فخر کرنا یہ (چیز) لوگوں کو غافل کر دیتی ہے اور آخرت سے غافل کر دیتی ہے، لہٰذا اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿اَلْهٰكُمُ التَّكَاثُرُ. حَتّٰى زُرْتُمُ الْمَقَابِرَ. كَلَّا سَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ثُمَّ كَلَّا سَوْفَ تَعْلَمُوْنَ﴾ ترجمہ: ''فخر کرنا تم کو غافل کئے رکھتا ہے، یہاں تک کہ تم قبرستانوں میں پہونچ جاتے ہو، ہرگز نہیں تم کو بہت جلد معلوم ہو جاوے گا پھر ہرگز نہیں تم کو بہت جلد معلوم ہو جاوے گا'' تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ یہ تکاثر (کثرتِ مال پر فخر کرنا) اہل دنیا کا شغل ہے اور ان کو اللہ اور آخرت سے غافل کر دیتا ہے حتی کہ ان کے پاس موت حاضر ہو جاتی ہے، پھر وہ قبروں کی زیارت کرتے ہیں اور وہ لوگ جن کو تکاثر نے غافل کر دیا ہے اپنی خوابِ غفلت سے بھی کبھی بیدار نہیں ہوتے اور اللہ تعالیٰ نے ''حتی'' کی غایت قبر کی زیارت کو قرار دی نہ کہ موت کو اس بات پر تنبیہ کرنے کے لئے کہ وہ قبر نہ لوگوں کا وطن ہے اور نہ مستقر ہے (بلکہ) وہ لوگ قبروں میں بمنزلۂ زائرین ہیں کہ وہ کچھ مدت وہاں پر حاضر ہوئے ہیں، پھر ان کو وہاں سے کوچ کرنا ہے، روانہ ہونا ہے جیسے کہ وہ دنیا میں اسی طرح زائرین تھے کہ دنیا مستقر نہیں تھا اور دار القرار تو جنت یا جہنم ہے، اور اللہ تعالیٰ نے کثرتِ مال پر فخر کرنے والوں کو متعین نہیں کیا بلکہ اس کے ذکر کو ترک کر دیا، یا تو اس لئے کہ مذموم تو وہی نفسِ کثرتِ مال پر فخر کرنا ہے نہ کہ نفسِ وہ شخص جو کثرتِ مال پر فخر کرتا ہے، جیسے کہ کہا جاتا ہے تجھ کو لہو ولعب نے غافل کر دیا، اور ان چیزوں کو ذکر نہیں کیا جس سے وہ لہو ولعب کرتا تھا! اور یا تو اس لئے کہ مراد اطلاق ہے اور وہ ہر وہ چیز ہے جس چیز پر یا جس کی کثرت پر بندہ فخر کرتا ہے چاہے وہ مال ہو یا جاہ ہو یا غلام ہو یا باندی ہو یا عمارتیں ہو یا باغات ہو یا وہ علم ہو جس میں رضاءِ الٰہی مقصود نہ ہو یا اس عمل کے لئے نہ ہو جو اللہ سے قریب کر دے، کوئی بھی اسبابِ دنیا ہو، یہ سب کا سب تکاثر ہے جو اللہ سے اور دارِ آخرت سے غافل کر دینے والے ہیں۔

صحیح مسلم میں حضرت عبداللہ بن شخیر رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے وہ فرماتے ہیں کہ میں نبی کریم ﷺ کے پاس پہونچا تو آپ ﷺ پڑھ رہے تھے "اَلْهٰكُمُ التَّكَاثُرُ" اور فرمایا کہ انسان کہتا ہے کہ میرا مال میرا مال، اور تیرا مال تو وہی ہے جو تو نے صدقہ کیا اور تو نے اس کو جاری کر دیا، اور جو مال تو نے کھایا اور تو نے وہ ختم کر دیا، یا جو تو نے پہنا اور تو نے اس کو پرانا کر دیا۔

پھر اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کی وعید بیان فرمائی جن کو تکاثر نے غافل کر دیا ہے اس وقت جبکہ وہ لوگ کثرتِ مال کو ھباءً منثورہ دیکھیں گے، اور جب اس دنیا (کی حقیقت) کو جان لیں گے جس کو وہ کثرت سے حاصل کرتے ہیں کہ وہ دنیا دھوکہ باز و غرّار ہے، پھر ان کے تکاثر کا نتیجہ ان کو سزا ہوگی نہ کہ ثواب ملے گا، اور یہاں پانچ چیزیں ہیں کہ ان کا تکاثر ایسا ہی ہے جیسا کہ خود وہ پانچ چیزیں خسارہ والی ہیں اور اللہ کی طرف سے ایسے اموراس کے سامنے ظاہر ہوں گے جو اس کے گمان میں بھی نہ ہوں گے، اور ان کا تکاثر جس نے ان کو اللہ اور دارِ آخرت سے غافل کر دیا تھا ان کے لئے سب سے بڑے اسبابِ عذاب ہو جائیں گے! لہٰذا ان کے تکاثر پر دنیا میں ان کو عذاب دیا جائے گا پھر برزخ میں بھی عذاب دیا جائے گا، پھر قیامت کے دن عذاب دیا جائے گا پھر یہ شخص اپنے تکاثر کی وجہ سے سب سے بڑا شقی ہوگا جب اس کو محض ہلاکت و خرابی حاصل ہوگی، اور راحت وسلامتی حاصل نہیں ہوگی، سو وہ اپنے تکاثر کی وجہ سے کامیاب نہ ہوگا مگر ہاں! وہ مفلسین میں سے ہوگا اور نہ اس کا وہ عالی مقام محفوظ رہے گا جو دنیا میں اس کی وجہ سے تھا مگر ہاں! وہ اسفلین میں سے ہوگا، ہائے افسوس اس کے تکاثر پر کہ کیا مفلس کرنے والا ہے اور کیا ہی بڑی مصیبت ہے جو باقی رہنے والی ہے اور مالداری پر جو ہر فقر کو لانے والی ہے اور اس مال پر جو شر تک پہنچانے والا ہے، صاحبِ تکاثر کہے گا جب پردہ ہٹے گا ہائے افسوس کہ کچھ کر لیتا اور طاعتِ الٰہی میں زندگی گزار دیتا موت سے پہلے ﴿رَبِّ ارْجِعُوْنِ . لَعَلِّیْ اَعْمَلُ صَالِحاً فِیْمَا تَرَكْتُ كَلَّا اِنَّهَا كَلِمَةٌ هُوَ قَائِلُهَا﴾ یہ ایک کلمہ ہے جس کو وہ کہے گا اس پر توجہ نہ دی جائے گی، اور رجوع کی درخواست ہے جو قبول نہ ہوگی۔

اور تو غور کر اس کے قول میں کہ "ربِّ" اس نے لفظ ربّ سے مدد طلب کی پھر اس نے ان فرشتوں کی طرف التفات کیا جن فرشتوں کو اللہ کے سامنے حاضری کا حکم دیا گیا ہے، لہٰذا اس نے کہا "ارجعون" پھر اس نے واپسی کے طلب کرنے کے سبب کو بھی پیش کیا اور وہ یہ ہے کہ اپنا وہ مال و جاہ اور حکومت وقوّت اور اسبابِ

عمل جو اس نے اپنے پیچھے چھوڑ دیئے تھے ان کے ذریعہ وہ اعمالِ صالحہ کو آگے بھیج دیوے، لہٰذا اس کو کہا جائے گا " کلّا " ہر گز ایسا نہیں ہوسکتا، تیری واپسی کا کوئی راستہ نہیں ہے اور ہم نے تجھ کو اتنی عمر و زندگی عطا کی تھی جس میں کوئی نصیحت حاصل کرنا چاہتا تو کر سکتا تھا۔

اور اللہ کی شانِ رحیمی و کریمی کا یہ عالم ہے کہ وہ طالبِ مدد کو جواب دیتا ہے اور یہ کہ اس کو مہلت میں بھی وسعت دیتا ہے تاکہ وہ مافات کی تلافی کرے تو اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے بتلایا کہ اس مفرط کا واپسی کو طلب کرنا محض ایک بات ہے جس کے تحت کوئی فائدہ نہیں اور یہ کہ اس شخص کی طبیعت وفطرت اس بات سے مانع ہے کہ وہ نیک عمل کرے اگر اس کی درخواست کو قبول کرلیا جائے جو کہ محض بکواس ہے اس لئے کہ اگر اس کو لوٹا بھی دیا جائے تو پھر بھی وہ انہی افعال کو انجام دے گا جس سے اس کو روکا گیا ہے وہ جھوٹا ہے بس اس (عدمِ اجابت) کی حکمت احکم الحاکمین ہی جانتا ہے اور اس کی عزت وعظمت اور اس کا علم وجلال اس سوال کے قبول کرنے سے مانع ہے اس لئے کہ اس میں کوئی فائدہ نہیں ہے، اگر اس کو واپس دنیا میں لوٹا دیا جائے تو اس کی یہ حالتِ ثانیہ حالتِ اولیٰ جیسی ہی ہوگی، جیسے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿وَلَوْ تَرَىٰ إِذْ وُقِفُوا عَلَى النَّارِ فَقَالُوا يَا لَيْتَنَا نُرَدُّ وَلَا نُكَذِّبَ بِآيَاتِ رَبِّنَا وَنَكُونَ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ. بَلْ بَدَا لَهُم مَّا كَانُوا يُخْفُونَ مِن قَبْلُ وَلَوْ رُدُّوا لَعَادُوا لِمَا نُهُوا عَنْهُ وَإِنَّهُمْ لَكَاذِبُونَ﴾ ترجمہ: ’’اور اگر آپ اس وقت دیکھیں جب کہ یہ دوزخ کے پاس کھڑے کئے جاوے لگے تو کہے لگے ہائے کیا اچھی بات ہو کہ ہم پھر واپس بھیج دئے جاویں اور اگر ایسا ہو جاوے تو ہم اپنے رب کی آیات کو جھوٹا نہ بتاویں اور ہم ایمان والوں سے ہو جائیں، بلکہ جس چیز کو اس کے قبل وہ دبایا کرتے تھے وہ ان کے سامنے آگئی ہیں اور اگر یہ لوگ پھر واپس بھی بھیج دیئے جائیں تب بھی یہ وہی کام کریں جن سے ان کو منع کیا گیا تھا‘‘۔

تحقیق کہ مفسرین اس آیت کی تفسیر میں سرگرداں پریشان رہے ہیں، اور ان پر بہت سے اشکالات وارد ہوتے ہیں، اور ان کے اقوال کا نتیجہ تو تو اس کو ایسا پائے گا کہ نہ اس سے کوئی مریض شفایاب ہوتا ہے اور نہ کوئی پیاسا سیراب ہوتا ہے، اور اس آیت کا معنی ومطلب اس سے کئی زیادہ عظیم وجلیل ہے جس کی ان مفسرین نے تفسیر کی ہے اور وہ مفسرین حرفِ "بل" کے ذریعہ قطعِ کلام کو نہ سمجھ سکے، اور نہ اس چیز کو سمجھ سکے جو کافروں کے سامنے ظاہر ہوگی جس کو وہ چھپاتے ہیں، اور مفسرین نے یہ سمجھا کہ وہ چیز جو کافروں کے سامنے ظاہر ہوگی وہ

عذاب ہے، پھر جب مفسرین نے اپنے اس قول کو اللہ کے قول ﴿مَا كَانُوا يُخفُونَ مِن قَبلُ﴾ کی وجہ سے درست نہ دیکھا تو انہوں نے ایک مضاف کو محذوف مانا، اور وہ ہے ﴿خَيرُ مَا كَانُوا يُخفُونَ مِن قَبلُ﴾ تو پھر ان پر ایک دوسرا اشکال ہو گیا جس کا ان کے پاس کوئی جواب نہیں، اور وہ یہ ہے کہ وہ قومِ کفار اپنے کفر وشرک کو مخفی نہیں رکھتے تھے بلکہ اس کو ظاہر کرتے تھے اور اسی کی طرف دیگر لوگوں کو دعوت دیتے تھے اور اسی پر تو قتل وقتال بھی کرتے تھے! اور جب ان مفسرین نے جان لیا کہ ان پر یہ اشکال ہوا ہے تو انہوں نے یہ کہا کہ قومِ کفار قیامت کے دن بعض مقامات پر اپنے کفر وشرک کو چھپائیں گے، اور اس کا انکار کریں گے اور کہیں گے ﴿وَاللّٰهِ رَبِّنَا مَا كُنَّا مُشرِكِينَ﴾ پھر جب وہ جہنم کے سامنے کھڑے کر دئے جائیں گے تو ان کے سامنے اس کفر کا بدلہ ظاہر ہو جائے گا جس کو وہ چھپاتے تھے، واحدی فرماتے ہیں کہ مفسرین نے اسی تفسیر کو اختیار کیا ہے، حالانکہ اس قول کے قائلین کی کوئی بات پختہ نہیں ہے، اس لئے کے سیاقِ آیات اور ''بل'' کے ذریعہ قطعِ کلام اور اللہ کا ان کے بارے میں خبر دینا کہ اگر ان کو دنیا میں واپس لوٹا بھی دیا جاوے تب بھی وہی اعمال کریں گے جن سے ان کو روکا گیا ہے اور ان کافروں کا قول ﴿وَاللّٰهِ رَبِّنَا مَا كُنَّا مُشرِكِينَ﴾ یہ سب اس تفسیر کی تائید نہیں کرتے جو ان مفسرین نے ذکر کی ہے '' فتأمل ''۔

اور ایک جماعت جس میں زجاج بھی ہے وہ فرماتے ہیں کہ، بلکہ ان کافروں کے سامنے وہ امرِ بعث (مرنے کے بعد زندہ ہونا) ظاہر ہو جائے گا جس کو ان کے سردار (متبوعین) ان سے چھپاتے تھے۔

اور یہ تفسیر بھی تفسیر کی محتاج ہے اور اس میں ایسے تکلفات ہیں جو مخفی نہیں، اور اس تفسیر سے بھی احسن تفسیر امام مبرد کی ہے جو انہوں نے سمجھی ہے وہ فرماتے ہیں کہ ان کافروں کا کفر ان کے سامنے ظاہر نہیں تھا اس لئے ان سے کفر کی سزا مخفی تھی، اور اس قول کا مطلب یہ ہے کہ جب ان کافروں سے کفر کا انجام اور اس کا وبال مخفی تھا تو گویا کہ ان کا کفر بھی ان سے مخفی ہے اس کی حقیقت ان کے سامنے ظاہر نہیں ہے، لہٰذا جب وہ عذاب کا معائنہ کرلیں گے تو اس کفر کی حقیقت اور اس کی بدبختی ظاہر ہو جائے گی، وہ فرماتے ہیں کہ اس قول کی مثال ایسی ہی ہے جیسے کہ تو اس شخص سے کہے جس سے تو کسی معاملہ کے بارے میں گفتگو کر چکا تھا کہ اب تیرے سامنے اس معاملہ کی حقیقت ظاہر ہو گئی جو میں نے تجھ سے کہی تھی، حالانکہ اس سے پہلے بھی اس کے سامنے ظاہر ہی تھا! اور یہ بات سہل نہیں کہ ان کفار کے اس کفر وشرک کو جس کو وہ اپنے عام لوگوں کے سامنے بآواز بلند کہتے تھے اور

اسی کی طرف ہر حاضر وغائب (ہر شہری، دیہاتی) کو دعوت دیتے تھے اس کے بارے میں کہا جائے کہ وہ اپنے کفر کے انجام کے مخفی ہونے کی وجہ سے اپنے کفر کو چھپاتے تھے، (یہ کہنا صحیح نہیں ہے) (جیسے کہ) اس شخص کو جو ظلم وفساد کو اور لوگوں کے قتل وغارت کو اور زمین میں فساد وخرابی کی سعی بالا ظہار کرتا ہو اس کے بارے میں یہ نہیں کہا جائے گا کہ وہ ان افعال کے سوءِ انجام سے ناواقف ہونے کی وجہ سے اور اس کی سزا اس پر مخفی ہونے کی وجہ سے ان افعال کو کرتا ہے۔

الغرض اللہ ہی اپنے کلام کی مرادوں کو خوب جاننے والا ہے، اس آیت کا معنی یہ ہوا کہ یہ مشرکین لوگ جہنم کے سامنے کھڑے کئے جائیں گے، اور جہنم کا معائنہ کرلیں گے، اور یقین کرلیں گے کہ وہ اس میں داخل ہونے والے ہیں تو وہ تمنّا کریں گے (کاش کہ) وہ لوگ دنیا میں واپس بھیج دئے جائیں تو وہ اللہ اور اس کی آیات مثل قرآن وغیرہ پر ایمان لے آئیں گے، اور اس کے رسولوں کی تکذیب نہیں کریں گے، تو اللہ ﷻ نے بتلایا کہ معاملہ ایسا نہیں ہے، اور اللہ نے بتایا کہ ان کفار کی طبیعت وفطرت میں (صلاحیتِ) ایمان نہیں ہے، بلکہ ان کی فطرت ہی کفر وشرک وتکذیب ہے! اور اللہ تعالیٰ نے بتایا کہ اگر ان کو واپس دنیا میں بھیج بھی دیا جائے تو واپسی کے بعد بھی ایسے ہی ہوں گے جس طرح پہلے تھے، اور اللہ نے بتایا کہ وہ کفار اپنے قول وزعم میں کہ اگر وہ واپس بھیج دیئے گئے تو ایمان وتصدیق کریں گے جھوٹے اور کذاب ہیں۔ واللہ اعلم۔

لہٰذا جب آیت کا مقصود ومراد متعین ہوگئی اور حرف "بل" کے ذریعہ قطعِ کلام کا مطلب بھی واضح ہوگیا اور اس چیز کا معنی بھی واضح ہوگیا کہ جو چیز کافروں کے لئے واضح ہو جائے گی اور وہ چیز جس کو کفار چھپاتے تھے، اور وہ چیز جس نے کفار کو یہ کہنے پر آمدہ کردیا ﴿يَا لَيْتَنَا نُرَدُّ وَلَا نُكَذِّبُ بِآيَاتِ رَبِّنَا﴾ یعنی قومِ کفار جانتے تھے کہ وہ دنیا میں بطلان پر تھے، اور اللہ کے پیغمبروں نے ان کو وہ تمام باتیں سچ کہی تھی جو باتیں ان کو اللہ کی طرف سے پہونچی تھی، اور وہ کفار اس پر یقین کرتے تھے اور اس کو حق جانتے تھے لیکن وہ لوگ اس کو چھپاتے تھے اور دوسروں کے مابین ظاہر نہیں کرتے تھے بلکہ وہ اس کے کتمان وپوشیدہ رکھنے کی تاکید کرتے تھے، لہٰذا قیامت کے دن ان کا دنیا میں واپس جانے کی تمنّا پر اور ایمان لانے کی تمنّا پر آمدہ ہونا یہ اس رسولوں کی تصدیق کی معرفت کے لئے نہیں ہے کہ وہ رسولوں کے صدق کو نہ جانتے ہوں، وہ تو اس کو جانتے ہی تھے لیکن اس کو چھپاتے تھے جس شئی کو لپیٹ کر رکھ دیا تھا یعنی خود کا باطل پر ہونے کا اور رسولوں کے حق پر ہونے کا علم ظاہر

ہو جائے گا، لہٰذا وہ اس کا واضح طور پر معائنہ کرلیں گے بعد اس کے کہ وہ اس کو چھپاتے تھے اور اس کو پوشیدہ رکھتے تھے، لہٰذا اگر ان کو دنیا میں واپس بھیج دیا جائے تب بھی ان کے نفوس ایمان پر آمدہ نہیں ہوں گے، اور کفر وتکذیب ہی کی راہ اختیار کریں گے، تو وہ لوگ ایمان کی تمنّا اس لئے نہیں کریں گے کہ ایمان (قیامت کے دن) حق ہے اور شرک باطل ہے اس بات کا ان کو علم ہو گیا (بلکہ) جب وہ اس عذاب کو دیکھ لیں گے جس کے برداشت کرنے کی ان کو قوّت نہیں ہوگی اس لئے وہ ایمان کی تمنّا کریں گے، اور اس کی (مثال) ایسی ہی ہے جیسے کوئی شخص کسی کی محبت کو اور اس کے معاملہ کو مخفی رکھے، اور وہ جانتا بھی ہو کہ اس کا (اس سے) محبت کرنا غلط وباطل ہے اور صحیح ودرست یہ ہے کہ اس کی محبت سے اعراض کیا جاوے پھر جب اس کو کہا جائے کہ اگر اس کا ولی اس پر مطلع ہو جائے گا تو تجھ کو سزا دے گا اور وہ اس کو جانتا ہے اور (پھر بھی) ضد کرتا ہے، اور کہتا ہے کہ اس سے محبت کرنا اور اس کی بیوی سے معاملہ کرنا درست وصحیح ہے، پھر جب اس کا ولی اس کو پکڑتا ہے تاکہ اس کو سزا دے اور جب اس کو بھی سزا کا یقین ہو جائے تو وہ (اس وقت) تمنّا کرتا ہے کہ اس کی سزا معاف کردی جائے، اور یہ کہ وہ اس کے بعد اس سے ملاقات نہیں کرے گا، حالانکہ اس کے دل میں اس کی محبت اور ملاقات کی حرص ہے اس کو انجام کا معائنہ ہونے کے بعد معاودت (یعنی عدمِ ملاقات) پر آمدہ نہیں ہوا، بلکہ اس سخت سزا وعقوبت کے بعد وہ آمدہ ہوا ہے، لہٰذا سزا کے وقت اس کی معرفت کا غلط ہونا ظاہر ہو گیا جس کو وہ مخفی رکھتا تھا اور یہ بات بھی ظاہر ہو گئی کہ درست وہی ہے جس سے اس کو روکا گیا تھا لہٰذا اگر اس کو واپس کردیا جائے تو پھر وہی کرے گا جس سے اس کو روکا گیا تھا۔

تو تو اس مثال کی اس مطلب کے ساتھ مطابقت میں غور کر اور وہ یہ ہے کہ کفار کے قول "انا لو ردونا لآمنا وصدقنا" کی نفی ہے، اس لئے کہ ہمارے سامنے اب یہ بات ظاہر ہو چکی ہے جو رسول کہتے تھے وہ حق ہے (یعنی) اس طرح نہیں ہے بلکہ اس صدق کو تو تم جانتے ہی تھے اور پہچانتے بھی تھے، اور تم اس کو چھپاتے تھے تو تمہارے لئے تو کوئی ایسی بات ظاہر نہیں ہوئی کہ تم اس کو جانتے نہ ہو کہ تم عذر کرسکو بلکہ تمہارے سامنے وہی معلوم بات ہی ظاہر ہوئی ہے، لیکن تم اس کو چھپانے کی، مخفی رکھنے کی لوگوں کو تاکید کرتے تھے۔ واللہ اعلم۔

اور اس مسئلہ معترضہ کو مسئلہ مذکور جو اس سے اہم اور انفع ہے، طول نہ دیتے ہوئے اس مسئلہ مذکورہ میں کلام کی تکمیل کی طرف رجوع کرتے ہیں۔

(لہٰذا) اللہ تعالیٰ نے فرمایا ﴿كَلَّا لَوْ تَعْلَمُوْنَ عِلْمَ الْيَقِيْنِ﴾ اس کا جواب محذوف ہے جس پر ماقبل

والا جملہ دال ہے، یعنی ﴿اَلْهٰكُمُ التَّكَاثُرُ﴾ کہ جب تم نے دنیوی ساز وسامان پر فخر کیا یعنی تکاثر اور غفلت پائی گئی ان چیزوں سے جو تمہارے لئے بہتر تھی جب تم سے علمِ یقین مفقود ہوگیا، اور (علم یقین) وہ علم ہے جس سے صاحبِ علم ان ضروری (مسائل) کی تعریف وحقیقت تک پہونچ جائے جس کی صحت وثبوت میں کوئی شک وشبہ نہ ہو! تو اگراس علم کی حقیقت قلب وجگر تک پہونچ جاتی تو وہ صاحبِ علم اس علم کے موجبات سے غافل نہ ہوتا، اور اس شخص پر اس علم کا اثر مرتّب ہوتا، اس لئے کہ کسی چیز کے قبیح ہونے کا اور اس کے سوءِ انجام کا محض علم ہونا یہ کبھی اس (قبیح چیز) کے ترک کے لئے کافی نہیں ہوتا، لہٰذا اس کا علم علمِ یقین ہوجاتا ہے تو اس علم کے مقتضاء کے مطابق وہ اس (قبیح چیز) کو سختی سے ترک کردیتا ہے، پھر اس کا علم عین الیقین ہوجاتا ہے جیسے کہ تمام مشاہدات کو آنکھوں سے دیکھتے ہیں، تو اس کے حکم کا تخلف اس سے نادر چیزوں میں سے ہوتا ہے اور اسی معنی میں ہے حضرت ثابت بن حسّان کا شعر جوانہوں نے اہلِ بدر کے بارے میں کہا تھا۔

سِرْنَا وَسَارُوْا اِلٰى بَدْرٍ لِحَتْفِهِمْ   لَوْيَعْلَمُوْنَ عَيْنَ الْعِلْمِ مَاسَارُوْا

ہم نے بھی کوچ کیا اور انہوں نے بھی کوچ کیا اپنی موت کے لئے   اگر وہ عین العلم (آنکھوں دیکھے مشاہدات) کو جانتے تو کوچ نہ کرتے

اور اللہ تعالیٰ کا قول ﴿كَلَّا سَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ثُمَّ كَلَّا سَوْفَ تَعْلَمُوْنَ﴾ کے بارے میں بعض حضرات فرماتے ہیں کہ یہ آیت حصولِ علم کی تاکید ہے جیسے کہ اللہ تعالیٰ نے مقامِ آخر میں فرمایا ﴿كَلَّا سَيَعْلَمُوْنَ ثُمَّ كَلَّا سَيَعْلَمُوْنَ﴾ اور بعض حضرات فرماتے ہیں کہ یہ تاکید نہیں ہے بلکہ علمِ اوّل سے مراد (عذاب کے) معائنہ کے وقت اور نزولِ موت کے وقت کا علم ہے، اور علمِ ثانی سے مراد قبر میں حاصل ہونے والا علم ہے، اور یہ حضرت حسن بصریؒ، مقاتل کا قول ہے اور اس کو حضرت عطاءؒ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے اور اس قول کی صحت پر چند وجہ دلیل ہے۔

اوّل وجہ:۔ یہ ہے کہ فائدہ جدیدہ اور تاسیس یہی اصل ہے اور اس (تاسیس) کا اعتبار کرنا ممکن ہے معنی کی عظمت وجلالت کے ساتھ جبکہ اس کی وجہ سے وضاحت میں کوئی خلل نہ ہو۔

دوسری وجہ:۔ یہ ہے کہ دو علم کے مابین ''ثم'' لایا گیا ہے اور یہ دلیل ہے کہ دونوں مرتبہ کے مابین زمان ومقام کے اعتبار سے تراخی ہے۔

تیسری وجہ:۔ یہ ہے کہ یہ قول واقع کے مطابق ہے اس لئے کہ وہ موت کے معائنہ کے وقت اس چیز کی حقیقت جان لیتا ہے جس پر وہ ہے، پھر وہ قبر میں جانتا ہے تو جو بعد میں علم حاصل ہوگا وہ پہلے سے بڑھا ہوا ہوگا۔

چوتھی وجہ:۔ یہ ہے کہ حضرت علیؓ وغیرہ اصحاب نے اس آیت سے عذابِ قبر مراد لیا ہے، امام ترمذیؒ فرماتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم ہمیشہ عذابِ قبر کے بارے میں شک میں رہے یہاں تک کہ یہ سورۃ نازل ہوئی ﴿اَلْھٰکُمُ التَّکَاثُرُ﴾ واحدی فرماتے ہیں کہ اللہ کے قول ﴿کَلَّا سَوْفَ تَعْلَمُوْنَ﴾ کا مطلب ہے، عنقریب تم قبر میں جان لوگے!۔

پانچویں وجہ:۔ یہ ہے کہ یہ قول مابعد کی آیت کے مطابق ہے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿لَتَرَوُنَّ الْجَحِیْمَ ثُمَّ لَتَرَوُنَّھَا عَیْنَ الْیَقِیْنِ﴾ تو یہ رویتِ ثانیہ رویتِ اولی کے علاوہ ہے دو وجہ سے! پہلی رویت کو مطلق رکھا اور دوسری رویت کو عین الیقین کے ساتھ مقید کیا، اور رویتِ اولی مقدم ہے اور رویتِ ثانیہ اس سے مؤخر ہے پھر اللہ تعالیٰ نے اس سورۃ کو اس خبر پر ختم فرمایا، جو خبر قسم کے ذریعہ، لامِ تاکید کے ذریعہ اور نونِ ثقیلہ سے مؤکد ہے جس میں نعمتوں کے سوال کی خبر ہے کہ ہر ایک سے ان نعمتوں کا سوال ہوگا جو نعمتیں ان کو دنیا میں حاصل تھی، کہ کیا تم نے ان نعمتوں کو حلال طریقے سے اور اللہ کی رضا مندی کے لئے حاصل کیا تھا یا نہیں؟ پھر اس سوال سے فارغ ہوں گے تو دوسرا سوال پوچھا جائے گا، کیا اس نعمت پر اللہ کا شکر ادا کیا تھا، اور اس نعمتوں سے اللہ کی اطاعت پر مدد طلب کی یا نہیں؟ تو پہلا سوال ان نعمتوں کے حصول کے سبب کے بارے میں پوچھا جائے گا اور دوسرا سوال ان نعمتوں کے خرچ کرنے کے مقامات کے بارے میں پوچھا جائے گا، جیسے کہ جامع ترمذی میں ہے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، قیامت کے دن انسان کے قدم اللہ کے سامنے سے نہیں ہٹیں گے یہاں تک کہ اس کو پانچ چیزوں کے بارے میں پاچھا جائے گا، اس کی عمر کے بارے میں اس کو کہاں ختم کیا، اس کی جوانی کے بارے میں اس کو کہاں گزارا، اس کے مال کے بارے میں اس کو کہاں سے کمایا اور اس کو کہاں خرچ کیا، اور علم کے بارے میں کہ جو سکھا اس پر کیا عمل کیا۔

جامع ترمذی میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، قیامت کے دن بندے سے سب سے پہلے نعمتوں کا سوال ہوگا، یعنی اس سے کہا جائے گا کہ کیا ہم نے تیرے جسم کو تندرستی عطا نہیں کی تھی، اور کیا ہم نے تجھ کو ٹھنڈے پانی سے سیراب نہیں کیا تھا۔

جامع ترمذی میں حضرت زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ جب ﴿لَتُسْـئَـلُـنَّ يَـوْمَـئِذٍ عَنِ النَّعِيمِ﴾ نازل ہوئی، تو میں نے کہا اے اللہ کے رسول ﷺ کونسی نعمت ہے جس کے بارے میں پوچھا جائے گا؟ اور بلاشبہ ہم تو کھجور کھا رہے ہیں اور پانی پی رہے ہیں؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا گھبراؤ نہیں یہ سوال ضرور ہوگا، امام ترمذی نے فرمایا یہ حدیث حسن ہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے اسی طرح روایت ہے وہ فرماتے ہیں، اے اللہ کے رسول ﷺ دو کالی چیز کھجور و پانی کھا پی رہے ہیں اور دشمن سر پر کھڑا ہے اور ہماری تلواریں ہماری گردنوں میں لٹک رہی ہے (تو کونسی نعمت پر سوال ہوگا؟) تو آپ ﷺ نے فرمایا، گھبراؤ نہیں، تو آپ ﷺ کا یہ کہنا کہ ﴿انّ ذالك سيـكـون﴾ (عنقریب نعمتیں آجائے گی) یا تو اس سے مراد وہ نعمتیں ہیں جو عنقریب تم کو حاصل ہوگی اور تمہیں عطا کی جائے گی، اور یا تو سوال انہی مذکورہ نعمتوں کے بارے میں ہوا ہے! تو آپ ﷺ نے فرمایا: اگر چہ وہ کھجور و پانی ہے وہ بھی نعمتوں میں سے ہے، اور اس مطلب پر آپ ﷺ کا قول جو صحیح حدیث سے ثابت ہے ﴿وَقَدْ اَكَلُوْامَعَهٗ رُطَباًوَلَحماًوَشَرِبُوْا مِنَ الْمَاءِ الْبَارِدِ هٰذَا مِنَ النَّعِيمِ الَّذِيْ تُسْئَلُوْنَ عَنْهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ﴾ دلیل ہے تو اس صورت میں (صحابہ کا) سوال کرنا اس نعمت کے شکر اور اس کے حق کی ادائیگی کے بارے میں ہوگا۔

ترمذی میں حضرت انس رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے، نبی کریم ﷺ نے فرمایا: قیامت کے دن بندے کو دنبہ کے بچہ کی صورت میں لایا جائے گا پھر اللہ تعالیٰ کے سامنے اس کو کھڑا کیا جائے گا تو اللہ تعالیٰ اس سے کہیں گے میں نے تجھ کو مال عطا کیا تھا اور تجھ پر کرم کیا تھا اور تجھ کو نعمتیں عطا کی تھی تو تو نے کیا کیا؟ تو وہ بندہ کہے گا کہ اے میرے رب میں نے اس کو جمع کیا اور میں نے اس سے فائدہ اٹھایا، اور اس مقدار سے زائد کر کے چھوڑ آیا ہوں جس پر وہ نعمتیں تھی اے اللہ مجھے واپس دنیا میں بھیج دے کہ میں اس کو تیرے پاس حاضر کردوں سو بندے کے پاس کوئی عملِ خیر نہیں ہوگا جو اس نے آگے بھیجا ہو تو اس کو جہنم میں ڈال دیا جائے گا۔

ترمذی ہی میں حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ اور ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: قیامت کے دن بندے کو لایا جائے گا، پھر اللہ اس سے کہے گا کہ ہم نے تجھ کو کان، آنکھ، مال و اولاد عطا نہیں کئے تھے؟ اور کیا ہم نے چوپائیوں کو تیرے تابع نہیں کیا تھا؟ اور کھیتی عطا نہیں کی تھی؟ اور ہم نے تجھ کو (آزاد) چھوڑ دیا تھا

کہ سرداری وخوشی کے ساتھ اپنے مکانات وحویلیوں میں زندگی بسر کرے؟ کیا تو اس بات کا یقین رکھتا تھا کہ تجھ کو تیرے اس دن (قیامت) سے سابقہ پڑے گا؟ تو وہ کہے گا (یقین) نہیں (رکھتا تھا)! تو اللہ تعالیٰ فرمائے گے بس آج میں تجھے اسی طرح بھولا دوں گا جس طرح تو مجھے بھول گیا تھا۔

اور مفسرین کی ایک جماعت نے یہ سمجھا کہ یہ خطاب کفار کے ساتھ مخصوص ہے، اور انہی کو نعمتوں کے بارے میں پوچھا جائے گا، اور یہ قول حضرت حسن ومقاتل سے منقول ہے، اور واحدی نے اسی کو اختیار کیا ہے، اور انہوں نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی حدیث سے استدلال کیا ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا، کہ آپ مجھے بتائیں کہ وہ لقمہ جو میں نے آپ کے ساتھ ابوالھیثم بن تیہان کے گھر میں کھایا، یعنی جَو کی روٹی اور گوشت اور نیم پختہ کھجور اور ٹھنڈا پانی! تو کیا آپ ہم پر اس بات کا اندیشہ رکھتے ہیں کہ وہ ان نعمتوں میں سے ہے جس کے بارے میں ہم سے پوچھا جائے گا! تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ﴿انما ذالك الكفار﴾ وہ تو کفار سے سوال ہوگا، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیت تلاوت فرمائی ﴿وَهَلْ نُجَازِیْ اِلَّا الْكَفُوْرَ﴾ واحدی فرماتے ہیں کہ ظاہراً آئندہ قول سے تائید ہوتی ہے! اس لئے کہ پوری سورۃ میں مشرکین کو خطاب ہے، اور انہی کو زجر وتوبیخ ہے، نیز آئندہ قول سے بھی تائید ہوتی ہے، اور وہ یہ ہے کہ کفار نعمتوں کا حق ادا نہیں کرتے بایں طور کہ وہ لوگ اللہ کے ساتھ شرک کرتے ہیں اور غیر اللہ کی عبادت کرتے ہیں لہٰذا وہ اس بات کے مستحق ہوگئے کہ ان سے ان عطا کردہ نعمتوں کے بارے میں جزر وتوبیخ کے طور پر پوچھا جائے، کہ کیا تم نے اس نعمتوں (والے حال) میں واجبات کو قائم وادا کیا، یا نعمت کے حق کو ضائع کیا؟ پھر ان کو منعم (اللہ) کی توحید کے ساتھ ترکِ شکر پر عذاب دیا جائے گا، واحدی فرماتے ہیں کہ یہی مقاتل کے قول کا مطلب ہے اور یہی حضرت حسن بصریؒ کا قول ہے، وہ فرماتے ہیں کہ اہلِ جہنم سے ہی نعمتوں کے بارے میں پوچھا جائے گا۔

میں (مصنف) کہتا ہوں (حدیث وآیات کے) الفاظ میں نہ کوئی دلیل ہے اور نہ کسی صحیح حدیث میں اور نہ قیاس میں جو خطاب کو کفار کے ساتھ مخصوص کرنے کا کوئی تقاضا کرے بلکہ آیت کے ظاہری الفاظ اور صریح حدیث اور قیاس خطاب کے عموم پر دال ہے یعنی ہر اس شخص سے (نعمتوں کے بارے میں) سوال ہوگا جس کو کثرتِ مال وفخر نے غافل کردیا ہے، لہٰذا خطاب کو اس صفت کو بعض موصوف کے ساتھ مخصوص کرنے کی کوئی دلیل موجود نہیں، اور اس (مطلب) پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا وہ قول دلالت کرتا ہے جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سورۃ کی

تلاوت کے وقت فرمایا تھا کہ انسان کہتا ہے، میرا مال، میرا مال، حالانکہ تیرا مال وہی ہے جو تو نے کھایا اور ختم کیا یا وہ جو تو نے پہنا اور پرانا کردیا الخ، اور یہ (میرا مال، میرا مال) کہنے والا کبھی مسلم بھی ہوتا ہے اور کبھی کافر بھی ہوتا ہے، اور اس پر بھی احادیثِ مذکورہ دلیل ہے، اور صحابہ کرام کا نبی کریم ﷺ سے سوال کرنا (مثلاً اے اللہ کے نبی کون سی نعمت کے بارے میں سوال ہوگا؟ وغیرہ) اور صحابہ کا عموم سمجھنا حتی کہ صحابہ نے آپ ﷺ سے کہا ﴿ای نعیم نسأل عنه ؟ وانما هو الاسودان﴾ تو اگر خطاب کفار ہی کے ساتھ خاص ہوتا ہو آپ ﷺ اس کو بیان کردیتے، اور فرماتے تمہیں اس سورۃ سے کیا نسبت یہ تو کفار کے لئے ہیں پس صحابہ عموم سمجھے اور احادیث عموم میں صریح ہیں اور جس ذات پر قرآن نازل ہوا انھوں نے صحابہ کو فہمِ عموم پر باقی رکھا۔

اور حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کی حدیث سے اس قول کے قائلین کا استدلال کرنا (صحیح نہیں) کیونکہ حدیث صحیح نہیں ہے! اور اس قصہ کو بیان کرنے والی حدیثِ صحیح اس قول کے بطلان کو ثابت کرتی ہے، اور ہم اس حدیث کو بلفظہ ذکر کرتے ہیں، صحیح مسلم میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے، وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ ایک مرتبہ رات کے وقت یا دن کے وقت مکان سے باہر تشریف لائے تو باہر حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ وعمر رضی اللہ عنہ کو موجود پا کر دریافت کیا کہ ایسے وقت کس چیز نے تم کو اپنے گھروں سے نکلنے پر مجبور کردیا، تو وہ حضرات بولے "بھوک نے" تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے مجھے بھی یہی چیز گھر سے نکال لائی ہے جو تمہارے آنے کا سبب ہے، اچھا اٹھو! چنانچہ دونوں حضرات اٹھ کھڑے ہوئے، اور آپ ﷺ کے ساتھ ہو لئے، آپ ﷺ اس وقت ایک انصاری صحابی کے گھر تشریف لے گئے، مگر وہ صحابی مکان پر نہیں تھے! ان کی بیوی نے جب رسول اللہ ﷺ کو دیکھا تو خوش ہو کر خیر مقدم کیا، اور مرحبا کہا، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، فلاں کہاں ہے؟ وہ کہنے لگی ہمارے لئے پینے کا میٹھا پانی لینے گئے ہیں، اتنے میں وہ انصاری صحابی آگئے، اور جب آپ ﷺ کو اور حضراتِ صاحبین کو دیکھا تو کہا "الحمد لله" مہمانوں کے بارے میں مجھ سے زیادہ کوئی معزز و مکرم نہیں ہے پھر وہ انصاری صحابی اندر گئے اور کھجوروں کا گچھا لے آئے، جس میں پکی اور آدھ پکی کھجوریں تھی، اور عرض کیا آپ حضرات تناول فرمائیں اور خود چھری سنبھال کر جانے لگے، تو رسول اللہ ﷺ نے کہا، دیکھو دودھ دیتی بکری کو ذبح نہ کرنا! اس انصاری صحابی نے اپنے مہمانوں کے لئے بکری ذبح کی، آپ ﷺ اور حضراتِ شیخین سب نے مل کر بکری کا گوشت، کھجوریں تناول فرمائی، پانی پیا، جب سیر ہو چکے تو رسول اللہ ﷺ نے حضرت

ابوبکر رضی اللہ عنہ وعمر رضی اللہ عنہ سے مخاطب ہو کر فرمایا، اس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے آج جو نعمتیں کھائی ہیں قیامت کے دن ان نعمتوں کے متعلق ضرور پوچھا جائے گا، بھوک نے تم کو تمہارے گھروں سے نکالا اور ابھی تم واپس نہیں لوٹے تھے کہ تم کو یہ نعمتیں نصیب ہوئی! تو یہ حدیث خطاب کی عمومیت پر صحیح وصریح ہے اور اس بات میں بھی صریح ہے کہ خطاب کفار کے ساتھ مخصوص نہیں۔

نیز (خارج میں) واقعہ بھی کفار کے ساتھ عدم اختصاص کی تائید کرتا ہے، اور یہ کہ کثرتِ مال سے غفلت مسلمانوں میں کثرت سے واقع ہے بلکہ مسلمانوں میں کثرت سے لوگ کثرتِ مال کی وجہ سے غافل ہے اور قرآن کا خطاب ہر اس شخص کو عام ہے جس کو قرآن کا حکم پہونچے، اور جس طرح یہ آیت (وعید) آپ ﷺ کے بعض معاصرین کو شامل ہے اسی طرح ان لوگوں کو بھی شامل ہے جو آپ ﷺ کے عہدۂ مبارک کے بعد ہوں گے، اور یہ ضرورتِ دین کے پیشِ نظر بدیہی بات ہے! اور اگر اس میں اختلاف کیا جائے کہ اس قول (وعید) میں متأخرین شامل نہیں ہے تو آج ہم اور اس سے پہلے کے لوگ اور ہمارے بعد کے لوگ اللہ کے قول ﴿يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوْا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ﴾ میں داخل وشامل ہیں اور اسی طرح دیگر بہت سے احکام ہیں (جس میں متقدمین ومتأخرین سب شامل ہیں) جس طرح صحابہ کرام بدیہی طور پر ان احکامِ دین میں داخل تھے، تو اللہ تعالیٰ کا خطاب ﴿اَلْهٰكُمُ التَّكَاثُرُ﴾ ہر اس شخص کے لئے ہیں جو اس صفت کے ساتھ متصف ہے، اور وہ کثرتِ مال وغیرہ میں غافل ہو، اور تکاثر کے بہت سے درجات ہے جس کی گنتی اللہ ہی کو معلوم ہے۔

پھر اگر (سوالاً) کہا جائے کہ مومنین کو یہ تکاثر غفلت میں نہیں دالے گا اور اسی وجہ سے مومنین وعید مذکور میں داخل نہیں ہوں گے؟۔

تو جواباً کہا جائے گا کہ یہی تو وہ بات ہے کہ جس نے اس قول والوں کے لئے تخصیص بالکفار ثابت کیا، اس لئے کہ آیت کو عموم پر محمول کرنا ان کے لئے ممکن نہ رہا، اور وہ (مفسرین) یہ سمجھتے ہیں کہ کفار ہی وعید کے زیادہ حق دار ہیں لہٰذا انہوں نے خطاب کو کفار کے ساتھ مخصوص کردیا، اور اس کا جواب یہ ہے کہ انسانوں کو خطاب اس حیثیت سے ہے کہ وہ انسان ہے، قرآن کے اسلوب کے مطابق ذم وبرائی کے ارتکاب کی وجہ سے تمام انسان انسان ہونے کی حیثیت سے شامل ہیں، جیسے کہ اللہ تعالیٰ کا قول ﴿وَكَانَ الْاِنْسَانُ عَجُوْلًا﴾ اور ﴿وَكَانَ الْاِنْسَانُ قَتُوْرًا﴾ اور ﴿اِنَّ الْاِنْسَانَ لِرَبِّهٖ لَكَنُوْدٌ﴾ اور ﴿وَحَمَلَهَا الْاِنْسَانُ اِنَّهٗ كَانَ ظَلُوْمًا

جَهُوْلًا ﴾ اور ﴿اِنَّ الْاِنْسَانَ لَكَفُوْرٌ ﴾ اور اسی طرح اور بہت ساری نظیر ہیں، تو نفسِ انسان انسان ہونے کی حیثیت سے وہ علمِ نافع ،عملِ صالح سے عاری ہے، اور اللہ ﷻ وہ ذات ہے جس نے اس انسان کو ان چیزوں سے کمال عطا کیا اور یہ چیزیں عطا کی! ورنہ یہ (علم نافع ،عمل صالح) فی نفسہ انسان میں نہیں تھا، بلکہ اس میں تو جہل جو علم کی ضد ہے اور ظلم جو عدل کی ضد ہے وہی تھا، اور جو کچھ بھی انسان میں علم وعدل و بھلائی ہے وہ محض اللہ ہی کی جانب سے ہے نہ کہ اس کی طرف سے! لہٰذا تکاثر نے اس کی طبیعت اور فطرت کو غفلت میں ڈال دیا جو اس کے نفس ہی کی طرف سے تھا، اور اس سے یہ (صفت) اسی وقت خارج ہوگی جب کہ اللہ اس کو اس سے پاک ومنزہ کردے، اور (اگر) اللہ اس (تکاثر) کو آخرت کے لئے مقصود بنادے اور آخرت کو اس تکاثر بالدنیا پر اس کو ترجیح دیدے تو یہ محض اللہ کا اس کو عطیہ ہے، ورنہ تو وہ دنیا میں تکاثر (کثرتِ مال) سے ضروری طور پر (آخرت سے) غافل ہی ہوجائے گا۔

نیز ان مفسرین کا خطاب کو کفار کے ساتھ مخصوص کرنے پر وعید کے ذریعہ استدلال کرنا (کہ وعید کے حقدار کفار ہی ہیں)! تو (جواباً) کہا جائے گا کہ وعید مذکور یہ (کفار ومومن کے مابین) مشترک ہے اور وہ آخرت کے معائنہ کے وقت اس (وعید) کو جان لینا ہے لہٰذا یہ امر (وعید کا علم) ہر اس شخص کو حاصل ہوگا جس کو دنیا میں حاصل نہیں ہوا تھا، اور اللہ تعالیٰ کے قول ﴿ سَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ﴾ میں دخولِ جہنم کا کوئی مقتضی (دلیل) نہیں، چہ جائیکہ وہ ہمیشہ جہنم میں رہے گا، اسی طرح جہنم کی رویت سے یہ لازم نہیں آتا کہ اس میں ہر وہ شخص داخل ہوگا جو جہنم کو دیکھے گا، اس لئے کہ جن لوگوں کو جہنم کے سامنے کھڑا کیا جائے گا وہ اس کو دیکھیں گے اور اپنی آنکھوں سے مشاہدہ کریں گے، اور تحقیق کہ اللہ تعالیٰ نے تو قسم کھا کر کہا ہے کہ مخلوق میں سے ہر ایک جہنم کو دیکھے گا، چاہے مومن ہو یا کافر ہو، نیک صالح ہو یا فاسق وفاجر ہو، تو من جملہ اس سورۂ تکاثر میں خطاب کے عمومیت کی نفی نہیں ہے، اور حضرت حسن بصریؒ سے جو قول منقول ہے کہ نعمتوں کے بارے میں پوچھ صرف جہنم والوں سے ہوگی تو یہ قطعی طور پر باطل ہے، یا تو ان پر الزام ہے یا تو ان کی طرف سے (غیر مرفوع ہے) اور احادیثِ صحیحہ وصریحہ اس کی تردید کرتی ہے۔

اور یہ بات مخفی نہیں کہ یہ سورۃ اپنی عظمتِ شان اور شدتِ خوف کے باوجود اور اس سورۃ کا غافل کو تحذیر کی شمولیت کے باوجود اور اس کے معنی (تفسیر) کا اکثر مخلوق پر منطبق ہونے کے باوجود اس سورۃ کو اوّل تا

آخر کفار کے ساتھ مخصوص کرنے سے مانع ہے ،اور (مخصوص نہ کرنا) مناسب ہے ،اور اس بارے میں احادیثِ صحیحہ ومرفوعہ میں تأمل وتدبّر کرنا کافی ہے۔

اور تو اے مخاطب غور کر اس عتاب (وعید) میں جو اس شخص پر جاری ہوتی ہے جو اپنی پوری زندگی تکاثر اورغفلت میں دائم وقائم رہا ہو حتی کہ وہ قبر کی زیارت کرلے،اور وہ خوابِ غفلت سے بیدار ہی نہ ہو، بلکہ تکاثر (کثرتِ مال پر فخر کرنا) اس کے قلب ودماغ میں قیام پذیر ہوجائے پھر اس خوابِ غفلت سے ہوش ہی میں نہ آئے مگر اس وقت جب کہ وہ موت کے شکنجہ میں ہو،اور اس شخص کے حال اور دیگر کثیر مخلوق کے حال کے مابین تو تطبیق دے،تو تیرے سامنے واضح ہوجائے گا کہ عموم ہی مقصود ہے۔

اور تو غور کر کہ اللہ تعالیٰ نے ذم ووعید کو مطلق تکاثر (کثرتِ مال پر فخر کرنے) پر معلق رکھا ہے اس کو متکاثر بہ (کثرتِ مال پر فخر کرنے والے) کے ساتھ مقید نہیں فرمایا،اس وجہ سے تاکہ اس (اطلاق) میں تمام اسبابِ دنیا اپنے جنس وقسم کے ساتھ شامل ہوجائے، نیز تکاثر یہ (بابِ) تفاعل سے ہے اور (معنی یہ ہے کہ) ہر متکاثر یہ چاہتا ہے کہ وہ اپنے ساتھی سے زیادہ حاصل کرلے، پھر وہ اس کثرت سے حاصل کردہ چیز میں اس سے زیادہ کثیر ہوجائے ،اور اس کو اس فعل (تکاثر) پر یہ وہم وخیال آمدہ کرتا ہے کہ عزت کثرت سے حاصل کرنے والوں کی ہوتی ہے، جیسے کہ کہا گیا ہے۔

وَلَسْتُ بِالْأَكْثَرِ مِنْهُمْ حَصًى — وَإِنَّمَا الْعِزَّةُ لِلْكَاثِرِ

میں کثیر المال نہیں شمار کے اعتبار سے — اور عزت تو کثیر المال کے لئے ہے

پھر اگر اس (بندے) کو کثرتِ مال بغیر تکاثر کے حاصل ہوگیا ہو تو یہ مضر نہیں ہے جیسے کہ کثرتِ مال تو صحابہ کی ایک جماعت کو حاصل تھا،اور ان کو ضرر ونقصان نہیں پہونچایا،اس لئے کہ وہ اس کی کثرت پر فخر وتقابل نہیں کرتے تھے،اور ہر وہ شخص جو کسی انسان پر اپنی دنیا (کے اسباب) کے معاملہ میں یا اپنے جاہ وغیرہ کے معاملہ میں کثرت پر فخر کرتا ہے تو اس کا یہ کثرتِ دنیا پر فخر کرنا اہل آخرت پر فخر کرنے سے باز رکھے گا۔

اس لئے کہ وہ نفوس جو اعلیٰ شرافت والے اور بلند ہمت ہوتے ہیں تو وہ انہی چیزوں کی کثرت پر فخر کرتے ہیں اور تقابل کرتے ہیں جس کا نفع وفائدہ دائمی وپائیدار ہو،اور وہ نفوس اس کے ذریعہ کامل ومزکی بنتے

ہو اور وہ نفوس کامیاب ہو جاتے ہیں، پھر وہ نفوسِ شریفہ اس بات کو پسند نہیں کرتے کہ اپنوں کو غیروں پر ترجیح دیں اور اس کثرت میں تنافس و مسابقہ کرے، پس یہ وہ تکاثر ہے جس کی انتہاء بندے کی سعادت و نیک بختی ہے، اور اس کی ضد اہلِ دنیا کا اسبابِ دنیا کی کثرت پر فخر و تقابل کرنا ہے۔

تو ایسے مکاثر اللہ اور دارِ آخرت سے غافل ہوتے ہیں، اور وہ افلاس کی انتہاء تک پہونچ جاتے ہیں، لہٰذا اس تکاثر کا انجام قلتِ مال اور فقر و محرومی ہوتا ہے، اور اسباب آخرت کو اور نیک بختی کے اسباب کو کثرت سے حاصل کرنے والا ہمیشہ اللہ کے ذکر میں اور لقاءِ الٰہی کے اشتیاق میں فخر و تقابل کرتا ہے، اور اس تکاثر کا انجام ان دائمی نعمتوں کی کثرت ہے جو نہ زائل ہوگی اور نہ فنا ہوگی، اور اس مکاثر پر یہ بات آسان نہ ہوگی کہ وہ کسی اور کو اپنے سے قول میں افضل دیکھے اور نہ کسی عمل میں اپنے سے اچھا دیکھے اور نہ کسی کو علم میں اپنے سے راسخ دیکھے اور جب وہ کسی اور کو ان اعمالِ خیر میں سے کسی عمل میں زیادہ سمجھتا ہے جس عمل کے حصول سے وہ عاجز ہوتا ہے تو وہ کسی دوسرے عملِ خیر میں زیادتی و کثرت حاصل کرتا ہے تا کہ وہ اس (عمل) سے تقابلِ کثرت پر قادر ہو جائے، اور ان (اعمالِ خیر میں) تکاثر نہ مذموم ہے اور نہ قبیح ہے جبکہ بندہ اس کو اخلاص سے حاصل کرے بلکہ یہ تو حقیقت میں اعمالِ خیر میں تنافس و مسابقہ ہے۔

اور بلاشبہ یہی حال اوس اور خزرج کا تھا کہ وہ نبی کریم ﷺ کے سامنے مرضیاتِ خداوندی اور نصرتِ دین کے اسباب میں ایک دوسرے سے کثرت میں تقابل کرتے تھے، اسی طرح حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے ساتھ کا حال ہے کہ جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے سامنے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا سبقت لے جانا ظاہر ہو گیا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا "وَاللّٰهِ لَا أُسَابِقُكَ اِلٰى شَيْئٍ اَبَداً" کہ اللہ کی قسم میں کبھی کسی چیز میں آپ سے سبقت نہیں لیجا سکتا۔

فصل

اور جو شخص اس مقام میں "کلاّ" کے حسنِ موقع میں تأمل و غور کرے گا، تو وہ دیکھے گا کہ "کلاّ" ان تکاثر کرنے والوں کے لئے ردع یعنی تنبیہ ہے اور تکاثر پر زجر و توبیخ بھی ہے، اور تکاثر کے ذریعہ حصولِ نفع اور حصولِ کمال و عزت کی نفی اور ابطال ہے جس کی وہ متکاثر خام خیالی رکھتے ہیں! تو لفظِ کلا نفی، نہی دونوں کو متضمن و شامل

ہے، اور اللہ تعالیٰ نے اس بات سے باخبر کیا کہ وہ ضروری طور پر اپنے تکاثر کے انجام کو علماً بعد علمٍ جان لے گا، اور یہ کہ وہ دنیا کی کثرت پر فخر کرنے والے ضروری طور پر اس ٹھکانہ کو جس نے ان کو آخرت سے غافل کر دیا ہے رویتِ بعدرویتِ دیکھلیں گے، اور اس بات سے بھی آگاہ کیا کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ ضرور بالضرور ان سے اس اسبابِ تکاثر کے بارے میں جواب طلبی کرے گا کہ ان اسباب کو کہاں سے حاصل کیا اور کن مصارف میں اس کو صرف کیا۔

تو اللہ ہی کے لئے تمام تعریف ہیں، کیا ہی عظیم ہے یہ سورۃ! اور کیا ہی عظیم وجلیل ہے فائدہ کے اعتبار سے، اور نصیحت وتحذیر میں کیا ہی بلیغ ہے اور آخرت کی طرف متوجہ کرنے میں اور رغبت دلانے میں کیا ہی اشدّ ہے، اور دنیا سے اس کی کم مائیگی پر کیا ہی بے رغبت کرنے والی ہے، اور اس کے الفاظ کیا ہی فصیح ہے اور اس کا نظم وسلک کیا ہی احسن ہے، بس بڑی برکت والی ہے وہ ذات جس نے اس سورۃ کو حق کے ساتھ تکلم فرمایا اور بڑی بابرکت ہے وہ ذات جس کے رسول ﷺ نے بذریعہ وحی پہونچایا۔

﴿فصــــل﴾

اور تو اے مخاطب غور کر کس طرح اللہ تعالیٰ نے ہر ذی حیات کو انتہاء تک پہونچنے پر ان کو زائرین قرار دیا، کہ وہ صرف زائر ہے، اور اس میں قیام پزیر ہونے والے نہیں بلکہ وہ اپنی قبروں میں ایک مدّت تک سکون پزیر ہونے والے ہیں اور ان کے آگے دارِ قرار اور دارِ آخرت ہے، تو جب وہ لوگ انتہاء تک پہونچنے میں صرف زائرین ہی ہے تو پھر ان کو کیوں کر (فخر وتقابل) ہے، حالانکہ وہ لوگ اس دارِ دنیا میں راہِ سفر پر ہے، وہ لوگ اس دنیا میں مقامِ زیارت کی طرف راہ کو طے کر رہے ہیں، پھر وہ مقامِ زیارت سے مقامِ قرار کی طرف منتقل ہو جائیں گے، تو یہاں تین باتیں ہوگئی، (۱) اس دنیا میں راہ کو عبور کرنا، (۲) اور اس کی انتہاء زیارتِ قبور ہے، (۳) اور اس کے بعد دارِ قرار وآخرت کی طرف کوچ ورحلت ہے۔

﴿فصــــل﴾

الغرض ہم اصل بحث کی طرف رجوع کرتے ہیں، وہ حضرات (جو فقیر صابر کی افضلیت کے قائل ہیں) فرماتے ہیں کہ اللہ ہی کے لئے تمام تعریفیں ہیں جس نے اپنے اولیاء کو دنیا سے محفوظ رکھا، اور ان کے دامنِ عزت کو دنیا سے داغدار ہونے سے بچائے رکھا، اور ان کو دنیا سے بے رغبت کر دیا، محض ان کے اکرام کے

لئے اور دنیا کی گندگیوں کے ازالہ کے لئے اور دنیا کے رذیلہ پن سے درست کرنے کے لئے اور ان کے لئے قابل مذمت ہونے کی وجہ سے اور اللہ تعالیٰ نے ان اولیاء کو دنیا کا عند اللہ بے وقعت ہونا بھی بتا دیا، اور یہ کہ دنیا کی عند اللہ کوئی قدر و قیمت نہیں، اور اللہ تعالیٰ نے بتایا کہ دنیا کا بسیط و زیادہ ہو جانا فتنہ ہے اور کثرتِ دنیا زمین میں فساد و طغیانی کے اسباب ہیں، اور دنیا کی کثرت آخرت کو طلب کرنے سے غافل کر دیتی ہے، اور دنیا محض ایک دھوکہ کا سامان ہے، اور اللہ نے دنیا کو محبوب رکھنے والوں کی اور اس کو ترجیح دینے والوں کی مذمت و برائی کی ہے، اور اللہ تعالیٰ نے خبردار کر دیا ہے کہ جو شخص دنیا اور دنیا کی زیب و زینت اور اس کے ثمرات کا طالب ہوگا تو آخرت میں اس کے لئے کوئی حصہ نہیں ہوگا، اور اللہ نے یہ بھی بتلا دیا کہ دنیا کا کثیر ہونا یہ امتحان و آزمائش ہے نہ کہ مقبولیت و محبوبیت کی دلیل! اور اہلِ دنیا کا ترقی کرنا یہ ان کا اعمالِ خیر میں سعی و محنت کرنے کی دلیل نہیں ہے اور نہ یہ دنیوی ترقی اللہ سے قریب کرے گی اور نہ عند اللہ اس کا کوئی مقام ہوگا، اور اللہ تعالیٰ نے یہ بھی فرمایا کہ لوگوں کا کفر میں گھس بیٹھنے کا خوف نہ ہوتا تو اللہ تعالیٰ کفاروں کو ان کے تصور سے بھی بڑھ کر دنیا عطا کرتا اور بہت زیادہ وسیع کر دیتے اس طرح پر کہ ان کے دروازوں کو اور ان کی سیڑھیوں کو اور ان کے پلنگوں کو سب کو چاندی کا بنا دیتا، اور اللہ تعالیٰ نے یہ بھی فرمایا کہ اس نے اس دنیا کو اپنے دشمنوں کے لئے اور کم عقلوں کے لئے مزیّن کیا ہے جن کا آخرت میں کوئی حصہ نہیں ہے، اور اللہ تعالیٰ نے اپنے رسولوں کو (دنیا کی طرف) آنکھ اٹھا کر دیکھنے سے بھی منع فرمایا ہے، اور ان چیزوں کی طرف بھی آنکھ اٹھانے سے منع کیا جس سے اہل دنیا متمتع ہوتے ہیں، اور اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کی مذمت و برائی فرمائی جو دنیا کے کھانے پینے میں مشغول رہتے ہیں، اور اس سے فائدہ اٹھاتے ہیں، اور اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کریم ﷺ سے فرمایا: ﴿ذَرْهُمْ يَأْكُلُوا وَيَتَمَتَّعُوا وَيُلْهِهِمُ الْأَمَلُ فَسَوْفَ يَعْلَمُونَ﴾ اور اس آیت میں دنیا سے تمتع اور کثرتِ اکل سے احتراز کرنے کو کہا ہے جس سے اولیاء اللہ منع فرماتے ہیں، اور اس آیت میں تادیب ہے اس شخص کے لئے جس پر دنیا کو بسیط و وسیع کر دیا ہے کہ وہ سرکشی و شرارت کو اختیار نہ کرے اور نہ نفس کو شہوات کا عادی بنائے اور نہ ان شہوات سے متمتع ہوں! اور اللہ تعالیٰ نے دنیا کے محبین کی اور اس پر فخر کرنے والوں کی اور اور اس کو کثرت سے حاصل کرنے والوں کی اور یہ گمان کرنے والوں کی کہ اصل فضل و کمال وسعتِ دنیا و کثرتِ دنیا میں ہے ان سب کی مذمت و برائی بیان کی ہے، اللہ تعالیٰ نے ان کی تردید و تکذیب کی ہے، اور اللہ تعالیٰ نے باخبر کیا کہ معاملہ ایسا نہیں ہے

جیسا کہ تم کہتے ہو اور سمجھتے ہو، نیز اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کے لئے دنیا کی ایسی مثالوں کو ذکر کیا ہے جس کا تقاضی یہ ہے کہ ہر عقلمند و ہوشمند دنیا سے زہد و بے رغبتی اختیار کر لے، اور یہ کہ وہ دنیا کو نہ معتمد علیہ سمجھے اور نہ اس کی طرف مائل ہو، لہٰذا اللہ تعالیٰ نے دنیا کی صورتوں، حقیقتوں کو بندوں کے قلوب میں مستحضر فرمایا مثالوں کو بیان کر کے! مثلاً اللہ تعالیٰ نے مثال بیان کی، دنیا کی مثال اس بارش کی طرح ہے جس کو اللہ آسمان سے برساتا ہے پھر زمین کی نباتات خوب لہلہاتی ہے پھر جب زمین اپنی رونق کا پورا حصہ لے چکتی ہے اور مختلف نباتات واقسام سے زمین مزیّن ہو جاتی ہے تو پھر اس پر اللہ کی طرف سے کوئی حادثہ آ پڑتا ہے پھر اللہ تعالیٰ اس زینت کو خشک ریزے بنا دیتا ہے جس کو ہوا اڑائے لئے پھرتی ہے، وہ (کھیتی) ایسی ہو جاتی ہے گویا کہ اس سے پہلے یہاں کوئی چیز تھی ہی نہیں! اور اللہ تعالیٰ نے دنیا کی فناء اور اس کے زودِ خاتمہ سے آگاہ فرمایا، اور اس بات سے باخبر کیا کہ جب بندہ آخرت کا معائنہ کر لے گا تو وہ یوں ہی سمجھے گا کہ وہ دنیا میں دن کی ایک گھڑی یا ایک دن یا دن کا بعض حصہ ہی رہا ہے، اور اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو دنیا کے دھوکہ میں آجانے سے روکا ہے، اور اللہ نے اپنے بندوں کو خبر دار کیا کہ دنیا لہو ولعب کا سامان ہے، اور ظاہری زینت کی چیز ہے، اور باہم ایک دوسرے پر فخر کرنے اور (مال واولاد میں) ایک کا دوسرے سے اپنے کو زیادہ بتلانے کی چیز ہے، اور دھوکہ کا سامان ہے اور یہ دنیا محض آخرت تک پہونچنے کا ایک راستہ اور پُل ہے، اور دنیا ایک عارضی اور وقتی سودا ہے جس کو کوئی بقاء نہیں، اور اللہ تعالیٰ نے دنیا چاہنے والوں کا کبھی اچھائی کے ساتھ ذکر نہیں کیا بلکہ جہاں کہیں ان کا ذکر کیا تو وہ مذمت وبرائی ہی کی! اور اس بات سے خبر دار کیا کہ دنیا چاہنے والے یہ اللہ کے ارادوں کی مخالفت کرنے والے ہیں، لہٰذا اللہ تعالیٰ کچھ اور چاہتے ہیں اور دنیا کا مرید اس کے خلاف چاہتا ہے، تو یہ نفسِ ارادہ میں اپنے رب کا مخالف ہے، اور صرف اتنی ہی مخالفت اللہ سے بُعد ودوری کے لئے کافی ہے، اور اللہ نے جہنم والوں کے بارے میں خبر دی کہ وہ لوگ جہنم میں دنیا کے دھوکہ اور اس کی تمنّاؤں کے سبب داخل ہوں گے۔

یہ حضرات (جو فقیرِ صابر کی افضلیت کے قائل ہیں) فرماتے ہیں یہ سب مذکورہ باتیں اللہ کی طرف سے بندوں کو دنیا سے بے رغبت کرنے اور جہاں تک ہو سکے دنیا کو قلیل حاصل کرنے کی ترغیب ہے۔

اور یہ حضرات فرماتے ہیں کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے اپنی مخلوق میں سب سے محبوب اور سب سے مکرّم بندے اور رسول ﷺ پر دنیا کو اور دنیا کے خزانوں کو پیش کیا، تو نبی کریم ﷺ نے نہ اس کا ارادہ فرمایا اور نہ اس کو

اختیار کیا (حالانکہ) اگر آپ ﷺ اس کو اختیار کر لیتے اور اس کو لے لیتے تو آپ ﷺ لی ہوئی چیز پر مخلوق میں سب سے زیادہ شاکر ہوتے اور آپ ﷺ بالیقین ان سب کو اللہ کی مرضیات اور اس کی راہ ہی میں خرچ کرتے (لیکن) آپ ﷺ نے قلّتِ دنیا کو اختیار کیا اور دنیا کے شدائد پر صبر کیا۔

حضرت امام احمدؒ فرماتے ہیں، حضرت عائشہؓ فرماتی ہے کہ ایک انصاری عورت میرے پاس آئی تو اس نے نبی کریم ﷺ کے بستر مبارک کو دیکھا کہ ایک عباء کو دوہری کر دی ہے، تو اپنے گھر واپس گئی پھر اس نے اون سے بھرا ہوا ایک بستر میرے پاس بھیجا، پھر آپ ﷺ میرے پاس آئے تو آپ ﷺ نے فرمایا: یہ کیا ہے؟ تو میں نے کہا کہ فلاں انصاری عورت میرے پاس آئی تھی تو اس نے آپ کے بستر کو دیکھا تو اس نے یہ بستر بھیجا ہے، تو آپ ﷺ نے فرمایا اس کو واپس کر دے! تو میں نے اس کو واپس نہیں کیا، مجھے پسند تھا کہ وہ بستر میرے گھر میں رہے حتی کہ آپ ﷺ نے تین مرتبہ کہا، اور فرمایا اے عائشہ اس کو واپس کر دے، اللہ کی قسم اگر میں چاہتا تو اللہ پہاڑوں کو سونا اور چاندی کا کر کے میرے ساتھ چلا دیتا۔

اور آپ ﷺ پر دنیا کے خزانے پیش کئے گئے اور آپ نے اس کو نہیں لیا، اور آپ ﷺ نے فرمایا، بلکہ میں چاہتا ہوں کہ ایک دن بھوکا رہوں اور ایک دن کھاؤں! اس لئے کہ جب بھوکا رہوں تو اے اللہ آپ کے حضور عاجزی وتضرع کروں اور تیرا ذکر کروں، اور جب کھاؤں تو تیری تعریف وشکر کروں۔

اور آپ ﷺ نے اپنے رب سے دعا کی کہ اللہ میرے خاندان کو رزق بقدرِ سدِّ رمق عطا فرما! جیسے صحیحین میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے، اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا: ﴿اَللّٰهُمَّ اجْعَلْ رِزْقَ آلِ مُحَمَّدٍ قُوْتاً﴾ اور صحیحین میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ اس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں ابو ہریرہ کی جان ہے آپ ﷺ نے اور آلِ نبی نے کبھی بھی تین دن مسلسل گیہوں کی روٹی سے پیٹ بھر کر نہیں کھایا، یہاں تک کہ آپ ﷺ دنیا سے تشریف لے گئے۔

صحیح بخاری میں حضرت انس رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے وہ فرماتے ہیں کہ میں نہیں جانتا کہ آپ ﷺ نے کبھی چپاتی دیکھی ہو، اور نہ ہی سالم بھنی ہوئی بکری دیکھی ہوں یہاں تک کے آپ اپنے رب سے جاملے۔

صحیح بخاری میں ہے آپ ﷺ دنیا سے تشریف لے گئے لیکن کبھی جَو کی روٹی سے شکم سیر نہیں ہوئے۔

صحیحین میں حضرت عائشہؓ سے روایت ہے وہ فرماتی ہے کہ مدینہ منورہ میں تشریف آوری کے بعد

سے آپ کی وفات تک آپ کے اہلِ خانہ نے تین شب متواتر گندم کی غذا شکم سیر ہوکر کبھی نہیں کھائی۔

صحیح مسلم میں حضرت عمرؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ میں نے نبی کریم ﷺ کو (اس حال میں) دن میں دیکھا کہ ردّی کھجور بھی اتنی میسّر نہ ہوتی کہ آپ سیر ہو جاتے۔

مسند احمد اور ترمذی میں حضرت ابن عباسؓ کی حدیث ہے وہ فرماتے ہیں کہ آپ ﷺ اور آپ کے اہلِ خانہ رات کا کھانا میسّر نہ ہونے کی وجہ سے مسلسل کئی راتیں فاقہ سے بسر کرتے تھے اور آپ ﷺ کی (عمومی) غذا جو کی روٹی ہوتی تھی۔

ترمذی شریف میں حضرت ابوامامہؓ کی حدیث ہے وہ فرماتے ہیں کہ آپ ﷺ کے اہلِ بیت کا کھانا جو کی روٹی سے زیادہ کچھ نہیں ہوتا تھا۔

مسند میں حضرت عائشہؓ کی حدیث ہے وہ فرماتی ہے، اس ذات کی قسم جس نے محمد ﷺ کو حق کے ساتھ بھیجا آپ ﷺ نے بعثت سے لیکر وصال تک چھلنی بھی دیکھی نہیں اور نہ چھنی ہوئی روٹی کھائی، تو حضرت عروہؓ نے پوچھا کہ آپ لوگ جو کے بغیر چھنے آٹے کو کس طرح کھاتے تھے؟ تو حضرت عائشہؓ نے فرمایا کہ ہم جو پیس لیتے تھے پھر آٹے پر پھونک مار لیتے تھے جتنی بھوسی اڑنی ہوتی اڑ جاتی باقی کو ہم گوندھ لیتے تھے۔

صحیح بخاری میں حضرت انسؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنی زرہ (ایک یہودی کے پاس) جو کے بدلہ میں رہن رکھی تھی! راوی فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت انسؓ کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ آپ ﷺ کے اہلِ بیت میں سے کسی کے گھر میں صبح و شام کسی وقت بھی ایک صاع اناج نہیں ہوتا تھا! اور وہ اہل بیت آپ ﷺ کی نو ازواجِ مطہرات ہیں۔

مسند حارث میں حضرت ابواسامہ سے روایت ہے وہ حضرت انسؓ سے روایت فرماتے ہیں کہ حضرت فاطمہؓ روٹی کا ایک ٹکڑا لیکر نبی کریم ﷺ کے پاس آئی تو آپ ﷺ نے فرمایا: اے فاطمہ یہ ٹکڑا کیا ہے؟ تو حضرت فاطمہؓ نے فرمایا: روٹی کی ٹکیہ (چھوٹا ٹکڑا) ہے میرے دل نے گوارا نہیں کیا کہ کھاؤں یہاں تک کہ میں اس کو آپ کے پاس لے آئی، تو آپ ﷺ نے فرمایا یہ تین دن کے بعد پہلی غذا ہے جو تیرے باپ کے منہ میں داخل ہوتی ہے۔

حضرت امام احمدؒ فرماتے ہیں، حضرت جابرؓ فرماتے ہیں جب غزوۂ خندق کے وقت آپ ﷺ

خندق کی کھدائی کر رہے تھے تو صحابہ کو سخت مشقت (بھوک) پہونچی حتی کہ نبی کریم ﷺ نے اپنے بطنِ مبارک پر بھوک کی وجہ سے پتھر باندھ لئے۔

اور ابو حاتم بن حبانؒ نے اس مذکورہ حدیث کی تردید میں حد سے زیادہ تجاوز کیا ہے اور اس حدیث کے انکار میں مبالغہ کیا ہے اور کہا کہ نبی کریم ﷺ اپنے رب کے نزدیک اس سے کئی زیادہ مکرّم تھے اور آپ پر نوازش تھی (یہ جابر کا وہم ہے) حالانکہ اس پتھر کے باندھنے میں عند اللہ آپ کے مرتبہ میں کوئی تنقیص نہیں ہے، بلکہ یہ تو آپ کے علوِ مقام کی دلیل ہے اور آپ کے اکرام و اعزاز میں زیادتی ہے اور اس میں بعد میں آنے والے خلفاء اور امراء کے لئے عبرت و سبق ہے! ابو حاتم نے دیگر ان تمام احادیث میں غور نہیں کیا جن احادیث میں نبی کریم ﷺ کی معیشت کا ذکر ہے اور یہ آپ ﷺ کے (یا حدیث کے) صدق پر اس سے بڑھ کر اور کیا شاہد و گواہ ہوگا؟ کہ اگر معاملہ ایسا ہی ہوتا جیسا کہ آپ ﷺ کے دشمن اور اللہ کے دشمن کہتے تھے کہ آپ ﷺ (نعوذ باللہ) دنیا و حکومت کے طلب گار تھے تو پھر آپ کی معیشت بھی بادشاہوں کی معیشت کی طرح ہوتی، اور آپ کی سوانح بھی بادشاہوں کی سوانح کی طرح ہوتی (لیکن حال یہ ہے کہ) آپ ﷺ وفات پا گئے اور آپ کی زرہ ایک یہودی کے پاس اپنے گھر والوں کے لئے کھانا لینے کی وجہ سے رہن تھی! اور اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کے لئے بلادِ عرب کو فتح کر کے آپ کے قدموں میں ڈال دیئے تھے اور مال و دولت کو آپ کے قدموں میں جمع کر دیا گیا (لیکن) آپ ﷺ دنیا سے تشریف لے گئے اور آپ ﷺ نے اپنے بعد نہ کوئی درہم ترکہ میں چھوڑا اور نہ کوئی دینار اور نہ کوئی بکری اور نہ کوئی اُنٹ نہ کوئی غلام چھوڑا اور نہ کوئی باندی۔

امام احمدؒ فرماتے ہیں کہ حضرت عائشہؓ نے فرمایا کہ ہم پر چاند کے چاند (مہینہ پر مہینہ) گزر جاتے تھے اور اس عرصہ میں رسول اللہ ﷺ کے گھروں میں چولہا نہ جلتا تھا، حضرت عروہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں نے پوچھا اے خالہ جان، پھر گزر بسر کس طرح کرتے تھے؟ تو حضرت عائشہؓ نے فرمایا کھجور و پانی پر گزارا ہوتا تھا۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ ایک مرتبہ اپنے گھر سے باہر تشریف لائے، تو حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ و عمر رضی اللہ عنہ کو دیکھا، تو آپ ﷺ نے فرمایا کس چیز نے تم کو گھروں سے نکلنے پر مجبور کر دیا؟ تو حضرات شیخین رضی اللہ عنہم نے فرمایا: بھوک نے! تو آپ ﷺ نے فرمایا اس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے مجھ کو بھی اسی چیز نے باہر نکالا ہے جس چیز نے تم کو نکالا ہے۔

حضرت امام احمدؒ حضرت مسروق سے حدیث کو بیان کرتے ہیں، حضرت مسروقؒ فرماتے ہیں کہ میں حضرت عائشہؓ کے پاس آیا، تو انہوں نے میرے لئے کھانا پیش کیا، اور کہا کیا ہی شکم سیر کرنے والا کھانا ہے میں چاہتی ہوں کہ روؤں! حضرت عائشہؓ رونے لگی، تو میں نے کہا آپ کیوں روتی ہیں؟ تو حضرت عائشہؓ نے فرمایا کہ وہ ایام یاد کرتی ہوں کہ آپ ﷺ نے دنیا کو خیر آباد کر دیا تھا، اور اللہ کی قسم آپ ﷺ نے کسی دن دو وقت شکم سیر ہو کر کھانا نہیں کھایا یہاں تک کہ آپ دنیا سے تشریف لے گئے۔

حضرت عائشہؓ سے ہی روایت ہے وہ فرماتی ہے کہ آپ ﷺ نے وفات تک کبھی دو دن مسلسل جَو کی روٹی شکم سیری کے ساتھ تناول نہیں فرمائی۔

ترمذی شریف میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے آپ ﷺ نے فرمایا، میں اللہ کی راہ میں جتنا ڈرایا گیا ہوں اتنا کسی کو نہیں ڈرایا گیا، اور اللہ کی راہ میں جتنا مجھ کو ستایا گیا ہے کسی اور کو نہیں ستایا گیا، مجھ پر تیس دن اور تیس راتیں ایسی گزری ہے کہ اس میں میرے اور بلال کے پاس کھانے پینے کی کوئی چیز ایسی نہیں تھی جس کو کوئی صاحبِ جگر کھاتا ہے سواء اس معمولی چیز کے جس کو بلال اپنی بغل میں چھپائے رکھتے تھے۔

ترمذی میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ وہ حضرت ابو طلحہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں وہ فرماتے ہیں کہ ہم نے رسول اللہ ﷺ سے بھوک کی شکایت کی، اور ہم نے اپنے پیٹوں سے کپڑا اٹھایا اس پر ایک ایک پتھر بندھا تھا، تو آپ ﷺ نے اپنا کپڑا اٹھایا تو بطنِ مبارک پر دو پتھر بندھے تھے۔

حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ چٹائی پر سوئے جب بیدار ہوئے تو آپ ﷺ کے جسمِ اطہر پر چٹائی کے نشان ابھرے ہوئے تھے، ہم نے یہ دیکھ کر عرض کیا یا رسول اللہ کاش ہم آپ کے لئے کوئی آرام دہ بستر تیار کر پاتے، تو آپ ﷺ نے فرمایا مجھے دنیا کے عیش و آرام سے کیا غرض میرا تو تعلق اس دنیا سے بس اس سوار (مسافر) کے جتنا ہے کہ گھڑی دو گھڑی درخت کے سایہ میں رکا پھر درخت کو جوں کا توں چھوڑ کر اپنی راہ چل دیا۔

اور ترمذی میں ہے، حضرت علیؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ میں موسم گرماں میں نبی کریم ﷺ کے گھر سے نکلا، اور میرے پاس مدبوغ چمڑا تھا، تو میں نے اس کو بیچ میں سے کاٹ دیا (یعنی تھیلی نما بنا دیا) اور

میں نے اس کو اپنی گردن میں ڈال دیا، پھر اس کو میں نے اپنے بازو میں کس دیا پھر اس کو کھجور کے پتوں کے ساتھ باندھ لیا اور حال یہ تھا کہ میں سخت بھوکا تھا، اور اگر نبی کریم ﷺ کے گھر میں کوئی کھانا ہوتا تو میں اس سے کھا لیتا، تو میں کھانے کی چیز کی تلاش میں نکل پڑا، تو میں ایک یہودی کے پاس سے گزرا جو اپنے باغ پر تھا اور کنویں کے چکر سے باغ کو پانی پلا رہا تھا، تو میں نے اس کو (گھر کی) دیوار کے درار و پھٹن سے دیکھا، تو اس یہودی نے کہا اے اعرابی تجھے کیا کام ہے؟ کیا تو (اپنے لئے) ہر ڈول (کے بدلہ) میں ایک کھجور پر راضی ہوگا؟ تو میں نے کہا ہاں! تو دروازہ کھول تا کہ داخل ہوں، تو اس نے کھولا تو میں داخل ہوا پھر اس نے مجھ کو اپنا ڈول دیا، تو میں جب جب ایک ڈول (پانی) کھینچتا تو وہ مجھے ایک کھجور دیتا یہاں تک کہ میری مٹھی بھر گئی تو میں نے اس کا ڈول دیدیا اور کہا کہ اتنے کھجور مجھے کافی ہے پھر میں نے اس کو کھایا پھر میں نے پانی سے چند گھونٹ (پانی) لیا اور اس کو پی گیا پھر میں مسجد میں آیا تو میں نے رسول اللہ ﷺ کو وہاں پایا۔

حضرت سعید بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں ہم نے اپنے لوگوں کو دیکھا کہ ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ غزوہ کرتے ہوتے اور ہمارے لئے کھانا صرف کانٹے دار درخت کا کانٹے دار پھل اور یہ کھجور ہوتی۔

اور آپ ﷺ رات میں کبھی کبھی نماز ادا کرتے تھے اور آپ ﷺ پر ایک اون کی چادر ہوتی جس کا بعض حصہ آپ ﷺ کے جسمِ اطہر پر ہوتا اور اس کا بعض حصہ حضرت عائشہ پر ہوتا، حضرت حسن بصریؒ فرماتے ہیں کہ اس کی قیمت چھ یا سات دراہم ہوگی۔

امام احمدؒ فرماتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ نے اپنی صاحب زادی حضرت فاطمہؓ کو جہیز کے طور پر یہ چیزیں عطا کی تھی ایک پلوّ دار چادر، ایک مشکیزہ، ایک تکیہ جس میں خشک گھاس بھری ہوئی تھی۔

امام احمدؒ فرماتے ہیں کہ حضرت ابو بردہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں حضرت عائشہؓ کے پاس گیا تو حضرت عائشہؓ نے ایک موٹے کپڑے کی تہبند جو یمنی تھی اور ایک چادر جس کو تم ''ملبدہ'' کہتے ہو دکھائی پھر فرمایا کہ حضور ﷺ کا وصال انہی کپڑوں میں ہوا۔

لہٰذا یہ حضرات فرماتے ہیں کہ اگر غنی شاکر فقیر صابر سے افضل ہوتا تو نبی کریم ﷺ اسی کو اختیار کرتے

جبکہ نبی کریم ﷺ پر دنیا کو پیش کیا گیا تھا، نیز آپ ﷺ کو اللہ تعالیٰ اس بات کا حکم دیتے کہ وہ دنیا کو زیادہ طلب کرے، جس طرح آپ ﷺ کو زیادتیٔ علم کے طلب کا حکم دیا گیا اور (لیکن) نبی کریم ﷺ نے اسی چیز کو اختیار کیا جو اللہ نے آپ کے لئے پسند فرمائی، اور اللہ تعالیٰ نے آپ کے لئے وہی چیز منتخب فرمائی ہے جو افضل ہے اس لئے کہ آپ ﷺ خود بھی افضل الخلق اور اکرم الخلق ہے۔

نیز یہ حضرات فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے اس بات سے باخبر کیا کہ بہترین رزق وہ ہے جو بندے کے لئے بقدرِ ضرورت ہو کہ نہ وہ ضرورت کی چیز سے محروم ہو جو مضر ہے اور نہ اس کے پاس فاضل و زیادہ ہو جو اس کو باغی و غافل بنادے۔

حضرت امام احمدؒ فرماتے ہیں، حضرت ابو درداہ ؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جب بھی آفتاب طلوع ہوتا ہے تو اس کے دونوں جانب دو فرشتے آتے ہیں اور وہ بآوازِ بلند کہتے ہیں اور ان کی آواز کو انسان و جنات کے علاوہ زمین کی تمام مخلوق سنتی ہے (فرشتے کہتے ہیں) اے لوگوں اپنے رب کی طرف چلو، تھوڑی چیز جو کفایت کر سکے اس سے بہتر ہے جو کثرت سے ہو لیکن غافل کر دے، اور جب بھی آفتاب غروب ہوتا ہے تو اس کے دونوں جانب دو فرشتے آتے ہیں اور بآوازِ بلند کہتے ہیں جس کو انس و جنّ کے علاوہ دیگر تمام مخلوق سنتی ہے (دعا کے طور پر کہتے ہیں) اے اللہ سخی کو نیک بدلہ دے اور بخیل کا مال تلف کر دے۔

امام احمدؒ فرماتے ہیں، حضرت سعد بن مالکؒ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ بہترین رزق رزقِ کافی ہے اور بہترین ذکر ذکرِ خفی ہے۔

اور تو اس حدیث میں غور کر کہ نبی کریم ﷺ نے اس حدیث میں رزقِ قلب اور رزقِ بدن اور رزقِ دنیا اور رزقِ آخرت دونوں کو جمع کر دیا، اور خبردار کیا کہ رزق میں بہترین رزق وہ ہے جو حد سے متجاوز اور زیادہ نہ ہو، لہٰذا ذکر میں اخفاء ہی کافی ہے اس لئے کہ اخفاء پر زیادہ کرنے سے اس بات کا خوف ہے کہ صاحبِ ذکر ریاء میں اور دیگر لوگ جو ذکر سے غافل ہے ان پر تکبّر کرنے میں مبتلی ہو جائے! اسی طرح رزقِ بدن میں ہے کہ جب وہ ضرورت سے زیادہ ہو جاتا ہے تو خوف ہے کہ وہ صاحبِ رزق سرکشی اور تفاخر میں مبتلی ہو جائے۔

نیز یہ حضرات فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے اس شخص پر رشک فرمایا ہے جس کے پاس دنیا کم سے کم ہو اور اتنا رشک آپ ﷺ نے کسی مالدار پر نہیں فرمایا۔

امام احمدؒ فرماتے ہیں، حضرت ابوامامہ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ میرے دوستوں میں بہت زیادہ قابلِ رشک میرے نزدیک وہ مؤمن ہے جو کم مال والا ہو نماز میں اس کا بڑا حصہ ہو اور اپنے رب کی عبادت خوبی کے ساتھ اور صفتِ احسان کے ساتھ کرتا ہو اور وہ لوگوں میں حقیر ہو کہ اس کی طرف انگلیوں سے اشارے نہ کئے جاتے ہو اور اس کی موت جلدی آگئی ہو اور اس پر رونے والیاں بھی کم ہو اور اس کا ترکہ بھی بہت تھوڑا سا ہو۔

نیز یہ حضرات فرماتے ہیں کہ اللہ کا اپنے مؤمن بندے کو دنیا سے محفوظ رکھنا یہ محض اللہ کا اپنے مؤمن بندے سے محبت کی وجہ سے اور اس کی شرافت وکرامت کی وجہ سے ہے۔

امام احمدؒ فرماتے ہیں، حضرت محمود بن لبید فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا، اللہ تبارک وتعالیٰ اپنے مؤمن بندے کو دنیا سے محفوظ رکھتے ہیں اس حال میں کہ اللہ اس سے محبت کرتے ہیں جیسے کہ تم اپنے مریضوں کو (چند) کھانے پینے سے بچاتے ہو اس پر (بیماری کے بڑھ جانے کے) ڈر سے۔

لہٰذا یہ حضرات فرماتے ہیں کہ بہت ہی کم ہوا ہے کہ اللہ تعالیٰ دنیا اور اس کی وسعت دیتے ہو مگر امتحان کے واسطے ہی نہ کہ اکرام اور محبت کی وجہ سے۔

امام احمدؒ فرماتے ہیں، حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا، جب تو دیکھے کہ اللہ تعالیٰ کسی بندے کو اس کے معاصی کے باوجود دنیا اور دنیا کی وہ نعمتیں عطا کر رہا ہے جس کا وہ طلب گار ہے تو وہ اس کے حق میں استدراج ہے، پھر آپ ﷺ نے یہ آیت تلاوت فرمائی ﴿فَلَمَّا نَسُوا مَا ذُكِّرُوا بِهٖ فَتَحْنَا عَلَيْهِمْ اَبْوَابَ كُلِّ شَيْئٍ﴾۔

یہ حضرات فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ اپنے بہت سے اولیاء ومحبین کو اس دنیا سے روک دیتے ہیں جو دنیا اللہ کے نزدیک بے وقعت ہے۔

امام احمدؒ فرماتے ہیں، حضرت سالم بن جعد رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، میری امّت میں (بعضے) وہ شخص ہے جو تم میں سے کسی کے دروازہ پر آئے پھر وہ تم سے ایک دینار طلب کرے یا پیسہ طلب کرے جو تم ان کو نہ دو! لیکن وہ خدا (کو ایسے پیارے ہیں کہ وہ اس سے) جنت طلب کرے تو اللہ ان کو عطا کردے، (ہاں) اگر وہ دنیا کو طلب کرے تو اللہ ان کو عطا نہیں کرتا اور جو شئی اللہ تعالیٰ روک لیتے ہیں وہ اللہ کے

نزدیک بے وقعت ہے، یہ میلی کچیلی دو چادروں میں رہتے ہیں، اگر کسی موقع پر قسم کھا بیٹھے تو اللہ تعالیٰ ان کی قسم کو پورا کردے، اور یہ دلیل ہے اس بات پر کہ اللہ تعالیٰ اپنے ان بندوں کو دنیا سے محض اسی لئے روکتے ہیں کہ وہ کوئی قابلِ قدر چیز نہیں، اس لئے نہیں روکتا کہ وہ بندے بے قدر ہے! اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ اس کو افضل و اعظم چیز ہی عطا کرتے ہیں، لہٰذا اللہ تعالیٰ دنیا تو اس شخص کو بھی عطا کرتا ہے جس سے اللہ محبت کرتے ہیں اور اس کو بھی عطا کرتا ہے جس کو نہیں چاہتا، اور آخرت تو صرف محبوبوں ہی کو عطا کرتا ہے۔

نیز یہ حضرات فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے باخبر کیا ہے کہ لوگوں میں مجلس کے اعتبار سے نبی کریم ﷺ سے سب سے زیادہ قریب وہ شخص ہوگا جو بہت کم دنیا والا ہے، جو دنیا کی چیزوں کو زیادہ حاصل نہیں کرتے، امام احمدؒ فرماتے ہیں، حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں قیامت کے دن نبی کریم ﷺ سے سب سے زیادہ قریب بیٹھنے والا ہوں گا، اور یہ اس لئے کہ میں نے سنا ہے آپ ﷺ نے فرمایا، قیامت کے دن میرے سب سے قریب وہ شخص ہوگا جو دنیا سے اس حالت میں رخصت ہوا ہو کہ جس حالت میں میں نے اس کو چھوڑا تھا اور قسم بخدا تم میں سے کوئی بھی ایسا نہیں ہے مگر وہ دنیا سے کچھ نہ کچھ ملوث ہو گیا ہے سواءِ میرے۔

نیز یہ حضرات فرماتے ہیں کہ اللہ کے رسول ﷺ نے اس شخص پر غبطہ ورشک فرمایا جس کی زندگی بقدرِ ضرورت (چیزوں سے) گزرتی ہو، اور اس شخص کے فلاح وکامیابی کی خبر دی، امام احمدؒ فرماتے ہیں حضرت فضالہ بن عبید فرماتے ہیں، نبی کریم ﷺ نے فرمایا، وہ شخص بڑا خوش نصیب ہے جو اسلام لایا، اور بقدرِ ضرورت رزق نصیب ہوا اور جو کچھ اس کو میسّر ہوا اس پر اللہ نے اس کو قانع بنادیا۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: وہ شخص فلاح پا گیا جو اسلام لے آیا اور اس کو بقدرِ ضرورت رزق مل گیا اور جو کچھ اللہ نے اس کو عطا کیا ہے اللہ نے اس کو اس پر قانع بنادیا۔

نیز یہ حضرات فرماتے ہیں کہ اگر غربت وافلاس کی حالت میں صرف تخفیفِ حساب ہو یہی بات مالداروں سے افضل ہونے کے لئے کافی ہے، حضرت عبداللہ بن امام احمدؒ فرماتے ہیں کہ حضرت حسن بصریؒ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تین چیزیں ایسی ہے جس کا بندے سے حساب نہیں ہوگا، ایک جھونپڑی کا سایہ جس سے وہ سایہ حاصل کرے، ایک روٹی کا ٹکڑا جس سے وہ پیٹھ سیدھی کرلے، اور وہ کپڑا جو اس کے ستر کو چھپادے۔

حضرت امام احمدؒ فرماتے ہیں کہ ابوعثمان فرماتے ہیں کہ جب مسلمانوں نے ''مقام جوجی'' فتح کیا اور وہ اس میں داخل ہو کر چلنے پھرنے لگے تو غلّوں کا ڈھیر گویا پہاڑ ہے اور ایک آدمی جو حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کے پہلو میں چل رہا تھا، اس نے کہا اے ابوعبداللہ کیا آپ نہیں دیکھتے کہ اللہ تعالیٰ نے کیسے خیر کی چیزوں کو فتح کر دیا ہے؟ اور اللہ نے ہمیں کیسی کیسی چیزیں عطا کی ہے! تو حضرت سلمان رضی اللہ عنہ نے فرمایا، کیا ان چیزوں کو دیکھ کر تو تعجب میں پڑ گیا؟ تو جن چیزوں کو دیکھ رہا ہے اس کے ہر دانہ کے ساتھ حساب ہے۔

نیز یہ حضرات فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے صحابہ کو اس بات کی شہادت دی کہ تم آج جس فقر وفاقہ کی حالت میں ہو وہ آئندہ دن کی حالتِ غنی اور وسعت سے کئی بہتر ہے، حضرت امام احمدؒ فرماتے ہیں، حضرت حسن بصریؒ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے اہل صفاء کیسے ہو؟ تو انہوں نے کہا ہم خیریت سے ہیں، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیا آج تم خیریت سے ہو یا اس دن خیریت سے ہوں گے جب کہ (کھانے کے لئے) تم میں سے ہر ایک کے پاس ایک پیالہ صبح اور ایک پیالہ شام کو پہونچے گا اور تم لوگ صبح میں ایک جوڑا پہن کر نکلوں گے اور شام کو دوسرا جوڑا پہن کر! اور تم لوگ اپنے مکانوں پر اس طرح پردہ ڈالو گے جس طرح کعبۃ اللہ پر غلاف ڈالا جاتا ہے! ہم نے کہا، اے اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہم اس دن اچھی حالت میں ہوں گے کہ ہم کو ہمارا رب نعمتیں عطا کرے گا تو ہم شکر ادا کریں گے، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، نہیں! بلکہ تم لوگ آج اچھی حالت میں ہو! یہ حدیث صریح ہے اس بات پر کہ ان اصحابِ صفاء کا اپنے فقر پر صبر کے وقت کی حالت یہ بہتر ہے اس حالت سے جس میں وہ شکر کے ساتھ غنی و مالدار ہوں گے۔

عبداللہ بن امام احمدؒ فرماتے ہیں کہ طلحہ بصریؒ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ میں مدینہ میں آیا اور وہاں میرا کوئی پہچان والا نہیں تھا تو (وہاں) ہمارے دن گزرتے تھے کہ دو کے درمیان ایک مُدّ کھجور ہوتی، پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم کو ایک نماز پڑھائی، تو پیچھے سے کسی آواز لگانے والے نے آواز لگائی، اس نے کہا، اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے پیٹوں کو کھجور نے جلا دیا، اور ہمارے بازوں کمزور ہو گئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے خطبہ دیا (اس میں) اللہ کی حمد وثناء کی اور کہا، اللہ کی قسم اگر میرے پاس تمہارے لئے گوشت وروٹی ہوتی تو میں تم کو وہ کھلاتا، اور تم پر ضرور وہ زمانہ آئے گا کہ تم میں سے ہر ایک کے لئے صبح وشام پیالے رکھے جائیں گے اور تم اپنے مکان پر کعبۃ اللہ کے غلاف کی طرح پردہ ڈالو گے! تو صحابہ نے فرمایا، اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کیا ہم آج اچھی

حالت میں ہیں یا اس دن ہوں گے؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا بلکہ تم آج اُس دن سے اچھی حالت میں ہو! (کہ اس دن) تم بعض بعض کی گردن مارو گے!۔

نیز یہ حضرات فرماتے ہیں کہ مالداری اور مال میں صرف یہی بات ہے کہ وہ ایک فتنہ وآزمائش ہے اور بہت کم ہوا ہے کہ کوئی شخص اپنے دین میں دنیا کی مصیبت اوراس کی تاثیر سے بچا ہو، جیسے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:﴿اِنَّمَا اَمْوَالُكُمْ وَاَوْلَادُكُمْ فِتْنَةٌ﴾ اورترمذی شریف میں حضرت کعب بن عیاض کی حدیث ہے وہ فرماتے ہیں کہ میں نے نبی کریم ﷺ سے سنا، آپ ﷺ نے فرمایا ہر امّت کے لئے ایک فتنہ وآزمائش کی چیز ہے اور میری امّت کا فتنہ مال ہے۔

یہ حضرات فرماتے ہیں کہ مال جہنم کی طرف دعوت دیتا ہے اورفقر جنت کی طرف بلاتا ہے، حضرت امام احمدؒ فرماتے ہیں، رسول اللہ ﷺ اپنے صحابہ سے گفتگو فرمارہے تھے کہ اچانک فقراء صحابہ میں سے ایک صحابی آئے، اور مجلس میں ایک مالدار آدمی کے پاس بیٹھ گئے تو مالدار نے ان سے اپنے کپڑوں کو سمیٹ لیا تو آپ ﷺ نے فرمایا اے فلاں کیا تجھے اندیشہ ہے کہ تیرا اغناء اس کے پاس یا اس کا فقر تیرے پاس پہونچ جائے گا تو اس مالدار نے کہا، اے اللہ کے رسول ﷺ کیا یہ غنیٰ کا شر (برائی) ہے؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا ہاں! بلاشبہ تیرا غنیٰ تجھ کو جہنم کی طرف بلاتا ہے، اوراس کا فقراس کو جنت کی طرف بلاتا ہے! تو اس مالدار نے کہا، پھر کونسی چیز مجھ کو اس سے نجات دیگی؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا''غم خواری'' تو اس نے کہا تب تو میں کروں گا! تو دوسرے نے کہا، مجھے اس کی کوئی ضرورت نہیں، تو آپ ﷺ نے فرمایا، استغفار کر اور اپنے بھائی کے لئے دعا کر۔

یہ حضرات فرماتے ہیں کے غنا کا حق تو شکر کی بجا آوری سے تو بہت بڑھ کر ہے (یعنی شکر ادا نہیں ہوسکتا) ترمذی شریف میں حضرت عثمانؓ کی حدیث ہے وہ فرماتے ہیں نبی کریم ﷺ نے فرمایا، اولادِ آدم کے لئے تین چیزوں سے زیادہ (تگ دوڑ) کا حق نہیں، (۱) رہنے کے لئے گھر، (۲) بدن چھپانے کے لئے لباس، (۳) کھانے کے لئے روٹی کا کنارہ اور پانی۔

صحیح مسلم میں حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اے فرزندِ آدم اگر تو اپنی ضرورت سے زیادہ مال واسباب کو خرچ کر دیا کرے تو یہ تیرے لئے بہتر ہے اور اگر تو اُسے

بچا بچا کر رکھے گا تو یہ تیرے لئے برا ہوگا، ضرورت کے لائق جمع رکھنے پر تیرے لئے کوئی ملامت نہیں ہے، اور خرچ میں پہل ان سے کر جو تیرے زیرِ کفالت ہے اور اوپر والا ہاتھ نیچے والے ہاتھ سے بہتر ہے۔

اور صحیح مسلم میں حضرت ابوسعید کی حدیث ہے وہ فرماتے ہیں کہ ہم ایک سفر میں رسول اللہ ﷺ کے ہم رکاب تھے کہ ایک شخص اپنی سواری پر وہاں آیا، اور دائیں بائیں دیکھنے لگا تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جس کے پاس ضرورت سے زیادہ سواری ہو اسے چاہئے کہ وہ سواری اس شخص کو دیدے جو حاجت مند ہو، اور جس شخص کے پاس ضرورت سے زیادہ زادِراہ ہو وہ اس شخص کو دیدے جس کے پاس نہ ہو، اس کے بعد آپ نے اموال کی مختلف اقسام کا اسی طرح ذکر فرمایا، تو ہم نے خیال کرلیا کہ ضرورت سے زائد چیز میں ہم میں سے کسی کا کوئی حق نہیں۔

لہٰذا یہ حضرات فرماتے ہیں کہ یہ حدیث غنی شاکر جو کل زیادتی کو خرچ کر دیتا ہے اس کی افضلیت پر دلالت کرتی ہے لیکن وہ مالدار جو قسم قسم کے زوائد سے متمتع ہوتا ہو اور وہ صرف حقِ واجب اور بعض مستحبات کو ادا کر کے شکر ادا کرتا ہو وہ کیسے اس فقیر صابر سے افضل ہوگا جو فقیر اپنے فقر میں اللہ سے راضی ہو۔

نیز یہ حضرات فرماتے ہیں کہ اللہ کے رسول ﷺ نے اپنے صحابہ کے سامنے قسم کھا کر کہا، حالانکہ صحابہ ائمۂ شاکرین ہیں! قسم کھائی کہ مجھ کو تم پر فقر کا خوف نہیں بلکہ تم پر غنی و مالداری کا خوف ہے، صحیحین میں حضرت عمرو بن عوف رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے اور یہ بدری صحابی ہے، رسول اللہ ﷺ نے حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ کو بحرین سے جزیہ لانے کے لئے بھیجا، چنانچہ آپ بحرین سے مال لے کر واپس آئے، اور آپ ﷺ نے بحرین والوں سے صلح کرلی تھی، اور اس پر حضرت علاء بن حضرمی کو امیر مقرر فرمایا تھا تو جب حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ بحرین سے مال لے کر واپس آئے تو انصارِ مدینہ کو معلوم ہوا کہ آپ رضی اللہ عنہ مال لے کر آچکے ہیں تو وہ نمازِ صبح حضور ﷺ کے ساتھ پڑھنے کے لئے پہونچ گئے، جب آپ ﷺ نماز سے فارغ ہوئے تو انصار آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو رسول اللہ ﷺ نے ان کو دیکھ کر تبسم فرمایا، اور فرمایا کہ میرا خیال ہے کہ تم نے سن لیا ہے کہ ابوعبیدہ بحرین سے کچھ مال لے کر آئے ہیں؟ تو انصار نے عرض کیا کہ ہاں، یہی بات ہے! تو آپ ﷺ نے فرمایا: خوش ہو جاؤ اور ایسی امید رکھو جو تمہاری مسرّت و شادمانی کا باعث ہوگی، اللہ کی قسم مجھے تمہاری غربت اور فقر و فاقہ کا اتنا ڈر نہیں جتنا اس بات سے ڈرتا ہوں کہ دنیا تمہارے لئے بھی اتنی پھیلا دی جائے جتنی تم سے پہلوں کے لئے وسیع کردی گئی تھی، اور تم بھی دنیا میں اسی طرح پھنس جاؤ جیسے وہ پھنسے تھے، پھر ان کی طرح تم کو بھی ہلاکت میں ڈال دے۔

امام احمدؒ فرماتے ہیں، حضرت حسن بصریؒ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ ابوثعلبہ خشنی سے پوچھا گیا، اے اصحابِ محمد کہاں ہے تمہاری دنیا اور وہ چیزیں جن کے تم دشمن بنے رہتے تھے؟ تو انہوں نے فرمایا دنیاء کے بدلہ میں آخرت پر خوش ہوگئے اس ذات کی قسم جس کے سواء کوئی معبود نہیں یہ دنیاء ایمان کو اسی طرح کھاتی ہے جس طرح آگ موٹی لکڑی کو کھاتی ہے۔

امام احمدؒ فرماتے ہیں، حضرت حسن بصریؒ فرماتے ہیں، اللہ کی قسم جب اللہ کسی بندے کے لئے دنیا کو وسیع کر دیتا ہے تو وہ اس بات کا خوف نہیں کرتا کہ اللہ اس کے ساتھ اس کے ذریعہ مکر کرتے ہیں، مگر اس کا علم ناقص اور اس کی دوراندیشی کمزور ہوتی ہے! اور جب اللہ تعالیٰ کسی بندے سے دنیا کو روک لیتے ہیں، تو وہ یہ نہیں سمجھتا کہ یہی اس کے لئے بہتر و خیر ہے، مگر اس کا علم ناقص اور اس کی دوراندیشی کمزور ہوتی ہے۔

یہ حضرات فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ کے پاس سے ایک فقیر و غنی کا گزر ہوا تو آپ ﷺ نے فقیر کے بارے میں فرمایا ﴿هـذا خير من ملء الارض مثل هذا﴾ صحیح بخاری میں حضرت سہل بن سعد الساعدی رضی اللہ عنہ کی روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ کے پاس سے ایک آدمی گزرا تو آپ نے اپنے قریب بیٹھے ہوئے ایک شخص سے دریافت کیا کہ اس شخص کے متعلق کیا رائے ہے؟ تو وہ بولے یہ شخص لائق ہے اس بات کے کہ اگر یہ کسی کو نکاح کا پیغام دے تو وہ قبول کیا جائے، اگر وہ کسی کی شفارش کرے تو وہ مانی جائے اور اگر کچھ کہے تو اس کی بات سنی جائے، اس پر رسول اللہ ﷺ نے سکوت فرمایا، پھر ایک اور شخص وہاں سے گزرا، تو رسول اللہ ﷺ نے انہی سے پوچھا کہ اس شخص کے متعلق تمہارا کیا خیال ہے؟ تو وہ کہنے لگے لائق ہے اس بات کے کہ اگر یہ کسی کو نکاح کا پیغام دے تو قبول نہ ہو اور اگر کسی کی شفارش کرے تو مانی نہ جائے، اگر کسی کو بات کہے تو سنی نہ جائے! تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، تمام روئے زمین کے امیروں سے یہ ایک فقیر بہتر ہے۔

اور بلاشبہ نبی کریم ﷺ نے فقراءِ صابرین کو ان چیزوں کی بشارت دی ہے جو اغنیاء و مالداروں کو نہیں دی! ترمذی شریف میں حضرت فضالہ بن عبید سے روایت ہے، رسول اللہ ﷺ جب اپنے اصحاب کو نماز پڑھا رہے ہوتے تو بعض مقتدی بھوک کی شدت سے گر پڑتے تھے، اور یہ اصحاب صفاء ہوتے تھے، (دیہاتی لوگ کہتے تھے کہ یہ لوگ مرگی کے مریض ہیں) پھر جب آپ ﷺ نماز سے فارغ ہوتے تو ان حضرات کی طرف متوجہ ہوتے اور ان سے فرماتے کہ اللہ تعالیٰ کے وہاں تمہارے لئے جو اجر و ثواب ہے تمہیں اس کا پتا چل جائے تو تم

یہ چاہنے لگو کہ تمہارے فقر وفاقہ میں اور اضافہ ہو جائے، حضرت فضالہ فرماتے ہیں کہ میں اس دن رسول اللہ ﷺ کے ساتھ تھا اور آپ ﷺ نے ان فقراء کو مالداروں سے پہلے جنت میں جانے کی خوش خبری بھی سنائی۔

اور اس دخولِ اوّل کی مدت میں روایت مختلف ہے! صحیح مسلم میں حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ان کے پاس تین آدمی آئے اور انہوں نے کہا اے ابو محمد، اللہ کی قسم ہمارے پاس کوئی چیز نہیں ہے، نہ ہمارے پاس کھانا ہے اور نہ سواری ہے اور نہ کوئی سامان! تو حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا، تم کیا چاہتے ہو؟ اگر تم یہ چاہتے ہو کہ تم ہم سے درخواست کرتے ہو تو ہم تم کو جتنا اللہ نے تمہارے لئے مقدر کیا ہے تم کو عطا کر دے اور اگر تم یہ چاہتے ہو کہ ہم تمہارا معاملہ امیرِ وقت کے سامنے پیش کرے؟ اور اگر تم چاہو تو صبر کرو! اس لئے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے آپ فرماتے ہیں فقراء مہاجرین قیامت کے دن مالداروں سے چالیس سال پہلے جنت میں داخل ہوں گے! تو انہوں نے کہا کہ ہم صبر کرتے ہیں اور ہم کوئی چیز نہیں مانگے گے۔

امام احمدؒ فرماتے ہیں، حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، فقراء مسلمین مالداروں سے آدھے دن پہلے جنت میں داخل ہوں گے، اور آدھا دن پانچ سو سال کا ہوگا۔

نیز ترمذی شریف میں حضرت ابو سعید رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: فقراءِ مہاجرین مالداروں سے جنت میں پانچ سو سال پہلے داخل ہوں گے۔

نیز ترمذی میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے، نبی کریم ﷺ نے فرمایا: میری امت کے فقراء جنت میں مالداروں سے چالیس سال پہلے داخل ہوں گے! اور یہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی حدیث ماقبل کی حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کی حدیث کے موافق ہے اور اس حدیث انس کے بھی موافق ہے جو ترمذی شریف میں ہے، کہ مساکین جنت میں مالداروں سے چالیس سال پہلے داخل ہوں گے۔

تو یہ تین حضرات ابن عمر، جابر، انس رضی اللہ عنہم چالیس سال کی مدت پر متفق ہے اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ اور حضرت ابو سعید رضی اللہ عنہ یہ دونوں پانچ سو سال کی مدت پر متفق ہے، اور ان احادیث کے مابین کوئی تعارض نہیں اس لئے کہ تاخیر وتقدیم فقر وغنی کے درجات کے اعتبار سے ہوگی، فقراء میں سے بعض وہ ہوں گے جو چالیس سال پہلے داخل ہوں گے، اور بعض وہ ہوں گے جو پانچ سو سال پہلے داخل ہوں گے، تو نفسِ تقدیم وسبقت کسی مدت کے ساتھ مقید نہیں ہے بلکہ اس (مذکورہ) مدت سے کم بھی ہو سکتا ہے اور زیادہ بھی ہو سکتا ہے۔

سنن ابی داؤد میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے، نبی کریم ﷺ نے فرمایا میری امت میں سب سے پہلے شخص جو جنت میں داخل ہوں گے وہ حضرت ابو بکر صدیق ہے! تو اس سے پتا چلا کہ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ اور بعض فقراء مہاجرین کے مابین دخول جنت میں کوئی طویل مدت نہیں ہوگی، اور یہ بات بھی معلوم ہوئی کہ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ اور دوسرے حضرات کے مابین دخول جنت میں طویل مدت ہوگی۔

امام احمدؒ نے اپنی مسند میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کی حدیث روایت فرمائی ہے، نبی کریم ﷺ نے فرمایا، کیا تم جانتے ہو جنت میں سب سے پہلے کون داخل ہوگا؟ تو صحابہ نے فرمایا، اللہ اور اس کے رسول ہی زیادہ جانتے ہیں! تو آپ ﷺ نے فرمایا، وہ فقراء مہاجرین ہیں جو تکلیفوں میں مبتلی تھے جن کی امنگیں دلوں ہی میں رہ گئی جس کو پورا نہیں کر سکے تھے اور ان کو موت آ گئی! فرشتے کہیں گے اے خدا ہم تیرے ملائکہ ہیں اور محافظ ہیں اور تیرے آسمان کے رہنے والے ہیں تو ان کو ہم سے پہلے جنت میں داخل نہ کرنا، تو اللہ ان سے کہیں گے، یہ میرے وہ بندے ہیں جو میرے ساتھ کسی کو (عبادت میں) شریک نہیں کرتے تھے اور مصائب میں مبتلی تھے، کوئی مراد ان کی پوری نہ ہونے پائی تھی کہ ان کو موت آ گئی، تو اس وقت فرشتے ان کے پاس جنت کے ہر دروازہ سے آئیں گے اور ان کو سلام پیش کریں گے کہ تم کو تمہارے صبر کا بدلہ کتنا اچھا ملا۔

امام احمدؒ فرماتے ہیں کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، دو مؤمن بندے جنت کے دروازے پر ملے، ایک مؤمن غنی و مالدار تھا اور دوسرا مؤمن فقیر و مفلس تھا، دنیا میں دونوں ساتھ رہتے تھے تو فقیر مؤمن جنت میں داخل کر دیا جائے گا اور مالدار محبوس رہا جب تک اللہ نے اس کو محبوس رکھنا چاہا، پھر وہ جنت میں داخل ہوا! تو فقیر مؤمن سے اس کی ملاقات ہوئی تو اس نے کہا اے میرے بھائی، کس چیز نے تجھ کو روک دیا تھا، اللہ کی قسم تو محبوس تھا حتی کہ مجھے تیرے بارے میں خوف ہو گیا! تو وہ کہے گا اے میرے بھائی، تیرے بعد میں بہت ہی خوفناک و ناپسند حساب میں محبوس رہا، میں تجھ تک نہیں پہونچا حتی کہ مجھے اتنا پسینہ بہا ہے کہ ایک ہزار اونٹ آ کر پی لیتے جس نے چنے کھائے ہوتے تو سامان باندھنے کی رسی کھل جاتی۔

طبرانی نے اپنی معجم میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت نکل فرمائی ہے، وہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے، آپ ﷺ نے فرمایا فقراء مؤمنین جنت میں مالداروں سے نصف دن پہلے داخل ہوں گے، اور وہ نصف دن پانچ سو سال کا ہوگا! تو ایک آدمی نے کہا کہ اے اللہ کے رسول کیا میں ان میں سے ہوں؟

تو آپ ﷺ نے فرمایا، کہ کیا تو صبح کا کھانا کھاتا ہے تو رات کا کھانا بھی ہوتا ہے؟ اور جب رات کا کھانا کھاتا ہے تو صبح کا کھانا بھی ہوتا ہے؟ تو اس آدمی نے کہا، ہاں! تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ تو ان میں سے نہیں ہے! تو دوسرا آدمی کھڑا ہوا اور کہا، اے اللہ کے رسول کیا میں ان میں سے ہوں؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا: کیا تو نے بات سنی جو میں نے اس سے کہی؟ تو اس نے کہا ہاں! اور میں ایسا نہیں ہو! تو آپ ﷺ نے فرمایا: کیا تو نے جو کپڑا پہنا ہے اس کے علاوہ تیرے پاس کوئی کپڑا ہے؟ تو اس نے کہا ہاں! تو آپ ﷺ نے فرمایا: تو ان میں سے نہیں ہیں! تو ایک دوسرا آدمی کھڑا ہوا، اس نے کہا کیا میں ان میں سے ہوا اے اللہ کے رسول؟ تو آپ نے فرمایا کیا تو نے وہ بات سنی جو میں نے ان دونوں سے کہی؟ تو اس نے کہا ہاں! تو آپ ﷺ نے فرمایا: کیا تو کسی قرض کو پاتا ہے کہ جب تو کسی سے مانگے تو تجھے دیدے؟ تو اس نے کہا ہاں! تو آپ ﷺ نے فرمایا: تو ان میں سے نہیں ہے! پھر ایک دوسرا کھڑا ہوا اور کہا، اے اللہ کے رسول کیا میں ان میں سے ہوں؟ تو آپ نے فرمایا: کہ کیا تو نے وہ بات سنی جو میں نے ان سے کہی؟ تو اس نے کہا ہاں! تو آپ ﷺ نے فرمایا: کیا تو کمانے کی طاقت رکھتا ہے؟ تو اس نے کہا ہاں! تو آپ ﷺ نے فرمایا: تو ان میں سے نہیں ہے! تو ایک دوسرا آدمی کھڑا ہوا، اس نے کہا اے اللہ کے رسول کیا میں ان میں سے ہوں؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا: کیا تو نے وہ بات سنی جو میں نے ان سے کہی تو اس نے کہا ہاں! تو آپ ﷺ نے فرمایا: کیا تو اللہ کی رضاء کے ساتھ صبح وشام گزارتا ہے؟ تو اس نے کہا ہاں! تو آپ ﷺ نے فرمایا: تو ان میں سے ہے! آپ ﷺ نے فرمایا: جنت میں مؤمنین کے سردار وہ ہوں گے جو صبح کا کھانا کھاتے ہیں تو شام کا نہیں ہوتا اور شام کا کھانا کھاتے ہیں تو صبح کا کھانا نہیں ہوتا، اور اگر کسی سے قرض چاہے تو قرض بھی نہ ملے اور نہ اس کے پاس زائد کپڑا ہے بس اتنا ہی کپڑا ہے جتنا ضروری ہے اور نہ اتنی طاقت ہے کہ بقدرِ ضرورت معاش کما سکے اور اللہ سے راضی ہو کر صبح وشام گزارتا ہے ﴿اُولٰئِكَ مَعَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِنَ النَّبِيّٖنَ وَالصِّدِّيْقِيْنَ وَالشُّهَدَاءِ وَالصَّالِحِيْنَ وَحَسُنَ اُولٰئِكَ رَفِيْقاً﴾۔

حضرت امام احمدؒ نے فرمایا، حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: میرے سامنے پہلے تین آدمی پیش کئے گئے جو جنت میں داخل ہوں گئے، اور دوسرے تین آدمی پیش کئے گئے جو جہنم میں داخل ہوں گئے، پہلے وہ جو جنت میں داخل ہو گئے، (۱) شہید ہے، (۲) وہ غلام ہے جس کو دنیا کی غلامی

نے اپنے رب کی اطاعت سے غافل نہیں کیا، (۳) وہ عیالدار فقیر ہے جو سوال کرنے سے بچتا ہے، اور وہ تین شخص جو جہنم میں داخل ہو گئے، (۱) ظالم (غیر منصف) امیر ہے، (۲) وہ مالدار ہے جو اپنے مال سے اللہ کا حق ادا نہیں کرتا، (۳) متکبر و فخر کرنے والا فقیر ہے۔

نیز یہ حضرات فرماتے ہیں کہ فقیر (صابر) کی فضیلت کے لئے یہی بات کافی ہے کہ اہل جنت اکثر و بیشتر فقراء ہی ہوں گے، اور اہل جہنم اکثر و بیشتر مالدار و اغنیاء ہوں گے، امام احمدؒ فرماتے ہیں، حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں نے جنت میں جھانکا تو مجھے وہاں فقراء کی کثرت دیکھائی دی، اور میں نے جہنم میں جھانکا تو مجھے وہاں عورتوں کی اور مالداروں کی کثرت دیکھائی دی۔

صحیح بخاری میں حضرت ابورجاء سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ حضرت عمران بن حصین آپ صلی اللہ علیہ وسلم (کی ملاقات کے بعد) اپنی بیوی کے پاس آئے، تو عورت نے کہا، جو کچھ آپ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہو مجھے بیان کیجئے! تو حضرت عمران نے فرمایا، کوئی بات نہیں ہے! تو بیوی غضبناک ہوئی، تو حضرت عمران نے فرمایا، میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا آپ نے فرمایا میں نے جنت میں دیکھا تو میں نے اس میں کثرت سے فقراء کو دیکھا اور میں نے جہنم میں دیکھا تو میں نے اس میں کثرت سے عورتوں کو دیکھا۔

صحیحین میں ہے، حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں جنت کے دروازہ پر کھڑا ہوا، تو جو اس میں اکثر داخل ہوتے تھے وہ مساکین تھے اور جہنم کے دروازہ پر کھڑا ہوا تو اس میں اکثر جو داخل ہوتے تھے وہ عورتیں تھی۔

یہ حضرات فرماتے ہیں کہ فقراء کی فضیلت کے لئے یہی کافی ہے کہ قیامت کے دن مالداروں میں سے ہر ایک فقر کی تمنّا کرے گا! امام احمدؒ فرماتے ہیں، حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قیامت کے دن ہر شخص چاہے غنی ہو یا فقیر یہ چاہے گا کہ کاش کہ اس کو دنیا میں بقدرِ ضرورت ہی رزق دیا گیا ہوتا۔

یہ حضرات فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بہت سی احادیث میں فقر کی فضیلت کی صراحت کی ہے امام احمدؒ فرماتے ہیں، حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، اے ابوذر ذرا دیکھو تو سہی مسجد میں کون اچھی حالت میں نظر آتا ہے؟ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں، میں نے نظر کو دوڑایا ایک بیٹھے ہوئے

آدمی کو دیکھا اس پر (بہترین) لباس تھا، تو میں نے کہا، یہ آدمی ہے! پھر آپ ﷺ نے فرمایا، اے ابوذر رضی اللہ عنہ اپنی نظر دوڑاؤ، مسجد میں دیکھو کون ادنی حالت میں ہے؟ حضرت ابوذر فرماتے ہیں میں نے نظر کو دوڑایا، ایک کمزور آدمی کو دیکھا جس پر پرانا لباس تھا میں نے کہا، یہ آدمی ہے! تو آپ ﷺ نے فرمایا: اس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں میرے جان ہے یہ (یہ پرانے لباس والا) قیامت کے دن اللہ کے نزدیک اس (اچھے لباس والے) جیسے آدمی سے بھری ہوئی زمین سے بہتر وافضل ہے۔

یہ حضرات فرماتے ہیں کہ وہ شیئ جو ہمارے مابین اس مسئلہ میں فیصلہ کردے اور علیل کو شفاء دیدے وہ یہ ہے کہ فقر صاحبِ فقر کو اجر جزیل دلائے گا اور عنداللہ اس کا ایک مقام و درجہ بلند کرے گا اور مالدار اگر چہ وہ شاکر ہو تو اس نے جو فوائد اپنے غناء سے دنیا میں حاصل کئے ہیں قیامت کے دن اس پر حساب لیا جائے گا! اگر چہ اس کو حلال طریقہ سے حاصل کیا ہو، اور دنیا کا قلیل فائدہ آخرت کے کثیر ثواب کو کم کر دیتا ہے۔

صحیح مسلم میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جب کوئی غازی کی جماعت اللہ کی راہ میں غزوہ (جہاد) کرتی ہے پھر ان کو مال غنیمت حاصل ہوتا ہے تو آخرت کے اجر میں سے ان کو دوتہائی اجر دنیا ہی میں عطا ہو گیا، اور ان کے لئے ایک تہائی باقی رہا، اور اگر ان کو مال غنیمتِ حاصل نہیں ہوا تو ان کے لئے اجر تام ہوتا ہے۔

صحیحین میں حضرت خباب بن ارث رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے وہ فرماتے ہیں کہ ہم نے نبی کریم ﷺ کے ہمراہ ہجرت کی جو محض رضاء الٰہی کے لئے تھی، اس کا اجر تو اللہ کے وہاں ثابت ہو گیا، (مگر باعتبارِ دنیا) ہم سے بعض حضرات تو جلد ہی وفات پا گئے اور دنیا میں اپنے اجر کا کوئی حصہ نہ پاس کے ان میں سے حضرت مصعب بن عمیر ہیں جو احد کے دن شہید ہوئے، اور ایک چھوٹی سی چادر انکا ترکہ تھی، جس سے ہم ان کا سر ڈھانپتے تھے تو پاؤ برہنہ رہ جاتے تھے اور اگر پاؤ ڈھانپتے تھے تو سر کھل جاتا تھا، یہ دیکھ کر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ ان کا سر ڈھانپ دو اور پاؤ پر اذخر گھاس ڈال دو، اور انہی میں سے بعض وہ حضرات بھی ہے کہ ان کے پھل پک گئے تھے اور وہ ان سے فائدہ اٹھا رہے تھے۔

صحیحین میں حضرت قیس بن حازمؒ کی روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ ہم حضرت خباب رضی اللہ عنہ کی عیادت

کے لئے ان کے پاس آئے (تو) آپ (کے جسم) پر سات داغ تھے، تو حضرت خباب رضی اللہ عنہ نے فرمایا، ہمارے بہت سے ساتھی پہلے گزر گئے، اور دنیا ان (کے آخرت کے ثواب) کو کم نہ کر سکی۔

سعید بن منصور فرماتے ہیں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں، جب کسی بندے کو دنیا کی کوئی چیز عطا کی جاتی ہے، تو اللہ کے نزدیک اس کے درجات میں کمی آتی ہے اگر چہ وہ عند اللہ مکرم ہو۔

صحیح بخاری میں ہے حضرت ابراہیم بن عبد الرحمٰن بن عوف فرماتے ہیں کہ حضرت عبد الرحمٰن رضی اللہ عنہ کے پاس کھانا لایا گیا اور آپ روزہ دار تھے تو کہنے لگے، حضرت مصعب بن عمیر شہید ہو گئے اور وہ مجھ سے بہتر تھے اور ان کو چادر میں کفن دیا گیا اگر ان کا سر ڈھانپتے تو پاؤں کھل جاتے اور اگر پاؤں ڈھانپتے تو سر کھلا رہ جاتا اور حضرت حمزہ شہید ہوئے اور وہ مجھ سے بہتر تھے ان کے لئے بھی ایک چادر کفن تھی! پھر ہم پر دنیا کثرت سے وسیع کر دی گئی! میں ڈرتا ہوں اس بات سے کہ ہم کو ہمارے اعمال کا بدلہ ہماری دنیوی زندگی میں ہی عطا کر دیا گیا ہے! پھر آپ رونے لگے یہاں تک کہ کھانا بھی نہ کھاتے۔

ابو سعید بن اعرابی فرماتے ہیں کہ حضرت عبد الرحمٰن، حضرت خباب رضی اللہ عنہم صرف یہی دو حضرات اس طرح نہیں کہتے تھے بلکہ بڑے بڑے صحابہ کرام بھی کہتے تھے اور اللہ نے جو ان پر دنیا کو وسیع کر دیا تھا اس کو ناپسند کرتے تھے اور ڈرتے تھے، اور وہ بخوبی جانتے تھے کہ اللہ نے جو اپنے نبی کے لئے منتخب کیا ہے وہی افضل ہے، اور جو چیز اللہ نے بعد والوں کے لئے منتخب کی ہے وہ (آخرت کے اجر کو) کم کرنے والی ہے، ان اکابر صحابہ میں سے حضرت ابو بکر، عمر، عثمان، علی، ابو عبیدہ، عمار بن یاسر، سلمان، عبد اللہ بن مسعود، حضرت عائشہ، ابو ہاشم بن عتبہ رضی اللہ عنہم اور ایک بڑی جماعت جس کو ہم اختصار کے پیشِ نظر ذکر نہیں کرتے۔

حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ تو ابن ابی الدنیا فرماتے ہیں، زید بن ارقم رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے ساتھ تھے تو آپ نے پانی مانگا تو آپ کے لئے پانی اور شہد لایا گیا تو جب آپ نے اس کو اپنے منہ سے قریب کیا تو رونے لگے اور رونے لگے حتی کہ آپ کے اصحاب کو بھی رولایا، پھر آپ کے ساتھی تو خاموش ہو گئے اور حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ خاموش نہیں ہوئے (بلکہ) پھر رونے لگے! حتی کہ دیگر اصحاب نے یہ خیال کیا کہ آپ سے اس (رونے) کی وجہ نہیں پوچھ سکیں گے! راوی فرماتے ہیں کہ پھر حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے اپنی آنکھوں (سے آنسوں) کو صاف کیا، تو آپ کے اصحاب نے عرض کیا اے خلیفۂ رسول کس چیز نے آپ کو اتنا رولایا؟ تو حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے

فرمایا، کہ میں نبی کریم ﷺ کے ساتھ تھا، میں نے دیکھا کہ آپ کسی چیز کو اپنے سے دفع کر رہے ہیں؟ اور میں کسی چیز کو نہیں دیکھتا تھا! (کہ وہ کیا چیز ہے) تو میں نے کہا اے اللہ کے رسول ﷺ وہ کیا ہے جس کو آپ دفع کر رہے ہیں؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا: یہ دنیا ہے جو میرے لئے مجسّم بنائی گئی ہے تو میں نے دنیا سے کہا کہ مجھ سے دفع ہو (تو وہ دور ہوگئی) پھر واپس آئی اور کہا، بلاشبہ اگر آپ مجھ سے بچ گئے (تو کیا ہوا) آپ کے بعد جو لوگ آئیں گے وہ مجھ سے ہرگز نہیں بچیں گے۔

حضرت محمد بن عطا ذکر فرماتے ہیں کہ میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے ساتھ بیٹھا ہوا تھا، تو انہوں نے ایک پرندے کو دیکھا تو آپ نے فرمایا، اے پرندے تو خوش نصیب ہے کہ تو درخت سے کھاتا ہے پھر بیٹ کر دیتا ہے پھر کچھ نہیں! تجھ پر کوئی حساب (کی فکر) نہیں ہے، کاش میں تیری جگہ ہوتا، تو میں نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے کہا، یہ آپ کہتے ہیں حالانکہ آپ تو صدیقِ رسول ہے۔

اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ تو جب ان کے پاس کسریٰ کا خزانہ لایا گیا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ رونے لگے تو حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے کہا، کس چیز نے آپ کو رولایا اے امیر المؤمنین؟ اللہ کی قسم آج تو شکر کا دن ہے، آج تو خوشی کا دن ہے! تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا، یہ خزانہ اللہ کسی قوم کو عطا نہیں کرتا مگر یہ کہ ان کے درمیان عداوت و بغض کو ڈال دیتا ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس ابوسنان الدؤلی آئے، اور آپ کے پاس مہاجرین کی جماعت بھی تشریف فرماں تھی تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایک صندوق منگایا، جو عراق کے ایک قلعہ سے آیا تھا، اور اس میں ایک انگوٹھی تھی، تو آپ رضی اللہ عنہ کے بعض (چھوٹے) بچوں نے اس کو لیا اور اپنے منہ میں ڈالنے لگے تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان کے منہ سے وہ کھینچ لیا اور رونے لگے تو حاضرین نے آپ سے کہا آپ کیوں رو رہے ہیں؟ حالانکہ اللہ نے فتح و کامیابی عطا کی اور آپ کی آنکھوں کو ٹھنڈک عطا کی ہے، تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے آپ ﷺ فرماتے ہیں، کسی شخص پر جب دنیا فتح کر دی جاتی ہے تو اللہ ان کے درمیان قیامت تک عداوت و بغض ڈال دیتا ہے اور میں (اس بات سے) ڈرتا ہوں۔

حضرت ابوسعید فرماتے ہیں، حضرت حسن بصریؒ فرماتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس جنگِ کسریٰ (کی فتح کے بعد کسریٰ) کی ٹوپی (تاج) لائی گئی، اور مجاہدین میں حضرت سراقہ بن مالک رضی اللہ عنہ بھی تھے، تو

حضرت عمرؓ نے کسریٰ کے کنگن ان کے سامنے پیش کر دیئے، تو حضرت سراقہ نے اس کو اپنے ہاتھ میں پہنے یہاں تک وہ کندھے تک پہونچ گئے! تو حضرت عمرؓ نے حضرت سراقہ کے ہاتھ میں کنگن کو دیکھا تو کہا "الحمد للّٰہ" کسریٰ بن ہرمز کے کنگن حضرت سراقہ بن مالک (جو بنی مدلج کا ایک دیہاتی ہے) کے ہاتھ میں ہے، پھر فرمایا اے اللہ بے شک تو جانتا ہے کہ تیرے رسول چاہتے تھے کہ مال آجائے تو اس کو تیری راہ میں بندوں پر خرچ کروں، بس تو نے ہی اپنے رسول سے (مال کی محبت کو) زائل کیا تھا محض اپنی طرف سے ان پر فضل واختیار سے! اے اللہ عمر کے ساتھ اس مال کے مکر ہونے سے میں تیری پناہ چاہتا ہوں، پھر حضرت عمرؓ نے یہ آیت تلاوت فرمائی ﴿یَحۡسَبُوۡنَ اَنَّمَا نُمِدُّهُمۡ بِهٖ مِنۡ مَّالٍ وَّبَنِيۡنَ نُسَارِعُ لَهُمۡ فِى الۡخَيۡرٰتِ بَلۡ لَّا يَشۡعُرُوۡنَ﴾۔

خلاصۂ کلام یہ ہے کہ کثرتِ دنیا اور وسعتِ دنیا آخرت کے مقابلہ میں وقتی اور عارضی چیز ہے، اور وسعتِ آخرت کے مقابلہ میں تنگ وضیق ہے، عبدالرزاق فرماتے ہیں، حضرت جابرؓ فرماتے ہیں کہ جب احد کا دن تھا تو رسول اللہ ﷺ نے اس دن قتل ہونے والے شہداء پر ایک بلند جگہ سے نظر ڈالی، پھر فرمایا میں ان لوگوں کے لئے گواہ ہوں، لہٰذا تم ان کو ان کے خون کے ساتھ ہی کفن دیدو (اور دفن کردو) حضرت معمر فرماتے ہیں، حضرت حسن بصریؒ فرماتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا، یہ لوگ (اپنے مقامات پر) پہونچ گئے اور میں ان پر گواہ ہوں، اور انہوں نے دنیا میں اپنے اجر میں سے کوئی حصہ حاصل نہیں کیا، اور تم لوگوں نے اپنے اجر وثواب میں سے حصہ (مثلاً مالِ غنیمت وغیرہ) حاصل کیا ہے اور میں نہیں جانتا کہ تم میرے بعد کون کون سی نئی باتوں کو پیدا کروگے۔

حضرت ابن مبارک فرماتے ہیں، حضرت حسن بصریؒ فرماتے ہیں، نبی کریم ﷺ اپنے صحابہ کے ساتھ بقیعِ غرقد تشریف لے گئے، پھر فرمایا ﴿اَلسَّلَامُ عَلَيۡكُمۡ يَا اَهۡلَ الۡقُبُوۡرِ لَوۡ تَعۡلَمُوۡنَ مَا نَجَاكُمُ اللّٰهُ مِنۡهُ مِمَّا هُوَ كَائِنٌ بَعۡدَكُمۡ﴾ (ترجمہ) السلام علیکم یا اہل القبور کاش کہ تم لوگ جانتے ان چیزوں کو جس سے اللہ تعالیٰ نے تم کو نجات دی، یعنی جو بعد میں موجود ہوگی، پھر آپ ﷺ صحابہ کی طرف متوجہ ہوئے، اور فرمایا، یہ لوگ تم سے بہتر اور اچھے تھے تو صحابہ نے فرمایا، اے اللہ کے رسول یہ ہمارے (دینی) بھائی ہیں، ہم بھی اسی طرح ایمان لائے جس طرح یہ لوگ اسلام لائے اور ہم نے ہجرت کی جس طرح انہوں نے ہجرت کی، ہم نے بھی

اللہ کی راہ میں جہاد کیا جس طرح انہوں نے کیا، اوران کی زندگی کی مدت ختم ہوئی تو یہاں سے گزر گئے (وفات پا گئے) اورہم اپنی مدتِ زندگی کو بسر کرنے کے لئے باقی ہے، کس چیز نے ان کو ہم سے بہتر بنا دیا؟ تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، یہ حضرات دنیا سے تشریف لے گئے اور انہوں نے اپنے اجر میں سے کوئی حصہ (دنیا میں) حاصل نہیں کیا اور یہ دنیا سے رخصت ہو گئے، اور میں ان پر شاہد ہوں! اورتم نے اپنے اجر وثواب میں سے (کچھ) حصہ حاصل کرلیا ہے اور مجھے نہیں معلوم کہ تم میرے بعد کیا کرو گے! راوی فرماتے ہیں جب صحابہ نے یہ سنا، اللہ کی قسم انہوں نے اس بات کو سمجھا اوراس سے فائدہ اٹھایا، تو وہ حضرات کہنے لگے کہ ان شہداء کے بعد ہم کو دنیا (کا جو فائدہ بھی) پہونچا ہم اس کا محاسبہ کرنے لگےاور بلاشبہ یہ دنیاء کا فائدہ ہمارے اجر کو ناقص کرنے والا ہے! بس انہوں نے حلال طیّب رزق کھایا، اور (اللہ کی راہ میں) قصد وارادہ (اخلاص) سے خرچ کیا اور زائداز ضرورت کو آگے بھیج دیا۔

عبداللہ بن احمد فرماتے ہیں، ابن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں جب کسی آدمی کو دنیا (کی کوئی نعمت) عطا ہوتی ہے تو اس کا (اُخروی) درجہ کم ہو جاتا ہے۔

یہ حضرات فرماتے ہیں کہ ساداتِ اغنیاء نے اس بات کی صراحت کی ہے کہ وہ جب تکالف میں آزمائے گئے تو انہوں نے صبر کیا اور راحت وخوش حالی میں آزمائے گئے تو وہ صبر نہ کر سکے! یہ قول عبدالرحمٰن ابن عوف رضی اللہ عنہ وغیرہ کا ہے، اوراس قول کی تائید اس حدیث سے بھی ہوتی ہے جو حضرت سعد رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، نبی کریم ﷺ نے فرمایا: مجھے تم پر فتنۂ فقر سے زیادہ فتنۂ راحت (غنی) کا خوف ہے، اس لئے کہ جب تم تکالیف وفقر کے ذریعہ آزمائے جاؤ گے تو تم صبر کرو گے! اور (اس لئے کہ) دنیا بڑی شریں اور دلچسپ ہے۔

یہ حضرات فرماتے ہیں کہ یہاں دو قضیۂ صادقہ ہے، اوران دونوں سے افضلیت ثابت ہوتی ہے، ان میں سے ایک یہ ہے کہ (دنیا کے) مالدار وہی (آخرت کے) نادار اور قلیل الاجر ہوں گے! اوراس پر دلائل ماقبل میں کافی شافی گزر چکے ہیں، اوردوسرا قضیہ تو صحیحین میں حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے، فرماتے ہیں کہ میں ایک رات نکلا تو (میں نے دیکھا کہ) رسول اللہ ﷺ تنہا چل رہے تھے آپ کے ساتھ کوئی انسان نہیں تھا، تو حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں یہ سمجھا کہ شاید آپ کسی کے ساتھ چلنے کو ناپسند فرمائیں گے، تو میں چاند کے سایہ میں چلنے لگا، تو آپ ﷺ مجھے بھانپ گئے تو فرمایا، کون ہے؟ میں نے کہا، ابوذر اللہ مجھ کو آپ پر فداء کرے،

تو آپ ﷺ نے فرمایا، اے ابوذر چلو، تو میں کچھ دیر آپ کے ساتھ چلا، تو آپ ﷺ نے فرمایا، کہ یہی دنیا کے مالدار عموماً قیامت کے دن نادار اور قلیل (الاجر) ہونگے ہاں مگر وہ لوگ جو اپنا مال دائیں بائیں آگے پیچھے اس طرح (اللہ کے لئے) خرچ کرتے ہیں، اور اچھے اعمال کرتے ہیں۔

یہ حضرات فرماتے ہیں کہ اگر غنی شاکر فقیر صابر سے افضل ہوتا، تو اللہ تعالیٰ اپنے رسول کو زہد فی الدنیا اور اس سے اعراض کی ترغیب نہ دیتے، اور دنیا کی حرص اور اس میں رغبت کو مذموم قرار نہ دیتے، بلکہ مناسب تو یہی ہوتا کہ اللہ اپنے رسول کو دنیا اور اس کو کثرت سے حاصل کرنے پر آمادہ کرتے، جیسے کہ اللہ تعالیٰ نے ان فضائل کے حصول پر ابھارا، آمادہ کیا جس سے بندے میں کمال پیدا ہوتا ہے یعنی علم وعمل وغیرہ، تو جب اللہ نے دنیا سے بے رغبتی اور قلتِ حصول پر آمادہ کیا یہ دلیل ہے اس بات پر کہ زاہدین اور دنیا کو کم سے کم حاصل کرنے والے وہی جماعت ثانیہ سے افضل ہے، اور اللہ کے رسول ﷺ نے اس بات سے خبردار کیا کہ اگر یہ دنیا کی اللہ کے نزدیک مچھر کے پر کے برابر قدر ہوتی تو اس سے کافر کو پانی کا ایک گھونٹ بھی نہ دیتے اور یہ کہ دنیا اللہ کے نزدیک ایسی ہی بے وقعت ہے جیسے کہ ایک مردار بکری اپنے مالک کے لئے بے وقعت ہے! اور یہ کہ دنیا کی مثال آخرت کے مقابلہ میں ایسی ہے جیسے کہ وہ پانی جو سمندر میں انگلی داخل کرنے والے کی انگلی میں لگ جاتا ہے، نیز اس بات سے بھی باخبر کیا کہ دنیا ملعون ہے اور دنیا کی چیزیں بھی ملعون ہے سوائے اللہ کے ذکر کے اور اس کے پسندیدہ اعمال اور عالم ومتعلم کے! اور یہ کہ دنیا مؤمن کے لئے قید خانہ ہے اور کافر کے لئے جنت ہے، اور بندے کو اس بات کا حکم دیا کہ وہ دنیا میں ایسی ہی (زندگی بسر کرے) کہ وہ مسافر یا راہ گزر ہے، اور اپنے آپ کو مردوں ہی میں شمار کرے، اور صبح کرے تو شام کا انتظار نہ کرے اور جب شام کرے تو صبح کا انتظار نہ کرے، اور دنیا میں رغبت دینے والی چیزوں کے اختیار کرنے سے منع فرمایا، اور دینار و درہم کے غلام پر لعنت فرمائی اور اس کو ہلاکت و بربادی کی بددعا دی اور اللہ کے رسول ﷺ نے باخبر کیا کہ یہ دنیا بڑا میٹھا سبزہ ہے (یعنی) آنکھیں (اس دنیا کی) رنگینیوں سے لطف اندوز ہوتی ہے اور دل اس کی شرینی سے مسرور ہوتے ہیں! اور حکم دیا کہ اس دنیا سے بچو اور اس سے پرہیز کرو جیسے کہ عورتوں سے بچا جاتا ہے، پرہیز کیا جاتا ہے، اور نبی کریم ﷺ نے اس بات کی آگاہی دی کہ دو بھوکے بھیڑیئے جو بکریوں میں چھوڑ دئے جائے تو وہ اس قدر فساد برپا نہیں کرتے جس قدر انسان کی سرداری و مرتبہ کی حرص اس کے دین میں فساد ڈالتے ہیں، اور بتلایا کہ دنیا میں

اس مسافر کی طرح رہوں جو کسی درخت کے سایہ میں گرمی کے دنوں میں کچھ دیر آرام کے لئے ٹھہرتا ہے پھر چل دیتا ہے ،اور درخت کو جوں کا توں چھوڑ دیتا ہے یہی حقیقت میں دنیا میں رہنے والوں کا حال ہے ،اور (لیکن) نبی کریم ﷺ نے اس حالت کا مشاہدہ کیا اور دنیا کے یہ دلدادہ لوگ اس سے اندھے بنے ہوئے ہیں! اور آپ ﷺ صحابہ کے پاس سے گزرے اور صحابہ کرام اپنے گھروں کی (جو بانس، لکڑی وغیرہ کے تھے) مرمّت کررہے تھے تو آپ ﷺ نے فرمایا، کہ میں ایک امر (موت) کو اس مرمّت سے بھی جلد انجام پزیر ہوتے دیکھ رہا ہوں! اور (پہلے) آپ ﷺ نے اپنے دروازہ پر پردہ کا حکم دیا پھر اس کو نکال دیا اور کہا یہ (پردہ) مجھ کو دنیا کی یاد تازہ کراتا ہے، اور لوگوں کو بتلایا کہ ان کا (اس دنیا میں) تین چیزوں سے زیادہ کا حق نہیں، ایک گھر جس میں وہ رہے، دوسرا کپڑا جس سے وہ اپنا ستر چھپائے، تیسرا اتنا روٹی پانی جس سے اس کی پیٹھ سیدھی رہے، اور باخبر کیا کہ میت کے ساتھ اس کے رشتہ دار، اس کا مال، اس کے اعمال آتے ہیں اور اس کے رشتہ دار اور مال واپس لوٹ آتے ہیں، اور اس کے ساتھ اس کے اعمال باقی رہتے ہیں، اور اللہ کے رسول ﷺ نے باخبر کیا کہ اللہ کے مال کو اپنی نفسانی خواہشات کو پورا کرنے میں استعمال کرنے والوں کے لئے قیامت کے دن سوائے جہنم کے کوئی ٹھکانہ نہ ہوگا! اور اللہ کے رسول ﷺ نے قسم کھائی کہ آپ کو اپنے صحابہ پر فقر کا خوف نہیں خوف ہے تو ان پر (وسعتِ) دنیا کا اور اس (دنیا) میں پھنس جانے کا اور غافل ہوجانے کا! اور نبی کریم ﷺ نے بتلایا کہ اے بنی آدم تیرا کوئی مال نہیں سواء اس کے جو تو نے کھا کر فناء کردیا، یا پہن کر پرانا کردیا، یا کارِ خیر پر صرف کرکے اسے صدقۂ جاریہ بنادیا اور فرمایا کہ ابنِ آدم کے لئے دنیا (کی چیزوں میں) سے چند لقمہ ہی کافی ہے جو اس کی صلب کو سیدھا کردے، اور اگر اس پر اکتفی نہ کرے تو اپنے پیٹ کے تین حصہ کرلے ایک کھانے کے لئے، ایک پینے کے لئے اور ایک سانس کے لئے اور اس حدیث میں صحّتِ بدن وقلب اور صحّت دین ودنیا کی طرف رہنمائی ہے! اور فرمایا کہ دنیا میں بندے کا (حقیقی) غنیٰ وہ نفس کا غنیٰ ہے نہ کہ کثرتِ مال وسامان، اور نبی کریم ﷺ نے اللہ سے دعا فرمائی کہ اللہ آپ کے رزق کو دنیا میں بقدرِ ضرورت کردے اور آپ ﷺ نے اس شخص کو قابلِ رشک قرار دیا جس کو اسلام کی ہدایت کے بعد بقدرِ ضرورت رزق عطا ہوگیا! اور آپ ﷺ نے اس بات سے بھی باخبر کیا کہ جو شخص کہ اس کا مقصد ہی دنیا ہوجائے تو اللہ تعالیٰ محتاجگی کے آثار اس کی بیچ پیشانی پر پیدا کردیتے ہیں، اور اس پر اس کا شیرازہ بکھر جاتا ہے اور حال یہ ہے کہ اس کو اتنا ہی حاصل ہوتا ہے جتنا اس کے لئے مقدر ہے، اور اللہ نے

آپ پر یہ پیشکش کی کہ آپ کے لئے بطحاءِ مکہ کو سونا بنا دیا جائے، تو آپ ﷺ نے فرمایا نہیں، بلکہ اے میرے رب میں (چاہتا ہوں کہ) ایک دن شکم سیر ہوں اور ایک دن بھوکا رہوں، جب بھوکا رہوں تو تیری طرف تضرع وعاجزی کروں، اور تجھے یاد کروں، اور جب شکم سیر ہوں تو حمد بیان کروں اور تیرا شکر ادا کروں، اور فرمایا، جو شخص اس حال میں صبح کرے کہ اپنے دل میں مطمئن ہو، بدن درست ہو، ایک دن کے کھانے کا سامان اس کے پاس ہو، تو گویا اس کے لئے دنیا کی نعمتیں جمع کر دی گئی ہے، اور اس کو ساری دنیا دے دی گئی ہے، اور اللہ کے رسول نے اس بات سے باخبر کیا، جو بندہ اپنی ضرورت سے زائد چیز کو (اللہ کے لئے) خرچ کر دیتا ہے یہ اس کے لئے بہتر ہے اور جو ان زائد چیزوں کو جمع رکھتا ہے تو یہ اس کے لئے برا ہے، اور یہ کہ بقدرِ ضرورت چیز میں کوئی ملامت نہیں اور اپنی امت کو اس بات سے روکا کہ ان میں سے کوئی دنیوی (معاملہ) میں اپنے سے بڑی حیثیت والے کی طرف دیکھے اور اس بات کا حکم دیا کہ دنیوی (معاملہ) میں اپنے سے کم حیثیت والے کی طرف دیکھے، اور اس بات کی آگاہی دی کہ دنیا میں محض بلائیں اور فتنیں اور نقصانات ہی باقی رہ گئے ہیں اور دنیا کی مثال اس (نجاست) کی طرح ہے جو انسان اپنی قضاءِ حاجت کے وقت نکالتا ہے کہ اس نجاست کی ابتدائی حالت بہت ہی لذیذ (کھانا) ہے اور یہ نجاست اس کی آخری حالت ہے، اور اللہ کے رسول ﷺ نے بتلایا کہ اللہ کے (حقیقی) بندے وہ نہیں جو دنیا کی عیش وعشرت میں مشغول ہیں، کیونکہ ان کے پیشِ نظر نعمتوں کا گھر (جنت) ہے لہٰذا وہ آخرت کی نعمتوں کے عوض میں دنیا کی عیش وعشرت پر راضی نہیں ہوتے، اور فرمایا کہ اس امت کے اگلے حضرات زہد ویقین کے ذریعہ نجات پا گئے اور اس امت کے پچھلے لوگ بخل اور طویل امیدوں کے ذریعہ ہلاک ہوں گے اور آپ ﷺ فرمایا کرتے تھے، اے اللہ حقیقی عیش تو آخرت ہی کا عیش ہے اور فرمایا کہ جب اللہ کسی بندے سے محبت کرتے ہیں تو اس کو دنیا سے اسی طرح محفوظ رکھتے ہیں جس طرح تم اپنے بیماروں کو (چند) کھانے پینے کی چیزوں سے پرہیز کراتے ہو، اور آپ ﷺ حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ کے پاس آئے وہ حالتِ نزع میں تھے آپ ﷺ ان پر جھکے اور ان کو بوسہ دیا، اور فرمایا، اے عثمان اللہ تم پر رحم فرماوے، نہ دنیا سے تو نے کچھ فائدہ اٹھایا اور نہ دنیا نے تجھ سے! تو حضرت عثمان کو اس (بات) پر خوشی ہوئی، اور آپ ﷺ فرماتے تھے دنیا کی بے رغبتی سے قلب وبدن کو (حقیقی) راحت میسر ہوتی ہے اور دنیا کی رغبت (پریشان کن) خیالات وغموم کو مزید بڑھاتی ہے، اور آپ ﷺ فرمایا کرتے تھے، کہ جس شخص کا مقصد اور سعی وکاوش ایک ہی

(آخرت کے لئے) ہوجائے تو اللہ تعالیٰ اس کے دوسرے تمام (دنیوی) مقاصد و تکالف کے لئے کافی ہوجاتے ہیں اور جس کو دنیوی فکریں گھیر لے تو پھر اللہ کو بھی کوئی پرواہ نہیں کہ وہ جس وادی میں چاہے ہلاک ہو! اور اللہ کے رسول ﷺ نے خبر دی کہ قیامت کے دن ایک شخص کو لایا جائے گا جو دنیا میں بڑے عیش و آرام میں تھا پھر اللہ تعالیٰ کہیں گے کہ اس کو دوزخ کی جھلک دیکھا کر لاؤ، پھر اللہ پوچھیں گے اے فرزندِ آدم کیا تو نے کبھی خوشی دیکھی ہے، اور کیا تجھ پر آسائش و راحت کا کوئی لمحہ گزرا ہے وہ کہے گا مطلق نہیں، اے اللہ تیری عزت کی قسم ! پھر اللہ کہیں گے اس کو جہنم میں داخل کردو! پھر ایک شخص کو لایا جائے گا جو دنیا میں سخت مصائب میں مبتلی تھا، پھر اللہ تعالیٰ فرمائیں گے، اس کو جنت میں ایک غوطہ لگادو، تو اس کو جنت میں ایک غوطہ لگا دیا جائے گا اور لائیں گے، تو اللہ تعالیٰ کہیں گے اے فرزندِ آدم کیا تو نے کبھی مصیبت دیکھی ہے تو وہ کہے گا اے اللہ تیری عزت کی قسم کبھی نہیں، نہ کوئی مصیبت میرے پاس سے پھٹکی اور نہ کبھی سختی سے میرا سابقہ پڑا۔

اور امام احمدؒ نے اپنی کتاب ''الزہد'' میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کا اللہ سے مناجات کرنے کی حدیث کو ذکر فرمایا ہے اور اس مناجات میں یہ بھی ہے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا، کہ تم دونوں (موسیٰ و ہارون) اس (فرعون) کی دنیوی جاہ وجلالی سے تعجب مت کرنا بلکہ اس کی طرف نگاہ بھر کر دیکھنا بھی نہیں اس لئے کہ وہ تو محض عیش و آرام کرنے والوں کے لئے دنیوی ناز ونعمت ہے میں اگر چاہوں تو تمہیں اتنی مقدار میں دنیا اور دنیا کا عیش و آرام عطا کردوں کہ جب فرعون اس کو دیکھے تو جان لے کہ یہ اس کا مال و دولت تو اس کے مقابلہ میں کچھ بھی نہیں، تو میں ایسا کرسکتا ہوں لیکن میں تم دونوں کو اس دنیوی مال و اسباب سے بے رغبت کردوں گا اور اس کی (محبت) کو تم سے زائل کردوں گا، اور اس طرح عموماً اپنے بندوں کے ساتھ کرتا ہوں اور ہمیشہ میں ان کے لئے اس سلسلہ میں عمدہ سامان کرتا رہا ہوں میں ان (بندوں) سے دنیا کی ناز ونعمت کو اس طرح دفع کرتا ہوں جیسے کہ شفیق چرواہا اپنی بکریوں کو مہلک چراگاہ سے ہٹا دیتا ہے، اور میں اپنے بندوں کو اس دنیا کے اسبابِ تفریح اور لہو ولعب سے اسی طرح پرہیز کراتا ہوں جس طرح شفیق چرواہا اپنے اونٹوں کو نا معلوم مقام پر بیٹھنے سے پرہیز کراتا ہے! اور یہ اس لئے نہیں کہ وہ بندے میرے نزدیک قابلِ اکرام نہیں بلکہ صرف اس لئے تاکہ وہ میرے اکرام میں سے اپنا پورا حصہ مکمل کرلیں کہ دنیا نہ ان کو مجروح کرسکے اور خواہشات نہ ان کو سرکش بنا سکے، اور اے موسیٰ جان لے میرے نزدیک بندے کی کوئی زیب و زینت اتنی وقعت والی نہیں جتنا زہد و دنیا سے بے رغبتی ہے اس لئے کہ یہ (زہد) متقیوں کی زینت ہے اور ان پر خشوع خضوع اور سکینت کا لباس ہے جس سے وہ معروف

ہوتے ہیں، ان کے چہروں پر سجدے کے اثرات روشن ہوتے ہیں یہی میرے حقیقی و سچّے دوست ہیں، لہٰذا جب تو ان میں سے کسی سے ملے تو توان کے سامنے باادب ہو جا اور اپنی زبان و دل کو ان کے لئے نرم رکھ۔

امام احمدؒ فرماتے ہیں، حواریین نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے پوچھا کہ وہ کون اللہ کے اولیاء ہیں جن کو نہ کوئی خوف ہوگا اور نہ کوئی غم؟ تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا، وہ وہ لوگ ہیں جو دنیا کے باطنی حصہ کی طرف نظر کرتے ہیں جس وقت لوگ دنیا کے ظاہری حصہ کو دیکھ رہے ہوتے ہیں! اور وہ (بندے) دنیا کی ان خواہشات کو ختم کر دیتے ہیں جن کے بارے میں ان کو ڈر ہوتا ہے کہ وہ خواہشات ان کو ختم کر دے گی، اور بندے دنیا کی ان چیزوں کو ترک کر دیتے ہیں جن کے بارے میں ان کو معلوم ہوتا ہے کہ وہ چیزیں ان کو چھوڑ دے گی، لہٰذا ان کے نزدیک دنیا کی کثیر چیزیں قلیل ہوتی ہے اور دنیا کا تذکرہ فوت (شدہ چیز کی طرح) ہوتا ہے! اور جو کچھ دنیا کی خوشی ان کو پہونچتی ہے، (ان کے نزدیک) غم ہوتا ہے، اور جو دنیا کے انعامات ان کو پیش کئے جائے وہ چھوڑ دیتے ہیں اور جو ناحق عہدیں ان کو پیش کئے جائے تو وہ اس کو پسِ پشت ڈالدیتے ہیں، دنیا ان کے نزدیک پورانی اور بوسیدہ ہے لہٰذا وہ اس کی تجدید کر کے (اس سے تعلق قائم نہیں کرتے) اور ان کے نزدیک دنیا ویران ہے وہ اس کی تعمیر نہیں کرتے، اور ان کے دلوں میں مردہ ہے وہ اس کو زندہ نہیں کرتے، انہوں نے دنیا کو منہدم کر دیا ہے وہ اس کے ذریعہ آخرت کو تعمیر کرتے ہیں، اور انہوں نے اس دنیا (فانی) کو بیچ دیا ہے اور آخرتِ باقی کو خرید لیا ہے، دنیا کو انہوں نے ترک کر دیا ہے پس وہ اسی میں خوش ہیں، اور وہ لوگ ہلاک شدہ دنیا والوں کو دیکھتے ہیں جن پر عذاب نازل ہوا تھا بس وہ بندیں موت کے ذکر کو زندہ کرتے ہیں، اور حیاتِ (دنیوی) کے ذکر کو ختم کر دیتے ہیں اور اللہ اور اللہ کے ذکر سے محبت رکھتے ہیں اور وہ بندیں اللہ ہی کے نور سے طلبِ ضیاء کرتے ہیں اور اسی سے منوّر رہوتے ہیں، ان بندوں کی عجیب خبر ہے اور ان کے پاس بھی عجیب خبر ہیں، انہی کے ساتھ کتاب اللہ قائم ہے اور وہ بھی کتاب اللہ سے قائم ہے، اور کتاب اللہ ان کی ترجمانی کرتی ہے اور وہ کتاب اللہ کی ترجمانی کرتے ہیں اور ان کے ذریعہ کتاب اللہ کا علم ہے اور وہ اس پر عمل کرتے ہیں، اور وہ لوگ جو انعام پانے والے ہیں اس کے مقابلہ میں کسی (دنیوی چیز) کو انعام نہیں سمجھتے اور وہ بندے جس (اخروی) امن کی امید رکھتے ہیں اس کے مقابلہ میں کسی چیز کو امن نہیں سمجھتے اور ان کو کسی کا خوف نہیں ہے سواء اس ذات کا جس سے وہ ڈرتے ہیں۔

امام احمدؒ فرماتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے کہا گیا کہ اے اللہ کے رسول اگر آپ ایک گدھا لیلے تا کہ آپ اپنی ضرورت کے وقت اس پر سواری کرے، تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے کہا، میں اللہ پر اس بات سے زیادہ غیر تمند ہوں کہ وہ میرے لئے کوئی ایسی چیز مقرر کردے جو مجھے اسی میں مشغول کردے، اور فرمایا کہ تم اپنے خزانوں کو آسمان میں جمع کرو اس لئے کہ آدمی کا دل اس کے خزانے کے پاس ہی ٹیکا رہتا ہے اور فرمایا، تم دنیا کے ان فضلات سے بچو اس لئے کہ اللہ کے نزدیک دنیا کے یہ فضلات (عیش وآرام) گندگی ہے، اور فرمایا، اے بنی اسرائیل تم اپنے گھروں کو دنیا میں مہمان خانہ ہی کی طرح بناؤ (سمجھو) کہ تمہارے لئے اس دنیا میں کوئی منزل وجائے قرار نہیں، تم محض ایک راہ گیر و مسافر کی طرح ہو اور فرمایا اے حواریین کی جماعت (بتاؤ) تم میں سے کون ہے جو سمندر کی موج پر گھر تعمیر کرے؟ حواریین نے کہا اے روح اللہ یہ تو کون کر سکتا ہے؟ تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا، تم دنیا سے بچو اور اس کو جائے قرار مت بناؤ! اور فرمایا گیہوں کی روٹی کھانا میٹھا پانی پینا اور کتوں کے ساتھ گھاس پھوس پر سونا یہ تو اس شخص کے لئے بہت بڑی چیز ہے جو یہ چاہتا ہو کہ اس کو جنت الفردوس عطا ہو۔

اور حضرت عیسیٰ مسیح علیہ السلام نے سختی کے ساتھ فرمایا: کہ غنی جنت میں داخل نہیں ہوگا اور فرمایا کہ یہ دنیا کی حلاوت وشرینی آخرت کا تلخ گھونٹ ہے، اور دنیا کی تلخی آخرت کی حلاوت وشرینی ہے، اور فرمایا، اے بنی اسرائیل دنیا کو حقیر وذلیل سمجھو تو وہ دنیا تم پر آسان ومہربان ہو جائے گی! اور تم دنیا کو حقیر ومعمولی سمجھو تو آخرت تم پر باعزت ومکرم ہو جائے گی! اور دنیا کو باعزت وباعظمت مت سمجھو (ورنہ) آخرت تم پر حقیر ومعمولی ہو جائے گی (یعنی تم آخرت میں معمولی حقیر ہو جاؤ گے) اس لئے کہ دنیا کوئی قابلِ احترام چیز نہیں ہے اور ہر دن دنیا ایک نئے فتنے وخسارے کی طرف دعوت دیتی ہے۔

اسحاق بن ھانی اپنے مسائل (کی کتاب) میں فرماتے ہیں کہ ابوعبداللہ نے فرمایا اور میں ان کے گھر سے نکل رہا تھا کہ حضرت حسن بصریؒ نے فرمایا، دنیا کو حقیر ومعمولی سمجھو! تو اس وقت تو بڑا بابرکت ہوگا جب دنیا ذلیل ہوگی اور حسنؒ نے کہا مجھے کچھ پرواہ نہیں کہ دنیا آئے یا جائے اور ابوعبداللہ نے کہا اے اسحاق اللہ کے نزدیک دنیا سے بڑھ کر کوئی بے وقعت نہیں اور فرمایا اس کے قلیل کا اجر ہوگا اور اس کے کثیر کا اجر نہیں ہوگا۔

لہٰذا یہ حضرات (جو فقیر صابر کی افضلیت کے قائل ہیں) فرماتے ہیں کہ سلفِ صالحین سے تواتر سے

ثابت ہے کہ دنیا کی محبت گناہوں کی اصل وجڑ ہے، اس کے بارے میں کوئی حدیثِ مرفوع تو ثابت نہیں ہے، لیکن حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے مروی ہے حضرت عبد اللہ بن احمد فرماتے ہیں، حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا، گناہوں کی جڑ دنیا کی محبت ہے، اور عورتیں شیاطین کے پھندے ہیں اور شراب ہر برائی کا مجموعہ ہے۔

امام احمدؒ فرماتے ہیں، حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا، دنیا کی محبت ہر گناہ کی جڑ ہے، اور مال تو اس میں بہت سے امراض ہیں تو حواریین نے کہا، کہ مال کی بیماری کیا ہے؟ تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا، کہ بندہ فخر وتکبر اور گھمنڈ سے محفوظ نہیں رہتا، تو حواریین نے کہا، اگر محفوظ رہ جائے تو؟ تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا، کہ اس کو اس کا انتظام اللہ کے ذکر سے غافل کردے گا۔

لہٰذا یہ حضرات فرماتے ہیں کہ تجربہ ومشاہدہ سے یہ بات بالکل ظاہر وواضح ہے کہ دنیا کی محبت بندے کو ظاہری وباطنی گناہوں کی دعوت دیتی ہے، اور خاص کر اس وقت جبکہ وہ گناہ کا حصول مال ہی پر موقوف ہو، تو یہ مال کی محبت اپنے عاشق کو مدہوش کر دیتی ہے باوجودیکہ بندے کو گناہ اور اس گناہ کی قباحت کا بھی علم ہوتا ہے اور بندے کو اس گناہ کی کراہت اور اس سے وجوبِ (اجتناب) کا بھی علم ہوتا ہے، (پھر بھی بندہ گناہ میں مشغول ہوجاتا ہے) اور دنیا کی محبت پہلے شبہات میں واقع کرتی ہے پھر مکروہات میں پھر حرام کاموں میں جھونک دیتی ہے، اور بسا اوقات کفر میں بھی واقع کر دیتی ہے، بلکہ سابقہ جتنی بھی امتیں جنہوں نے اپنے اپنے نبی کی تکذیب کی ان کو کفر پر اور خود کی ہلاکت پر صرف اور صرف دنیا کی محبت نے آمدہ کیا تھا، اس لئے کہ جب رسولوں اور پیغمبروں نے ان کو اس شرک ومعاصی سے روکا جس سے دنیا حاصل کرتے تھے اسی حبِ دنیا نے انبیاء علیہم السلام کی مخالفت وتکذیب پر آمدہ کیا تو ان لوگوں کو صرف اور صرف دنیا کی محبت ہی نے رسولوں کی مخالفت وتکذیب پر آمدہ کیا۔

لہٰذا دنیا میں ہر گناہ کی جڑ اور اصل دنیا کی محبت ہے اور تو اپنے والدین (آدم وحوا) کی پرانی خطا کو مت بھول، کہ اس کا سبب بھی دنیا میں ہمیشہ رہنے کی محبت بنی اور ابلیس کے گناہ کو بھی مت بھول، کہ اس کا سبب بھی ریاست کی محبت بنا کہ ریاست کی محبت دنیا کی محبت سے بھی زیادہ بری ہے اور یہی (ریاست کی محبت) سبب بنا فرعون وہامان اور ان کے لشکر کے کفر کا، اور یہی سبب بنا ابوجہل اور اس کی قوم اور یہودیوں کے کفر کا، لہٰذا یہی دنیا اور ریاست کی محبت وہی ہے جس کے محبوبوں سے جہنم آباد ہوگی اور دنیا اور جاہ ومرتبہ سے بے رغبتی وہی جنت کو اہل جنت سے آباد

کرے گی، جب دنیا کا نشہ شراب کے نشہ سے بہت بڑھ کر ہے، اور اس نشہ میں مدہوش آدمی اسی وقت افاقہ پاتا ہے جب وہ لحد کی تاریکیوں میں پہونچ جاتا ہے، اور اگر دنیا ہی میں اس سے پردہ ہٹا لیا جائے تو وہ جان لے گا کہ اس حبِّ دنیا میں کیا نشہ ہے اور وہ یہ بھی جان لے گا کہ حبِّ دنیا کا نشہ یہ شراب کے نشہ سے بھی زیادہ سخت ہے۔

اور دنیا عقلوں کو بہت ہی سخت مسحور کر دیتی ہے۔

حضرت امام احمدؒ فرماتے ہیں کہ مالک بن دینارؒ نے فرمایا، کہ اس مسحور کرنے والی (دنیا) سے بچو، اس مسحور کرنے والی (دنیا) سے بچو، کہ یہ دنیا علماء کے دلوں کو مسحور کر دیتی ہے۔

یحییٰ بن معاذ الرازی فرماتے ہیں کہ دنیا شیطان کی شراب ہے جو شخص اس کے نشہ میں مدہوش ہوگیا وہ کبھی افاقہ نہیں پائے گا مگر اس وقت جب کہ وہ موت کے شکنجہ میں ہوگا، تب تو خسارہ اٹھانے والوں کے مابین نادم ہوگا، اور دنیا کی محبت کا ادنی نقصان یہ ہے کہ یہ اللہ کی محبت و ذکر سے غافل کر دیتی ہے، اور وہ شخص جس کے مال نے اس کو اللہ کی محبت و ذکر سے غافل کر دیا وہی نقصان اٹھانے والوں میں سے ہے، اور جب قلب اللہ کی محبت سے عاری ہوتا ہے تو شیطان اس میں سکون پزیر ہوتا ہے اور اس میں جو چاہے تصرف کرتا ہے اور شیطان کی بدترین ہوشیاری یہ ہے کہ اس کو بعض اعمالِ خیر سے خود پسندی میں ڈالتا ہے تا کہ وہ (بندہ) یہ سمجھے کہ وہ دنیا میں اچھے اعمال کر رہا ہے، حالانکہ اس کا دل دنیا کی غلامی کرتا ہے تو وہ فعل جو وہ کرتا ہے اچھا کیسے ہوسکتا ہے، جبکہ وہ دنیا کا غلام ہے، اور بلاشبہ رسول اللہ ﷺ نے لعنت فرمائی ہے، اور اس کے لئے بدعا کی ہے، آپ ﷺ نے فرمایا: ﴿لُعِنَ عَبْدُ الدِّيْنَارِ وَالدِّرْهَمِ﴾ اور فرمایا: ﴿تَعِسَ عَبْدُ الدِّيْنَارِ، تَعِسَ عَبْدُ الدِّرْهَمِ اِنْ اُعْطِيَ رَضٰى وَاِنْ مُنِعَ سَخِطَ﴾ اور یہی نبی کریم ﷺ کی جانب سے وضاحت ہے، اور یہی اس بندے کا دنیا کی غلامی کا مطلب ہے۔

اور تحقیق کہ آپ ﷺ کے سامنے دنیا کو اس کی تمام زیب و زینت کے ساتھ پیش کیا گیا اور آپ کے سامنے حاضر ہوئی بھی تو آپ ﷺ نے اس کو اپنے ہاتھوں سے اس کے سینہ پر ہاتھ مار کر دفع فرمایا، اور اس کو پسِ پشت ڈال دیا، پھر دنیا آپ ﷺ کے بعد صحابہ کرام پر پیش کی گئی اور ان کے سامنے ظاہر ہوئی، تو ان صحابہ میں سے بعض تو وہی تھے جو آپ ﷺ کے نشانِ قدم پر چلے اور اس دنیا کو اپنے سے دفع کیا اور یہ بہت کم صحابہ تھے، اور ان میں سے بعض صحابہ وہ ہیں کہ ان کے سامنے دنیا کو ظاہر کیا گیا تو انہوں نے کہا اے مال، تجھ میں کون کون سی قسم کا

مال ہے؟ تو اس نے کہا، میرے پاس حلال، مشتبہ، مکروہ مال ہے! تو صحابہ نے فرمایا تیرا حلال مال ہم کو دیدے اور اس کے علاوہ دوسرے مال کی ہم کو کوئی حاجت نہیں، لہٰذا صحابہ کرام نے حلال لے لیا! پھر یہ دنیا و مال صحابہ کے بعد لوگوں کے سامنے پیش کیا گیا تو انہوں نے اس کے حلال مال کو طلب کیا تو انہوں نے حلال کو نہیں پایا، تو انہوں نے اس کے مشتبہ و مکروہ مال کو طلب کیا (تو دنیا نے ان کو وہ مال دیدیا پھر ان سے بعد والوں پر دنیا و مال کو پیش کیا گیا تو انہوں نے اس کے مکروہ و مشتبہ مال کو طلب کیا) تو دنیا نے کہا وہ مالِ حلال، مشتبہ و مکروہ تم سے پہلے لوگوں نے لے لیا، تو انہوں نے کہا تیرا حرام مال دیدے، لہٰذا انہوں نے حرام مال بھی لے لیا، پھر ان کے بعد والوں نے حرام طلب کیا تو دنیا کہتی ہے کہ وہ مالِ حرام تو ظالموں کے قبضہ میں ہے جنہوں نے اپنے آپ کو تم پر ترجیح دی ہے تو تم ان ظالموں سے مالِ حرام کو حاصل کرنے پر مشقت برداشت کرو ترغیب و ترہیب سے، لہٰذا وہ لوگ ان ظالموں سے ترغیب و ترہیب کے ذریعہ مال کے حصول پر آمدہ ہو جاتے ہیں، لہٰذا جب کوئی فاجر آدمی کسی حرام چیز کی طرف اپنے ہاتھ کو بڑھاتا ہے تو وہ اپنے سے بھی زیادہ قوی اور فاجر کو پاتا ہے جو پہلے سے اس مالِ حرام کو حاصل کر چکا ہوتا ہے! الغرض یہ مال اور یہ سب کے سب (انسان) ضیوف و مہمان ہے اور جو کچھ ان کے پاس (مال و دولت) ہے وہ بطورِ عاریت ہے، جیسے کہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا، جو شخص بھی دنیا میں صبح کرتا ہے وہ مہمان ہے اور اس کا مال عاریت ہے اور مہمان جانے والا ہے اور عاریت کی چیز واپس ادا کی جانے والی ہے۔

یہ حضرات فرماتے ہیں کہ دنیا کی محبت تمام خطاؤں کی جڑ ہے اور دین کو فاسد کرنے والی ہے، اس کی چند وجوہ ہے۔

(پہلی وجہ):۔ دنیا کی محبت کا تقاضیٰ یہ ہے کہ اس کی عظمت ہو حالانکہ دنیا اللہ کے نزدیک حقیر ہے ذلیل ہے، اور اس سے بڑھ کر اور کونسا گناہ ہوگا کہ اس چیز کی تعظیم کی جائے جس کو اللہ نے ذلیل کر دیا ہو۔

(دوسری وجہ):۔ اللہ تعالیٰ نے دنیا پر لعنت فرمائی ہے اور اللہ کے نزدیک قابلِ نفرت اور مبغوض ہے اور جو شخص اس چیز سے محبت کرے جو عند اللہ ملعون و مبغوض اور قابلِ نفرت ہو تو بلا شبہ اس نے اپنے آپ کو فتنہ کے لئے پیش کر دیا، اور اللہ کی ناراضگی اور غضب کے لئے پیش کر دیا (لیکن جو عمل دنیا کا اللہ کے لئے ہو تو مبغوض سے مستثناء ہے)۔

(تیسری وجہ):۔ جب کوئی آدمی دنیا سے محبت کرتا ہے تو وہی اس کا مقصود ہو جاتا ہے اور وہ ان اعمال

کے ذریعہ جو اللہ نے اپنے قریب اور دارِ آخرت تک پہونچنے کے ذرائع مقرر کئے ہیں ان کے ذریعہ وہ دنیا کو حاصل کرتا ہے، تو پھر معاملہ برعکس ہو جاتا ہے تو پھر حکمت و مصلحت بھی منقلب ہو جاتی ہے اور اس کا دل بھی پلٹ جاتا ہے اس کی روش الٹی ہو جاتی ہے، تو یہاں دو امر ہو گئے ایک یہ کہ وسائل کو مقاصد بنانا، دوم اعمالِ آخرت کو حصولِ دنیا کے وسائل بنانا، تو یہ ہر اعتبار سے بدترین الٹا پن ہے اور قلب کا الٹا ہونا یہ پستی کی انتہاء ہے اور یہ وہی ہے جس پر یہ ضرب المثل منطبق ہوتی ہے "حَذْوُ الْقَذَةِ بِالْقَذَةِ" (ایک تیر دوسرے تیر کے مطابق چلتا ہے یعنی دو چیزوں میں یکسانیت بتانے کے لئے یہ ضرب المثل ہے) اور اللہ کا قول اس پر صادق آتا ہے ﴿مَنْ كَانَ يُرِيْدُ الْحَيَاةَ الدُّنْيَا وَزِيْنَتَهَا نُوَفِّ اِلَيْهِ اَعْمَالَهُمْ فِيْهَا وَهُمْ فِيْهَا لَا يُبْخَسُوْنَ ، اُولٰئِكَ الَّذِيْنَ لَيْسَ لَهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ اِلَّا النَّارَ وَحَبِطَ مَا صَنَعُوْا فِيْهَا وَبَاطِلٌ مَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ﴾ اور اللہ کا قول ﴿مَنْ كَانَ يُرِيْدُ الْعَاجِلَةَ عَجَّلْنَا لَهٗ فِيْهَا مَا نَشَاءُ لِمَنْ نُّرِيْدُ ثُمَّ جَعَلْنَا لَهٗ جَهَنَّمَ يَصْلَاهَا مَذْمُوْماً مَّدْحُوْراً﴾ اور اللہ کا قول ﴿مَنْ كَانَ يُرِيْدُ حَرْثَ الْاٰخِرَةِ نَزِدْ لَهٗ فِيْ حَرْثِهٖ وَمَنْ كَانَ يُرِيْدُ حَرْثَ الدُّنْيَا نُؤْتِهٖ مِنْهَا وَمَا لَهٗ فِي الْاٰخِرَةِ مِنْ نَّصِيْبٍ﴾ تو یہ تین آیتیں ہیں جو (مضمون میں) ایک دوسرے سے مشابہ ہے اور ایک ہی معنی و مطلب پر دال ہے، اور وہ یہ ہے کہ جو شخص اپنے اعمال سے دنیا طلبی کا ارادہ رکھے گا نہ کہ اللہ اور دارِ آخرت کو! تو اس کا حصہ وہی ہوگا جس کا وہ ارادہ کرے گا، اور وہی اس کا سرمایہ ہوگا، اور اس کے لئے اس کے علاوہ (آخرت میں) کوئی حصہ نہیں ہوگا۔

اور احادیثِ رسول بھی اسی کے مطابق ہے اور انہی آیات کی تفسیر ہے، جیسے کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہ حدیث، ان تین شخصوں کے بارے میں کہ جہنم سب سے پہلے انہی سے بھڑکائی جائے گی، ایک مجاہد، دوسرا صدقہ کرنے والا، تیسرا قرآن پڑھنے والا! جنہوں نے اپنے اعمال سے دنیا اور دنیا کی چیزوں کو مقصود بنایا۔

سنن نسائی میں حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے وہ فرماتے ہیں، ایک آدمی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور کہا، اے اللہ کے رسول، ایک آدمی جو اللہ کی راہ میں غزوہ کرتا ہے اور اس (عمل) سے وہ اجر کو اور شہرت کو تلاش کرتا ہے تو اس کے لئے کیا اجر ہوگا؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس کے لئے کچھ بھی (اجر) نہیں ہوگا، تو اس آدمی نے اس (سوال) کا تین مرتبہ اعادہ کیا، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو یہی کہا! اس کے لئے کچھ بھی نہیں ہوگا! پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ اسی عمل کو قبول فرماتے ہیں جو خالص اسی کے لئے ہو اور اس عمل سے اس کی

رضا مندی مقصود ہو، تو یہ (نیتِ شہرت) اس کے اجر کو باطل کر دیتا ہے اور اس کے عملِ (جہاد) کو بھی بے کار کر دیتا ہے، باوجود یکہ اس کا ارادہ حصولِ اجر بھی ہے، لیکن جب اس نے حصولِ اجر کے ساتھ لوگوں کے مابین شہرت کو بھی ملا دیا، تو اس کا وہ عمل اللہ کے لئے خاص نہ رہا، لہٰذا مکمل عمل باطل ہو گیا۔

مسند احمد میں ہے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں، ایک آدمی نے کہا، اے اللہ کے رسول ﷺ ایک آدمی اللہ کی راہ میں جہاد کرنے کا ارادہ رکھتا ہے، اور مقصود اس سے دنیا کا سامان (مالِ غنیمت) ہے؟ تو آپ ﷺ نے اس سے کہا، اس کے لئے کوئی اجر نہیں ہوگا، تو لوگوں پر یہ (بات) گراں گزری! تو لوگوں نے اس آدمی کو کہا کہ اس سوال کا اعادہ کر، ہوسکتا ہے کہ آپ ﷺ نہ سمجھے ہو! تو اس نے سوال کا اعادہ کیا اور کہا، اے اللہ کے رسول ﷺ ایک شخص اللہ کی راہ میں جہاد کا ارادہ رکھتا ہے اور مقصود مالِ غنیمت ہے؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا اس کے لئے کوئی اجر نہیں ہوگا، پھر تیسری مرتبہ سوال کا اعادہ کیا؟ تو بھی آپ ﷺ نے فرمایا: **"لا اجر له"**۔

مسند احمد میں ہے، حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں، نبی کریم ﷺ نے فرمایا: جو شخص اللہ کی راہ میں غزوہ کرے اور اس کو اپنے غزوہ میں (عقال) ایک رسّی کی بھی نیت ہوگی تو اس کے لئے صرف وہی ہوگا جس کی وہ نیت کرے گا، (یعنی کوئی ثواب نہیں ہوگا)۔

مسند احمد میں حضرت یعلی بن منبہؒ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ آپ ﷺ (اکثر) مجھے سرایا میں بھیجا کرتے تھے، تو ایک دن آپ ﷺ نے مجھے ایک سریہ میں بھیجا اور ایک آدمی تھا جو خچر اجرت پر دیا کرتا تھا میں نے اس سے کہا (چل سواری لیلے) مجھے رسول اللہ ﷺ نے ایک سریہ میں بھیجا ہے تو اس نے کہا میں اسی وقت تیرے ساتھ آؤں گا جبکہ تو مجھ کو تین دینار (اجرت) دے، تو میں نے دیدئے، پھر جب میں سریہ سے واپس آیا، تو میں نے رسول اللہ ﷺ سے اس کا ذکر کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا: اس شخص کو اس کی جنگ سے اور اس کو اس کی دنیا و آخرت میں سے سواء تین دینار کے کچھ (اجر) نہیں ہوگا۔

سنن ابی داؤد میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انہوں نے کہا، اے اللہ کے رسول ﷺ مجھے جہاد و غزوہ کے (اجر) کے بارے میں بتائیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا، اے ابن عمر اگر تو جہاد و قتال کرے صبر اور ثواب کی امید کے ساتھ تو اللہ تجھے (قیامت میں) صابر اور محتسب اٹھائیں گے! اور اگر تو جہاد و قتال کرے

ریا ونمود اور کثرتِ مال کے لئے تو اللہ تجھے (قیامت میں) مرائی ومکاثر ہی اٹھائیں گے! اے ابن عمر جس حال (نیت) پر بھی تو قتل وقتال کرے گا اسی حال پر اللہ تجھے (قیامت) میں اٹھائیں گے۔

مسند احمد اور سنن میں حضرت ابو ایوب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا، آپ ﷺ فرماتے ہیں کہ (میں دیکھ رہا ہوں کہ) تم پر بہت سے شہر فتح کیے جائیں گے، اور تم اس میں اپنے قاصدوں کو (بطورِ سفارت) بھیجو گے تو تم میں سے ایک آدمی اس طرح (بغیر اجرت کے) جانے کو ناپسند کرے گا، تو وہ اپنی قوم سے علیحدہ ہو جائے گا اور اپنے آپ کو قبائل پر پیش کرے گا اور وہ کہے گا کہ مجھے کون اتنے اتنے میں قاصد بناتا ہے؟ تو خوب سن لو کہ یہ اپنے خون کے آخری قطرہ تک مزدور ہے۔

تو تو غور کر دنیا کی محبت پر کہ کس طرح اس مجاہد کو اجر سے محروم کر دیا اور اس کے عمل کو فاسد کر دیا، اور سب سے پہلے جہنم میں داخل ہونے والوں میں سے بنا دیا۔

فصل

(چوتھی وجہ):۔ دنیا کی محبت یہ بندے کے اور ان اعمال کے مابین حائل ہو جاتی ہے جو اعمال آخرت میں نافع ومفید ہو سکتے ہیں، چونکہ اس کی محبوب چیز اس کو آخرت سے غافل کر دیتی ہے، اور اس مقام میں لوگوں کے چند مراتب ہیں، بعض لوگ وہ ہیں جن کو ان کی محبوب دنیا ایمان اور احکام سے غافل کر دیتی ہے، اور بعض لوگ وہ ہیں جن کو اللہ کے اور بندوں کے حقوقِ واجبہ سے غافل کر دیتی ہے، لہٰذا وہ ان واجبات کو نہ ظاہراً ادا کرتے ہیں اور نہ باطناً، اور بعض لوگ تو وہ ہیں جن کو دنیا کی محبت بہت سے فرض (عین) سے غافل کر دیتی ہے اور بعض تو وہ ہیں جن کو اس فرض (کفایہ) سے بھی غافل کر دیتی ہے جس کا حاصل کرنا عارضی ہوتا ہے جو غیر سے بھی انجام پا جاتا ہو (جیسے صلوۃ جنازہ) اور بعض وہ ہیں جن کو حبِّ دنیا وقتِ معین میں واجب کو کما حقّہ ادا کرنے سے غافل کر دیتی ہے لہٰذا وہ اس واجب کے وقت میں بھی کوتاہی کرتا ہے اور اس کے حقوق کی ادائیگی میں بھی کوتاہی کرتا ہے، اور بعض وہ ہیں جن کو دنیا کی محبت قلب کو عبادت میں متوجہ ہونے سے غافل کر دیتی ہے اور عبادات کو ادا کرتے وقت سکونِ دل کو چھین لیتی ہے لہٰذا وہ اس واجب کو ظاہراً تو ادا کرتا ہے لیکن باطناً ادا نہیں کرتا! یہ ظاہراً وباطناً ادائیگی دنیا کے عاشقین ومحبین سے کہاں ہو سکتی ہے یہ بہت ہی نادر ہے اور دنیا

کی محبت کا کم از کم نقصان یہ ہے کہ بندہ اپنی سعادت سے غافل ہو جاتا ہے، اور وہ (بندے کی سعادت) یہ ہے کہ اس کا قلب اللہ کی محبت کے لئے خالی ہو جائے اور اس کی زبان اللہ کے ذکر کے لئے فارغ ہو جائے اور اس کا قلب وزبان موافق ہو اور اس کا قلب اور زبان اپنے رب کی طرف متوجہ ہو جائے! اور دنیا کی محبت اور اس کا عشق بدیہی طور پر آخرت کے لئے مضر ہے جیسے کہ آخرت کی محبت ضروری طور پر دنیا کے لئے نقصان دہ ومضر ہے، اور حدیث مرفوع میں اسی کو نقل کیا ہے ﴿مَنْ اَحَبَّ دُنْیَاهٗ اَضَرَّ بِاٰخِرَتِهٖ وَمَنْ اَحَبَّ اٰخِرَتَهٗ اَضَرَّ بِدُنْیَاهٗ فَاٰثِرُوْا مَا بَقٰی عَلٰی مَا یَفْنِیْ﴾ جو شخص دنیا کو اپنا محبوب ومطلوب بنائے گا تو وہ اپنی آخرت کا ضرور نقصان کرے گا، اور جو شخص آخرت کو اپنا محبوب ومطلوب بنائے گا تو وہ اپنی دنیا کو ضرور نقصان پہونچائے گا، بس تم باقی رہنے والی (آخرت) کو فناء ہونے والی (دنیا) پر ترجیح دو۔

﴿فصـــل﴾

(پانچویں وجہ):۔ اور دنیا کی محبت دنیا کو بندے کا اصل مقصود اور اصل فکر بنا دیتی ہے، ترمذی شریف میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں، نبی کریم ﷺ نے فرمایا، جو شخص کہ آخرت ہی اس کا سب سے بڑا مقصد ہو تو اللہ تعالیٰ اس کے دل میں غنیٰ (قلبی اطمنان اور مخلوق سے بے نیازی کی کیفیت) نصیب فرما دیں گے! اور اس کے پراگندہ حال کو درست فرما دیں گے! اور دنیا اس کے پاس خود بخود ذلیل ہو کر آئے گی! اور وہ شخص جس کا سب سے بڑا مقصد دنیا ہی ہو تو اللہ تعالیٰ محتاجگی اور فقر کے آثار اس کی پیشانی اور چہرہ پر پیدا کر دیں گے اور اس کے حال کو پراگندہ کر دیں گے (جس کی وجہ سے اس کو اطمنان وراحت نصیب نہیں ہوگا) اور یہ دنیا اس کو صرف اسی قدر حاصل ہوگی جس قدر اس کے لئے مقدر ہو چکی ہے۔

﴿فصـــل﴾

(چھٹی وجہ):۔ دنیا سے محبت کرنے والا دنیا کی وجہ سے سب سے زیادہ عذاب میں ہوگا، اور اس (دنیا سے محبت کرنے والے) کو اپنے تینوں دور میں عذاب دیا جاتا ہے، **اوّل**:۔ دنیا ہی میں عذاب دیا جاتا ہے وہ (اس طور پر کہ) دنیا کو حاصل کرنا، اس کے لئے تگ ودوڑ کرنا، اور (اس کے سلسلہ میں) اہلِ دنیا سے لڑائی جھگڑا وغیرہ، (یہ ایک طرح کا عذاب ہے) اور دوم:۔ عالمِ برزخ میں عذاب دیا جائے گا (بایں طور کہ) مرتے

وقت دنیا کا فوت ہونا، اس پر حسرت وافسوس، نیز یہ موت اس دنیا کے پجاری اور اس کے محبوب (دنیا) کے مابین اس طور پر حائل ہوجاتی ہے کہ (اس کے بعد) ان کے اجتماع وملاپ کی کوئی امید نہیں ہے، اور یہاں (عالمِ برزخ میں) اس کو اس کی محبوب (دنیا) کے عوض کچھ بھی حاصل نہیں ہوگا، اور یہی (عذاب) قبر میں اس کو سب سے زیادہ سخت ہوگا، اور اس کی روح کو پریشان کن خیالات اور غم وحزن اور حسرت وافسوس عذاب دیں گے، جس طرح اس کے جسم کو کیڑے مکوڑے حشرات الارض تکلیف وعذاب دیں گے، جیسے کہ امام احمدؒ نے حضرت وہب بن منبہ سے نقل کیا ہے کہ حضرت حزقیل علیہ السلام یہ ان لوگوں میں سے ہے جن کو بُخْتِ نصر نے اپنا قیدی بنایا تھا اس کے بعد ایک طویل روایت نقل کی ہے، اس کے اخیر میں ہے، حضرت حزقیل علیہ السلام فرماتے ہیں، اس حال میں کہ میں فرات کے کنارہ پر سویا ہوا تھا کہ اچانک ایک فرشتہ آیا، اور میرے سر کو پکڑا اور مجھے اچک کر لے گیا، یہاں تک کہ مجھے زمین کے ایک حصہ میں رکھ دیا، تو اچانک میں کیا دیکھتا ہوں کہ وہ تو میدانِ جنگ ہے اور اس میں دس ہزار مقتولین پڑے ہوئے ہیں، اور ان پر شکاری پرندے اور درندے اتر رہے ہیں، اور ان کے گوشت کو نوچ رہے ہیں، اور ان کے ہر ہر جوڑ بند کو الگ الگ کر دیا ہے، تو مجھ سے اللہ نے (بذریعہ وحی) کہا یہ ایک قوم تھی جو یہ سمجھتی تھی کہ جب ان میں سے کوئی مرجاتا ہے یا قتل ہوجاتا ہے تو وہ میری قدرت وطاقت سے خارج ہوجاتا ہے، بس تو ان کے لئے (حیات) کی دعا کر، تو حضرت حزقیل علیہ السلام فرماتے ہیں کہ میں نے ان کے لئے دعا کی، تو اچانک ہر ہڈی اپنے اس جوڑ کی طرف متوجہ ہوگئی جہاں سے وہ الگ ہوئی تھی، اور آدمی اپنے ساتھی کو کیا پہچانتا ہوگا اس سے کئی زیادہ وہ ہڈی اپنے اس جوڑ کو جانتی تھی جس سے وہ جدا ہوئی تھی! حتی کہ ان کی بعض وہ ہڈیاں جن پر گوشت چڑھا ہوا تھا وہ بھی متوجہ ہوگئی، پھر ان پر رگیں چڑھنے لگی، پھر کھال بھی پھیلنے لگی، اور میں یہ سب کچھ دیکھ رہا تھا، پھر مجھ سے کہا کہ ان کی روحوں کو پکارو تو حضرت حزقیل علیہ السلام فرماتے ہیں کہ میں نے پکارا تو اچانک ہر روح اپنے اپنے اس جسم کی طرف متوجہ ہوگئی جس سے وہ علیحدہ ہوئی تھی، پھر وہ سب جب بیٹھ گئے تو میں نے ان سے پوچھا، تم کس حال میں تھے؟ تو انہوں نے کہا جب ہم پر موت طاری ہوگئی تو ہماری روحیں پرواز کرگئی تو ہماری ملاقات ایک فرشتہ سے ہوئی، انہوں نے ہم سے کہا اپنے اپنے اعمال پیش کرو، اور اس کے مطابق اپنے اجر وثواب کو لیجاؤ، یہی ہمارا طریقہ ہے تمہارے ساتھ، اور یہی طریقہ تم سے پہلے لوگوں کے ساتھ رہا ہے اور جو لوگ تمہارے بعد آئیں گے ان کے ساتھ بھی ہمارا یہی

طریقہ رہے گا، تو مردے نے کہا: کہ فرستوں نے ہمارے اعمال کو دیکھا تو انہوں نے ہم کو بت پرست پایا، تو ہمارے جسموں پر کیڑے مکوڑوں کو مسلط کر دیا جو ہمارے جسموں کو تکلیف پہونچاتے تھے اور غموں اور حسرت وافسوس کو ہماری روحوں پر مسلط کر دیا جو ہماری روحوں کو عذاب دیتے ہیں، بس ہم اسی طرح عذاب میں مبتلی تھے کہ آپ نے ہم کو بلایا۔

اور عاشقِ دنیا تو راحت پاتا ہی نہیں ہے اور ان مردوں کا یہ کہنا کہ ہم بت پرست تھے، تو یہ عبادتِ اوثان (بوتوں کی عبادت) اور عبادتِ اثمان (مال کی عبادت) دونوں برابر ہی ہے جیسے کہ حدیث میں ہے ﴿تَعِسَ عَبْدُ الدِّيْنَارِ، تَعِسَ عَبْدُ الدِّرْهَمِ﴾۔

الغرض دنیا سے محبت کرنے والا، اس کو قبر میں بھی عذاب دیا جائے گا، اور اپنے رب سے ملاقات کے دن بھی عذاب دیا جائے گا، اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿فَلَا تُعْجِبْكَ اَمْوَالُهُمْ وَلَا اَوْلَادُهُمْ .اِنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ بِهَا فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَتَزْهَقَ اَنْفُسُهُمْ وَهُمْ كٰفِرُوْنَ﴾ بعض سلف صالحین (اس آیت کی تفسیر کرتے ہوئے) کہتے ہیں کہ ان کو (دنیا) میں مال جمع کرنے کے ذریعہ عذاب دیا جائے گا، اور (اسی حال میں) دنیا کی محبت کے ساتھ ہی ان کی جان نکل جائے گی، اور وہ لوگ ان اموال میں اللہ کے حقوق کو ادا نہ کرنے کی وجہ سے کافر ہوں گے۔

﴿فصل﴾

(ساتویں وجہ):۔ دنیا کا وہ عاشق ومحبّ جو دنیا کو آخرت پر ترجیح دے وہ مخلوق میں سب سے بے وقوف اور کم عقل ہے اس لئے کہ خیالات کو حقیقت پر اور خواب کو بیداری پر اور زائل ہو جانے والے سایہ کو ہمیشہ کی نعمتوں پر اور دارِ فانی کو دارِ باقی پر ترجیح دینا اور حیاتِ ابدی کو محض ایک ایسی گھٹیا زندگی کے بدلہ میں فروخت کر دینا جو محض ایک خواب ہے اور زائل ہونے والے سایہ کی طرح ہے، بلاشبہ عقلمند اور لبیب آدمی اس جیسی چیزوں سے دھوکہ نہیں کھاتا جیسے کہ ایک دیہاتی آدمی ایک قوم کا مہمان بنا، تو لوگوں نے اس کو کھانا پیش کیا اس نے کھانا کھایا، پھر کھڑے ہو کر ایک خیمہ کے سایہ میں سو گیا پھر لوگوں نے خیمہ کو نکال دیا، تو اس پر خیمہ گر پڑا تو وہ بیدار ہو گیا اور یہ اشعار کہنے لگا۔

وَاِنَّ امْرَؤٌ دُنْيَاهُ اَكْبَرَ هَمِّهِ　　لَمُسْتَمْسِكٌ مِنْهَا بِحَبْلِ غُرُوْرٍ

بلاشبہ آدمی کہ دنیا اس کا سب سے بڑا مقصد ہو جائے　　تو وہ دھوکہ باز رسّی کے سہارہ پر ہے

اور بعض سلف اس شعر کو اس طور پر پیش کرتے ہیں۔

یَـا اَھْـلَ لَـذَّاتِ دُنْیَـا لَابَـقَـاءَ لَھَـا　　اِنَّ اِغْتِـرَاراً بِـظِـلٍ زَائِـلٍ حَـمَـقٌ

اے دنیا کی لذت والوں اس کے لئے کوئی بقاء نہیں ہے ختم　　ہونے والے سایہ کے ذریعہ دھوکہ کھانا بے وقوفی ہے

یونس بن عبد الاعلیٰؒ فرماتے ہیں کہ دنیا کی مثال اس شخص کی طرح ہے جو سویا ہو پھر وہ اپنے خواب میں ناپسندیدہ چیزوں کو اور پسندیدہ چیزوں کو دیکھتا ہے، پھر جب وہ بیدار ہوتا ہے تو وہ اسی حال میں ہوتا ہے (بس وہ اسی حال میں بیدار ہو جاتا ہے)۔

ابن ابی الدنیاؒ فرماتے ہیں، حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے دنیا کو ایک بڑھی عورت کی صورت میں دیکھا جو ہر طرح سے مزیّن تھی، تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے پوچھا تو نے کتنے آدمیوں سے نکاح کیا؟ تو اس دنیا نے کہا بے شمار لوگوں سے، تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے کہا، کیا سب لوگ تجھ کو چھوڑ کر مر گئے یا سب نے تجھ کو طلاق دیدی؟ تو دنیا نے کہا نہیں بلکہ میں نے سب کو قتل کر دیا، حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے کہا تیرے بقیہ شوہروں کا برا ہو کیوں وہ (بقیہ شوہر) تیرے اگلے شوہروں سے عبرت نہیں لیتے، جن کو تو نے ایک ایک کر کے ہلاک کر دیا ہے اور وہ لوگ تجھ سے (کیوں) پرہیز نہیں کرتے۔

اَرٰی اَشْـقِـیَـاءَ الـنَّـاسِ لَایَسْـأَمُـوْنَـھَـا　　عَـلٰـی اَنَّـھُـمْ فِـیْـھَـا عُـرَاۃٌ وَجُـوَّعَ

میں نے لوگوں میں سب سے زیادہ بدبختوں کو دیکھا کہ ان کو اس بات　　پر بھی غیرت نہ آئی کہ وہ دنیا میں ننگے ہیں اور بھوک میں مبتلی ہیں

اَرَاھَـا وَاِنْ کَـانَـتْ تُـحِـبُّ فَـاِنَّـھَـا　　سَـحَـابَۃٌ صَیْفٍ عَـنْ قَـلِـیْـلٍ تَـنْـقَـشِـع

میں نے دنیا کو دیکھا اگر چہ وہ (تجھ سے) محبت کرے (لیکن)　　وہ ایک چھوٹی سی موسم گرما کی بدلی ہے جو منتشر ہو جائے گی

دنیا کے مشابہ جو چیزیں ہیں اس میں سے ایک سایہ ہے اور اس کے لئے ایک حقیقت جو ثابت کرنے والی ہے وہی کافی ہے اور وہ (حقیقت) سایہ کا سمٹنا اور کم ہونا ہے اگر تو سایہ کے پیچھے دوڑے تاکہ تو اس کو پکڑ لے تو اس کو کبھی نہیں پکڑ سکتا! اور دنیا کو جن چیزوں کے ساتھ مشابہت دی جاتی ہے اس میں سے ایک ہے ''سراب'' (چمکتی ہوئی ریت) کہ پیاسا اس کو پانی خیال کرتا ہے یہاں تک کہ جب اس کے پاس آتا ہے تو وہ اس کو کچھ بھی نہیں پاتا، اور وہ وہاں قضاء الٰہی کو پاتا ہے سو اللہ تعالیٰ پورا حساب لے گا اور اللہ تعالیٰ دم بھر میں

حساب کر دیتا ہے، اور دنیا کے مشابہ چیزوں میں سے ایک خواب ہے، کہ بندہ خواب میں محبوب و مبغوض ہر چیز کو دیکھتا ہے پھر جب خوابِ غفلت سے بیدار ہوتا ہے تو وہ جان لیتا ہے کہ یہ تو محض ایک تصوّر تھا جس کی کوئی حقیقت نہیں، اور دنیا کے مشابہ چیزوں میں سے ایک بدصورت اور قبیح المنظر بڑھی عورت ہے، شوہروں کو دھوکہ دینے والی، جو نکاح کرنے والے کے لئے ہر طرح سے آراستہ و پراستہ ہوتی ہے اور اپنی (ظاہری خوبصورتی کہ پردہ میں) عیوب کو چھپاتی ہے، لہٰذا وہ شخص جس کی نظر اس کے ظاہری (پردہ کو چاک کرکے باطن تک) نہیں پہونچتی وہ اس کے پھندے میں آجاتا ہے اور اس سے نکاح کا مطالبہ کرتا ہے تو دنیا کہتی ہے مجھے سواءِ نقدی آخرت کے اور کوئی مہر نہیں چاہئے، اس لئے کہ ہم (دنیا وآخرت) آپس میں سوکن ہے کہ ہمارا جمع ہونا نہ تو جائز ہے نہ مباح! لہٰذا وہ بندہ دنیا کے ساتھ نکاح کو ترجیح دیتا ہے! اور وہ لوگ یہ کہتے ہیں کہ جو شخص اپنی محبوبہ کو حاصل کرے اس پر کوئی گناہ نہیں، پھر جب وہ (دنیا) بڑھی عورت اپنے چہرہ کو بے نقاب کرتی ہے، اور اپنے ستر کو ظاہر کرتی ہے تو اچانک وہ ہر آفت و بلیات کا مجموعہ ہوتی ہے، بس بعض تو وہ ہیں جو اس کو طلاق دیدتے ہیں اور راحت یاب ہوتے ہیں اور بعض وہ ہیں جو اس کے پاس قیام کو اختیار کر لیتے ہیں، پھر جب شبِ عروس مناتا ہے تو صرف اور صرف گریاں وزاری اور چیخ و پکار ہی کرتا ہے۔

خدا کی قسم دنیا کا ایک مؤذن روزانہ مخلوق کو بآوازِ بلند ندا دیتا ہے "حییٰ علی غیر الفلاح" (آؤ بربادی کی طرف) تو کچھ دنیا کے لئے جدوجہد کرنے والے اور دنیا کے پجاری کھڑے ہوتے ہیں پھر دنیا طلبی میں صبح و شام لگ جاتے ہیں، اور راتوں کو تگ و دوڑ کرتے ہیں، لیکن یہ راتوں کو محنت کرنے والی قوم صبح کے وقت کوئی قابلِ قدر کامیابی حاصل نہیں کرتی، اور یہ لوگ دنیا کے شکاروں (کو پکڑنے کے لئے) اڑتے ہیں (لیکن) جب بھی ان میں سے کوئی واپس لوٹتا ہے تو اس کے پرُ کٹے ہوئے ہوتے ہیں، اور وہ دنیا کے شکنجہ میں پھنس جاتے ہیں اور دنیا ان کو ذبح کرنے والوں کے سپرد کر دیتی ہے۔

ابن ابی الدنیاؒ فرماتے ہیں کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ قیامت کے دن دنیا کو ایک بڑھی عورت کی صورت میں لائی جائے گی جس کے بال سفید ہو چکے ہوں گے، نیلگوں آنکھوں والی ہوگی، اس کے انیاب دانت بھی نظر آتے ہونگے، اور بدصورت ہوگی مخلوق کے سامنے ظاہر کی جائے گی پھر کہا جائے گا، کیا تم

اس کو پہچانتے ہو؟ تو لوگ کہیں گے اے اللہ اس کی پہچان سے ہم تیری پناہ چاہتے ہیں! تو کہا جائے گا کہ یہ وہ دنیا ہے جس کی وجہ سے تم آپس میں جھگڑتے تھے جس کی وجہ سے تم قطع رحمی کرتے تھے، جس کی وجہ سے تم آپس میں بغض وحسد کرتے تھے، اور تم دھوکہ میں پڑے ہوئے تھے، پھر اللہ تعالیٰ دنیا کو جہنم میں ڈال دیں گے، تو وہ پکارے گی اے میرے رب میرے تابعین اور میری جماعتیں کہاں ہے؟ تو اللہ تعالیٰ کہیں گے اے فرشتوں دنیا کے تابعین کو بھی دنیا کے ساتھ کردو۔

ابن ابی الدنیاؒ فرماتے ہیں کہ ابویعلیٰؒ فرماتے ہیں کہ ایک دن میں نے خواب میں ایک بڑھی عورت کو دیکھا جس پر دنیا کی ہر زیب وزینت تھی، اور لوگ اس پر بھیڑ لگائے ہوئے تھے اور اس کی طرف تعجب خیز نظروں سے گھور رہے تھے، تو میں آیا اور میں نے بھی دیکھا تو مجھے ان لوگوں پر تعجب ہوا جو اس کی طرف دیکھ رہے تھے، اس کی طرف متوجہ تھے، تو میں نے اس بڑھیا سے کہا تیری ہلاکت ہو کون ہے تو؟ تو اس نے کہا کیا تو مجھے نہیں پہچانتا؟ تو میں نے کہا نہیں! تو اس نے کہا میں دنیا ہو، تو ابویعلی کہتے ہیں میں نے کہا "اعوذ بالله من شرّك" میں اللہ کی تیرے شر سے پناہ چاہتا ہوں! تو اس نے کہا کہ اگر تو چاہتا ہے کہ اللہ تجھ کو میرے شر سے پناہ دے تو درہم کو مبغوض سمجھ۔

ابن ابی الدنیاؒ کہتے ہیں سفیان بن عیینہؒ فرماتے ہیں کہ مجھ کو ابوبکر بن عیاشؒ نے کہا کہ میں نے ایک دن خواب میں دنیا کو ایک بدصورت اور سفید بالوں والی بڑھیا کی شکل میں دیکھا، جو ہاتھوں سے تالیاں بجا رہی تھی، اور اس کے پیچھے ایک بہت بڑی مخلوق تھی جو اس کے پیچھے پیچھے چل رہی تھی، اور وہ تالیاں بجا رہے تھے، اور رقص کر رہے تھے، پھر جب وہ میرے قریب آئی تو میری طرف متوجہ ہوئی اور کہا اگر میں تجھ پر قابو پالوں گی تو تیرے ساتھ بھی وہی معاملہ کروں گی جو ان کے ساتھ کیا ہے، پھر ابوبکر بن عیاشؒ رونے لگے۔

ابن ابی الدنیاؒ فرماتے ہیں، حضرت فضیلؒ فرماتے ہیں کہ مجھے یہ خبر پہونچی ہے کہ ایک آدمی اپنی روح کے ساتھ (حالتِ بیداری میں عالم ارواح میں) چلا، تو وہ اچانک کیا دیکھتا ہے کہ راستہ کے کنارہ پر ایک عورت ہے اور وہ ہر طرح کے زیور ولباس سے آراستہ ہے اور جب بھی اس کے پاس سے کوئی گزرتا ہے تو وہ اس کو زخمی کردیتی ہے وہ جب پیچھے کی طرف رخ کرتی ہے تو ایسی حسین لگتی ہے کہ لوگ اس کو دیکھتے رہیں، اور جب آگے کی طرف متوجہ ہوتی ہے تو سب سے زیادہ قبیح لگتی ہے، کہ بڑھی ہے جس کے بال سفید، آنکھیں نیلگوں اور

آنکھوں میں چوندھیا پن ہے! تو میں نے کہا"اعوذ باللہ" تو اس نے کہا اللہ کی قسم اللہ تجھ کو ہرگز مجھ سے پناہ نہیں دے گا جب تک کہ تو دراہم سے نفرت نہ کرے اس آدمی نے کہا، تو کون ہے؟ تو اس نے کہا کہ میں دنیا ہو۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے دنیا کی حقیقت کو بیان کیا، دنیا ایک گھر ہے جو اس میں صحت وتندرست رہا وہ بڑھا اور کمزور ہوگیا، اور جو اس میں مریض ہوا وہ نادم ہوگیا اور جو اس میں محتاج ہوا وہ غمگین ہوگیا اور جو اس میں غنی ہوگیا وہ فتنہ میں پڑ گیا دنیا کے حلال (مال) میں حساب ہے اور اس کے حرام (مال) میں جہنم ہے۔

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں، دنیا اس شخص کا مقام ہے جس کا کوئی مقام نہیں، اور دنیا اس شخص کا مال ہے جس کا کوئی مال نہیں، اور دنیا کو وہی شخص جمع کرتا ہے جس میں عقل نہیں۔

ابن ابی الدنیاؒ نے ذکر کیا ہے کہ حضرت حسن بصریؒ نے حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کو خط لکھا، امّا بعد: یہ دنیا دارِ سفر ہے دارِ اقامت نہیں، اور حضرت آدم علیہ السلام کو بطورِ سزا ہی دنیا میں بھیجا گیا تھا، لہٰذا امیر المؤمنین آپ اس سے پرہیز کیجئے اس لئے کہ ترکِ دنیا ہی زادِ دنیا ہے، فقرِ دنیا ہی غناءِ دنیا ہے، دنیا ہر حال میں قاتل ہے جو اس کا احترام کرتا ہے دنیا اس کو ذلیل کردیتی ہے، اور جو اس کو جمع کرتا ہے دنیا اس کو محتاج بنا دیتی ہے، دنیا اس زہرِ قاتل کی طرح ہے جس کو وہ شخص کھاتا ہے جو اس کو نہیں پہچانتا حالانکہ اس میں اس کی ہلاکت ہے، بس تو دنیا میں اسی طرح رہ جیسے کہ اپنے زخم کا علاج کرانے والا ہے کہ زخمِ قلیل ہی پر سدِّ باب کرتا ہے کہ کہی وہ (زخم) طویل وگہرا نہ ہوجائے، اور وہ دوا کی (تلخی کی) شدت پر بھی صبر کرتا ہے اس خوف سے کہ تکلیف ودرد طویل نہ ہوجائے! بس اس دنیا سے جو دھوکہ باز، حیلہ باز، چال باز ہے پرہیز کر، جو دھوکہ سے مزیّن کی گئی ہے، اور حیلوں سے فتنہ بنائی گئی ہے، اور طویل امیدوں سے پریشان کن بنائی گئی ہے، اور دنیا کو اس کے ساتھ نکاح کرنے والے کے لئے مشتاق ومزیّن بنائی گئی ہے، بس وہ دنیا سجی ہوئی اور سنواری ہوئی دلہن کی طرح ظاہر ہوتی ہے، کہ نظریں اسی کی طرف ٹک جائے، اور قلوب اس کی طرف مائل ہوجائے اور نفس اس کے عاشق ہوجائے حالانکہ وہ دنیا (بشکلِ دلہن) اپنے سب کے سب شوہروں کو اس طرح قتل کرنے والی ہے کہ نہ بعد میں آنے والا پہلے سے عبرت لیتا ہے اور نہ دوسرا پہلے (کہ حال کو دیکھ کر) سنبھلتا ہے! اور اللہ کا عارف جب اس کو ان (حالات کی) خبر پہونچتی ہے تو وہ اس سے نصیحت حاصل کرتا ہے اور دنیا کا عاشق (بظاہر) دنیا سے اپنی

ضرورت کو پورا کرنے میں کامیاب ہے پھر وہ دھوکہ میں پڑ کر سرکشی کرتا ہے اور قیامت کو بھول جاتا ہے اور اس کی عقل اس دنیا میں پھنسی رہتی ہے، حتی کہ اس کے قدم لڑکھڑا جائیں گے، اور اس کو ندامت (کا احساس) بھاری لگے گا اور اس کی حسرت بڑھ جائے گی اور اس پر موت کی سختی و تکالف اور دنیا فوت ہونے کا افسوس اور اس کی کدورت جمع ہو جائے گی تو وہ اس دنیا سے روانہ ہوگا (اس حال میں کہ) دل گرفتہ ہوگا اور اس کو دنیا سے کوئی مطلوبہ چیز حاصل نہ ہوگی اور نہ اس کا نفس تھکان و پریشانی سے راحت پزیر ہوگا، بس وہ دنیا سے بغیر (اعمال کے) توشہ کے ہی جائے گا، اور غیر ہموار راہ پر ہی روانہ ہو جائے گا، اے امیر المؤمنین بچیئے اس دنیا سے بچیئے! اسی سے خوش ہو جائیے جس میں آپ ہیں اور اس سے بچ جائیے جو دنیا کے لئے ہے اس لئے کہ صاحبِ دنیا جب جب کچھ خوشحالی سے مطمئن ہوتا ہے کہ دنیا اس کو کسی تکلیف میں مبتلی کر دیتی ہے، دنیا میں خوشحالی نقصان دہ اور مضر غذا ہے، دنیا کی راحت مصیبت تک پہونچا دیتی ہے اور دنیا میں باقی رکھنے والی چیزیں فناء تک پہونچا دیتی ہے لہٰذا دنیا کی مسرت (اس میں) غم و حزن مخلوط ہے جو چیز دنیا کی تیری طرف رجوع ہوتی ہے وہ پھر پشت پھیر کر چل دیتی ہے اور وہ نہیں جانتا کہ وہ آنے والا (مخفی غم) کیا ہے کہ وہ اس کا انتظار کرے، دنیا کی تمنّائیں جھوٹی ہے، اس کی آرزو باطل ہے، اور اس کا خلوص و نکھار گدلا ہے اور اس کا عیش اجیرن و منحوس ہے، اگر خالقِ کائنات (بالفرض) دنیا (کے کمینہ پن) کے بارے میں کوئی خبر نہ دیتا اور نہ اس کی کوئی مثال بیان کرتا تو بھی ایک سونے والے کو خوابِ غفلت سے بیدار کرنے کے لئے اور غافل کو متنبہ کرنے کے لئے یہی دنیا کافی ہے! چہ جائیکہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے دنیا کے بارے میں دھمکانے والی خبریں آئی اور ان (آیات وغیرہ) میں وعظ و نصائح ہے، اللہ کے نزدیک دنیا کی نہ قدر و منزلت ہے اور نہ اس کا کوئی وزن اور اللہ نے جب سے کائنات کی تخلیق کی کبھی اس کی طرف نظرِ (رضاء) نہیں فرمائی، اور ہمارے نبی ﷺ پر دنیا کے خزانے اور اس کی کنجیاں بھی پیش کی گئی کہ (اگر آپ اس کو قبول بھی کر لیتے تو بھی یہ قبول کرنا) عند اللہ آپ کے درجہ کو مچھر کے پر کے برابر بھی نقص نہ پہونچاتا (لیکن) آپ نے اس کو قبول کرنے سے انکار کر دیا، اور اس بات کو ناپسند فرمایا کہ آپ ﷺ اس چیز کو پسند کرے جس کو اس کا خالق ناپسند کرتا ہے، یا اس (دنیا) کو کوئی قابلِ قدر درجہ دے جس کو اس کے مالک نے دھتکار دیا ہو، لہٰذا اللہ تعالیٰ اپنے نیک بندوں سے اختیاراً دنیا کو زائل کر دیتے ہیں اور اپنے دشمنوں کے لئے دھوکہ میں رکھنے کے لئے دنیا کو وسیع کر دیتے ہیں، پھر وہ مغرور و فریب خوردہ جو دنیا پر کنٹرول

کئے ہوئے ہے یہ سمجھتا ہے کہ یہ اس کا اعزاز واکرام ہے اور وہ بھول جاتا ہے کہ اللہ نے اپنے پیارے نبی ﷺ کے بطنِ مبارک پر دو پتھر (ایسے ہی نہیں) بندھوائے تھے۔

حضرت حسن بصریؒ نے یہ بھی فرمایا کہ اے فرزندِ آدم اپنے دل کو دنیا میں مت لگا (اگر تو نے لگایا) تو بہت ہی بری چیز کے ساتھ تو نے اپنے دل کو وابستہ کیا تو اس (کے تعلق) کی رسی کو قطع کر دے اور اس کے دروازوں کو بند کر دے، اے ابن آدم تجھے دنیا میں سے اتنی چیز کافی ہے جو تجھے موت تک پہونچا دے، اور حضرت حسنؒ فرمایا کرتے تھے ایک قوم نے دنیا کا اعزاز واکرام کیا تو دنیا نے ان کو لکڑی (کے تختوں) پر صولی دیدی پس تم دنیا اور دنیا کی چیزوں کو حقیر و بے وقعت سمجھو، جس قدر تو اس کی اہانت کرے گا اس قدر قابلِ مبارکباد ہوگا، دنیا ختم ہوگی اور اعمالِ بد گردنوں کے طوق بنکر باقی رہ جائیں گے۔

حضرت عیسیٰ مسیح علیہ السلام فرماتے ہیں کہ تم دنیا کو رب اور آقا مت بناؤ کہیں وہ تم کو غلام بنا لے گی اور دنیا سے (مسافر کی طرح) گزر جاؤ، اور اس کو (قیام کے لئے) تعمیر مت کرو، اور خوب جان لو کہ ہر گناہ کی جڑ حبِّ دنیا ہے اور بہت سے دنیا کے خواہشمندوں کے لئے وہ رنج وغم طویل کر دیتی ہے، اور جب کسی بندے کے دل میں دنیا سکون پزیر ہو جاتی ہے تو اس کا دل تین چیزوں میں اٹک جاتا ہے، (۱) ایسا مشغلہ جس کی اطاعت سے آزادی نہ ہوگی، (۲) ایسا فقر جس میں حصولِ غنیٰ نہیں، (۳) اور ایسی تمنّا اور آرزو جس کی کوئی انتہاء نہیں، دنیا طالب بھی ہے اور مطلوب بھی! آخرت کے طالب کی دنیا طالب رہی ہے یہاں تک کہ وہ دنیا میں اپنے رزق کو مکمل کر لے، اور طالبِ دنیا کو آخرت طلب کرتی ہے حتی کہ اس کو موت آجائے تو آخرت اس کی گردن دبوچ لے! اے حواریوں کی جماعت تم کمینی دنیا پر سلامتِ دین کے ساتھ راضی رہو! جیسے کہ اہلِ دنیا کمینی دنیا پر سلامتِ دنیا کے ساتھ راضی ہے۔

ابن ابی الدنیاؒ فرماتے ہیں کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اللہ نے دنیا کو جب سے پیدا کیا ہے اس وقت سے لے کر جب فنا کرے گا تب تک آسمان وزمین کے مابین معلق وموقوف رکھا ہے! دنیا اپنے رب کو پکارتی اور کہتی ہے، اے میرے رب تو کیوں مجھ سے بغض ونفرت رکھتا ہے؟ تو اللہ فرماتے ہیں، خاموش اے لاشیئ، خاموش اے لاشیئ! حضرت فضیلؒ فرماتے ہیں، قیامت کے دن دنیا کو لایا جائے گا تو وہ اپنی زیب وزینت میں نازاں ہوتی ہوئی آئے گی! پھر وہ کہے گی اے میرے رب تو اپنے بہترین بندوں کے لئے مجھے

ٹھکانہ بنادے تو اللہ فرمائیں گے، میں اپنے بندوں کے لئے تجھ سے راضی نہیں ہوں! تو لاشیئ (کچھ بھی نہیں) ہے! بس تو ھباءً منثورہ (گرد وغبار) ہو جا۔

﴿فصل﴾

ان تمثیلات کے بیان میں جو دنیا کی حقیقت کو واشگاف کرتی ہے

﴿پہلی مثال﴾ بندے کی تین حالتیں ہیں، پہلی وہ حالت جس میں وہ کوئی چیز نہیں تھا اور یہ اس کے وجود سے قبل کی حالت ہے، اور دوسری حالت وہ اس کے موت کے وقت کی حالت ہے، (جس کے بعد) وہ بقاء ابدی میں بے انتہاء زمانوں کی طرف منتقل ہو جائے گا، تو اس کے نفس کا شکمِ مادر سے نکل نے سے پہلے ایک وجود ہے (جس میں طے ہو چکا ہے کہ) یا تو جنت میں یا جہنم میں پھر (بعد الموت) اس کے بدن میں روح کو لوٹایا جائے گا پھر اس کے عمل کے مطابق اس کو سزا و جزا دی جائے گی! اور وہ ان دونوں (جنت وجہنم) میں سے کسی ایک مقام میں ہمیشگی کے لئے سکونت کرلے گا، پھر ان دو حالتوں کے مابین ایک اور حالت ہے اور وہ (حالتِ سوم) اس کے وجودِ (دنیوی) کے بعد اور موت سے قبل کی حالت ہے اور وہ حالتِ متوسط ہے اور وہی اس کی حیاتِ دنیوی ہے تو اس بندے کو چاہئے کہ وہ اپنے اس (حیاتِ دنیوی کے) زمانہ کی مقدار میں غور کرے، اور اس (مدت) کو ان دو حالتوں (کی مدت) میں تناسب وموازنت کرے، تو اس (بندے) کو معلوم ہو جائے گا کہ اس کی دنیوی عمر کی مقدار پلک جھپکنے (کی مقدار) سے بھی کم ہے، اور جو شخص دنیا (کی اس مدت) کو اس نظریہ سے دیکھے گا تو وہ نہ تو دنیا کی طرف مائل ہوگا اور نہ وہ اس بات کی پرواہ کرے گا کہ اس کے یہ دنیوی ایّام کس طرح گزر رہے ہیں، تکالیف وتنگی میں یا وسعت وفراوانی میں! اور اسی وجہ سے نبی کریم ﷺ نے نہ اینٹ پر اینٹ رکھی (یعنی نہ تعمیر کی) اور نہ بانس پر بانس رکھا (یعنی نہ گھر بنایا) اور فرمایا، مجھ کو اور دنیا کو کیا تعلق اور میرا اور دنیا کا تعلق تو بس ایسا ہی ہے جیسا کہ کوئی مسافر جو کچھ دیر سایہ حاصل کرنے کے لئے کسی درخت کے نیچے ٹھہرا، پھر درخت کو چھوڑ کر منزل کی طرف چل دیا، اور فرمایا: دنیا کی مثال آخرت کے مقابلہ میں بس ایسی ہے جیسے کہ تم میں سے کوئی شخص اپنی ایک انگلی دریا میں داخل کر کے نکال لے اور پھر دیکھے کہ پانی کی کتنی مقدار اس میں لگ کر آئی ہے، اور اسی کی طرف حضرت عیسیٰ مسیح نے اپنے قول میں اشارہ فرمایا، دنیا یہ ایک پُل ہے بس تم اس کو عبور کر جاؤ، اس کو تعمیر وآباد مت کرو، اور یہ ایک (بہترین و) صحیح مثال ہے اس لئے کہ حیاتِ دنیوی

آخرت تک پہونچنے کے لئے ایک پُل وراہ گزر ہے،اور گہوارا اس پُل کا اوّل رکن ہے اور لحد (قبر) اس پُل کا آخری رکن ہے اور بہت سے لوگ وہ ہیں جو اس پُل کا نصف حصہ طے کر لیتے ہیں،اور بعض لوگ پُل کے دو تہائی حصہ طے کر لیتے ہیں اور بعض لوگ تو مکمل پُل کو طے کر لیتے اور صرف چند قدم ہی باقی ہوتے ہیں اور وہ اس سے غافل ہو جاتے ہیں اور وہ کیسے غافل ہو جاتے ہیں جبکہ عبور ضروری ہے پس وہ پُل پر تعمیر کے لئے ٹھہر جائے اور اس کو اقسامِ زینت سے مزیّن کرنے میں مشغول ہو جائے اور وہ عبور کرنے کے راغب بھی ہیں تو یہ غایت درجہ کی جہالت و بے وقوفی ہے۔

﴿فصــــل﴾

﴿دوسری مثال﴾ قلب میں دنیا کی شہوات ولذات ایسے ہی ہے جیسے بطن و پیٹ میں کھانے کی چیزوں کی لذتیں اور بندہ موت کے وقت ان دنیا کی لذتوں اور شہوتوں کی کراہت وقباحت اور بدبو کو محسوس کرے گا،جیسے کہ بندہ کھانے کی لذیذ چیزوں کی کراہت وغیرہ کو محسوس کرتا ہے جبکہ وہ کھانا پیٹ میں اپنی انتہاء کو پہونچ (کر نجاست ہو) جاتی ہے،اور جیسے کھانے کی چیز جتنی زیادہ لذیذ اور جتنی زیادہ خوبصورت اور جتنی زیادہ شریں ہوتی ہے،تو اس کی انتہاء بھی اتنی ہی زیادہ بدبودار اور قبیح ہوتی ہے،بس اسی طرح (دنیا کی) ہر طرح کی شہوتیں اور لذتیں اگر فی نفسہ بہت لذیذ اور مزیدار ہے تو موت کے وقت اس کی تکلیف اتنی ہی سخت ہوگی،جیسے کہ انسان اپنی محبوب چیز کے مفقود ہونے کے وقت اپنے محبوب کی محبت کے بقدر مغموم ومحزون ہوتا ہے۔

مسند احمد میں حدیث ہے نبی کریم ﷺ نے حضرت ضحاک بن سفیان رضی اللہ عنہ سے فرمایا،کیا تمہارے پاس مسالہ دار اور مزیدار کھانا نہیں لایا جاتا؟ پھر تم اس پر پانی اور دودھ پیتے ہو؟ تو حضرت ضحاک رضی اللہ عنہ نے فرمایا کیوں نہیں! لایا جاتا ہے! تو آپ ﷺ نے فرمایا پھر وہ (کھانا وغیرہ) کس حالت کی طرف منتقل ہو جاتا ہے؟ تو حضرت ضحاک رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اس حالت کی طرف جس کو آپ جانتے ہیں (یعنی نجاست بن جاتا ہے) آپ ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ دنیا کی حالت کو اسی حالت سے بیان کرتے ہیں، جو فرزندِ آدم کے خوراک کی حالت (نجاست) ہوتی ہے،بعض اسلاف اپنے رفقاء سے کہتے کہ چلو آج میں تم کو تمہاری دنیا بتاتا ہوں،پھر وہ ان کو کوڑا خانہ اور غلاظت ڈالنے کی جگہ پر لیجاتے،اور کہتے دیکھو یہ تمہارے (لذیذ) پھل اور تمہاری مرغیاں اور تمہارے شہد گھی اور پنیر۔

﴿فصــــل﴾

﴿تیسری مثال﴾ دنیااور اہل دنیا جو آخرت کو اور بعد میں آنے والی حسرتوں کو بھول کر دنیا کی نعمتوں میں مشغول ہیں لہٰذا اہلِ دنیا کی دنیامیں غافل ہونے کی مثال ان لوگوں کی طرح ہے جو ایک کشتی میں سوار ہوئے پھر کشتی نے ان کو ایک جزیرہ پر پہونچادیا، پھر ملاح نے ان کو اجازت دی کہ وہ جزیرہ پر اپنی حاجت وضرورت سے فارغ ہوجائیں،اوران کو تاخیر کرنے سے ڈرائے کہ (اگروہ تاخیر سے آئیں گے تو) کشتی کے چلے جانے کا خوف ہے پھر وہ جزیرہ کے مختلف گردونواح میں منتشر ہوگئے پھر ان میں سے بعض نے تو اپنی ضرورتوں کو جلد پورا کرلیا اور جلدی سے کشتی پر آگئے تو کشتی پوری خالی تھی تو انہوں نے بہترین اور وسیع جگہ کو منتخب کیا اور اپنے مقصد کے موافق جگہ پر جا بیٹھے! اور بعض لوگ ابھی جزیرہ ہی پر تھے وہ لوگ جزیرہ کی خوبصورتی اور اس کے مناظر عجیبہ کو دیکھنے میں اور وہاں کے پرندوں کے نغمات اور چہچہاہٹ سننے میں مشغول رہیں،اور جزیرہ کی چٹانوں کے حسن نے ان کو متعجب کردیا، پھر اچانک ان کے دل نے ان کو کشتی کے روانگی کا اور اس کے جلدی چلے جانے کا اور اس کے فوت ہوجانے کا خیال پیدا کیا،تو (جب وہ جلدی سے آئے تو) ان کو تنگ جگہ حاصل ہوئی تو وہ اسی تنگ جگہ ہی میں بیٹھ گئے،اور بعض لوگ (ابھی بھی) انہی حسین چٹانوں اور خوبصورت ہریالی میں منہمک تھے اور انہوں نے (اس جزیرہ سے) کچھ چیزیں بھی لے لی پھر جب وہ آئے تو کشتی میں پہلے سے بھی زیادہ تنگ جگہ تھی اور ان کی لی ہوئی چیزوں نے جگہ کو مزید تنگ کردیا،تو ان کی لی ہوئی چیزیں ان کے لئے بوجھ اور وبالِ جان بن گئی اور وہ ان چیزوں کو چھوڑ بھی نہیں سکتے تھے اور نہ پھینک سکتے تھے بلکہ اب ان کو ان چیزوں کو اپنے ساتھ لینا ضروری ہے اور کشتی میں جگہ بھی نہیں ہے تو انہوں نے ان (چیزوں) کو اپنے سر پر اٹھالیا اور اس کو لے کر اب نادم وشرمندہ ہوئے لیکن ان کو اس ندامت نے کچھ فائدہ نہیں دیا، پھر وہ پھول وغیرہ پژمردہ ہونے لگے اور ان کی خوشبو بدبو میں منتقل ہونے لگی اور ان کی بدبو نے ان کو تکلیف دی! اور ان میں سے بعض ان گھنے اور کثیر درختوں والی جگہ میں بالکل منہمک ہوگئے اور کشتی کو بھول گئے اور اس جزیرہ کی خوبصورتی اور رنگینیوں میں دور نکل گئے حتی کے ملاح نے کشتی کے چلنے کے وقت باآوازِ بلند پکارا، لیکن اس کی آواز ان لوگوں کا سامانِ غفلت میں اشتغال کی وجہ سے ان کے کانوں تک نہ پہونچی، پس وہ لوگ کبھی کسی پھل کو کھاتے اور کبھی کسی پھول کو سنگتے اور کبھی ان درختوں کے حسن میں کھوجاتے اور اسی لہوولعب میں ہیں (اور ان کے دل میں)

کسی درندہ کا خوف بھی طاری ہے کہ وہ کسی جھاڑی سے نکل آئے یا کوئی کانٹا جوان کے کپڑوں میں لگ جائے یا ان کے پیر میں چبھ جائے، یا کوئی شاخ ان کے بدن کو زخمی کردے یا کوئی کانٹے دار درخت جوان کے کپڑوں کو پھاڑ دے کہ وہ عریاں ہو جائے یا کوئی خوفناک آواز کہ وہ اس سے گبھرا جائے پھران میں سے بھی بعض لوگ کشتی میں جا ملتے ہیں اور اس میں کوئی جگہ باقی نہیں ہوتی تو وہ (رہ جاتے ہیں اور) ساحل ہی پر زندگی سے ہاتھ دھو بیٹھتے ہیں، اور بعض وہ ہے جن کو لہو ولعب اور مستغرق کر دیتا ہے کہ (اچانک) دریندے اس پر حملہ آور ہوتے ہیں، اور زہریلے سانپ اس کو ڈس لیتے ہیں! اور بعض وہ ہے جو سرگرداں و آوارہ پھرتے پھرتے ہلاک ہو جاتے ہیں، بس یہی حالت (مثال) ہے دنیا والوں کی، جو دنیا کی عارضی خوبصورتی اور بہار میں مشغول ہیں اور خود کو پیش آنے والی (گمراہی) کو بھول گیا ہے اور اپنے معاملہ کے انجام سے بے خبر ہے اور ایک عاقل کے لئے اس سے بڑی قباحت و برائی اور کیا ہوگی کہ درخت و سبزازار اس کو غافل کردے جو خود فنا ہونے والے ہیں اور تباہی کے راستہ پر ڈال دینے والے ہیں اور وہ درخت و سبزازار بھی ایسے جو بھوسا ہو جائیں گے، بلاشبہ اس کی عقل و سمجھ نے اس کو اپنی نجات سے غافل کر دیا ہے اور اس کو (خیر کی طرف) ساتھ نہیں دیتی۔

﴿فصل﴾

﴿چوتھی مثال﴾ لوگوں کا دنیا سے دھوکہ میں مبتلی ہونے کی اور آخرت پر ضعفِ ایمان کی (مثال)

ابن ابی الدنیاؒ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے اپنے صحابہ سے فرمایا: میری اور تمہاری مثال اور دنیا کی مثال ایسی ہی ہے کہ چند لوگ بے آب و گیاہ صحرا میں سفر کر رہے ہو، یہاں تک کے ان کو جب علم نہیں رہا کہ انہوں نے کتنا سفر طے کیا ہے اور کیا اس صحرا کا اکثر حصہ طے ہو چکا ہے یا کچھ باقی ہے؟ اور زادِراہ بھی ختم ہو چکا ہے اور سواریوں کو بھی (تھکا کر) دبلا کر دیا ہے اور ان کے پیشِ نظر صحرا کا سفر بھی باقی ہے، نہ کوئی (اور) زادِراہ ہے اور نہ کوئی دوسری سواری؟ تو ان کو ہلاکت کا یقین ہو گیا، بس وہ اسی حالت میں تھے کہ اچانک ان کے پاس ایک عمدہ پوشاک والا آدمی نمودار ہوا، جس کے سر سے پانی کے قطرات ٹپک رہے تھے تو انہوں نے کہا، یہ شخص قریب ہی کسی سرسبز زمین اور آبادی کا (علامتی) ہے اور یہ تمہارے پاس کسی قریب ہی کے مقام سے آیا ہے، پھر جب وہ شخص ان کے پاس پہونچا تو اس نے کہا، اے لوگوں تم کس چیز کو تلاش کر رہے ہو تو انہوں نے کہا جیسا کہ تجھے اندازہ ہے، تو اس نے کہا کہ میں سمجھتا ہوں کہ میں تم کو کسی ماءِ جاری اور لہلہاتے باغ پر پہونچا دو؟ تم مجھے کیا

اجرت دو گے؟ تو انہوں نے کہا ہم تیری کسی بات سے روگردانی نہیں کریں گے تو اس نے کہا کیا تم اللہ کو حاضر ناظر رکھ کر عہد و پیمان کرتے ہو! (آپ ﷺ نے فرمایا) انہوں نے قسم کھا کر عہد و پیمان کیا کہ ہم کسی بات میں تیری نافرمانی نہیں کریں گے، آپ ﷺ نے فرمایا: وہ شخص ان کو پانی اور سرسبز باغ میں لے گیا، آپ ﷺ نے فرمایا کہ وہ اس جگہ جب تک اللہ نے چاہا رہے! پھر اس شخص نے کہا، اے لوگوں کوچ کرو، تو انہوں نے کہا کہاں؟ تو اس نے کہا ایسے پانی کی طرف جو تمہارے اس پانی سے کئی بہتر ہے اور ایسے باغات کی طرف جو تمہارے ان باغات کی طرح نہیں ہے، راوی فرماتے ہیں کہ قوم کے اکثر لوگوں نے کہا اللہ کی قسم ہم نے جتنا پایا ہے ہم تو یہ سمجھتے تھے کہ ہم ہرگز اتنا حاصل نہیں کریں گے! اور ہم نے جو عیش و آرام کیا ہے کیا وہ اس سے بہتر ہوگا؟ راوی فرماتے ہیں کہ ایک جماعت نے کہا اور وہ بہت کم تھے کہ کیا تم نے اس شخص کو عہد و پیمان نہیں دیئے تھے کہ اللہ کی قسم تم اس کی بات کو ٹھکراؤ گے نہیں، اور اس نے اپنی پہلی بات (وعدہ) کو پورا کر کے دیکھایا تو اللہ کی قسم وہ اپنی دوسری بات (وعدہ) بھی پورا کر کے بتائے گا، بس اس کے ساتھ کچھ لوگ تابع ہو کر چل پڑیں (تو وہ کامیاب ہو گئے)، اور بقیہ لوگ وہی پیچھے رہ گئے، پھر اچانک ان کا دشمن ان پر حملہ آور ہو گیا کہ صبح کے وقت وہ حالتِ قید میں اور حالتِ قتل میں تھے۔

فصل

﴿پانچویں مثال﴾ مثال دنیا اور اہل دنیا کی! بس اس کی مثال وہی ہے جو نبی کریم ﷺ نے درخت کے سایہ سے بیان کی ہے کہ آدمی دنیا میں اللہ کی طرف (جانے والا) ایک مسافر ہے کہ وہ موسمِ گرماں میں ایک درخت کے سایہ میں حصولِ ٹھنڈک کے لئے کچھ دیر وہاں ٹھہرے! پھر اس درخت کو اس کی جگہ چھوڑ کر چل دے! پس تو اس حسین مثال میں تأمل کر، اور اس کی حقیقت کے ساتھ مطابقت بالکل مناسب و برابر ہے، چونکہ دنیا اپنی سرسبز شادابی میں مثل ایک درخت کے ہے، اور رفتہ رفتہ تیزی سے گھٹنے میں مثل سایہ کے ہے اور بندہ اپنے رب کا مسافر ہے اور مسافر جب موسمِ گرماں میں کسی درخت کو دیکھتا ہے تو وہ نہ تو یہ سوچتا ہے کہ اس درخت کے نیچے ایک اچھا گھر تعمیر کریں گے اور نہ اس کو جاءِ مقام اختیار کرنے کا خیال کرتا ہے، بلکہ وہ اس درخت سے بقدرِ ضرورت سایہ حاصل کرتا ہے اور جب وہ ضرورت سے زیادہ رک جائے تو وہ رفقاء سے کٹ جاتا ہے۔

﴿فصــــل﴾

﴿چھٹی مثال﴾ آپ ﷺ نے دنیا کی مثال بیان کی سمندر میں ایک انگلی کو داخل کرنے سے، تو جتنی مقدار پانی کی سمندر سے انگلی کے ساتھ آئے وہی دنیا کی آخرت کے مقابلہ میں مثال ہے، اور یہ بھی ایک بہترین تمثیل ہے اس لئے کہ دنیا چھوٹنے والی فنا ہونے والی چیز ہے اگر چہ اس کی مدت کتنی ہی طویل ہو اور آخرت ابدی چیز ہے جس کی کوئی انتہاء نہیں اور ایک محدود کی غیر محدود کے مقابلہ میں کوئی حیثیت نہیں بلکہ اگر فرض بھی کرلیا جائے کہ آسمان زمین رائے کے دانوں سے بھر دیئے جائیں اور ایک ہزار سال کے بعد ایک پرندہ ایک دانہ کو منتقل کرے تو بھی دانے ختم ہو جائیں گے اور آخرت کبھی ختم نہیں ہوگی، پس تمثیل میں دنیا کی آخرت کے مقابلہ میں وہی حیثیت ہے جو ایک رائے کے دانہ کی حیثیت تمام رائے کے دانوں کے مقابلہ میں ہے اور اسی وجہ سے اگر ایک سمندر ہے اس کے بعد دیگر سات سمندر کو روشنائی بنادی جائے اور پوری زمین کے درخت قلم ہو جو اللہ کے کلمات کو لکھیں تو تمام سمندر اور اقلام ختم ہو جائیں گے اور اللہ کے کلمات ختم نہیں ہوں گے، اس لئے کہ اللہ کے کلمات ابدی ہے اس کی کوئی انتہاء نہیں اور تمام سمندر و اقلام کہ ان کی کوئی نہ کوئی انتہاء ہے۔

امام احمدؒ وغیرہ فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ ہمیشہ متکلم ہے جب تک وہ چاہے اور اس کا کمالِ مقدس اس کے کلام کا متقاضی ہے اور اس کی کمال ذات کے لوازمات میں سے یہ ہے کہ وہ ہمیشہ کامل ہی ہو اور متکلم غیر متکلم سے کامل و اکمل ہے اور اللہ تعالیٰ کو کلام کی وجہ سے نہ کوئی ملال ہوتا ہے اور نہ کوئی تھکان اور نہ کوئی اکتاہٹ ہوتی ہے اور وہ اپنے کلمات کے ذریعہ اپنی مخلوق کی تخلیق و تدبیر کرتا رہتا ہے، پس اس کے وہی کلمات ہے جس سے اس کا خلق وامر وجود میں آتا ہے، اور یہی اس کے ملک کی اور اس کے ربوبیت اور اِلہ ہونے کی حقیقت ہے اور اس کے سواء نہ کوئی بادشاہ ہے اور نہ کوئی رب اور نہ اس کے سواء کوئی الہ ہے اور خلاصہ یہی ہے کہ دنیا آخرت کے نفوس (سانس) میں سے ایک نفس (سانس) ہے اور آخرت کے اوقات میں سے صرف ایک گھڑی ہے۔

﴿فصــــل﴾

﴿ساتویں مثال﴾ ان چیزوں کی مثال جس کی مثال نبی کریم ﷺ نے حدیث صحیح میں ذکر فرمائی ہے، حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ نے فرمایا: نبی کریم ﷺ نے لوگوں کو خطبہ دیتے ہوئے فرمایا: اللہ کی قسم میں (اپنے

بعد) تمہارے لئے جن چیزوں سے ڈرتا ہوں ان میں دنیا کی تروتازگی اور زینت بھی ہے! ایک شخص نے (یہ سن کر) عرض کیا، کیا بھلائی اور خیر بھی اپنے ساتھ برائی اور شر کو لائے گی! یہ سن کر آپ ﷺ خاموش ہو گئے (وحی کے انتظار میں) پھر فرمایا تو نے کیا کہا اس نے کہا کہ کیا خیر بھی شر کو وجود دے گا؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا: خیر تو خیر ہی کو لاتی ہے (اس کی مثال) یہ ہے کہ موسمِ بہار جو سبزہ اگاتا ہے (وہ بھلائی ہے اور کسی قسم کی برائی اس میں نہیں لیکن) وہ جانور کے پیٹ کو پھولا کر اس کو مار ڈالتا ہے یا اس کو قریب الہلاک کر دیتا ہے! مگر وہ بکری جو سبزہ سے کھاتی ہے حتی کہ جب اس کے دونوں پہلو پُر ہو جاتے ہیں تو وہ سورج کی طرف رخ کر لیتی ہے پھر پتلا پاخانہ کر دیتی ہے اور پیشاب کر دیتی ہے پھر وہ جگالی کرتی ہے پھر لوٹتی ہے اور کھاتی ہے، تو جو شخص مال کو اپنے حق کا حاصل کرتا ہے تو اس میں برکت دی جاتی ہے اور جو شخص ناحق مال حاصل کرتا ہے تو اس کی مثال اس شخص کی سی ہے جو کھانا کھاتا ہے اور شکم سیر نہیں ہوتا، تو نبی کریم ﷺ نے خبردار کیا کہ آپ ﷺ کو صحابہ پر دنیا کا خوف ہے اور دنیا کو لفظ "زهرة" سے تعبیر فرمایا اور دنیا کو "زهـرة" (پھول) سے تشبیہ دی اس اعتبار سے کہ پھول خوشبودار اور خوش منظر ہوتا ہے اور پھول کم (مدت) باقی رہتا ہے اور یہ کہ پھول کا نتیجہ ایک بہترین پھل ہوتا ہے جو اس سے (کچھ) زیادہ (مدت) باقی رہتا ہے۔

اور آپ ﷺ کا قول ﴿ان ممّا ينبت الربيع مايقتل حبطاً اويلم﴾ یہ ایک بہترین تمثیل ہے جو دنیا سے اور اس میں منہمک ہونے سے اور اس میں مسرور وخوش ہونے سے تحذیر وتخویف کو متضمن ہے اور وہ یہ کہ مواشی کو موسمِ بہار کی سرسبز وشادابی خود پسندی میں مبتلی کر دیتی ہے پھر وہ اس سے ہر سمت سے کھاتا ہے حتی کہ بسا اوقات پیٹ اتنا پھول جاتا ہے کہ ہلاک ہو جاتا ہے! "حبـــط" کہتے ہیں جانور کا چارہ خوب کھانے کی وجہ سے یا مرض سے پیٹ کا پھول کر پھٹ جانا، اور جب کسی آدمی کو یا جانور کو اس طرح ہو اس وقت کہا جاتا ہے "حبط الرجل یا حبط الدابّة" اور جب حارث بن مازن بن عمرو بن تمیم کو اس کے سفر میں یہ بیماری لگ گئی تھی تو وہ پیٹ پھٹنے کی وجہ سے مر گیا تھا، تو اس کو "حبطی" سے منسوب کرتے تھے جس طرح "سُلمی" کہا جاتا ہے (حبطی یعنی موٹا اور پستہ قد) بس اسی طرح اموال میں حرص وطمع یہ مال کے ہوس خور کو اور صاحبِ حرص کو قتل کر دیتی ہے، اور اگر قتل نہ کرے تو قتل کے قریب کر ہی دیتی ہے، اور وہی اللہ کے رسول ﷺ کے قول "أويلم" کا

مطلب ہے اور بہت سے صاحبِ مال اور صاحبِ سروت کو ان کے اموال نے قتل کر دیا، اس لئے کہ انہوں نے مال کو جمع کرنے میں حرص وطمع سے کام لیا حالانکہ ان کے علاوہ دوسرے اس کے زیادہ ضرورت مند تھے اور وہ لوگ مال کے پاس ان دوسروں کو قتل وہلاک کر کے ہی پہونچیں یا قریب القتل کر کے حاصل کیا یعنی لوگوں کو ذلیل کر کے یا مغلوب کر کے۔

اور آپ ﷺ کا قول "آ کلة الخضر" یہ تمثیل ہے اس شخص کی جو دنیا سے اپنی ضرورت وحاجت کے بقدر لیتا ہے، اس کی مثال اس بکری سے دی جو سرسبز چارہ سے اپنی ضرورت کے بقدر کھاتی ہے "اکلت حتی اذاامتلات خاصر تھا" اور دوسری حدیث میں یہ الفاظ ہیں "امتد ت خاصر تھا" وہ کھاتی ہے یہاں تک کہ اس کے دونوں پہلو بھر جاتے ہیں، اور بکری کے دونوں پہلو یعنی "خاصر تھا" کہا، اس لئے کہ وہ پیٹ کے دونوں جانب ہے۔

اور رسول اللہ ﷺ کا قول ﴿اسقبلت عین الشمس فثلطت وبالت﴾ میں تین فوائد ہیں۔

(اوّل) جب وہ بکری چراگاہ سے اپنی حاجت کے بقدر چر لیتی ہے تو اس چراگاہ کو چھوڑ دیتی ہے اور سورج کی طرف رخ کر کے بیٹھ جاتی ہے تاکہ جو کچھ کھایا ہے اس سے تلذذ حاصل کرے۔

(ثانی) وہ بکری چراگاہ میں حرص سے منہ موڑ لیتی ہے جو اس کے لئے مضر اور نقصان دہ ہے اور وہ اس سورج کی طرف متوجہ ہو جاتی ہے جو اس کے لئے نافع ہے جس کی حرارت وتپش سے اس کو کھائی ہوئی چیزوں کو ہضم کرنا اور خارج کرنا آسان ہو جاتا ہے۔

(ثالث) بکری نے جو کچھ کھانا چراگاہ سے اپنے پیٹ میں جمع کر لیا ہے اس سے پیٹ کو پیشاب وپائخانہ کے ذریعہ فارغ اور صاف کر لیتی ہے اور اس کے نکل جانے سے راحت حاصل کر لیتی ہے، اگر پیٹ میں باقی رہ جائے تو قتل کر دے تو اسی طرح مال کو جمع کرنے والا اس کے لئے مناسب ہے کہ وہ ایسا ہی کرے جیسا کہ اس بکری نے کیا ہے۔

اور حدیث کا شروع حصہ مثال ہے دنیا کے جمع کرنے کے بخل اور تحصیل پر حریص ہونے کی تو اس کی مثال اس جانور کی طرح ہے کہ کھانے کی حرص وطمع نے اس کو یہاں تک آمدہ کر دیا کہ وہی پیٹ پھولا کر ہلاک

کردے یا قریب الہلاک کردے اس لئے کہ حرص وطمع یا تو ہلاک کردیتی ہے یا تو ہلاکت سے قریب کردیتی ہے، اس لئے کہ موسمِ بہار قسم قسم کی سبزیوں کو بھی اگاتا ہے اور سرسبز گھاس کو بھی اگاتا ہے تو مویشی اس سے کثرت سے کھاتا رہے یہاں تک کہ اس کا پیٹ پھول جائے اور پھٹ جائے، جب وہ برداشت کی حد سے تجاوز کرے گا تو اس کی انتڑیاں پھٹ جائے گی اور وہ ہلاک ہوجائے گا یہی حالت اس آدمی کی ہوگی جو دنیا کو حلال کی رعایت کئے بغیر بے شمار جمع کرتا ہے، اور اس کو روکے رکھتا ہے اگر خرچ کرے بھی تو ناحق میں خرچ کرتا ہے۔

اور حدیث کا آخری حصہ جس میں میانہ روی کرنے والے کو تشبیہ دی ہے اس سبزی کھانے والی بکری کے ساتھ اور وہی چارہ کھاتی ہے جس کے کھانے سے اس کو نفع وفائدہ ہوتا ہے اور کھانے کی حرص وطمع اس کو برداشت کی حد سے زیادہ کھانے پر آمدہ بھی نہیں کرتی، بلکہ بس وہ حاجت کے بقدر کھالیتی ہے، اور یہ اس شخص کی مثال ہے جو دنیا سے بقدر ضرورت حاصل کرتا ہے پھر وہ اپنے نفع بخش چیز کی طرف متوجہ رہتا ہے! اور مویشی کے پیشاب پائخانہ کرنے کو مال کو اس کے مصرف میں صرف کرنے سے تعبیر فرمایا کہ مال کا حبس اور اس کو روکے رکھنا مضر ونقصان دہ ہے تو وہ اس مال سے اپنی ضرورت کے بقدر لے کر جمعِ مال کے وبال وآفات سے نجات پاتا ہے اور مال کے روکے رکھنے کے وبال ومصیبت سے وہ مال کو نکال کر نجات حاصل کرتا ہے جیسے کہ مویشی پیشاب پائخانہ کرکے ہلاکت سے نجات حاصل کرتا ہے۔

تو اس حدیث میں اعتدال کی طرف اشارہ ہے کہ چراگاہ میں حرص وطمع بھی نہ کرے کہ اس کا کثرت سے حصول ہلاک کردے اور نہ چراگاہ سے بالکلیہ اعراض کرے کہ بھوک ہلاک کردے بلکہ ان دونوں کے مابین اعتدال وتوسط اختیار کرے۔

نیز یہ حدیث اس راہنمائی وہدایت کو بھی متضمن ہے کہ مال کو کثرت سے حاصل کرنے والا آدمی اپنے بدن وروح کی قوّت وصحت کی حفاظت کرے اور اس کی حفاظت مال کو خرچ کرنا اور صدقہ کرنا ہے اور وہ مال کو جمع ہی نہ رکھے کہ اس کو روکے رکھنا مضر ہے۔

﴿فصــــل﴾

﴿آٹھویں مثال﴾ وہ حدیث جس کو عمرو بن شعیب نے روایت فرمائی ہے حضرت میمونہ فرماتی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کو فرمایا، یہ دنیا سرسبز اور شریں ہے پس جس شخص کو اللہ نے محفوظ رکھا اور درست کردیا (تو وہی محفوظ وسلامت رہا) ورنہ تو وہ اس کھانے والے کی طرح ہے جو کبھی شکم سیر نہیں ہوتا اور اس میں لوگوں کے مابین ان دوستاروں کے بقدر بُعد ہے جس میں سے ایک تو مشرق میں طلوع ہوتا ہے اور دوسرا مغرب میں غروب ہوتا ہے، تو آپ ﷺ نے متنبہ فرمایا: دنیا کی یہ دلچسپیاں اور رنگنیاں آنکھیں اس سے لطف انداز ہوتی ہے اور اس کی حلاوت وشرینی سے دل مسرور ہوتے ہیں اور یہی زیب وزینت سے اور حلاوت سے دنیا اہل دنیا کے لئے مزین کی گئی ہے اور اہل دنیا کے لئے پسندیدہ بنائی گئی ہے خاص کر اس وقت جبکہ انسان بھی دنیا سے اور دنیا میں پیدا کیا گیا ہے جیسے کہ شاعر کہتا ہے۔

وَنَحْنُ بَنُوالدُّنْیَا وَمِنْھَا نَبَاتُنَا   وَمَاأَنْتَ مِنْہُ فَھُوَ شَیْئٌ محبب

اور ہم دنیا کے بیٹے اور غلام ہیں اور اسی سے ہماری غذا ہے   اور تو اس سے نہیں ہے تو یہ ایک محبوب چیز ہے

اور لوگوں کی دنیا کے سلسلہ میں دو قسمیں ہیں، ایک متقی و مصلح ، بس ان کا تقوی واصلاح ان کو اس بات کی اجازت نہیں دیتا کہ وہ دنیا میں منہمک ہوجائے اور اس کے حریص ہوجائے اور اس کو بغیر حق وحلّت کے حاصل کرے اور اس کو غیر مصرف میں خرچ کرے، پھر اگر وہ متقی و مصلح نہیں ہے تو وہ اپنی دلچسپی اور قوّت وحرص کو اسی کے حصول میں مشغول کرتا ہے بس وہ اس شخص کی طرح ہوجاتا ہے جو کھاتا ہے اور شکم سیر نہیں ہوتا، اور یہ ایک بہترین تمثیل ہے اس لئے کہ کھانے پینے سے مقصود صحّت ہے اور یہ بقدر ضرورت کھانے کے تابع ہے خود کھانا پینا مقصود نہیں ہے تو پھر جو شخص اپنی ہوس وحرص کو اپنے مقصود سے زیادہ رکھے گا تو وہ کبھی سیر نہیں ہوگا، اسی وجہ سے امام احمدؒ نے فرمایا: دنیا کہ اس کا قلیل حصہ کافی ہے اور کثیر حصہ ناکافی ہے اور اس بات سے آگاہ کیا ہے کہ دونوں درجہ میں لوگ مختلف المراتب ہیں یعنی تقوی اور اصلاح اور کھانے پینے اور حرص وطمع کے درجہ میں، اور یہ کہ دو آدمیوں کے مابین ان دونوں چیز کے اعتبار سے ان دوستاروں کے بقدر بُعد ہے کہ ایک تو مشرق سے طلوع ہوتا ہے تو دوسرا مغرب میں غروب ہوتا ہے اور ان دونوں کے مابین مختلف درجات ہیں۔

﴿فصــــل﴾

﴿نویں مثال﴾ حضرت مستورد بن شداد رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے جو ما قبل میں گزر چکی ہے وہ فرماتے ہیں کہ میں ان چند لوگوں کے ساتھ تھا جو نبی کریم ﷺ کے ساتھ ایک مردار بکری کے بچہ کے پاس کھڑے تھے تو آپ ﷺ نے فرمایا: کیا تم دیکھتے ہو کہ یہ مردہ بکری اپنے مالک پر اتنی بے قدر و قیمت ہوگی کہ اس کو پھینک دیا، تو صحابہ نے فرمایا اے اللہ کے رسول اس کی تذلیل میں سے یہ ہے کہ اس کو پھینک دیا جائے تو آپ ﷺ نے فرمایا: قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں محمد کی جان ہے اللہ کے نزدیک دنیا اس سے بھی زیادہ ذلیل ہے اور حقیر و معمولی ہے جتنا ذلیل و بے وقعت تمہارے نزدیک یہ مردار بکری کا بچہ ہے، تو آپ ﷺ نے صرف دنیا کو مردار بچہ کے ساتھ تشبیہ دینے پر اکتفی نہیں کیا بلکہ یہ بھی فرمایا کہ یہ دنیا اللہ کے نزدیک اس سے بھی زیادہ حقیر و ذلیل ہے۔

اور مسند احمد میں یہی حدیث ہے، خدا کی قسم یہ دنیا اللہ کے نزدیک اس سے بھی زیادہ حقیر و ذلیل ہے جتنا یہ مردار بچہ اس کے مالک کے نزدیک بے وقعت ہے! تو اللہ کے رسول ﷺ نے اپنے کلام کو قسم سے مؤکد فرمایا، تو جب دنیا اللہ کے نزدیک حقیر و ذلیل ہے جتنا کہ وہ مردار بچہ اس کے مالک کے نزدیک حقیر ہے تو (اس سے معلوم ہوا کہ) دنیا سے محبت کرنے والے اور اس کے عاشق بھی اللہ کے نزدیک اس مردار بچہ سے بھی زیادہ حقیر و ذلیل ہے، اور یہ بکری کا چھوٹا بچہ اس کے مالک کے نزدیک بڑی بکری سے بھی زیادہ بے وقعت و حقیر ہوگا، اس لئے کہ بڑی بکری ہو تو اس میں اون وغیرہ ہوتا ہے جس سے استفادہ کرتے ہیں یا اس کے چمڑے کو دباغت دیکر استعمال کرتے ہیں جبکہ بکری کا چھوٹا بچہ تو (اس کا تو کوئی فائدہ ہی نہیں) یہ تو غایت درجہ کی اہانت وحقارت ہے۔

﴿فصــــل﴾

﴿دسویں مثال﴾ دنیا کی مثال اس دریا کی سی ہے جس دریا سے تمام لوگوں کا سفر ہونا ضروری ہے تا کہ وہ اس ساحل تک سفر کو طے کرے جہاں ان کے مکانات اور وطن و مستقر ہے، اور اس (سفر) کو طے کرنا

کسی سفینۂ نجات پر سوار ہوئے بغیر ممکن نہیں، لہٰذا اللہ تعالیٰ نے اپنے پیغمبروں کو اسی لئے بھیجا تا کہ امتیں اس سفینۂ نجات کو بنانا جان لے، اور ان کو اس کشتی کے بنانے کا اور اس پر سوار ہونے کا حکم دیں، اور وہ (سفینۂ نجات) اللہ کے پیغمبروں کی اطاعت اور اللہ وحدہ لاشریک لہ کی عبادت اور مخلصانہ عمل اور آخرت کے لئے کوشاں رہنا اور اس کو مقصود بنانا اور اس کے لئے کما حقہ سعی ومحنت کرنا وغیرہ ہے۔

سو توفیق الٰہی جس کے شامل حال ہوگئی وہ کھڑے ہوگئے اور کشتی پر سوار ہوگئے اور وہ لوگ سمندر میں گھس پڑنے سے بے پروہ ہوگئے اس لئے کہ انہوں نے جان لیا تھا کہ وہ اس سمندر کو نہ غوطہ لگا کر طے کر سکتے ہیں اور نہ تیَر کر اس کو طے کر سکتے ہیں، اور جو لوگ بے وقوف تھے تو انہوں نے کشتی کو بنانا اور اس کے (بنانے کے) آلات کو لانا اور اس پر سوار ہونا ان سب کو دشوار سمجھا اور انہوں نے کہا کہ ہم سمندر میں غوطہ لگا دیں گے پھر جب ہم اس (غوطہ لگانے) سے عاجز ہو جائیں گے تو تیَر کر اس کو قطع کر لیں گے، اور یہ لوگ اہل دنیا ہے بس وہ دنیا میں غوطہ زن ہوگئے پھر جب غوطہ سے عاجز ہوگئے تو انہوں نے تیَر کر دنیا کو حاصل کرنا شروع کیا یہاں تک کہ وہ غرق ہوگئے اور کشتی والے نجات پا گئے جیسے کہ اہلِ ایمان حضرت نوح علیہ السلام کے ساتھ نجات پا گئے تھے، اور اہلِ زمین غرق ہوگئے تھے! اے مخاطب تو اس مثال میں غور وفکر کر اور اہلِ دنیا کی دنیا میں حالت کو دیکھ، تو تیرے سامنے حقیقت واضح ہو جائے گی، اور بلاشبہ یہ دنیا وآخرت اور تقدیر واحکام کی مثال بیان کی گئی ہے اس لئے کہ تقدیر مثل دریا کے ہیں اور احکام واعمال اس میں مثل کشتی کے ہیں بس نجات اسی وقت ممکن ہے جبکہ اسپر سوار ہو۔

﴿فصل﴾

﴿گیارہویں مثال﴾ دنیا کی مثال اس پیالہ کی سی ہے جو شہد سے بھرا ہوا ہو مکھیاں اس کو دیکھتی ہے تو اس کی طرف آتی ہے تو بعض مکھیاں تو وہ ہوتی ہے جو صرف پیالہ کے کنارہ ہی پر بیٹھ جاتی ہے اور اس سے شہد حاصل کرنے لگتی ہے، یہاں تک کہ جب ضرورت کے بقدر حاصل کر لیتی ہے تو اڑ جاتی ہے اور بعض مکھیاں تو ایسی ہوتی ہے کہ ان کا حرص وہوس اس بات پر آمدہ کرتا ہے کہ وہ اپنے آپ کو پیالہ کی گہرائی میں اور اس کے وسط میں ڈال دے بس اس مکھی کا غوطہ لگانا اسکو تھوڑی ہی دیر لطف اندوزی میں رکھتا ہے، اور اسی کے درمیان میں وہ ہلاک ہو جاتی ہے۔

﴿فصل﴾

﴿بارویں مثال﴾ دنیا کی مثال ان دانوں کی سی ہے جو سطحِ زمین پر بکھیر دیئے گئے ہو اور ہر دانہ جال میں ہو اور کچھ دانے ان دانوں کے ارد گرد ڈال دیئے ہو جو جال سے خارج اور باہر ہو، پھر پرندیں آئے، تو بعض تو وہ پرندے ہوتے ہیں جو ارد گرد پڑے دانوں پر قناعت کر لیتے ہیں اور اپنے آپ کو پھندے کے درمیان پڑے دانوں (کو کھانے) میں نہیں ڈالتے۔ بس ضرورت کے بقدر لیا اور چل دیئے، اور بعض پرندے وہ ہوتے ہیں جن کی حرص اور ہوس اس دانے کے حصول میں جان کو خطرہ میں ڈالنے پر آمدہ کر دیتی ہے، اور ابھی تو وہ زمین پر پڑے ہوئے دانہ کو اٹھا بھی نہیں پاتا کہ اس پھندے میں مقید ہونے پر چیخ پڑتا ہے۔

﴿فصل﴾

﴿تیرویں مثال﴾ دنیا کی مثال اس آدمی کی طرح ہے جو بڑی آگ کو روشن کرے پھر تتلیاں اور پروانے اس آگ کی روشنی کو دیکھے پھر وہ اس کی طرف لپک لپک کر آئے اور اس میں جلدی جلدی گرنے لگے اور جو شخص اس آگ کی حالت سے واقف ہے تو وہ دور ہی سے روشنی کو حاصل کرلے گا اور دور ہی سے گرمی کو حاصل کرلے گا، اور بعینہ اسی مثال کی طرف نبی کریم ﷺ نے اشارہ فرمایا ہے، اس حدیث میں جس کو مالک بن اسماعیل نے روایت فرمایا ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں، نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ میں تم کو جہنم سے تمہاری کمر پکڑ پکڑ کر ہٹاتا ہوں اور تم ہو کہ جہنم میں تتلی اور پروانے کی طرح اپنے آپ کو جھونکے جا رہے ہو، اور دوسری حدیث میں یہ الفاظ ہیں میری اور تمہاری مثال اس آدمی کی سی ہے جو آگ کو روشن کرے پھر جب اس آگ کے ارد گرد کا حصہ روشن ہو جائے تو تتلیاں اور پروانے اس میں آ آ کر گیرنے لگے۔ بس میں تمہاری کمر پکڑ پکڑ کر جہنم سے پھیرتا ہوں اور تم مجھ پر غالب آجاتے ہو اور تم جہنم میں خود کو جھونکے جا رہے ہو اور یہ مثال بالکل اہل دنیا پر منطبق ہوتی ہے جو دنیا میں مستغرق ہے لہٰذا انبیاء علیہ السلام ان کو آخرت کی طرف بلاتے ہیں اور وہ دنیا میں پروانوں کی طرح گھوسے جاتے ہیں۔

﴿فصل﴾

﴿چودہویں مثال﴾ دنیا کی مثال ان لوگوں جیسی ہے جو سفر میں اپنے اہل وعیال اور مال وسامان کے ساتھ نکلے پھر وہ سرسبز شاداب وادی سے گزرے جس میں کثرت سے پانی اور پھلدار درخت ہو، پھر وہ وہی قیام پزیر ہو جائے اور اپنا خیمہ بھی وہی لگادے اور وہاں گھر وعمارتیں تعمیر کرنا شروع کردے، پھر ان کے پاس سے

ایک ایسا آدمی گزرے جس کی خیر خواہی اور صدق و امانت کو وہ بھی تسلیم کرتے ہو، پھر وہ آدمی کہے کہ میں نے اپنی ان دونوں آنکھوں سے اس وادی کے پیچھے ایک لشکر کو دیکھا ہے جس نے تم ہی کو ہدف بنایا ہے پس تم میری اتباع کرو، میں تم کو تمہارے دشمن کے راستے سے ہٹا کر دوسرے راستہ سے تم کو لیجاؤں گا تو اس سے نجات پا جاؤ گے تو چندلوگوں نے اس کی اطاعت کی اور اس آدمی نے اپنی قوم میں باآواز بلند کہا! اے قوم نجات نجات تم چلو تم چلو پھر اس (پکار) کو سننے والوں نے اپنے اہل وعیال کو اور کنبہ کو باآواز بلند (نجات نجات) کہا، تو انہوں نے کہا ہم کیسے اس وادی سے کوچ کر جائیں؟ حالانکہ اس میں ہمارے مویشی اور ہمارے مکانات ہیں اور ہم نے اس کو اپنا وطن ومستقر بنالیا ہے! تو اس ناصح اور خیر خواہ نے ان سے کہا تم میں سے ہر ایک جتنا سامان لے سکو لے کر اپنے آپ کی نجات کی فکر میں چل پڑو، ورنہ تو وہ خود بھی پکڑا جائے گا اور اس کا مال بھی ہلاک کر دیا جائے گا تو صاحب جاہ اور صاحب مال پر اور قوم کے رؤسا پر منتقل ہونا گراں گزرا اور ان عیش وآرام اور لذتوں اور خوشگوار ماحول کی جدائی ثقیل محسوس ہوئی، اور بے وقوف واحمق لوگوں نے کہا کہ ہمارے لئے تو ان بیٹھنے والوں میں اور یہاں باقی رہنے والوں میں نمونہ ہے کہ وہ لوگ ہم سے مال واولاد میں کئی زیادہ ہے تو جو ان کو مصیبت پہونچے گی تو ہمیں بھی ان کے ساتھ تکلیف پہونچے گی، اور اس خیر خواہ اور ناصح کے ساتھ کچھ ہی لوگ کھڑے ہوئے تو وہ لوگ نجات پا گئے اور جب صبح ہوئی تو لشکر نے وادی والوں پر حملہ کر دیا، ان سب کو قتل کر دیا اور ان کے اموال کو ہلاک کر دیا۔

اور تحقیق کہ بعینہ اسی مثال کی طرف صحیح حدیث میں نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: حضرت ابو بردہ رضی اللہ عنہ اور حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں، نبی کریم ﷺ نے فرمایا: میری مثال اور ان (احکام) کی مثال جس کو لے کر اللہ نے مجھ کو بھیجا ہے اس شخص کی سی ہے جو اپنی قوم کے پاس آئے اور کہے اے میری قوم میں نے لشکر کو اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے اور میں کھلا ڈرانے والا ہوں نجات نجات! تو اس کی قوم کے چندلوگوں نے اس کی اطاعت کی اور وہ اس کے ساتھ جا ملے اور آہستہ واطمنان سے روانہ ہو گئے تو وہ نجات پا گئے اور ایک جماعت نے اس آدمی کو جھٹلایا تو جب انہوں نے اپنے مکانوں میں صبح کی تو لشکر نے صبح کے وقت دھاوا بول دیا، اور ان کو ہلاک وبرباد کر دیا بس یہی مثال ان لوگوں کی ہے جنھوں نے میری اطاعت کی اور ان احکام کی جس کو لے کر میں آیا ہوں، اور ان لوگوں کی مثال ہے جنھوں نے میری نافرمانی کی، اور اس حق کی تکذیب کی جس کو لے کر میں آیا ہوں۔

﴿فصــــل﴾

﴿پندرویں مثال﴾ ایک آدمی گھر بنائے اوراس کو مزیّن کرے اوراس میں تمام آلاتِ (زینت) رکھے اور لوگوں کو اس گھر میں آنے کی دعوت دے، لہٰذا جب بھی کوئی داخل ہو تو وہ اس کو نرم وملائم بستر پر بیٹھاوے اوراس کے سامنے سونے کا طباق پیش کرے جس میں گوشت ہو اور وہ اس کے سامنے مختلف برتنوں کو رکھے جس میں اچھے چھے اعلیٰ قسم کے ہر طرح کے پکوان ہو جس کی اس مہمان کو ضرورت ہو اور بہت سے غلام وخدّام اس کی خدمت میں حاضر باش ہو تو جو شخص عقلمند ہوگا وہ یہ جان لے گا کہ یہ سب کا سب صاحبِ خانہ کا سامان ہے اور وہی اس کا مالک وآقا ہے تو وہ اس گھر میں رہنے کی مدّت تک ان آلاتِ (زینت) اور مہمانی سے فائدہ اٹھائے گا اور ان چیزوں کے ساتھ اپنے دل کو نہیں لگائے گا اور اس کے دل میں ان چیزوں کے مالک بننے کا خیال بھی نہیں آئے گا بلکہ وہ صاحبِ گھر کے ساتھ وہی برتاؤ کرے گا جیسا کہ ایک مہمان کو برتاؤ کرنا چاہئیے وہ جہاں بیٹھائے گا وہاں بیٹھ جائے گا، اور وہ جو کچھ پیش کرے گا وہ کھالے گا اوراس (کھانے) کے علاوہ (دوسرے کھانے کا) سوال نہیں کرے گا، بس وہ میزبان کے علم اوراس کے جود وسخا پر اکتفاء کرے گا اوراسی پر اکتفاء کرے گا جو وہ دوسرے مہمانوں کے ساتھ کرتا ہے، پس وہ شخص گھر میں باعزت داخل ہوا تھا اور باعزت فائدہ اٹھایا، اوراس گھر سے باعزت جدا ہوا اور صاحب خانہ بھی اس کی برائی کرنے والا نہیں ہوگا! اور ایک بے وقوف آدمی تو اس کے دل میں تو یہی خیال آئے گا کہ گھر میں سکونت اختیار کرلے اوران سامان (زینت) کو اپنی ملکیت میں لیلے، اوراس میں اپنی چاہت وخواہش کے مطابق تصرف کرے، بس وہی اپنے لئے مجلس کو منتخب کرے گا، اور وہ ان سامانِ زینت وغیرہ کو وہ گھر میں ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل کرے گا تاکہ وہ اپنے گھر میں چھپادے، اور جب جب میزبان اس کے سامنے کوئی چیز پیش کرتا ہے تو وہ وہی خیال کرتا ہے کہ وہی اس چیز کا مالک ہے اور یہ چیز دیگر مہمانوں میں سے صرف اسی کے لئے مخصوص ہے اور جو کچھ وہ کررہا ہے صاحب خانہ ان سب کا مشاہدہ کررہا ہے (لیکن) اس کا کرم وسخاوت اس کو اپنے گھر سے نکال دینے سے مانع ہے یہاں تک کہ جب میزبان کو یقین ہوگیا کہ وہ اس سامان وغیرہ میں خود مختار ہورہا ہے اور گھر کا مالک بن رہا ہے اور وہ اس گھر میں اور سامان میں مالکِ حقیقی کی طرح تصرف کررہا ہے اوراس کو اپنا مستقر بنارہا ہے اوراس کو اپنا گھر بنالیا ہے،

تو پھر وہ صاحب خانہ اس کے پاس اپنے غلاموں کو بھیجتا ہے تو وہ اس کو اس جگہ سے سختی سے نکال دیتے ہیں، اور جو کچھ اس کے پاس ہے سب چھین لیتے ہیں، اور ان سامان میں سے کوئی چیز بھی اس کے ساتھ نہیں جاتی، اور اس مہمان کو میزبان کی ناراضگی ونفرت حاصل ہوتی ہے، اور وہ میزبان کے نزدیک بدنام ورسوا ہو جاتا ہے اور اس میزبان کے غلام وخدّام کے مابین بھی رسوا ہو جاتا ہے۔

اے لبیب وعقلمند اس مثال میں کما حقہ تأمل وغور کر یہ مثال بالکل حقیقت کے مطابق ہے۔

واللہ المستعان۔

حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں ہر شخص اس دنیا میں مہمان ہے اور اس کا مال (بطور عاریت (ملا ہوا) ہے، لہٰذا مہمان روانہ ہونے والا ہے اور عاریت (میں ملی ہوئی چیز) واپس کی جانے والی ہے۔

صحیحین میں حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ کا صاحب زادہ جو حضرت امّ سلیم کے بطن سے تھا وفات پا گیا، تو حضرت امّ سلیم نے اپنے گھر کے افراد سے کہا کہ تم حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ کو اس کا ذکر مت کرنا، میں خود ہی ان کو اطلاع دوں گی، پھر جب حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ آئے تو حضرت ام سلیم نے رات کا کھانا پیش کیا، انہوں نے کھایا، پھر حضرت امّ سلیم نے معمول کے مطابق زیب وزینت کی، حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ نے (اس شب میں) فعلِ زوجیت انجام دیا، تو جب حضرت امّ سلیم نے دیکھا کہ وہ مطمئن وآسودہ ہو چکے ہیں، تو کہنے لگی کہ اے ابوطلحہ یہ بتاؤ اگر کوئی جماعت کسی اہل خانہ کو کوئی چیز بطورِ عاریت دے پھر وہ واپس مانگے تو کیا گھر والوں کو حق ہے کہ اس کی مانگی ہوئی چیز کو روک لے؟ تو حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ نہیں! تو کہنے لگی پھر اللہ تعالیٰ سے اپنے بیٹے کے بارے میں ثواب کا امیدوار ہو (کہ اس کی امانت تھی جو واپس لے لی گئی ہے) تو حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ یہ سن کر غصہ ہوئے اور کہنے لگے کہ مجھے بتایا بھی نہیں، اور میں اسی حالت میں قربت بھی کر بیٹھا اور اب مجھے اپنے بیٹے کے بارے میں بتانے چلی ہو، یہ کہہ کر گھر سے نکل آئے! اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر جو گزرا تھا عرض کیا، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تمہاری شب بابرکت کرے۔

﴿فصل﴾

﴿سولہویں مثال﴾ (دنیا کی مثال ایسی ہے کہ) چند لوگ بے آب و گیاہ میدان میں سفر کر رہے ہیں، کہ اچانک ان کو پیاس لگی، تو وہ ایک سمندر پر پہونچے اور سمندر کا پانی تلخ و شور اور کھارا تھا، (لیکن) سخت پیاس کی وجہ سے پانی کی تلخی اور شوریلہ ہونے کی پرواہ نہیں کی، بس اس سے پانی پی لیا، (لیکن) سیراب نہ ہوئے، اور وہ لوگ جب جب بھی سمندر سے جتنا زیادہ پانی پیتے ان کی پیاس اتنی ہی زیادہ ہوتی یہاں تک کہ ان کی آنتیں پھٹ گئی اور وہ پیاسے ہی مر گئے اور ان میں جو عقلمند تھے وہ جانتے تھے کہ پانی تلخ و شور ہے اور (اس کی خصوصیت یہ ہے کہ) جب جب بھی پینے والا اس سے پیئے گا اتنی ہی اس کی پیاس زیادہ ہوگی، بس وہ عقلاء اس سے اور تھوڑی دور چلے تو انہوں نے ایک شریں اور خوبصورت زمین کو پایا، پس انہوں نے اس میں چھوٹا سا گڈھا کھودا تو اس سے شریں اور میٹھے پانی کا چشمہ جاری ہو گیا پس انہوں نے پیا اور اس سے آٹا گوندھا اور پکایا، اور انہوں نے اپنے بھائیوں کو جو سمندر کے کنارہ پر تھے باآوازِ بلند پکارا کہ تم میٹھے اور شریں پانی کی طرف چلے آؤ، تو ان میں بعض نے ان کا مزاق اڑایا اور بعضوں نے اعراض کیا اور جو سمندر کا پانی تھا اسی پر راضی رہے اور قبول کرنے والا اکّا دکّا تھا اور بعینہ یہی مثال حضرت مسیح علیہ السلام نے بیان کی ہے فرمایا، دنیا کے طالب کی مثال سمندر کا پانی پینے والے کی طرح ہے کہ جتنا زیادہ پیتا ہے اتنی ہی پیاس بڑھتی ہے، یہاں تک کہ ہلاک ہو جاتا ہے۔

﴿فصل﴾

﴿سترہویں مثال﴾ انسان اور اس کے مال و اعمال اور کنبہ و خاندان کی مثال ایسی ہی ہے مثلاً ایک آدمی ہے اس کے تین بھائی ہیں پھر اس آدمی کو ایک دور کا طویل سفر پیش آیا اور سفر بھی ضروری ہے تو اس نے اپنے تینوں بھائیوں کو بلایا اور کہا کہ تم جانتے ہو کہ مجھے یہ طویل سفر درپیش ہے اور اس وقت میں تم تینوں کا حاجت مند ہوں، تو ان میں سے ایک بھائی نے کہا، میں تو صرف اس حالت تک ہی تیرا بھائی تھا اور اس وقت سے نہ تو تیرا بھائی ہوں اور نہ ہی تیرا ساتھی! اور میرے پاس کچھ بھی نہیں ہے تو اس نے اس سے کہا کہ مجھے تجھ سے کچھ فائدہ نہ ہوا، پھر دوسرے سے کہا تیرے پاس کیا ہے؟ تو اس نے کہا کہ میں تیرا ابھی تک بھائی تھا اور میں تیرا اس وقت تک بھائی رہوں گا جب تو اپنا سامانِ سفر تیار کرے گا اور تو اپنی سواری پر سوار ہوگا، اور اس کے بعد

میں تیرا ساتھی نہ ہوں گا! تو اس آدمی نے کہا میں تو اپنے سفر میں تیری رفاقت کا بہت سخت محتاج ہوں، تو اس نے کہا اس (رفاقت) کی کوئی شکل نہیں! تو اس آدمی نے کہا تو بھی میرے کچھ کام نہ آیا! پھر اس نے تیسرے بھائی سے کہا تیرے پاس کیا ہے؟ تو اس نے کہا میں تیرا تندرستی میں بھی ساتھی تھا اور بیماری میں بھی تھا اور میں تیرا ابھی بھی ساتھی ہوں اور میں اس وقت بھی تیرے ساتھ ہوں گا جب تو سواری پر سوار ہوگا اور تیرے سفر میں بھی رفیق ہوں گا جب تو چلے گا تو میں بھی تیرے ساتھ چلوں گا اور جب قیام کرے گا تو میں بھی تیرے ساتھ قیام کروں گا اور جب اپنے شہر میں پہونچے گا تو اس میں بھی میں تیرا ساتھی ہوں گا! میں تجھ سے کبھی بھی جدا نہ ہوں گا! تو اس آدمی نے کہا تو میرے نزدیک دیگر بھائیوں سے بہت ہی حقیر و ذلیل تھا اور میں تجھ پر تیرے دو ساتھیوں کو ترجیح دیا کرتا تھا، کاش میں تیرے حق کو سمجھتا اور میں تجھ کو ان دونوں پر ترجیح دیتا۔

تو پہلا (بھائی) اس کا مال ہے اور دوسرا (بھائی) اس کے رشتہ دار و رفقاء ہیں اور تیسرا (بھائی) اس کے اعمال ہے، اور بعینہ یہی مثال حدیث مرفوع میں مروی ہے، لیکن وہ حدیث ثابت نہیں ہے، ابو جعفر عقیلیؒ نے اپنی کتاب ''الضعفاء'' میں حضرت عائشہؓ سے روایت فرمایا ہے، اور یہ مثال بالکل واقعہ کے مناسب و مطابق ہے۔

﴿فصل﴾

﴿اٹھارویں مثال﴾ اور یہ مثال دیگر تمثیلات کے بنسبت بہترین واحسن ہے! اور وہ یہ ہے کہ ایک بادشاہ نے ایک گھر کی تعمیر کی، جس کی وسعت وحسن کے بارے میں اور اس میں نفس و دل کو بھانے والی چیزوں کے بارے میں نہ کسی دیکھنے والے نے دیکھا اور نہ کسی سننے والے نے سنا اور اس (گھر) کی طرف جانے کے لئے راستہ بھی تیار کیا اور ایک داعی کو بھیجا جو لوگوں کو اس گھر کی طرف دعوت دے، اور بادشاہ نے راہ میں ایک خوبصورت عورت کو بھی بیٹھا دیا، جو قسم قسم کی زینت سے مزیّن تھی اور وہ مختلف اقسام کے زر و زیورات سے ملبوس تھی، اور لوگوں کی راہ گزر اس کے پاس سے ہی رکھی، اور اس عورت کے بہت سے معاون و خدّام بھی مقرر کئے کہ ان خدّام کے پاس ان گزرنے والوں کے لئے خوراک و توشہ بھی ہے جو اس راہ سے ہو کر بادشاہ کے پاس جاتے تھے! اور بادشاہ نے اس عورت و خدّام و معاونین سے کہا کہ جو شخص تجھ سے اپنی نظروں کو جھوکا دے اور تیری (یہ خوبصورتی) مجھ سے غافل نہ کرے اور تجھ سے محض اس لئے توشہ طلب کرے تاکہ وہ مجھ تک رسائی

حاصل کرے تو تو اس کی (بہترین) خدمت کر اور اس کو توشہ و خوراک بھی عطا کر، اور تو اس کو مجھ تک سفر کرنے سے باز نہ رکھنا بلکہ اس کی ہر اس چیز کے ذریعہ مدد و اعانت کرنا جو اس کو اس کے سفر میں کامیاب کر دے، اور جو شخص تیری طرف اپنی نظروں کو اٹھا کر دیکھے اور تجھ سے راضی ہو جائے اور تجھ کو مجھ پر ترجیح دے، اور تیرے وصال کا طالب ہو تو تو اس کو سخت تکالیف میں مبتلی کر اور انتہائی درجہ کا تو اس کو ذلیل کر اور تو اس کو اپنا خادم بنالے اور تو اس کو ایسا (دیوانہ) بنادے کہ وہ تیرے پیچھے وحشی جانور کی طرح بھاگتا رہے اور وہ شخص کھانا طلب کرے تو اس کو دھوکہ میں ڈالدے، تھوڑا دے کر وہ بھی تو واپس لے لینا اور پورا چھین لینا اور تو اس پر اپنے خدّام وغلام کو مسلّط کر دینا اور جب جب وہ تیری محبت میں اور اعزاز و اکرام میں مبالغہ کرے تو اس کے بدلہ میں اتنا ہی اس کے ساتھ بے عزتی، حقارت اور برائی سے پیش آنا یہاں تک کہ تجھ پر حسرت کرتے کرتے اس کا دل ٹکڑے ٹکڑے ہو جائے، تو اے مخاطب اس مثال میں تأمل کر اور یہ دنیا کے عاشق کی حالت ہے اور وہ آخرت کے عاشق کی (دونوں کے مابین غور کر)۔

اور یہ تمثیل حدیث قدسی سے ماخوذ ہے، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿يَا دُنْيَا اَخْدِمِىْ مَنْ خَدَمَنِىْ وَاسْتَخْدِمِىْ مَنْ خَدَمَكِ﴾ اے دنیا تو اس شخص کی خادم بن جا جو میرا خادم ہو اور اس شخص کو اپنا خادم بنالے جو تیری خدمت کرے۔ واللہ اعلم۔

﴿فصل﴾

﴿انسویں مثال﴾ ایک بادشاہ نے ایک بہترین قابلِ صلاحیت مقام پر ایک شہر کی بنیاد ڈالی، اور وہ مقام بہترین موسم اور کثیر پانی کا حامل اور اس کی نہریں بھی جاری اور اس کے درخت بھی گنجان اور اس نے اپنی رعیت سے کہا کہ تم لوگ اس شہر کی بہترین جگہوں میں اقامت کے لئے سبقت کرو، جو شخص اس جگہ کے لئے سبقت کر (کے پہونچے) گا وہ جگہ اس کی ہوگی، اور جو شخص پیچھے رہ گیا اور دوسرے لوگ اس شہر میں اس سے سبقت کر گئے اور اپنے اپنے مکانوں کو اختیار کر لیا اور ان مکانوں کو اپنا مستقر بنا لیا تو وہ (پیچھے رہنے والے) خسارہ اور افسوس اٹھانے والوں میں سے ہوں گے، اور ان لوگوں کے لئے بادشاہ نے ایک مقابلہ کا میدان مقرر

کر دیا اور میدان پر ایک بہت بڑا درخت ہے اس درخت کا طویل سایہ ہے اور اس درخت کے نیچے جاری پانی ہے اور درخت میں قسم قسم کے پھل اور میوے ہیں اور اس پر خوبصورت آواز میں چہچہانے والے پرندے بھی ہے! اور بادشاہ نے رعیت سے کہا کہ تم اس درخت سے اور اس کے سایہ سے دھوکہ میں مبتلی نہ ہو جانا، بہت کم مدّت میں اس کی جڑ اکھیڑ دی جائے گی، اور اس کا سایہ ختم ہو جائے گا اور پھل اور میوے بھی ختم ہو جائیں گے، اور اس کے پرندے بھی مر جائیں گے، لیکن بادشاہ کا جو شہر ہے تو اس کے پھل دائمی ہے اور اس کا سایہ ہمیشہ رہنے والا ہے اور اس کی نعمتیں ختم ہونے والی نہیں ہے اور اس میں ایسی چیزیں ہیں جو نہ کبھی کسی آنکھ نے دیکھی اور نہ اس کے (بارے) میں کبھی کسی کان نے سنا اور نہ کبھی کسی انسان کے دل پر اس کا تصور بھی گزرا، بس اس (اعلان) کو لوگوں نے سنا تو وہ اپنے اپنے اعتبار سے اس کی طلب میں نکل پڑے تو وہ اس درخت کے پاس سے گزرے اس حال میں کہ ان پر تھکان، پریشانی اور گرمی، پیاس کے اثرات نمایا تھے، تو سب لوگوں نے اس درخت کے نیچے قیام کیا اور اس کے سایہ سے ٹھنڈک حاصل کی اور اس کے پھلوں کی حلاوت کو بھی چکھا اور انہوں نے پرندوں کے بہترین نغمات کو بھی سنا، پھر ان سے کہا گیا بلاشبہ تم نے درخت کے تحت صرف اسی لئے قیام کیا تھا تاکہ تم اپنے آپ کو (گرمی وغیرہ سے) محفوظ کر لو اور تم لوگ اپنی سواریوں کو دوڑ کے لئے ہلکا پھلکا کر لو، پس تم لوگ کوچ کے لئے تیار ہو جاؤ! اور حرکت میں آجاؤ! تو جب پکارنے والے نے پکارا کہ تم سبقت کے گھوڑ دوڑ میں لگ جاؤ، تو ان میں سے اکثر نے کہا ہم کیسے ایسے طویل سایہ کو اور خوشگوار پانی کو اور پکے ہوئے میووں کو اور راحت وعیش کو چھوڑ سکتے ہیں، اور ہم اپنے آپ کو اس میدان کی گرمی، گرد وغبار میں اور تھکان و پریشانی اور سفر طویل کے لئے کیسے جھونک دے، اور ایسے پیاس زدہ میدانوں میں کیسے جھونک دے جس سے انتڑیاں ٹکڑے ہو جائیں، اور ہم اپنے موجود نقد کو اس ادھار کے بدلہ میں جو مدّتِ دراز تک غائب رہنے والا ہے کیسے فروخت کر سکتے ہیں! اور جس فائدہ کو دیکھ رہے ہیں کیا ہم اس کو غائب (فائدہ) کے (حصول) تک ترک کر دے، اور فانی ذرہ جو قبضہ میں ہو یہ اس ذرہ سے بہتر ہے جو آئیندہ ملنے والا ہے، بس جس عیش کو تم دیکھ رہے ہو اس کو اختیار کر لو، اور جس کے بارے میں تم نے سنا ہے اس کو چھوڑ دو، اور ہم تو آج کے دلدادہ ہیں، اور یہ تو نقدی عیش ہے ہم کیسے اس کو ترک کر سکتے ہیں محض اس عیش کے خاطر جو دور و دراز شہر میں (ہمارے نظروں سے) غائب ہے

جبکہ ہم کو یہ بھی معلوم نہیں کہ ہم اس تک کب پہونچے گے؟ لہٰذا ہر ہزار میں سے صرف ایک فرد کھڑا ہوا اور کہا کہ قسم بخدا ہمارا قیام اس ختم ہونے والے سایہ کے تحت نہیں ہے اور نہ اس درخت کے تحت ہے جس کی بیخ کنی اور اس کے پھلوں کا خاتمہ اور اس کے پرندوں کی موت قریب ہے اور ہم اس سایہ کی طرف سبقت کو ترک کر دے جو دائمی ولازوال ہے اور ہم اس خوشگوار عیش کو جو کبھی ختم ہونے والا نہیں اس کو ترک کر دے (نہیں) ہاں مگر وہی شخص (ترک کرے گا) جس کو کمزوری نے عاجز کر دیا ہو اور کیا کسی مسافر کے لئے لائق ہے کہ جب وہ درخت تلے حصولِ سایہ کے لئے قیام کرے تو اس کے نیچے اپنا خیمہ گاڑے، اور اس کو اپنا وطن بنالے محض اس خوف سے کہ اس کو سردی و گرمی سے تکلیف پہونچے گی؟ اور یہ سب سے بڑی حماقت ہے! بس تم لوگ سبقت کرو، جلدی کرو، جلدی کرو۔

حُکْمُ الْمَنِیَّةِ فِی الْبَرِیَّةِ جَارِی ۔۔۔ مَاهٰذِهِ الدُّنْیَا بِدَارِ قَرَارِ

مخلوق میں موت کا حکم ہمیشہ جاری رہے گا ۔۔۔ یہ دنیا دار قرار نہیں ہے

اِقْضُوْا مَآرِبَکُمْ سِرَاعاً اِنَّمَا ۔۔۔ اَعْمَارُکُمْ سَفَرٌ مِنَ الْاَسْفَارِ

تم اپنی اپنی ضرورتوں کو جلدی سے پورا کرلو ۔۔۔ بلاشبہ تمہاری زندگی اسفار میں سے ایک سفر ہے

وَتَرَاکَضُوْا خَیْلَ السَّبَّاقِ وَبَادِرُوْا ۔۔۔ اَنْ تَسْتَرِدَّ فَاِنَّهُنَّ عَوَارِی

اور تم میدان میں گھوڑوں کو ایڑ لگا دو اور جلدی کرو کہیں وہ ۔۔۔ تم سے واپس نہ لے لئے جائیں اس لئے کہ وہ عاریت ہے

وَدَعُوا الْاِقَامَةَ تَحْتَ ظِلٍّ زَائِلٍ ۔۔۔ اَنْتُمْ عَلٰی سَفَرٍ بِهٰذِی الدَّارِ

اور تم لوگ اس زائل ہونے والے سایہ تلے اقامت کو ترک کرو ۔۔۔ (اس لئے کہ) تم اس دار فانی سے رخصت ہونے والے ہو

مَنْ یَرْجُوْا طِیْبَ الْعَیْشِ فِیْهَا اِنَّمَا ۔۔۔ یُبْنِی الرَّجَاءَ عَلٰی شَفِیْرِ هَارٍ

جو شخص اس (دار فانی) میں اچھے عیش کی امید کرے ۔۔۔ تو وہ امید کی عمارت کھائی کے کنارہ پر قائم کرتا ہے

وَالْعَیْشُ کُلُّ الْعَیْشِ بَعْدَ فِرَاقِهَا ۔۔۔ فِیْ دَارِ اَهْلِ السَّبْقِ اَکْرَمَ دَارٍ

اور (حقیقی) عیش مکمل عیش اس (دار فانی) سے مفارقت کے بعد ۔۔۔ ہی ہے سبقت کرنے والوں کے شہر میں جو باعزت شہر ہے

پس وہ لوگ سبقت کرنے والوں کے گھوڑ دوڑ میں شامل ہو گئے اور قلتِ رفقاء سے نہ گھبرائے اور

عزم وارادہ کی سواریوں پر سوار ہو گئے اور انہوں نے اپنے سفر میں کسی ملامت کرنے والے کی ملامت کی پرواہ نہیں کی، اور پیچھے رہنے والے درخت کے سایہ میں سوئے ہوئے تھے، پھر قسم بخدا کچھ ہی دن گزرے تھے کے اس درخت کی شاخیں خشک ہونے لگی اور اس کے پتے جھڑنے لگے اور اس کے پھل ٹوٹنے لگے اور اس کی جڑ بوسیدہ ہونے لگی اور اس کی نہریں بھی بند ہو گئی بس پھر منتظم نے درخت کو جڑ سے اکھیڑ دیا، تو صبح کے وقت تیز تپش میں کروٹیں لینے لگے اور درخت کے سایہ تلے جو عیش (حاصل) تھا اس کے فوت ہونے پر حسرت وافسوس کرنے لگے، اور منتظم نے اس درخت پر آگ لگا دی، بس وہ درخت اور اس کے اردگرد کی پوری جگہ شعلہ زن آگ کی صورت اختیار کر گئی اور جو لوگ اس درخت کے تحت تھے آگ نے ان لوگوں کا احاطہ کر لیا، پھر ان میں سے کسی کے لئے آگ سے بچ نکلنا ممکن نہ ہوا! پھر وہ کہنے لگے کہاں ہے وہ لوگ جو ہمارے ساتھ اس درخت کے نیچے حصولِ سایہ کے لئے رکے تھے، پھر وہ لوگ چلے گئے اور درخت کو اس کی جگہ ایسے ہی چھوڑ دیا، تو ان سے کہا جائے گا کہ تم اپنی نگاہوں کو اٹھاؤ تو ان کے درجات تم کو نظر آئیں گے، تو انہوں نے دور سے ان کو بادشاہ کے شہر کے محلوں اور بالا خانوں میں دیکھا کہ وہ قسما قسم کے لذیذ چیزوں سے لطف اندوز ہو رہے ہیں، تو ان پر حسرات کی لہر دوڑ گئی، کاش کہ وہ ان کے ساتھ ہوتے، اور ان کی حسرتوں میں اس بات نے اور بھی اضافہ کر دیا کہ وہ درخت ان کے اور ان کی مرغوب اشیاء کے مابین حائل ہو گیا، اور (ان کو) کہا گیا، یہ ہے پیچھے رہنے والوں کا بدلہ ﴿وَمَا ظَلَمْنَاهُمْ وَلٰکِنْ کَانُوْا اَنْفُسَهُمْ یَظْلِمُوْنَ﴾۔

﴿فصل﴾

﴿بیسویں مثال﴾ دنیا کی مثال نبی کریم ﷺ نے اس کپڑے سے بیان فرمائی جو پھٹ گیا ہو اور بس اخیر میں ایک دھاگے (کے سہارے) پر لٹکا ہوا ہے اس دھاگے کے بقاء کا کیا اعتبار، حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں، نبی کریم ﷺ نے فرمایا، اس دنیا کی مثال اس کپڑے کی سی ہے جو اوّل تا آخر پھٹا ہوا ہو بس وہ اخیر میں ایک دھاگے کے سہارے لٹکا ہوا ہو! قریب ہے کہ وہ دھاگا بھی ٹوٹ جائے۔

اگر تو اس تمثیل کی زیادہ وضاحت چاہتا ہے تو اس روایت میں غور کر جس کو امام احمد نے اپنی مسند میں ذکر کیا ہے، حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے ہم کو دن میں صلوٰۃِ عصر پڑھائی پھر آپ کھڑے ہوئے اور ہم سے خطاب فرمایا، اور قیامت سے قبل واقع ہونے والی تمام علامت کی نشان دہی آپ نے

فرمادی، بس جس نے اس کو یادرکھا اس نے یادرکھا اور جس نے اس کو بھولا دیا اس نے بھولا دیا، اورلوگ سورج کو دیکھنے لگے کہ کیا غروبِ آفتاب میں (کچھ) وقت باقی ہے (یا نہیں)؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا: خبردار، سنو! بس دنیا کی جو مدّت گزرگئی ہے اس کے حساب سے اب اتنی ہی مدّت باقی ہے جتنا وقت تمہارے اس دن کے گزرے ہوئے وقت کے حساب سے باقی ہے۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں، نبی کریم ﷺ ہمارے پاس آئے اور سورج آسمان کے (اخیری) کنارہ پر تھا (غروب کے قریب تھا) تو آپ ﷺ نے فرمایا: دنیا کی اب اتنی ہی مدّت باقی ہے جتنا وقت اس دن (کے پورا ہونے) میں گزرے ہوئے وقت کے اعتبار سے باقی ہے۔

ابن ابی الدنیاؒ نے روایت فرمایا ہے حضرت انس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ نے غروب آفتاب کے وقت ہم سے خطاب فرمایا، تو آپ ﷺ نے فرمایا: دنیا کی مدّت گزری ہوئی مدّت کے اعتبار سے اتنی ہی باقی ہے جتنا وقت تمہارے اس دن کے گزرے ہوئے وقت کے اعتبار سے باقی ہے۔

تو دنیا (کی) مکمل (مدّت) ایک دن (کی مدّت) کی طرح ہے، اور آپ ﷺ کو دن کے اخیری حصہ میں غروب آفتاب سے قبل قلیل مدّت کے ساتھ مبعوث کیا ہے۔

اور حضرت جابر رضی اللہ عنہ اور ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نبی کریم ﷺ سے روایت فرماتے ہیں، آپ ﷺ نے فرمایا: میں اور قیامت ان دو کی طرح بھیجے گئے ہیں، اور آپ ﷺ نے اپنی سبّابہ اور وسطیٰ کو ملا کر اشارہ فرمایا۔

اور بعض اسلاف فرمایا کرتے تھے کہ تم لوگ صبر کرو، اس لئے کہ یہ دنیا (کے) بہت قلیل ایّام ہے اور تم ایک ٹھہرے ہوئے قافلے کی طرح ہو قریب ہے کہ تم میں سے کسی کو موت بلالے پھر اس کو لبیک کہد واور تم کو التفات کا موقع بھی نہ ملے، اور موت ایک قید ہے جس کے بغیر کوئی چارہ نہیں، اور اللہ گھات میں ہے۔

﴿فصل﴾

﴿اکیسویں مثال﴾ دنیا کی مثال اس بڑے حوض کی طرح ہے جو پانی سے بھرا ہوا ہے، اور تمام انسان وحیوان حوض پر وارد ہوتے ہیں، آتے ہیں، اور وہ حوض (کا پانی) کثرتِ ورود کی وجہ سے کم ہوتا جاتا ہے

حتی کہ اس حوض میں صرف کیچڑ ہی باقی رہ جاتا ہے (پھر) کبھی اس میں جانور بول و براز کرتے ہیں اور انسان وحیوان اس (سے بے پرواہ ہوکر اس) میں مشغول ہیں، جیسے کہ امام مسلم نے اپنی صحیح میں حضرت عقبہ بن غزوان کی روایت کو ذکر فرمایا ہے کہ انہوں نے ایک دن لوگوں کو خطاب فرمایا، اور اس میں فرمایا، کہ اس دنیا نے اختتام کا اعلان کردیا ہے اور پشت پھرلی ہے سرعتِ انقطاع کے ساتھ اور اس دنیا سے تھوڑی ہی مدّت باقی رہ گئی ہے، برتن کے اس تھوڑے بچے ہوئے پانی کی طرح جو صاحبِ برتن کو پہونچا ہے اور تم لوگ اس دار (فانی) سے دارِ ازلی کی طرف منتقل ہونے والے ہو، تو تم اس دنیا (کی حالت) کے بنسبت اچھی حالت کی طرف منتقل ہونے کے لئے تیار ہوجاؤ، حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں، اللہ تعالیٰ نے پوری دنیا (کی مدّت) کو قلیل ہی بنایا ہے اور اب اس قلیل میں سے بھی قلیل (مدّت) باقی رہ گئی ہے، اور اس مابقیہ کی مثال ایسی ہی ہے جیسے ایک چھوٹا تالاب جس کے اچھے پانی کو پی لیا گیا ہے اور اس کا کیچڑ باقی رہ گیا ہے۔

﴿فصل﴾

﴿بائیسویں مثال﴾ ایک قوم ایک شہر میں طویل مدت سے مقیم ہو پھر (اچانک) اس شہر میں آفات ومصائب کثرت سے واقع ہونے لگے اور اس کے راستے بھی سخت (خراب) ہوجائے، اور ظلم وستم اور فساد کا جیش ان پر قتل وغارت کرنے لگے، تو (ان واقعات کے پیشِ نظر) اس شہر کا بادشاہ ایک ایسے مقام میں نئے شہر کی بنیاد رکھے جہاں نہ کوئی مصیبت رخ کرتی ہو اور نہ کوئی آفت! اور پہلے قدیم شہر کو ختم وبرباد کرنے کا پختہ ارادہ کرلے، پھر بادشاہ ایک منادی اس شہر کے رہنے والوں کے پاس بھیجے کہ وہ منادی ان میں یہ اعلان کردے کہ تین دن میں کوچ کرنا ہے اور کوئی بھی (کوچ کرنے سے) پیچھے نہ رہے، اور ان کو یہ حکم دے کہ وہ لوگ بادشاہ کے اس دوسرے شہر کی طرف جو کچھ بھی بہتر ونافع ساز وسامان ہیرے جواہرات اور سونا چاندی اس (پہلے) شہر میں ہو منتقل کردے اور وہ چیزیں جو (بظاہر) ہلکی پھلکی ہے (لیکن حقیقۃً) عظیم المرتبت اور بادشاہوں کے لائق ہیں اسکو لیلے، اور لوگوں کے پاس بادشاہ نے منتقل ہونے کے تمام آلات وذرائع بھی ارسال کئے، اور ان کے لئے سیدھا راستہ بھی بنایا، اور ان کے لئے (ان راہوں میں) علامات بھی نصب کی! اور بادشاہ نے قاصدین کو بھی اس بات کا تابع بنایا کہ وہ لوگوں کو ایک دوسرے کے نقشِ قدم پر جانے کی ترغیب دے! تو وہ (شہر کے) لوگ چند فرقوں میں منقسم ہوگئے، تو بہت ہی قلیل تھے وہ لوگ جنہوں نے اس بات کو جانا (سمجھا) کہ ان

کے اس (قدیم) شہر میں مدتِ اقامت بہت کم ہے اور اس بات کا یقین کر لیا کہ اگر انہوں نے اس (جدید) شہر کی بھلائیوں کے حصول میں اور اس شہر کی طرف منتقل ہونے میں جلدی نہ کی اور وہ ان سے فوت ہو گیا تو وہ پھر اس کے حصول پر کبھی قادر نہیں ہوں گے، پس انہوں نے اس بات کو دھوکہ سمجھا کہ وہ اس کم مدت کو حصول مفضول میں اور فاضل سے لاپرواہی میں گزار دے تو جب انہوں نے اس شہر کی بھلائی اور اس کی نفیس چیزوں کے بارے میں اور بادشاہ کی محبوب چیزوں کے بارے میں، اور شہر کی نافع چیزوں کے بارے میں پوچھا، اور جب اس کو جان لیا، تو وہ اس گھٹیا چیز کی طرف متوجہ بھی نہیں ہوئے! اور انہوں نے یہ بھی دیکھا کہ ان میں سے کوئی شخص جب ایک قیمتی جوہر ادا کرتا ہے تو وہ بادشاہ کو اس بات سے زیادہ پسندیدہ ہے کہ بادشاہ کو کثیر روپیہ وغیرہ ادا کیا جائے، لہٰذا ان کی فکریں ان چیزوں کا حصول ہی ہو گئی جو بادشاہ کو محبوب ہو اور جو اس کے نزدیک قابلِ قدر ہو، اگرچہ وہ چیزیں دوسروں کی نگاہ میں بے قدر ہو، اور دوسری جماعت ضرورت سے زیادہ (چیزوں کے) اٹھانے کی مشقت کی طرف متوجہ ہو گئی، اور کثرت سے جمع کرنے میں ایک دوسرے سے سبقت کرنے لگے، اور وہ لوگ اس (جمع کرنے) میں چند مراتب پر ہیں، بعض وہ ہیں جو روپیہ وغیرہ کو لے رہے ہیں، اور بعض لوگ اپنی فکروں کے بقدر اور اپنی لیاقت کے مطابق دوسری چیزیں جمع کر رہے ہیں، لیکن (پھر بھی) ان کی فکریں ساز وسامان کی مشقت میں مصروف اور جدید شہر کی طرف منتقل ہونے میں مشغول ہے، اور دیگر جماعت اسی قدیم شہر میں محل ومکان کی تعمیر کرنے کی طرف متوجہ ہوئے اور اس قدیم شہر کی لذتوں اور خوش رنگیوں میں مشغول ہو گئے، اور جو لوگ نئے شہر کی طرف جانے کا عزم وارادہ رکھتے ہیں، ان کے ساتھ اعلان جنگ کر دیا، اور کہا ہم تم کو منتقل ہونے اور ہمارے ساز وسامان میں سے کوئی چیز نہیں دیں گے، لیکن ہاں! اگر تم لوگ بھی ہمارے ساتھ اس شہر کی تعمیر میں اور اس کو وطن بنانے میں اور اس کے عیش وآرام میں شریک ہو جاؤ، (تو بہت اچھا) ورنہ تم نہ تو منتقل ہو سکتے ہو اور نہ کسی چیز کے تم حقدار ہوں گے! بس ان کے درمیان جنگ چھڑ گئی تو انہوں نے جانے والوں کے ساتھ قتال کیا اور ان کے مال ومتاع کو ہڑپ کرنے کا اور ان کے اہل وعیال کو ختم کرنے کا ارادہ کیا، اور ان کو ان جانے والوں سے محض اسی نسبت پر ناراضگی تھی کہ وہ لوگ بادشاہ کے اس جدید شہر کا ارادہ رکھتے ہیں اور انہوں نے بادشاہ کے منادی کے اعلان پر لبیک کہا ہے اور اس قدیم شہر سے معرض اور بے رغبت ہو گئے ہیں جب سے ان کو قدیم شہر کے ترک کرنے کا حکم دیا گیا ہے! اور ایک دوسری جماعت تفریح وتمسخر میں اور راحت وعیش میں مشغول ہو گئی، اور انہوں نے کہا، نہ ہم اپنے آپ کو اس شہر کی تعمیر میں تھکائیں

گے اور نہ ہم اس شہر سے منتقل ہوں گے اور جو لوگ منتقل ہو رہے ہیں ان سے ہم تعارض بھی نہیں کریں گے، اور نہ ہم ان سے اعلان جنگ کریں گے، اور نہ ان کا تعاون کریں گے! اور اس قدیم شہر میں بادشاہ کا ایک محل تھا اور اس میں (اس کا حرم) تھا (قابل احترام جگہ بھی تھی) جو ایک دیوار سے محیط تھا اور اس پر پہر دار بھی مقرر تھے اور شہر والوں کو اس سے قریب ہونا ممنوع تھا، تو پیچھے رہے والے اس کے ارد گرد منڈلاتے تھے، لیکن ان کو ایسا کوئی دروازہ نہیں ملا جس سے وہ داخل ہوں بس وہ لوگ اس کی دیواروں کے قریب آ کر اس میں نقب زنی کرنے لگے اور وہ لوگ بادشاہ کے حرم تک پہونچ گئے اور اس کو ویران کرنے گے اور جو چیز بادشاہ کو ناراض وغصہ کرنے والی اور جو اس پر شاق گزرنے والی تھی ان سب چیزوں کی بے حرمتی کی اور اسی پر انہوں نے بس نہیں کیا (بلکہ) انہوں نے دوسروں کو بھی بادشاہ کے حرم کے ویران کرنے اور اس کی بے حرمتی کرنے کی دعوت دی، پس وہ لوگ اسی حالت میں تھے کہ اچانک (بادشاہ کی فوج کے) ایک گیروہ نے ان سب پر (حملہ کا) بگل بجا دیا، بس ان میں سے کسی کے لئے بھی پیچھے رہنا ممکن نہیں رہا، بس ان لوگوں پر اسی حالت میں لشکر نے حملہ کر دیا، اور ان سب کو بادشاہ کے حضور پیش کیا، تو بادشاہ نے سب کی الگ الگ پیشی طلب کی، اور ان لوگوں کے ساز وسامان کو (جو ساتھ لائے تھے) اور وہ چیزیں جو انہوں نے قدیم شہر سے پہلے ہی آگے بھیج دی تھی، اس کو بھی پیش کیا گیا تو بادشاہ نے ان (ساز وسامان) میں سے جو قابلِ قبول تھا اس کو قبول کیا اور اس کے مالک کو اس ساز وسامان کی قیمت سے کئی گنا زیادہ عوض عطا کیا اور اس کو اپنے قریب کے درجات میں سے ایک درجہ بھی دیا، اور جو قابلِ قبول نہیں تھا اس کو رد کر دیا اور وہ ساز وسامان اس کے مالک کے منھ پر مار دیا گیا اور جن لوگوں نے بادشاہ کے حرم کی نقب زنی اور اس کے حرم کو ویران کیا تھا، بادشاہ نے ان کے ساتھ وہی روّیا (معاملہ) کیا جو مفسدوں نے بادشاہ (کے حرم) کے ساتھ کیا، تو ان (مفسدوں) نے یہ درخواست کی کہ ان کو قدیم شہر میں واپس بھیج دیا جاوے تا کہ وہ بادشاہ کے محل کی (پھر سے) تعمیر کرے اور اس کے حرم کی حفاظت کرے اور وہ ساز وسامان کو اسی طرح آگے بھیجیں گے جس طرح تجّار بھیجتے ہیں، تو بادشاہ نے کہا، ناممکن ہے تحقیق کہ وہ پرانا شہر ویران وہلاک ہو گیا اب کبھی وہ آباد نہیں ہوگا، اور آج کے بعد سواء اس شہر کے کوئی شہر نہیں ہوگا جو کبھی ویران ہونے والا نہیں ہے۔

﴿فصـــل﴾

بلاشبہ دنیا کو نیند سے تشبیہ دی گئی ہے اور دنیا کے عیش وآرام کو اضغاث واحلام سے، اور موت کو بیداری سے تشبیہ دی گئی ہے اور دنیا کی تمثیل کھیت کی طرح ہے اور اس میں اعمال بمنزلۂ بیج کے ہیں اور کھیتی کی کٹائی مثل روزِ آخرت کے ہے اور دنیا کو ایک گھر سے تعبیر کیا گیا ہے جس کے دو دروازے ہیں، ایک (دروازہ) لوگ اس سے داخل ہوتے ہیں، اور دوسرا (دروازہ) کہ لوگ اس سے نکلتے ہیں، اور دنیا کی مثال اس سانپ کی طرح ہے جو چھونے میں ملائم اور نرم ونازک ہوتا ہے اور خوش رنگ ہوتا ہے اور اس کا ڈنک موت ہوتا ہے، اور دنیا کی مثال اس زہریلے کھانے کی سی ہے جو لذیذ وخوش گوار ہوتا ہے جو شخص اس سے بقدرِ ضرورت تناول فرماوے تو اس میں اس کو شفاء ہے اور جو شخص اس سے ضرورت سے زائد تناول فرماوے اس کے لئے مہلک ہے، اور دنیا اس طعام کی طرح ہے جو معدہ وپیٹ میں ہوتا ہے کہ جب کہ اعضاء اس سے بقدرِ ضرورت حاصل کرلیں پھر اس کو پیٹ میں محبوس رکھے تو یا تو وہ کھانا مہلک ہوتا ہے یا تکلیف دہ ہوتا ہے پھر صاحبِ کھانا کو اسی وقت راحت وآرام ہوسکتا ہے جبکہ وہ اس کو اپنے پیٹ سے خارج کردے، جس کی طرف نبی کریم ﷺ نے اپنے قول "آ کلة الخضر" میں اشارہ فرمایا ہے (یہ حدیث ماقبل میں گزر چکی ہے) اور دنیا کو اس عورت سے تشبیہ دی ہے جو عورتوں میں سب سے زیادہ قبیح ہوتی ہے، جس نے دونوں آنکھوں پر نقاب ڈال رکھا ہے پھر وہ (عورت) ان آنکھوں سے لوگوں کو متوجہ کرتی ہے اور وہ لوگوں کو اپنے گھر آنے کی دعوت دیتی ہے تو جب وہ اس کی دعوت پر لبیک کہتے ہیں تو وہ ان کے سامنے (اپنے قبیح) منظر کو ظاہر کرتی ہے اور وہ (عورت) ان کو چھری سے ذبح کردیتی ہے اور ان کو گڈھے میں ڈال دیتی ہے اور وہ اپنے عاشقوں پر مسلط ہے اور ان کے ساتھ یہی معاملہ کرتی ہے ہر زمانے میں، تعجب ہے ان عاشقوں پر جو اپنے بھائیوں کو کٹا ہوا دیکھتے ہیں کہ ان پر آفات وبلیات قائم ہے (پھر بھی) وہ لوگ اپنی جاءِ ہلاکت میں ایک دوسرے سے سبقت کررہے ہیں ﴿وَسَكَنتُمْ فِي مَسَاكِنِ الَّذِينَ ظَلَمُوا أَنفُسَهُمْ وَتَبَيَّنَ لَكُمْ كَيْفَ فَعَلْنَا بِهِمْ وَضَرَبْنَا لَكُمُ الْأَمْثَالَ﴾ اور دنیا کی تمثیلات میں تو وہ مثالیں کافی ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب (قرآن مجید) میں بیان فرمائی ہے، جو مثالیں دنیا پر منطبق ہوتی ہیں۔

یہ (فقراء صابرین کی افضلیت کے قائل) حضرات فرماتے ہیں کہ جب دنیا کی یہی حالت ہے تو دنیا سے کم سے کم حاصل کرنا اور اس سے بے رغبتی اختیار کرنا یہ بہتر ہے دنیا کو کثرت سے حاصل کرنے اور اس کی رغبت اختیار کرنے سے۔

یہ حضرات فرماتے ہیں کہ یہ بھی معلوم ہے کہ دنیا کی رغبت یہ اللہ کی (محبت) کی رغبت اور دارِ آخرت کی رغبت کے ساتھ جمع نہیں ہوسکتی، اور یہ دونوں رغبتیں ایک ہی مقام میں کبھی (اجتماعی طور پر) سکون پزیر نہیں ہوسکتی سواء اس کے کہ ان میں سے ایک رغبت دوسری کو برطرف کردے اور خود اس مسکن پر قبضہ کرلے، اور (جیسے کہ) رسول اللہ ﷺ کی صاحب زادی اور اللہ کے دشمن کی بیٹی ایک آدمی کے نکاح میں کبھی جمع نہیں ہوسکتی (اس سے ابوداؤد کی ایک حدیث کی طرف اشارہ ہے، قال ﷺ **واللہ لا تجتمع ابنة رسول الله وابنة عدو الله عند رجلٍ واحدٍ ابداً**)۔

یہ حضرات فرماتے ہیں (افضلیت کے لئے) یہی بات کافی ہے کہ نبی کریم ﷺ کے سامنے دنیا کے خزانوں کی کنجیاں پیش کی گئی تو آپ نے قبول نہیں فرمایا، حالانکہ اگر آپ ﷺ (بالفرض) اس کو اختیار بھی کرلیتے تو آپ ﷺ لوگوں میں سب سے زیادہ شکر گزار ہوتے! اور آپ ﷺ کا (اس کو اختیار کرنے کی وجہ سے) اللہ کے نزدیک مقام ومرتبہ میں کوئی کمی نہ آتی! (لیکن) پھر بھی نبی کریم ﷺ نے ایک دن بھوک کو اور ایک دن شکم سیری کو اختیار کیا، اور آپ ﷺ کی وفات ہوگئی اور آپ ﷺ کی زرہ اہلِ خانہ کے طعام کے عوض رہن تھی جیسے کے پہلے گزر گیا ہے۔

اور یہ حضرات فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ کی وفات کے بعد لوگ چار قسم پر منقسم ہوگئے، پہلی قسم: وہ حضرات جنہوں نے نہ دنیا کو چاہا اور نہ دنیا نے ان کو چاہا، جیسے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اور وہ لوگ جو ان کے نقشِ قدم پر چلے، دوسری قسم: وہ حضرات کہ دنیا (نے ان کو چاہا) ان کے پاس آئی لیکن انہوں نے دنیا کو نہیں چاہا، جیسے حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور وہ حضرات جو ان کے طریقہ پر چلے، تیسری قسم: جنہوں نے دنیا کو چاہا اور دنیا بھی ان کے پاس آئی جیسے کہ خلفاء بنی امیہ اور وہ لوگ جو ان کے طریقہ پر چلے، سواء حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کے، کہ دنیا تو ان کے پاس آئی لیکن انہوں نے دنیا کو نہیں چاہا، چوتھی قسم: وہ لوگ جنہوں نے دنیا (طلبی) کو چاہا، اور دنیا ان کے پاس نہیں آئی، جیسے کہ وہ شخص جس کو اللہ نے محتاج وفقیر بنایا ہو اور اس کے دل میں فقر کو رکھ دیا ہو، اور جمعِ مال

و دنیا سے اس کا امتحان لیا ہو، اور یہ بات مخفی نہیں کہ بہتر و افضل پہلی قسم ہے اور قسم ثانی بھی افضل ہے اس لئے کہ دنیا ان کی مراد نہیں، لہٰذا وہ پہلی ہی قسم کے ساتھ لاحق ہے۔

یہ حضرات فرماتے ہیں کہ ایک آدمی نے نبی کریم ﷺ سے پوچھا آپ ایسے اعمال کی راہنمائی فرمائیں کہ جب میں وہ عمل کروں تو اللہ کا بھی محبوب بن جاؤں، اور مخلوق کا بھی محبوب بن جاؤں! تو آپ ﷺ نے اس آدمی سے فرمایا: ﴿اِزْهَدْ فِی الدُّنْيَا يُحِبُّكَ اللّٰهُ وَازْهَدْ فِيْمَا اَيْدِی النَّاسِ يُحِبُّكَ النَّاسُ﴾ دنیا کی طرف رغبت نہ کر خدا تجھ سے محبت کرے گا اور اس چیز کی خواہش نہ کر جو لوگوں کے پاس ہے (یعنی جاہ و دولت) لوگ تجھ سے محبت کریں گے! تو اگر غناء و مالداری افضل ہوتی تو آپ ﷺ اسی کی راہنمائی فرماتے۔

یہ حضرات کہتے ہیں اللہ تعالیٰ نے کفار سے قتال مشروع فرمایا، اور راہبوں سے ترکِ قتال (ہاتھ روک لینا) مشروع فرمایا کیونکہ رہبان دنیا سے الگ تھلگ اور بے رغبت ہوتے ہیں لہٰذا طریقہ یہی جاری ہے کہ رہبان سے نہ قتال کیا جاوے نہ جزیہ واجب کیا جاوے حالانکہ یہ لوگ بھی اللہ اور اس کے رسولوں اور اس کے دین کے دشمن ہیں معلوم ہوا کے دنیا کی بے رغبتی اللہ کے نزدیک ایک مقام رکھتی ہے۔

یہ حضرات فرماتے ہیں کہ اسی طرح اللہ تعالیٰ کا اس بات کی مشروعیت میں بھی اللہ کی حکمت طے شدہ ہے کہ واجد کی سزا فاقد سے اعظم و بڑھی ہوئی ہے لہٰذا زانیٔ محصن (شادی شدہ) کی سزا رجم ہے اور زانیٔ غیر محصن (غیر شادی شدہ) کی سزا کوڑے اور جلاوطنی ہے اور اسی طرح فاقد کا ثواب بھی واجد کے ثواب سے بڑھا ہوا ہے۔

یہ حضرات فرماتے ہیں کہ اللہ کے نزدیک فقیر و محتاج کی ذلت، عاجزی اور اس کا خشوع خضوع اور اس کا تلخ گھونٹ کو پینا اور فقر کی محنت و مشقت کو برداشت کرنا اور اس کے مقابل غناء و مالداری کی عزت ولذت اور غنٰی کی لذتوں سے بہرور ہونا اور اس کی حلاوت و شرینی کا حصول، یہ دونوں عنداللہ کیسے برابر ہو سکتا ہے؟ بس فقیر و محتاج کا تلخ گھونٹ کو برداشت کرنا اور ان کا صبر کرنا اور اللہ کی جانب سے فقر پر راضی رہنا یہ سب اللہ کی نظر میں ہے اور مجاہدین کی مشقت کا اجر کہاں اور امن و راحت میں بیٹھ کر عبادت کرنے والوں کا اجر کہاں۔

یہ حضرات فرماتے ہیں کہ یہ دونوں امر کیسے مستوی و برابر ہو سکتے ہیں کہ ایک سے تو جنت کو گھیرا گیا ہے اور دوسرے سے جہنم کو گھیرا گیا ہے، لہٰذا شہوات کی اصل جڑ یہ مال کی جانب سے ہے، اور مکارہ و مشقت کی اصل جڑ فقر و محتاجگی کی طرف سے ہے۔

یہ حضرات فرماتے ہیں کہ فقیر کبھی بھی فقر کے دکھ درد سے اور بھوک وعریانیت سے اور حاجات وضروریات اور فقر کی تکالیف سے جدا نہیں ہوتا اور ان میں سے ہر ایک چیز اس فقیر کے گناہوں کا کفارہ ہے اور یہ (کفارہ ہونا) اعمالِ خیر کے اجر پر زیادتی ہے، لہٰذا اغنیاء و مالدار اعمالِ خیر میں (فقراء کے ساتھ) مشترک ہیں اور فقراء مالداروں سے ان مکفرات کے ذریعہ ممتاز وعلیحدہ ہے اور مالدار حضرات جو انفاق وصدقہ اور صدقۂ جاریہ کے ذریعہ ممتاز ہوتے ہیں تو فقراء کے لئے ان کے ساتھ مشارکت کے لئے ایک سبیل وراہ ہے کہ ان کے لئے بھی انہی کے مثل اجر وثواب مل جائے اور وہ یہ کہ اللہ تعالیٰ ان کی نیت کو بخوبی جاننے والا ہے کہ اگر ان فقراء کو بھی اتنا ہی مال ومتاع دیا جاتا جتنا ان مالداروں کو دیا گیا ہے تو یہ فقیر و محتاج بھی وہی کرتا جو یہ مالدار کررہے ہیں، بس وہ فقیر آرزو کرتا ہے اگر میرے پاس مال ہوتا تو میں مالداروں کی طرح عمل (انفاق وصدقہ) کرتا، تو یہ اپنی نیت کے سبب ماجور ہے اور ان دونوں کا اجر وثواب برابر ہوگا، جیسے کے حدیث صحیح میں حضرت صادق المصدوق ﷺ نے فرمایا۔

یہ حضرات فرماتے ہیں، فقیر دنیا میں بمنزلۂ قیدی ہے اس لئے کہ وہ دنیا کی لذتوں وشہوتوں کے حصول سے روک دیا گیا ہے، اور غنی و مالدار اس قید سے آزاد ہے، اور تحقیق کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ﴿الدنیا سجن المؤمن وجنة الکافر﴾ تو غنی و مالدار اگر اپنے آپ کو غناء کے تقاضوں سے اور سرکشی سے مقید نہیں رکھتا اور مال و دولت کو شہوتوں کے میدان میں آزاد چھوڑ دیتا ہے (خرچ کرتا ہے) تو دنیا اس کے لئے جنت ہوئی بس وہ فضیلت تو صرف اسی حالت میں پاسکتا ہے جبکہ وہ اس فقیر کے ساتھ مشابہت اختیار کرے جو اپنے فقر و محتاجگی میں محبوس ہے۔

یہ حضرات فرماتے ہیں کہ اللہ اور اللہ کے رسول نے ان لوگوں کی مذمت و برائی بیان کی ہے جن کو دنیوی زندگی میں عیش وآرام مل گیا ہو، اور یہ لائق ومناسب ہے (کہ کہا جائے) کہ یقیناً یہ (دنیوی عیش) یا تو اخروی عیش کا (بالکلیہ) عوض ہے یا اخروی عیش کو گھٹانے والا ہے (جیسے کہ پہلے گزر چکا ہے) برخلاف وہ شخص جو دنیا میں ان چیزوں سے بچا رہا تو اس کا اخروی عیش کامل ومکمل ہوگا، آپ ﷺ کو بادام کا ستّو پیش کیا گیا تو آپ ﷺ نے اس کو تناول فرمانے سے انکار کردیا اور کہا کہ یہ تو نازونعمت میں رہنے والوں کا کھانا پینا ہے۔

یہ حضرات فرماتے ہیں کہ حضرت حسن بصریؒ سے پوچھا گیا کہ دو آدمی ہے ایک تارک الدنیا ہے اور

دوسرا دنیا کماتا ہے اور اس کو صدقہ وخیرات کرتا ہے! تو حضرت حسن بصریؒ نے فرمایا، مجھ کو تارک الدنیا زیادہ محبوب ہے۔

یہ حضرات فرماتے ہیں کہ حضرت مسیح عیسیٰ علیہ السلام سے اسی مسئلہ کے بارے میں پوچھا گیا تھا، دو آدمی ہے ان میں سے ایک آدمی سونے کی اینٹ کے پاس سے آگے گزر گیا اور سونے کی اینٹ کی طرف التفات بھی نہ کیا! اور دوسرا آدمی اس کے پاس سے گزرا تو اس نے اٹھالیا اور اس میں سے صدقہ کرنے لگا (تو ان میں سے کون افضل ہے) تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے جواب دیا کہ جو شخص اینٹ کی طرف متوجہ بھی نہیں ہوا وہ افضل ہے، اور یہ بات اس پر دلالت کرتی ہے کہ نبی کریم ﷺ اس کے پاس سے گزرے تو آپ ﷺ نے التفات وتوجہ بھی نہیں فرمائی، اور اگر آپ ﷺ (بالفرض) لے بھی لیتے تو اس کو اللہ کی راہ ہی میں خرچ کرتے۔

یہ حضرات فرماتے ہیں فقیر جو اپنے فقر میں سمجھدار ہو تو ممکن ہے کہ وہ ان تمام اعمال میں جو مالدار اپنی مالداری کے بل بوتے پر کرتا ہے اپنی نیت وقول کے ذریعہ شریک ہو جائے اور وہ اس کے اجر وثواب میں بھی مساوی وبرابر ہو جائے اور وہ فقیر اس مالدار سے عدمِ مال کی وجہ سے عدمِ حساب سے ممتاز ہوگا، تو وہ دونوں ثواب میں برابر ہے اور وہ حساب سے آزاد ہے جیسے کہ یہ فقیر مالدار سے پانچ سو سال پہلے دخول جنت کی فضیلت سے بھی ممتاز ہے اور وہ فقر کی تکالیف ومشقت پر صبر کرنے کے ثواب کے ذریعہ بھی ممتاز ہے (یہ افضلیت کی وجوہِ امتیاز ہے)۔

امام احمدؒ نے فرمایا کہ حضرت کبشہ انماری فرماتے ہیں کہ میں نے نبی کریم ﷺ سے سنا، آپ نے فرمایا کہ تین باتیں ہیں جن پر میں قسم کھاتا ہوں کہ وہ حق ہے اور میں تم سے ایک حدیث بیان کرتا ہوں تم اس کو محفوظ رکھو وہ تین باتیں جن پر میں قسم کھاتا ہوں یہ ہے کہ (۱) بندے کا مال صدقہ وخیرات کرنے سے کم نہیں ہوتا، (۲) اور جس بندے پر ظلم وزیادتی کی جائے اور وہ اس پر صبر کرے تو اللہ اس کی عزت کو بڑھاتا ہے، (۳) اور جس بندے نے سوال کا دروازہ کھولا تو اللہ تعالیٰ اس کے لئے فقر وافلاس کا دروازہ کھول دیتے ہیں، اس کے بعد آپ ﷺ نے فرمایا، کہ جس حدیث کا میں نے ذکر کیا تھا اب اس کو بیان کرتا ہوں، اس کو یاد رکھو! دنیا چار آدمیوں کے لئے ہے، ایک تو اس بندے کے لئے جس کو خدا نے مال وعلم عطا فرمایا، بس وہ مال کو خرچ کرنے میں خدا سے ڈرتا ہے (اور حرام کاموں میں خرچ نہیں کرتا) اور رشتہ داروں سے صلہ رحمی کرتا ہے اور اس مال میں

سے اللہ کے حق کو بھی جانتا ہے (یعنی زکوٰۃ، صدقہ وغیرہ ادا کرتا ہے) اس شخص کا اللہ کے نزدیک بڑا درجہ ہے، اور دوسرا وہ بندہ جس کو خدا نے علم عطا فرمایا ہے اور مال نہیں دیا، یہ بندہ (علم کے سبب) سچی نیت رکھتا ہے اور یہ آرزو کرتا ہے کہ اگر میرے پاس مال ہوتا تو فلاں شخص کی طرح اس کو نیک کاموں میں خرچ کرتا، تو اس کو بھی پہلے بندے کے مانند اجر ملے گا اور ثواب میں دونوں برابر ہوں گے! اور تیسرا بندہ وہ ہے جس کو خدا نے مال دیا ہو اور علم نہ دیا ہو، پس وہ عدمِ علم کی وجہ سے وہ اپنے مال کو خرچ کرنے میں حیران ہوتا ہے نہ تو خرچ کرنے میں خدا سے ڈرتا ہے اور نہ رشتہ داروں کے ساتھ صلہ رحمی کرتا ہے، نہ تو خدا کا حق اپنے مال سے نکالتا ہے نہ بندوں کا حق ادا کرتا ہے، یہ بندہ بدترین مرتبہ کا ہے! اور چوتھا بندہ وہ ہے جس کو خدا نے مال بھی نہیں دیا اور علم بھی نہیں دیا وہ کہتا ہے اگر میرے پاس مال ہوتا تو میں فلاں شخص کی طرح خرچ کرتا تو وہ اپنی نیت کے ساتھ ہوگا (ثواب نہ ہوگا) اور دونوں کا گناہ بھی برابر ہوگا، تو غنی و مالدار کو اپنے فعل (خیر) کے سبب جو فضیلت حاصل تھی نبی کریم ﷺ نے فقیر کو اس کی نیت کی وجہ سے (مالدار کے ساتھ) لاحق کر دیا، اور یہاں پر غنی و مالدار کا بلاشبہ اعمال سے غافل ہونے کے سبب کم درجہ ہو جاتا ہے اور فقیر کا بدنیتی کے سبب درجہ کم ہو جاتا ہے (الغرض) غنی و مالدار کو غناء و مالداری غفلتِ اعمال کے ساتھ نافع و مفید نہیں، اور فقیر کو اس کا فقر حسنِ نیت کے ساتھ مضر نہیں اور فقیر کو اس کا فقر بدنیتی کے ساتھ نافع و مفید نہیں۔

یہ حضرات فرماتے ہیں کہ اس مسئلہ (فقیرِ صابر افضل ہے) میں یہ بیان کافی وشافی ہے، اور (یہ بیان) دو فریق کے مابین حاکم و فیصل ہے۔

﴿چوبیسواں باب﴾

وہ آیات واحادیث اورآثار وقیاس جس سے اغنیاء احتجاج کرتے ہیں

مالدار حضرات فرماتے ہیں کہ اے فقراء تم نے ہم پر دلائل کے سواروں اور پیادوں کو دوڑا دیا اور ہم جانتے ہیں کے تمہارے پاس ان دلائل جیسے اور دلائل ہیں بلکہ اس سے بھی زیادہ ہے، لیکن تم افراط وتفریط سے ہٹ کر معتدل راہ اختیار کرو، اور تم یہ سمجھتے ہو کہ یہ دلائل مالداروں پر تمہاری فضیلت کو ثابت کر دیں گے اور ہم بھی فیصلہ کے لئے دلائل کی طرف رجوع کریں گے جیسے کہ دلائل کی طرف تم نے رجوع کیا تھا، اور ہم بھی اپنے سرمایہ کو اسی کسوٹی پر پیش کریں گے جس پر تم نے اپنے سرمایہ کو پیش کیا تھا، اور ہم اپنے دلائل کو اور تمہارے دلائل کو شریعت کے میزان میں اور عقل قوی (صحیح) کے ترازو میں رکھیں گے، بس اس وقت تمہارے اور ہمارے سامنے فاضل ومفضول واضح ہو جائیں گے، لیکن ہاں! تم لوگ ہمارے درمیان سے ان لوگوں کو خارج کر دو جو فقراء صابرین اور صادقین کا لبادہ اوڑھے ہوئے ہیں، اور دنیا کی حرص وبخل سے بھرپور دل کو فقراء کے لباس سے ملبوس کئے ہوئے ہیں حالانکہ وہ فقر وصبر سے کوسوں دور ہیں، ان میں سے ہر ایک فقر کا مظہر ہیں (لیکن) حرص وطمع کے پیٹو ہیں، اپنے رب سے غافل ہیں خواہشاتِ نفسانی کے تابع ہیں، روزِ جزاء کے بارے میں حد سے بڑھے ہوئے ہیں، انہوں نے فقر کے لباس میں پیشہ بنالیا ہے اور وہ فقراء ان اموال سے مالا مال ہیں جس سے اور لوگ کوسوں دور ہیں، اور فقیر کہ اس کی محتاجگی اور فقر اضطراری ہے نہ کہ اختیاری! بس ان کا زہد (محض) محتاجگی کا زہد ہے، وہ اللہ وآخرت کی رغبت (کی وجہ) سے زاہد نہیں ہے، اور فقیر اپنی زبانِ قال اور زبانِ حال سے اپنے رب سے شکوی وگلا کرتا ہے، وہ اپنے رب سے فقر پر راضی نہیں ہے، بلکہ اگر اس کو عطا کیا جائے تو راضی اور اگر منع کر دیا جائے تو ناراض ہو جاتا ہے، دنیا پر سخت حریص ہے اور اس (کے فوت ہونے) پر افسوس کرنے والا ہے، اور دنیا کے معاملہ میں سب سے زیادہ فقیر ہے اور وہی دنیا کی چیزوں کا سب سے زیادہ راغب ہے حالانکہ دنیا سب سے زیادہ اس سے بے رغبت ہیں، اور اے فقراء تم ہمارے درمیان سے ان مالداروں اور اصحابِ ثروت کو بھی خارج کر دو، جو مال ودولت جمع کرتے ہیں، بخیلی کرتے ہیں، اور مالِ کثیر کی طلب رکھتے ہیں، اور مال کے بل بوتے پر اپنے آپ کی ترجیح چاہتے ہیں، اور مال ودولت پر پنجہ گاڑھے ہوئے

ہیں، اوران کے دونوں پہلو مال سے دوہرے ہو چکے ہیں، اور مال کی زیادتی پرخوش ہوتے ہیں اور مال کے نقصان وکمی پر مایوس وغمگین ہوتے ہیں، بس ان کا دل مال کی محبت پر فریفتہ ہے اور وہ مال کے حاصل کرنے پر سب سے زیادہ حریص ولالچی ہیں، اگران کو میدانِ انفاق وخرچ پیش آجائے تو وہ بہت کم خرچ کرتے ہیں، اور تنگ دل بھی ہوتے ہیں، اور اگران کو ایثار کے لئے کہا جائے تو وہ بھاگنے میں بہت ہی مبالغہ کرتے ہیں، اورتم لوگ ہم اور ہمارے (مؤمن) بھائیوں کو خالص کرو، جوان دونوں (فقراء واغنیاء) فریق کے شہسوار ہیں اور جو ان دونوں جماعت کے سردار ہیں، جودارِ آخرت اور اللہ کی طرف اپنے ایمان وحالات کے ساتھ مسابقت کرتے ہیں، اور وہ لوگ قربِ الٰہی میں اپنے اعمال واموال واحوال کے ذریعہ ایک دوسرے سے آگے بڑھتے ہیں، بس ان کے قلوب اسی اللہ پر جمے ہوئے ہیں، اوران کے عزم وارادہ اور فکریں اسی کی طرف مسابقت کرنے میں مشغول ہیں، اغنیاء ومالدار اپنے فقراء کی طرف دیکھتے ہیں کہ وہ کس عملِ صالح کی طرف سبقت کررہے ہیں، تو ان کے ساتھ لاحق وشریک ہونے کے لئے کمربستہ ہوجاتے ہیں، اوران کے فقراء اپنے مالداروں کی طرف دیکھتے ہیں کہ وہ حضرات اللہ کی اطاعت میں خرچ کرکے فوقیت لیجارہے ہیں، تو وہ بھی خرچ کرتے ہیں اور ان کا (خرچ) ان کے اعمال واقوال اور اپنا صبر وزہد وتقوی ہوتا ہے، بس یہی وہ ہمارے بھائی ہیں جن کے مابین افضلیت کے بارے میں لوگ کلام وبحث کرتے ہیں کہ ان میں کون اعلیٰ درجہ پر ہے، ورنہ وہ لوگ تو یہی دیکھتے ہیں کہ ان میں سے کون سب سے زیادہ گرفتارِ مصیبت ہیں۔ ......**اللہ المستعان۔**

جب یہ معلوم ہوگیا تو بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں بہت سے اعمال کی مدح وثنا فرمائی ہے، اور صاحبِ مال کی ثنا فرمائی ہے اور (وہ) اعمال غنی ومالداری ہی سے ظہور پزیر ہوتے ہیں! جیسے کہ زکوٰۃ دینا اور نیک مقامات میں خرچ کرنا، اللہ کی راہ میں مال کے ساتھ جہاد کرنا، غزوات وجہاد کے سامان کا مہیا کرنا، محتاجوں کی نصرت ومدد کرنا، غلاموں کو آزاد کرنا، اور قحط سالی میں کھانا وغیرہ کھلانا۔

اوراس فقیر کا صبر کہاں جو شکستہ دل اور مضطر اور ہلاکت کا منتظر ہونے کی حالت میں ہو کہ اچانک اس کی کوئی مالدار شخص مدد کرے اور اس کے فقر واضطرار پر نصرت کرے اور فقیر کا صبر کیا درجہ رکھتا ہے اس غنی کے نفع کے مقابلہ میں جو نصرتِ دین اور اعلاءِ کلمۃ اللہ اور ہزیمتِ کفار میں اپنا مال خرچ کرتا ہو۔

اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا اپنے رب کے شکر کے سامنے اور ان کا اللہ کے واسطے تکلیف زدہ غلاموں کو خرید

نے اوران کوآزاد کرنے کے سامنے اور نصرتِ اسلام پران کے انفاق وخرچ کے سامنے حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کا اپنے فقر پرصبر کرنا کیا درجہ رکھتا ہے؟ جبکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ﴿مَانَفَعَنِیْ مَالُ اَحَدٍ مَانَفَعَنِیْ مَالُ اَبِیْ بَکْرٍ﴾۔

اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے بڑے بڑے انفاق کے سامنے اہل صفاء کا صبر کیا درجہ رکھتا ہے؟ جیسے کہ بعض انفاق کے بارے میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ﴿مَاضَرَّ عُثْمَانُ مَا فَعَلَ بَعْدَ الْیَوْمِ﴾ پھر فرمایا: ﴿غَفَرَ اللّٰہُ لَکَ یَاعُثْمَانُ مَااَسْرَرْتَ وَمَا اَعْلَنْتَ وَمَا اَخْفَیْتَ وَمَا اَبْدَیْتَ﴾۔

اور تم جب قرآن میں غور وفکر کروگے، تو تم اس میں فقراء صابرین سے کئی زیادہ اللہ کی راہ میں خرچ کرنے والوں کی مدح وثنا پاؤ گے، اور بلاشبہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے شہادت دی ہے کہ ﴿اِنَّ الْیَدَ الْعُلْیَاخَیْرٌ مِنَ الْیَدِ السُّفْلٰی﴾ اور یدِعلیا کی تفسیر عطا کرنے والے اور یدِسفلی کی تفسیر سائل سے کی گئی ہے، اور بلاشبہ اللہ نے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی نعمتوں میں سے ایک نعمت یہ بھی شمار فرمائی ہے کہ ہم نے آپ کو فقر کے بعد غنی کردیا ہے، اور غناء وہ حالت ہے جس کی طرف اللہ تعالیٰ نے آپ کو منتقل کیا ہے، اور فقر وہ حالت ہیں جس سے اللہ نے آپ کو منتقل کیا ہے اور اللہ سبحانہ وتعالیٰ آپ کو ایک حالت سے اسی حالت کی طرف منتقل کرے گا جو پہلی حالت سے بہتر ہوگی! اور بعض مفسرین نے اللہ تعالیٰ کے قول ﴿وَلَلْاٰخِرَۃُ خَیْرٌلَّکَ مِنَ الْاُوْلٰی﴾ کی یہ تفسیر فرمائی ہے کہ مراد اس سے دو حالتیں ہیں، یعنی آپ کے لئے ہر (بعدوالی) حالت پہلی حالت سے بہتر ہے، اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے اس کے بعد فرمایا: ﴿وَلَسَوْفَ یُعْطِیْکَ رَبُّکَ فَتَرْضٰی﴾ پس اس میں عطاء دنیا اور عطاء آخرت سب داخل ہیں۔

یہ حضرات فرماتے ہیں کہ غنی شکر کے ساتھ افضل اور (قابل) رحمت ہے ﴿وَاللّٰہُ یَخْتَصُّ بِرَحْمَتِہٖ مَنْ یَشَآءُ وَاللّٰہُ ذُوالْفَضْلِ الْعَظِیْمِ﴾۔

یہ حضرات فرماتے ہیں، اغنیاء شاکرین یہی فقراء صابرین کی اطاعت وعبادت کا ذریعہ وسبب ہیں، کہ یہ مالداران کو صدقہ دیکر اوران پر احسان فرماکران کو تقویت دیتے ہیں، اوران کی اطاعت وعبادت پر اعانت اور مدد کرتے ہیں، لہٰذا ان اغنیاء کا ان فقراء کے اجر وثواب میں سے بہت بڑا حصہ ہے، اور یہ (حصہ) خودان مالداروں کی مخصوص عبادتوں اور انفاق وخرچ کے اجر وثواب کے علاوہ ہے، جیسے کہ صحیح ابن خزیمہ میں حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کی روایت ہے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ماہِ رمضان کا ذکر فرمایا اور کہا کہ ﴿مَنْ

فَطَرَ فِيْهِ صَائِماً كَانَ مَغْفِرَةً لِذُنُوبِهِ وَعِتْقَ رَقْبَتِهِ مِنَ النَّارِ وَكَانَ لَهٗ مِثْلُ اَجْرِهٖ مِنْ غَيْرِ اَنْ يَنْقُصَ مِنْ اَجْرِهٖ شَيْئٌ﴾ جو شخص کسی روزہ دار کو افطار کرائے تو اس کے گناہ معاف ہوجاتے ہیں اور اس کی گردن جہنم سے آزاد کردی جاتی ہے، اور اس افطار کرانے والے کو بھی اس روزہ دار کے برابر ثواب ملے گا، اور روزہ دار کے ثواب میں کوئی کمی بھی نہیں ہوگی! تو غنی شاکر نے اپنے روزہ کے ثواب کو بھی حاصل کیا اور اس فقیر (کے روزہ) کے اجر کے برابر بھی ثواب حاصل کیا جس کو اس نے افطار کرایا۔

یہ حضرات فرماتے ہیں کہ غنی شاکر کے لئے کوئی فضیلت نہ بھی ہوتی تو بھی (اس کی فضیلت کے لئے اس کے) اس صدقہ کی فضیلت ہی کافی ہے کہ جب تمام اعمالِ خیر ایک دوسرے پر فخر کریں گے تو تمام اعمال پر صدقہ کو فخر (کا حق) ہوگا، جیسے کہ نظر بن شمیل نے فرمایا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا، کہ تمام اعمالِ صالحہ باہم فخر کرتے ہیں، تو صدقہ کہتا ہے کہ میں تم سب میں افضل ہوں۔

یہ حضرات فرماتے ہیں کہ صدقہ یہ بندے اور جہنم کے مابین آڑ ہے، اور اس پر بخوشی اخلاص کے ساتھ قائم رہنے والا قیامت کے دن عرش کے سایہ میں سایہ حاصل کرنے والا ہوگا۔

حضرت عمرو بن حارثؒ سے مروی ہے حضرت ابن عامر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: صدقہ صاحبِ صدقہ پر سے قبر کی آگ کو بجھا دیتا ہے، اور مؤمن قیامت کے دن اپنے صدقہ کے سایہ میں ہوگا۔

حضرت یزید بن حبیب ابوالخیر سے روایت کرتے ہیں ہر شخص اپنے صدقہ کے سایہ میں ہوگا، یہاں تک کہ تمام لوگوں کے درمیان فیصلہ کردیا جائے، یزید فرماتے ہیں کہ ابوالخیر کہ ان پر کوئی ایسا دن نہیں گزرتا تھا جس میں وہ صدقہ نہ کرتے ہو، اگرچہ بسکٹ ہو یا بچا ہوا پانی۔

حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: صدقہ گناہوں کو اس طرح ختم کردیتا ہے جیسا کہ پانی آگ کو بجھا دیتا ہے! بیہقی میں حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت ہے، فرماتے ہیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: صدقہ کرنے میں جلدی کیا کرو اس لئے کہ بلاء صدقہ کو پھاند نہیں سکتی۔

صحیحین میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب کوئی بندہ حلال مال سے صدقہ کرتا ہے، اور اللہ حلال مال کے صدقہ ہی کو قبول کرتا ہے، تو اللہ تعالیٰ اس کو اپنے داہنے ہاتھ میں لیتے

ہیں پھراس کی تربیت کرتے ہیں جیسے کہ تم میں سے کوئی بکری کے بچہ کی یا اونٹ کے بچہ کی پرورش کرتا ہے حتی کہ وہ صدقہ بڑے پہاڑ کے برابر ہو جاتا ہے، اور بیہقی کی اس حدیث میں یہ الفاظ ہے، حتی کہ وہ ایک کھجور یا لقمہ احد پہاڑ سے بھی بڑا ہو جاتا ہے۔

محمد بن منکدرؒ فرماتے ہیں، مغفرت کے اسباب میں سے ایک سبب بھوکے مسلمان کو کھانا کھلانا ہے، اور (یہ مضمون) بہت سی مرفوع روایت میں مروی ہے۔

اور جب اللہ تعالیٰ اس شخص کی مغفرت فرما دیتے ہیں جس نے سخت پیاسے کتّے کو سیراب کیا ہو، تو پھر اس شخص کے بارے میں کیا خیال ہے جو پیاس سے مسلمانوں کو سیراب کرے اور بھوکوں کو شکم سیر کرے، اور برہنہ لوگوں کو کپڑا پہنائے۔

نبی کریم ﷺ نے فرمایا ہے، جہنم کی آگ سے بچو اگر چہ کھجور کے ٹکڑے سے ہو، اور اگر وہ بھی نہ پاؤ تو اچھی بات سے! تو نبی کریم ﷺ نے اچھی بات کو اس شخص کے لئے صدقہ کا عوض قرار دیا جو صدقہ کرنے پر قادر نہ ہو!

یہ حضرات فرماتے ہیں کہ صدقہ و احسان کرنے کی لذت کہاں، اور صدقہ و احسان سے دل کا مسرور ہونا اور ان دونوں کا دل کو مقوّی و مضبوط کرنا، اللہ تعالیٰ کا اپنے بندوں کے دلوں میں مصدّق کی محبت و تعظیم کا ڈالنا اور ان کے لئے دعاؤں کا ہونا، ان کی حمد و ثنا ہونا اور ان کو فرحت و مسرت کا حاصل ہونا یہ سب کہاں! اور فقر پر صبر کرنے کا اجر کہاں، ہاں فقیر صابر کے لئے بھی بڑا اجر ہے، لیکن اللہ کے نزدیک اجر کے بھی درجات ہے۔

یہ حضرات فرماتے ہیں، نیز صدقہ کرنا، احسان کرنا، عطا کرنا، یہ سب اللہ تعالیٰ کی صفات ہیں، اللہ کو اپنے بندوں میں سب سے زیادہ محبوب وہ ہے جو اس کی صفات سے متصف ہو، جیسے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ﴿اَلْخَلْقُ عَیَالُ لِلّٰہِ فَاَحَبُّ الْخَلْقِ اِلَیْہِ اَنْفَعُھُمْ لِعَیَالِہٖ﴾ پوری مخلوق اللہ تعالیٰ کا کنبہ ہے پس مخلوق میں سے اللہ کو محبوب وہ شخص ہے جو اس کے کنبہ کو نفع و فائدہ پہونچانے والا ہو۔

یہ حضرات فرماتے ہیں کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے سعداء و نیک بختوں کی اصناف و اقسام کو ذکر فرمایا، تو سب سے پہلے صدقہ کرنے والوں سے ابتداء فرمائی، اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿اِنَّ الْمُصَّدِّقِیْنَ وَالْمُصَّدِّقَاتِ وَاَقْرَضُوا اللّٰہَ قَرْضاً حَسَناً یُضَاعَفُ لَھُمْ وَلَھُمْ اَجْرٌ کَرِیْمٌ. وَالَّذِیْنَ آمَنُوْا بِاللّٰہِ وَرُسُلِہٖ اُولٰئِکَ ھُمْ

الصِّدِّيقُوْنَ وَالشُّهَدَاءُ عِنْدَ رَبِّهِمْ لَهُمْ اَجْرُهُمْ وَنُوْرُهُمْ﴾ یہ سعداء ونیک بختوں کے اقسام ہیں، اوران میں سب سے مقدم صدقہ کرنے والے مرد اور صدقہ کرنے والی عورتیں ہیں۔

یہ حضرات فرماتے ہیں کہ صدقہ کرنے میں بہت سے فوائد ومنافع مضمر ہے جس کو سواء اللہ کے کوئی شمار نہیں کرسکتا، من جملہ چند فوائد یہ ہیں، صدقہ برائی کے مواقع سے بچاتا ہے اور بلاؤں کو دفع کرتا ہے حتی کہ صدقہ ظالم کے ظلم کو بھی دفع کرتا ہے، حضرت ابراہیم نخعی فرماتے ہیں کہ صحابہ کرام اس بات کا یقین رکھتے تھے کہ صدقہ آدمی سے ظلم کو دفع کرتا ہے، گناہوں کو مٹاتا ہے، مال کو محفوظ رکھتا ہے، رزق کو کھینچتا ہے، قلب کو فرحت بخشتا ہے، اللہ کے ساتھ تعلق کو اور حسن ظن کو مضبوط کرتا ہے جیسے کہ بخل اللہ کے ساتھ (بدظنی) کو قائم کرتا ہے، اور صدقہ شیطان کو ذلیل کرتا ہے، نفس کو مزکّی کرتا ہے، نفس کو شریف بناتا ہے، بندے کو اللہ اوراس کی مخلوق کا محبوب بناتا ہے اور صدقہ صاحبِ صدقہ کے سارے عیوب کی پردہ پوشی کرتا ہے، جیسے کہ بخیلی وکنجوسی آدمی کی ساری اچھائی کو ڈھانپ دیتی ہے، اور صدقہ عمر میں زیادتی کرتا ہے، صدقہ لوگوں کی دعاء کو اور لوگوں کی محبت کو درآمد کرتا ہے، اور صاحبِ صدقہ سے عذابِ قبر کو دفع کرتا ہے، اور صدقہ قیامت کے دن صاحبِ صدقہ پر سایہ فگن ہوگا، اور اللہ کے نزدیک صاحبِ صدقہ کے لئے شفارشی ہوگا، اور صدقہ صاحبِ صدقہ پر دنیا وآخرت کی تکالیف آسان کردیتا ہے، اور صدقہ صاحبِ صدقہ کو تمام اعمالِ خیر کی طرف دعوت دیتا ہے لہٰذا وہ اعمال اس پر دشوار نہیں ہوتے، اوراس کے فوائد ومنافع اس سے کئی زیادہ ہے۔

یہ حضرات فرماتے ہیں کہ (دوسروں کو) نفع (پہونچانے) کے اوراحسان کرنے کے بارے میں یہی فضیلت کافی ہے کہ وہ اللہ کی صفت ہیں، اور اللہ تعالیٰ اس شخص کو محبوب رکھتے ہیں جو اللہ کی صفات وآثارِ صفات سے متصف ہوتا ہے لہٰذا اللہ تعالیٰ عالم، جوّاد وسخی اور باحیاء اور پردہ پوشی کرنے والے کو محبوب رکھتے ہیں، اور اللہ تعالیٰ کو مؤمن قوی مؤمن ضعیف سے زیادہ محبوب ہے، اور اللہ تعالیٰ عدل وانصاف کو، عفو ورحم کو، شکر ونیکی کو اور کرم کو پسند فرماتے ہیں لہٰذا اللہ کی صفت غنی وجود وسخا ہے اور اللہ تعالیٰ غنی وجواد سے محبت رکھتے ہیں۔

یہ حضرات فرماتے ہیں کہ وہ مالی نفع جو متعدی ہواس کی فضیلت کے بارے میں یہی کافی ہے کہ اس کا بدلہ عمل ہی کی جنس سے ہوگا، لہٰذا کوئی شخص کسی مؤمن کو (ننگے پن میں) کپڑا پہنائے گا تو اللہ تعالیٰ اس کو جنت کا

(سبز) لباس پہنائیں گے، اور جو شخص کسی بھوکے کو کھلائے گا تو اللہ تعالیٰ اس کو جنت کے پھلوں سے شکم سیر کریں گے، اور جو شخص کسی غلام کو آزاد کرے گا تو اللہ تعالیٰ اس غلام کے ہر عضو کے عوض معتِق کے ہر عضو کو جہنم سے آزاد کریں گے حتیٰ کہ غلام کی شرمگاہ کے بدلہ میں معتِق کی شرمگاہ کو آزاد کردیں گے، اور جو شخص کسی تنگ دست پر (مہلت دیکر) آسانی کرے گا تو اللہ تعالیٰ دنیا وآخرت میں آسانی کا معاملہ فرمائیں گے، اور جو شخص کسی مؤمن کی دنیا کی تکالیف میں سے کسی تکلیف کو دور کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ قیامت کے دن کی تکالیف میں سے کوئی تکلیف دور کردیں گے، اور اللہ تعالیٰ اس بندے کی اعانت ونصرت میں رہتا ہے جب تک کہ وہ بندہ اپنے (مؤمن) بھائی کی اعانت ومدد میں رہتا ہے۔

یہ حضرات فرماتے ہیں کہ ہم فقر پر صبر کرنے کی فضیلت کا انکار نہیں کرتے لیکن یہ سب فضائل کہاں جائیں گے، اللہ تعالیٰ نے ہر چیز کی ایک مقدار (اپنے علم میں) مقرر کررکھی ہے۔

یہ حضرات فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ﴿الطَّاعِمُ الشَّاكِرُ بِمَنْزِلَةِ الصَّائِمِ الصَّابِرِ﴾ کھانے والا شاکر روزہ دار صابر کے درجہ میں ہے، اور معلوم ہوا کے جب اس کا شکر دوسرے کے ساتھ احسان سے متصل ہوگا تو ایک دوسرا درجہ بھی زیادہ ہوجاتا ہے، اس لئے کہ شکر کے بے انتہاء درجات ہے برخلاف صبر کے تو اس کے لئے ایک حد ہے جس پر وہ رک جاتا ہے، اور یہ اس مسئلہ میں ایک مستقل دلیل ہے، اور اس کی وضاحت یہ ہے کہ شاکر یہ اس (تقدیر پر) راضی (رہنے والے) سے بھی افضل ہے جو صابر سے بھی افضل ہے، تو جب شاکر اس راضی رہنے والے سے افضل ہے جو راضی رہنے والا صابر سے افضل ہے تو شاکر یہ صابر سے دو درجہ افضل ہوا۔

یہ حضرات فرماتے ہیں کہ صحیحین میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، دو شخص کے سوا کسی شخص میں رشک وحسد جائز نہیں، ایک وہ شخص جس کو اللہ تعالیٰ نے قرآن عطا فرما کر یہ توفیق بھی دی ہو کہ وہ رات ودن کے (بعض) اوقات میں اس کی تلاوت کرتا رہے، دوسرا وہ شخص جس کو اللہ نے مال عطا کیا ہو اور وہ رات ودن (کی تمیز کے بغیر) خرچ کرتا ہو، تو آپ ﷺ غنی بالانفاق کو بمنزلہ قرآن بالقیام کے قرار دیا۔

یہ حضرات فرماتے ہیں کہ حضرت ابو کبشہ انماری کی حدیث میں صراحت ہے کہ صاحبِ مال جب وہ

اپنے مال میں اپنے علم کے سبب (سچی نیت سے) عمل کرتا ہے اور مال خرچ کرنے میں اپنے رب سے ڈرتا ہے اور مال کے ذریعہ صلہ رحمی کرتا ہے، اور اس مال سے اللہ کے حقوق بھی ادا کرتا ہے تو اس شخص کا اللہ کے نزدیک بہت بڑا درجہ ہے، اور یہ اس غنی شاکر کی افضلیت کے بارے میں صراحت ہے، اور فقیر صادق جب وہ یہ نیت کرتا ہے کہ (میرے پاس ہوتا تو) میں (فلاں شخص کی طرح) خرچ کرتا اور پھر اس کو اپنی زبان سے کہتا ہے تو یہ اس کی نیت وقول ہے، اور ان دونوں (غنی شاکر، فقیر صابر) کا اجر (اس میں) برابر ہے کہ ان میں سے ہر ایک نے اچھی نیت کی اور اپنی طاقت کے مطابق عمل کیا، لہٰذا مالدار نے نیت بھی کی اور اپنے عمل کے ذریعہ مال کو خرچ کیا اور فقیر عالم نے نیت کی اور اس کو اپنی زبان سے ادا کیا تو اس اعتبار سے دونوں اجر میں برابر ہوئے، (لیکن) نفس اجر میں دونوں کے برابر ہونے سے کیفیتِ اجر اور تفصیلِ اجر میں برابر ہونا لازم نہیں آتا، اس لئے کہ عمل اور نیت پر اجر یہ بڑھا ہوا ہے محض اس نیت کے اجر پر جو صرف قول کے ساتھ متصل ہے، جو شخص حج کی نیت کرے اور اس کے پاس مال نہ ہو جس سے وہ حج کرے اگر چہ (نیت) پر ثواب ملے گا (لیکن) اس شخص کا ثواب جو نیت کے ساتھ اعمال حج بھی ادا کرے تو وہ اس سے بڑھا ہوا ہی ہے۔

اور جب تو اس کو سمجھنا چاہتا ہے تو تو نبی کریم ﷺ کے قول ﴿مَنْ سَأَلَ اللّٰهَ الشَّهَادَةَ صَادِقاً مِنْ قَلْبِهِ بَلَّغَهُ اللّٰهُ مَنَازِلَ الشُّهَدَاءِ وَإِنْ مَاتَ عَلٰى فِرَاشِهٖ﴾ میں غور کر، جو شخص اللہ سے سچے دل (نیت) سے شہادت طلب کرے تو اللہ اس کو شہداء کے درجہ کو پہونچا دیتا ہے اگر چہ وہ اپنے بستر پر وفات پائے اور اس بات میں کوئی شک نہیں کہ شہادت کا ثواب جو اللہ کے راستے میں قتل ہونے والے کو حاصل ہوگا وہ اجر کیفیت وصفات میں اس شخص کے اجر سے بڑھا ہوا ہوگا جس کو صرف شہادت کی نیت پر اجر حاصل ہوا ہوگا جبکہ وہ اپنے بستر پر مر جائے اگر چہ وہ شہداء کے درجہ کو پہونچ جائے، بس یہاں پر دو اجر وثواب ہے، ایک اجر اور دوسرا تقرب! بس یہ دونوں اصلِ اجر میں تو برابر ہے لیکن وہ اعمال جس کو عامل نے ادا کئے ہیں وہ ایک مزید اثر کا اور قربِ خاص کا تقاضیٰ کرتا ہے اور یہی تو اللہ کا فضل ہے جس کو چاہتا ہے دیتا ہے، نبی کریم ﷺ نے فرمایا، جب دو مسلمان اپنی اپنی تلواروں کے ساتھ مقابل ہوتے ہیں تو قاتل ومقتول دونوں جہنمی ہیں، صحابہؓ نے عرض کیا یہ قاتل (اس کا جہنمی ہونا تو سمجھ میں آتا ہے) مقتول کیوں؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا، وہ بھی اپنے مسلمان بھائی کے قتل کا ارادہ رکھتا تھا، تو دونوں نفسِ

دخول جہنم میں تو مستوی و برابر ہے (لیکن) ان دونوں کا درجہ اور مقدارِ عذاب میں برابر ہونا لازم نہیں آتا، پس تو الفاظِ رسول کو اس کا حق عطا کردے اور الفاظ کو اس کے درجہ میں اتار دے تو تیرے سامنے مراد ظاہر ہو جائے گی۔

اور اس کو مزید واضح کرتی ہے یہ حدیث کہ فقراء مہاجرین نے نبی کریم ﷺ سے شکویٰ کیا اور فرمایا اے اللہ کے رسول ﷺ یہ مالدار حضرات اجر و ثواب میں آگے بڑھ گئے، وہ حضرات بھی نماز پڑھتے ہیں جس طرح ہم پڑھتے ہیں، وہ لوگ روزہ رکھتے ہیں جس طرح ہم رکھتے ہیں، ان کے لئے مال (کی وجہ) سے فضیلت ہے کہ وہ اس کے ذریعہ حج بھی کرتے ہیں، عمرہ بھی کرتے ہیں، جہاد کرتے ہیں اور صدقہ و خیرات بھی کرتے ہیں، تو آپ ﷺ نے فرمایا، کیا میں تم کو ایک چیز نہ بتاؤں تو تم (ثواب میں) اپنے پہلوں کو پالوگے، اور اپنے بعد والوں سے (ثواب میں) سبقت لیجاؤگے، اور تم سے افضل کوئی نہیں ہوگا! سواءِ اس شخص کے جو وہی عمل کرے جو تم کروگے، تو صحابہ رضی اللہ عنہم نے فرمایا، کیوں نہیں اے اللہ کے رسول ﷺ ضرور بتائیں! تو آپ ﷺ نے فرمایا، ہر (فرض) نماز کے بعد ۳۳ مرتبہ سبحان اللہ، الحمد للہ، اللہ اکبر، پڑھو، پھر (چند دنوں کے بعد) فقراءِ مہاجرین نبی کریم ﷺ کے پاس واپس آئے اور کہا، ہمارے مالدار بھائیوں نے ہم کو یہ ورد پڑھتے ہوئے سن لیا، تو وہ بھی اسی طرح پڑھنے لگے ہیں، تو آپ ﷺ نے فرمایا: ﴿ذَالِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيهِ مَنْ يَشَآءُ﴾ یہ اللہ کا فضل ہے وہ جسے چاہتا ہے عطا کرتا ہے! تو اگر یہ فقراءِ مہاجرین محض نیت کرنے سے ہی مالداروں کے اجر کی مقدار میں شریک ہوجاتے ہوتے تو نبی کریم ﷺ ان کو یہ فرما دیتے کہ تم لوگ نیت کرلو، کہ (اگر تمہارے پاس مال ہوتا تو) تم وہی کرتے جو یہ مالدار صحابہ کرتے ہیں، تو ان کے اجر کی مقدار میں اجر و ثواب حاصل کرلوگے! تو جب فقراء صحابہ کو اس صدقہ کا ثواب اور آزاد کرنے کا ثواب اور حج و عمرہ کا ثواب جو ان سے فوت تھا اس کا عوض نبی کریم ﷺ نے وہ تسبیح اور ذکر بتادیا جس سے اس کا تدارک ہوجاتا ہے تو اس سے معلوم ہوا کہ مالدار صحابہ کو فقراء پر انفاق وصدقات کے سبب فضیلت حاصل تھی، پھر جب مالدار صحابہ فقراء کے ساتھ ذکر تسبیح میں بھی شریک ہوگئے تو انفاق وصدقات کی زیادتی علیٰ حالہ باقی رہی، لہٰذا فقراء صحابہ نے رسول اللہ ﷺ سے شکایت کی کہ امتیاز تو ختم نہ ہوا، اور وہ حضرات بھی ہمارے ساتھ ذکر و تسبیح میں برابر کے شریک ہوگئے جیسے نماز روزہ میں شریک تھے تو نبی کریم ﷺ نے ان کو بتایا کہ یہ تو اللہ کا فضل ہے وہ جسے چاہتا ہے عطا کرتا ہے، تو اگر فقراء کے لئے من کل وجوہ نیت وقول کے ذریعہ مالداروں کے ساتھ مساوی ہونے کی کوئی راہ ہوتی تو نبی کریم ﷺ ضرور بتاتے۔

فقراء حضرات فرماتے ہیں کہ یہ حدیث ہماری دلیل ہے اگر اس کو کما حقہ سمجھے اور وہ اس طور پر کہ اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ اگر چہ وہ مالدار حضرات ایمان واسلام میں اور نماز وروزہ میں تمہارے مساوی ہے پھر وہ تم سے انفاق وصدقات کے سبب افضل ہیں تو تکبیر وتحمید وتسبیح میں (وہ ثواب ہے) جو تم کو ان کے درجات میں شریک کردے گا اور تم لوگ ان کے ساتھ حسنِ نیت سے برابر ہو کہ اگر تم سے ہوسکتا تو تم بھی ان کی طرح انفاق وصدقہ کرتے! اور بعض الفاظِ حدیث میں ہے، اگر تم اس ذکر کو اختیار کرلو گے تو تم اپنے پہلوں سے سبقت کر جاؤ گے، اور تمہارے بعد والے تمہارے درجہ کو نہیں پہونچ سکیں گے! اور یہ دلیل ہے اس بات پر کہ اغنیاء ان فقراء کے درجہ کو نہیں پہونچ سکیں گے! اگر چہ وہ بھی انہی کہ طرح ذکر کرنے لگے! اور آپ ﷺ کا یہ فرمان کہ ﴿ذَالِكَ فَضْلُ اللّٰهِ الخ﴾ اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا فضل ان فقراء کے علاوہ صرف تم ہی پر منحصر نہیں بلکہ جس طرح اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے تم کو ذکر (کی دولت) عطا کی اسی طرح وہ ان کو بھی عطا کرے گا جبکہ وہ لوگ تمہاری ہی طرح عمل (ذکر) کرنے لگے! بس تم (اغنیاء) نے فضیلتِ خاص سمجھ لی ہے اور تم نے اس کو بے موقع استعمال کیا ہے، حالانکہ اس کا معنیٰ عموم وشمول ہے، اور اللہ کا فضل عام ہے اور اغنیاء وفقراء سب کو شامل ہے بس تم اس کو اپنے ہی لئے خاص مت کرو، لہٰذا اس حدیث سے تمہاری ہم پر کوئی فضیلت ثابت نہیں ہوتی۔

یہ حضرات (فقراء) فرماتے ہیں کہ اللہ کے رسول ﷺ کا قول ﴿ذالك فضل الله﴾ تین باتوں کا احتمال رکھتا ہے، (اوّل) وہ حضراتِ اغنیاء تم (فقراء) سے انفاق کی وجہ سے سبقت لے گئے! (دوم) تم (فقراء) فضیلت ذکر میں ان اغنیاء کے ساتھ برابر ہو، لہٰذا تم اس میں خاص نہیں بغیر مالداروں کے! اور (سوم) تم ان مالداروں سے نصف دن پہلے جنت میں داخل ہو گے! اور یہ احتمالِ سوم اگر چہ اس روایت میں مذکور نہیں (لیکن) دوسری بعض طُرقِ حدیث میں مذکور ہے، حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے وہ فرماتے ہیں، فقراء مہاجرین نے نبی کریم ﷺ سے شکایت کی ان فضائل کی جو ان کے مالداروں کو حاصل ہیں، پھر عرض کیا، اے اللہ کے رسول ﷺ ہمارے یہ مالدار بھائیوں نے ہماری تصدیق (ایمان) کی طرح تصدیق کی، اور ہمارے ایمان کی طرح ایمان لائے! اور وہ ہمارے روزوں کی طرح روزہ رکھتے ہیں اور ان کے پاس مال ہے جس سے وہ صدقہ کرتے ہیں، اور صلہ رحمی کرتے

ہیں، اور مال کو اللہ کی راہ میں خرچ کرتے ہیں، اور ہم تو مساکین ہے ہم ان اعمال پر قادر نہیں، تو نبی کریم ﷺ نے فرمایا: کیا میں تم کو ایسی چیز (عمل) نہ بتاؤں، جب تم اس کو کرنے لگو تو ان مالداروں جیسی فضیلت کو حاصل کرلو، تم لوگ ہر نماز کے بعد گیارہ مرتبہ اللہ اکبر، اور گیارہ مرتبہ الحمدللہ اور گیارہ مرتبہ لا الہ الا اللہ اور گیارہ مرتبہ سبحان اللہ پڑھو، تو تم ان کی فضیلت پالو گے! لہٰذا صحابہ نے اس عمل کو شروع کردیا پھر انہوں نے مالداروں سے اس کا ذکر کیا، تو انہوں نے بھی ان کی طرح عمل شروع کردیا، تو فقراء صحابہ نبی کریم ﷺ کے پاس واپس آئے، اور اس کا تذکرہ کیا، اور کہا ہمارے مالدار بھائیوں نے بھی ہماری طرح عمل (ذکر) شروع کردیا، تو نبی کریم ﷺ نے فرمایا، یہ اللہ کا فضل ہے جسے چاہے وہ عطا کرتا ہے! اے جماعت فقراء کیا میں تم کو اس بات کی بشارت وخوش خبری نہ دوں کہ مسلمانوں کے فقراء اپنے مالداروں سے نصف دن پہلے جنت میں داخل ہوں گے، اور نصف دن پانچ سو سال کا ہوگا، اور (اس کی سند کے ایک راوی) موسیٰ بن عبیدؒ نے اس آیت کو تلاوت فرمائی ﴿وَاِنَّ یَوْماً عِنْدَ رَبِّكَ كَاَلْفِ سَنَةٍ مِّمَّا تَعُدُّوْنَ﴾۔

راوی کہتے ہیں کہ یہ (حدیث) خبر واحد ہے اور کلامِ متصل ہے، الغرض نبی کریم ﷺ نے ان فقراء کے لئے اس بشارت کو اس وقت ذکر فرمایا، جب فقراء نے کہا کہ مالدار صحابہ قولِ (ذکر) میں ان کے مساوی وبرابر ہوگئے ہیں، تو اس بشارت سے شبہ ہوگیا کہ فضل فقراء کا مالداروں سے سبقت کرنے ہی کی طرف راجع ہے، اور یہ کہ اس بشارت کے ساتھ وہی فقراء حضرات مخصوص ہے، اس لئے کہ (دخولِ جنت میں) سبقت انہی کے لئے ہے نہ کہ دوسروں کے لئے! اگرچہ وہ سب (فقراء واغنیاء) قولِ (ذکر) میں مساوی وبرابر ہیں، اور وہ (فقراء) ان (مالداروں) کے ساتھ انفاق وخرچ میں نیت کے ذریعہ مساوی وبرابر ہیں، جیسے کہ حضرت کبشہ انماری رضی اللہ عنہ کی حدیث میں مذکور ہے! اور (سبقتِ دخولِ جنت کے ذریعہ) مالداروں پر فقراء کو برتری حاصل ہوئی۔

حضراتِ اغنیاء فرماتے ہیں، اے فقراء بلاشبہ تم نے اس حدیث کو اس کے مقصد سے اپنی جانب پھرنے میں بہت مبالغہ سے کام لیا ہے، حالانکہ یہ حدیث (ہماری) افضیلت کے بارے میں اس شخص کے سامنے صریح وواضح ہے جس کو منصفانہ نظر حاصل ہے، اس لئے کہ نبی کریم ﷺ کا قول ﴿ذَالِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيهِ مَنْ يَشَآءُ﴾ فقراء کے اس قول کے جواب میں صادر ہوا ہے جو فقراء نے کہا تھا کہ یہ اہلِ مال ہمارے ذکر میں

بھی ہمارے مساوی ہو گئے جس طرح وہ نماز وروزہ اور ایمان میں مساوی تھے اور انفاق وخرچ سے برتری (علی حالہ) باقی رہی اور ان (فقراء) کو کوئی چیز حاصل نہیں جو ان کو اس (برتری، فضیلت) میں شریک کر دے اور آپ نے ہم کو جس ذکر کی تعلیم فرمائی اس میں تو وہ لوگ بھی ہمارے شریک ہیں، تو آپ ﷺ نے اس وقت کہا تھا ﴿ذَالِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيهِ مَنْ يَشَآءُ﴾ اور یہ اپنے مقصد میں بالکل صریح اور واضح ہے، پھر جب فقراء مسلمین مالداروں کے انفاق پر حصولِ سبقت کا تحقق ہونے سے جس سے خود عاجز تھے دل برداشتہ ہوئے، تو نبی کریم ﷺ نے اس سبقت کی بشارت فرمائی کہ تم (فقراء) مالداروں سے پانچ سو سال پہلے جنت میں داخل ہوں گے! اور یہ سبقتِ (دخولِ جنت) اس غنٰی کی فضیلت اور انفاق کے مقابلہ میں ہے جو فقراء سے فوت ہے! لیکن اس سے ان فقراء کا مالداروں سے درجہ ومرتبہ میں بلند واعلیٰ ہونا لازم نہیں آتا، اس لئے کہ وہ ستر ہزار لوگ جو جنت میں بغیر حساب وکتاب کے داخل ہوں گے تو حساب کے لئے کھڑے رہنے والوں میں سے بہت سے حضرات ان (بے حساب داخل ہونے والوں میں سے) اکثر سے افضل واعلیٰ درجہ کے ہوں گے۔

یہ حضرات (اغنیاء) فرماتے ہیں کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے اپنی کتاب قرآن مجید میں بہت سے مقامات میں مال کو لفظِ خیر سے تعبیر فرمایا ہے، جیسے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿كُتِبَ عَلَيْكُمْ اِذَا حَضَرَ اَحَدَكُمُ الْمَوْتُ اِنْ تَرَكَ خَيْرًا الْوَصِيَّةُ﴾ اور اللہ تعالیٰ کا قول ﴿اِنَّهُ لِحُبِّ الْخَيْرِ لَشَدِيْدٌ﴾ اور نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ﴿ان الخير لا يأتى الا بالخير﴾ اور اللہ تعالیٰ کی نافرمانی اور معصیت میں خرچ کرنا مال میں شر کو لاتی ہے نفسِ مال شر نہیں ہے! اور تو جان لے کہ اللہ تعالیٰ نے مال کو لوگوں کے لئے مایۂ زندگی قرار دیا ہے، اور اس کی حفاظت کا حکم دیا ہے، اور اس بات سے روکا ہے کہ مال عورتوں اور اولاد وغیرہ میں سے جو کم عقل ہے ان کو سپرد کیا جائے! اور نبی کریم ﷺ نے اپنے قول ﴿نِعْمَ الْمَالُ الصَّالِحُ مَعَ الْمَرْءِ الصَّالِحِ﴾ میں مال کی تعریف فرمائی ہے، حضرت سعید بن مسیّب فرماتے ہیں کہ اس شخص میں کوئی خیر وبھلائی نہیں جو اپنی حلال کمائی سے مال کو جمع کرنے کا ارادہ نہ رکھتا ہو، مال کے ذریعہ اپنے چہرے کو لوگوں سے (مانگنے سے) باز رکھے، اور مال کے ذریعہ صلہ رحمی کرے اور مال کا حق ادا کرے، ابو اسحاق سبیعی فرماتے ہیں، صحابہ کرام (مالی) وسعت کو دین پر (سبب) اعانت ونصرت جانتے تھے، محمد بن منکدرؒ فرماتے ہیں کہ مال بہتر معین ہے متقی مالدار کے لئے، سفیان ثوریؒ فرماتے ہیں کہ ہمارے اس زمانے میں مال مؤمن کا ہتھیار رہے، یوسف بن سباطؒ فرماتے ہیں کہ جب سے دنیا کی تخلیق ہوئی ہے

اس وقت سے کسی زمانہ میں مال اتنا نافع ومفید نہیں رہا جتنا اس زمانہ میں (نافع ومفید) ہے، اور مال گھوڑے کے مثل ہے، آدمی کے لئے اجر بھی ہے، آدمی کے لئے پردہ بھی ہے اور آدمی پر وبال بھی ہے۔

یہ حضراتِ اغنیاء فرماتے ہیں، اللہ تعالیٰ نے مال کو بدن کی حفاظت کا سبب قرار دیا ہے اور بدن کی حفاظت نفس (دل) کی حفاظت کا سبب ہے اور نفس اللہ کی معرفت اور ایمان کا اور اللہ کے رسولوں کی تصدیق اور اللہ کی محبت کا اور اس کی طرف انابت ورجوع کا محل ومرکز ہے، اور یہی (معرفت ومحبت وغیرہ) دنیا وآخرت کی آبادی کا سبب وذریعہ ہے اور بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے اس شخص کی مذمت فرمائی ہے جو مال کو بلاوجہ صرف کرتا ہے اور مال کو حقوق اللہ کے علاوہ میں خرچ کرتا ہے اور مال صاحبِ مال کو غلام بنالے اور اس کے دل کا مالک بن جائے اور اس کو اللہ اور دارِ آخرت سے غافل کردے (اس کی بھی مذمت فرمائی ہے) پھر اللہ تعالیٰ نے اس بات کی بھی مذمت فرمائی ہے کہ صاحبِ مال مال کو مقاصدِ فاسدہ کے حصول کا وسیلہ اور ذریعہ بنائے، یا اچھے مقاصد سے غافل ہوجائے! تو مذمت فاعل (کرنے والے کی) ہے نہ کہ اس چیز کی جس کو استعمال کیا جارہا ہے، نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ﴿تعس عبد الدينار وتعس عبد الدرهم﴾ دینار کا غلام ہلاک ہو درہم کا پجاری برباد ہو، تو مذمت درہم ودینار کے غلام کی ہے نہ کہ ان دونوں کی۔

امام احمدؒ یزید بن میسرہ سے روایت فرماتے ہے وہ فرماتے ہیں کہ اگلے لوگوں میں ایک آدمی تھا، جو مال کو جمع کرتا تھا، اور بخیلی کرتا تھا، پھر وہ اپنے نفس کی طرف متوجہ ہوا، اس حال میں کہ وہ اپنے اہل وعیال میں تھا، اور کہا کیا ہی آسودہ حال زندگی ہے ...... اچانک ملک الموت آئے، اور ایک مسکین وفقیر کی صورت میں دروازہ کھٹکھٹایا، تو گھر والے اس کے پاس آئے تو ملک الموت نے کہا صاحبِ خانہ کو میرے پاس بلاؤ، تو انہوں نے کہا کہ کیا تم جیسے کے لئے ہمارے آقا بہار آئیں گے، پھر ملک الموت نے تھوڑی دیر انتظار کیا، واپس دروازہ کھٹکھٹایا، اور پہلے ہی کی طرح معاملہ ہوا، اور ملک الموت نے کہا اس سے کہو کہ میں ملک الموت ہوں، تو جب ان کے سردار نے سنا تو گھبرا کر بیٹھ گیا اور کہا تم لوگ اس سے نرمی سے بات کرو، انہوں نے کہا اے ملک الموت کیا ہمارے آقا کے علاوہ کسی اور کے پاس نہیں جاسکتا؟ (اس کی جگہ کسی اور کو لیجا) اللہ تجھے برکت دے، تو ملک الموت نے کہا، نہیں! پھر اس سردار کے پاس آیا، اور کہا، کھڑا ہو، اور وصیت کردے جو کچھ بھی وصیت کرنی ہو، میں (گھر

سے) نکلنے سے قبل تیری روح قبض کرنے والا ہوں، راوی کہتے ہیں، اس کے گھر والے چیخنے چلّانے لگے اور رونے لگے، پھر اس آدمی نے کہا، صندوق کھولو، اور مال کی تیجوریوں کو کھولو، تو لوگوں نے ان سب کو کھولا، تو وہ آدمی مال کی طرف متوجہ ہو کر اس پر لعن وطعن کرنے لگا، کہنے لگا میں مال پر لعنت کرتا ہوں تو وہی ہے جس نے مجھ کو میرے رب سے بھولا دیا، اور مجھ کو اعمالِ آخرت سے غافل کر دیا، یہاں تک کہ میری موت کا وقت آ گیا، تو مال اس سے کلام کرنے لگا، اور کہا مجھ کو سبّ وشتم مت کر، کیا لوگوں کی نظروں میں تو حقیر وذلیل نہیں تھا پھر میں نے تجھ کو باعزت کر دیا! کیا تو نے اپنے آپ پر میرا اثر نہیں دیکھا، کیا بادشاہوں اور امراء کی مجالس میں حاضر نہیں ہوتا تھا کہ (ان کے پاس) داخل ہو جائے! اور اللہ کے نیک بندے بھی (ان کے پاس) حاضر ہوتے تھے تو وہ داخل نہیں ہوتے تھے! اور کیا تو بادشاہوں اور امراء کی صاحب زادیوں کو پیغامِ نکاح نہیں دیتا تھا کہ پھر تجھ سے نکاح کر دیا جاتا، اور اللہ کے نیک بندے پیغامِ نکاح دیتے تھے تو وہ نکاح نہیں کیا جاتا تھا، کیا تو مجھے بری راہوں میں خرچ نہیں کرتا تھا تو میں نے تیری نافرمانی نہیں کی! اور اگر تو مجھے اللہ کی راہ میں خرچ کرتا تو میں کیوں تیری نافرمانی کرتا؟ مجھ سے زیادہ تو قابلِ ملامت ہے، بلاشبہ میں اور تو اے اولادِ آدم مٹی سے پیدا کئے گئے ہیں، تو میں نیکی کے ساتھ بھی چلنے والا ہوں اور گناہ کے ساتھ بھی چلنے والا ہوں بس اسی طرح مال کہتا رہے گا، بس تم اس سے پرہیز کرو۔

حدیثِ قدسی میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں، تمہارے تمام مال ودولت ہماری ہی طرف لوٹنے والے ہیں، اس کے ذریعہ نیک بخت چاہے تو نیک بخت ہو جاوے اور بد بخت چاہے تو بد بخت ہو جاوے۔

یہ حضرات فرماتے ہیں کہ مال کے فوائد میں سے یہ بھی ہے کہ اسی سے عبادت وطاعات کا قوام ہے اور اسی سے حج وجہاد کی نیکی کا تنا قائم ہوتا ہے اور اسی سے واجب ومستحب وصدقات (کی ادائیگی) کا حصول ہوتا ہے اور اسی سے غلاموں کو آزاد کرنے کی، وقف کرنے کی، مساجد وپُل وغیرہ کی تعمیرات کی عبادت حاصل ہوتی ہے، اور اسی سے اس نکاح کی ادائیگی ہوتی ہے جو نکاح نوافل کے لئے گوشہ نشینی سے افضل ہے اور اسی پر مروّت وانسانیت کا تنا قائم ہے، اور اسی سے جود وسخا کی صفت ظاہر ہوتی ہے، اور اسی سے اسباب اور سامان کی ادائیگی ہوتی ہے، اور اسی سے بھائی اور دوست کسبِ (حلال) کرتے ہیں، اور اسی مال کے ذریعہ نیک لوگ بلند درجوں پر اور ان لوگوں کے مرتبوں پر پہونچ جاتے ہیں جن پر اللہ نے اپنا انعام فرمایا، بس یہ مال سیڑھی ہے

جس سے جنت کے اعلیٰ درجوں پر چڑھا جاتا ہے اور اسی سے اسفل السافلین میں بھی گیرا جاتا ہے، اور مال ہی بزرگ کی بزرگی کو قائم رکھنے والا ہے، بعض سلف صالحین فرمایا کرتے تھے، بزرگی اور شرافت تو کارناموں ہی سے حاصل ہوتی ہے اور کارنامے مال ہی سے ظہور پزیر ہوتے ہیں! اور بعض فرمایا کرتے تھے اے اللہ تو ہم کو ان بندوں میں شامل کردے جن کے لائق غناء ہی ہے۔

اور مال اللہ تعالیٰ کا اپنے بندے سے راضی ہونے کے اسباب میں سے ایک سبب ہے، جیسے کہ مال ناراضگی کے اسباب میں سے ایک سبب ہے، اور (جیسے) ان تین شخصوں (کا واقعہ ہے) کو جن کو اللہ تعالیٰ نے مال کے ذریعہ آزمایا تھا، ایک کوڑھی تھا دوسرا گنجا تھا تیسرا اندھا تھا، تو اندھے نے مال کے ذریعہ اللہ کی رضاء حاصل کی، اور ان دونوں نے مال کے ذریعہ اللہ کی ناراضگی حاصل کی (اس سے تین شخصوں کے واقعہ کی طرف اشارہ ہے)۔

اور جہاد تو اعمال کی بلند و بالا چوٹی ہے، اور جہاد تو کبھی نفس کے ذریعہ ہوتا ہے، اور کبھی مال کے ذریعہ اور بسا اوقات جہاد بالمال زیادہ دشمن کو زیر کرنے والا اور نافع ہوتا ہے، اور کس چیز نے حضرتِ عثمان رضی اللہ عنہ کو حضرت علی رضی اللہ عنہ پر فضیلت بخشی! حالانکہ حضرت علی رضی اللہ عنہ اکثر جہاد بالنفس کرنے والے اور ایمان لانے میں بھی حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے سابق ہے؟ اور یہ حضرت زبیر رضی اللہ عنہ اور حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ دیگر تمام صحابہ سے افضل ہے، (محض) کثرتِ غنا کی وجہ سے، اور ان دونوں (حضرت زبیر وعبدالرحمٰن) کا اثر ورسوخ اہلِ صفاء کے اثر ورسوخ سے افضل واعظم ہے۔

اور بلا شبہ نبی کریم ﷺ نے مال کو ضائع کرنے سے روکا ہے اور اس بات سے آگاہ فرمایا ہے کہ آدمی کا اپنے ورثاء کو غنی و مالدار چھوڑنا یہ ان کو فقیر ومحتاج چھوڑنے سے بہتر ہے، اور اس بات سے بھی مطلع فرمایا کہ صاحبِ مال جب کسی مال کو محض اللہ کی خوش نودی کے لئے خرچ کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کی وجہ سے ایک درجہ ومرتبہ زیادہ کرتے ہیں، اور نبی کریم ﷺ نے فقر سے پناہ چاہی ہے، اور فقر کو کفر کے ساتھ ملایا اور فرمایا: ﴿**اللھم انی اعوذبك من الكفر والفقر**﴾ اس لئے کہ خیر و بھلائی دو طرح کی ہے ایک آخرت کی خیر و بھلائی جس کی ضد کفر ہے، اور دوم دنیا کی خیر و بھلائی اور اس کی ضد فقر ہے، لہٰذا فقر عذابِ دنیا کا سبب ہے اور کفر عذابِ آخرت کا سبب ہے، اور اللہ تعالیٰ نے زکوٰۃ کو ادا کرنا اغنیاء و مالدار کا عمل قرار دیا ہے اور اس کو لینا فقراء کا عمل قرار دیا ہے، اور ان دونوں عمل کے مابین شرعاً و شرفاً دونوں اعتبار سے فرق ہے اور دینے والے کے ہاتھ کو لینے والے کے ہاتھ سے اعلیٰ قرار دیا ہے، اور

مالِ زکوٰۃ کو مال کا میل کوچیل قرار دیا ہے، اسی وجہ سے وہ (زکوٰۃ) مخلوق میں سب سے زیادہ پاک ہستی اور ان کے آل پر حرام قرار دیا ہے محض ان کی حفاظت اور ان کے درجات کی شرافت و رفعت کے پیشِ نظر۔

اور ہم اس بات کا انکار نہیں کرسکتے کہ نبی کریم ﷺ پہلے نادر تھے پھر اللہ نے آپ کو غنی کردیا، اور اللہ تعالیٰ نے آپ پر (مال کے دروازوں کو) کھول دیا، اور آپ کو خوب عطا فرمایا، اور آپ پر دنیا کو وسیع کردیا، اور آپ ﷺ اپنی ازواج مطہرات کے لئے ایک سال کا پیشگی نفقہ جمع کردیتے تھے! اور آپ ﷺ اتنا مال عطیہ کے طور عطا کرتے تھے جتنا آپ کے علاوہ کوئی اور عطا نہیں کرتا تھا! اور آپ ﷺ اتنا دیتے تھے کہ اس آدمی کو فقر کا خوف نہیں رہتا تھا، اور آپ ﷺ دنیاءِ فانی سے پردہ فرماگئے اور آپ اپنے پیچھے فدک اور نضیر کے باغات اور وہ اموال جس کو اللہ نے صرف آپ ﷺ کے لئے مخصوص کئے تھے یہ سب چھوڑ گئے! اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿مَا اَفَاءَ اللّٰهُ عَلٰى رَسُوْلِهٖ مِنْ اَهْلِ الْقُرٰى فَلِلّٰهِ وَلِلرَّسُوْلِ﴾ تو اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے آپ ﷺ کو اس فقر ومحتاجگی سے پاک رکھا تھا جس میں صدقہ (وغیرہ) لینا جائز ہوتا ہے، اور اللہ تعالیٰ نے جس مال سے آپ ﷺ کو بچائے رکھا تھا اس کے عوض سب سے اشرف وحلال اور افضل مال عطا کیا، اور وہ مال وہ ہے جو نبی کریم ﷺ نے اپنے نیزہ وتلوار سے اللہ کے ان دشمنوں سے حاصل کیا ہو جن کے قبضہ میں اللہ کا مال ظلم ودشمنی کے طور پر تھا، اس لئے کہ مال کی تخلیق اس لئے کی گئی ہے کہ اس سے اللہ کی اطاعت پر مدد طلب کی جائے، اور وہی مال کفار وفجّار کے قبضہ میں ظلم وعداوت کے طور پر تھا، لہٰذا وہ مال جب اپنے مالک اور اہلِ طاعت کے پاس پہونچ جائے گا تو جس کے لئے پیدا کیا گیا تھا وہی پہونچ گیا، لیکن نبی کریم ﷺ کا غناء ومالداری اور مال کی ملکیت دنیا کے مالداروں ومالکوں جیسی نہیں تھی! اس لئے کہ لوگ چیزوں کے ذریعہ مالدار ہوتے ہیں، اور نبی کریم ﷺ چیزوں سے مستغنی ہوکر مالدار ہوتے ہیں، نبی کریم ﷺ تو بلند پایہ غنی تھے، اور لوگوں کی ملکیت تو اس طور پر ہے کہ وہ اس میں اپنی منشاء کے مطابق تصرف کرتے ہیں، اور نبی کریم ﷺ اپنی ملکیت میں تصرف اس غلام وبندہ کے تصرف کی طرح کرتے ہیں جو بندہ اپنے آقا کے حکم کے بغیر تصرف نہ کرتا ہو۔

اور فقہاء کا مالِ فئی کے بارے میں اختلاف ہے کیا وہ مالِ فئی نبی کریم ﷺ کی ملکیت تھی؟ تو اس کے بارے میں دو قول ہیں اور وہ دونوں امام احمدؒ سے مروی ہے اور تحقیق یہ ہے کہ آپ ﷺ کی ملکیت ایک خاص قسم کی ملکیت تھی، اور وہ یہ ہے کہ آپ ﷺ اس طور پر مالک تھے کہ اس میں حکمِ الٰہی سے تصرف کرتے تھے، جیسے کہ نبی

کریم ﷺ نے فرمایا ہے ﴿وَاللّٰہِ لَا اُعطِیْ اَحداًوَلَا اَمْنَعُ اَحداًاِنَّمَا اَنَاقَاسِمٌ اَضَعُ حَیْثُ اُمِرْتُ﴾ اور یہ آپ ﷺ کے رتبۂ عبدیت کے کمال کی دلیل ہے، اور اسی وجہ سے آپ ﷺ کا کوئی وارث نہیں بن سکتا اس لئے کہ آپ ﷺ اپنے رب عزوجل کے ہر اعتبار سے بندے تھے اور بندہ (غلام) کا کوئی مال نہیں ہوتا کہ اس سے میراث تقسیم کی جائے۔

(الغرض) اللہ تعالیٰ نے آپ میں غناء وفقر کے اعلی واشرف اقسام کو جمع فرمایا، اور کمال کے تمام مراتب کو آپ کے لئے مکمل فرمایا، لہٰذا دونوں جماعتوں میں سے کسی کو دوسرے پر کوئی (افضلیت ثابت کرنے کا) حق نہیں ہے۔

بس نبی کریم ﷺ اپنے فقر میں مخلوق میں سب سے زیادہ صابر وشاکر تھے اسی طرح غناء میں بھی تھے! اور اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو اغنیاء وفقراء کا مقتدا قرار دیا ہے، اور کونسا مالدار اس غنی سے افضل ہوگا جس پر زمین کے خزانوں کی کنجیاں پیش کی گئی ہو اور اس پر یہ بات پیش کی گئی ہو کہ آپ کے لئے صفا پہاڑی کو سونا بنادیا جائے، اور اس بات میں اختیار دیا گیا ہو کہ یا تو آپ بادشاہ ونبی ہو یا بندے اور نبی ہو اور آپ نے اس بات کو اختیار کرلیا کہ (میں) بندہ ونبی رہوں گا! اور اس کے باوجود جزیرۂ عرب کے اور یمن کے مال ودولت آپ کو پیش کئے گئے! تو آپ نے ان سب (مال ودولت) کو (اللہ کی راہ میں) خرچ فرمادیا، اور اس میں سے اپنے لئے کوئی چیز نہیں رکھی، بلکہ مسلمانوں کے عیال کا خرچ اور ان کے قرض کی ذمہ داری خود اٹھالی، لہٰذا نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ﴿مَنْ تَرَكَ مَالاًفَلِوَرَثَتِهٖ وَمَنْ تَرَكَ كَلًّا فَاِلَیَّ وَعَلَیَّ﴾ پھر اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ کے درجہ کو اس سے بلند رکھا کہ آپ ان فقراء کے زمرہ میں ہوجائیں جن کے لئے صدقہ حلال ہوجاتا ہے، جس طرح کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو اس سے منزہ رکھا کہ آپ ﷺ ان مالدار واغنیاء کے زمرہ میں ہوجائیں جو ان مالوں کے ذریعہ غنی ہے جس میں میراث جاری ہو بلکہ آپ ﷺ ان تمام سے مستغنی ہے، اور آپ ﷺ کا قلب ہر غناء سے زیادہ غنی ہے، اور آپ ﷺ پر مال بے انتہاء وسیع کردیا، تو آپ ﷺ نے بے انتہاء انفاق وخرچ بھی کیا، اور آپ ﷺ نے بڑے بڑے عطایا عطا کئے، اور نہ کچھ مال اپنے لئے بچا کر رکھا اور نہ اس سے کوئی زمین وجائداد کو حاصل کیا، اور نہ آپ ﷺ نے (بعد الوفات) بکری چھوڑی اور نہ اونٹ چھوڑا اور نہ غلام باندی اور نہ درہم ودینار چھوڑا۔

لہٰذا جب غنی شاکر نبی کریم ﷺ کی حالت سے استدلال کرتا ہے تو اس کے لئے یہ استدلال اسی وقت ممکن ہے جب وہ نبی کریم ﷺ کے شکر کی طرح شکر کرے، اسی طرح فقیر صابر جب نبی کریم ﷺ کے حال سے استدلال کرتا ہے تو یہ بھی اسی وقت ممکن ہے جب وہ بھی نبی کریم ﷺ کے صبر کی طرح صبر کرے، اور دنیا کو اختیاراً ترک کرے نہ کہ اضطراراً، لہٰذا رسول اللہ ﷺ نے تو فقر اور غناء دونوں کے درجوں کو پوری حقیّت اور عبدیت کے ساتھ ادا کر دیا، نیز اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے نبی کریم ﷺ کے وسیلہ ہی سے فقراء کو غنی بنا دیا، لہٰذا آپ ﷺ کی امت نے غناء و مالداری آپ ہی کے صدقہ میں حاصل کی! اور لوگوں میں سب سے بڑا غنی وہ ہے جس کی وجہ سے دوسرا غنی ہو جائے۔

حضرت علی بن ابی رباحؒ فرماتے ہیں کہ میں مسلمہ بن مخلد الانصاری کے پاس تھا اور وہ ان دنوں مصر کے گورنر تھے اور حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ ان کے ساتھ تشریف فرما تھے، تو مسلمہ نے ابو طالب کے اشعار میں سے ایک شعر بطورِ نمونہ پیش کیا اور کہا، آج اگر ابو طالب اللہ کی ان (عطا کردہ) نعمتوں اور عزت و اکرام کو دیکھتے جس میں آج ہم ہیں تو وہ یقین کر لیتے کہ ان کا بھتیجا (آپ ﷺ) سردار ہیں جو بھلائی اور خیر ہی کو لے کر آئیں ہے، تو حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ نے فرمایا، اور اس دن بھی نبی کریم ﷺ سردار و کریم ہی تھے جو اچھائی و خیر ہی لے کر آئے تھے، تو مسلمہ نے کہا، کیا اللہ تعالیٰ نے یہ نہیں فرمایا: ﴿اَلَمْ يَجِدْكَ يَتِيْمًا فَاٰوٰى. وَوَجَدَكَ ضَالًّا فَهَدٰى. وَوَجَدَكَ عَائِلًا فَاَغْنٰى﴾ تو حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا، کہ یتیم ہونا تو نبی کریم ﷺ والدین کے اعتبار سے تھے اور عیلۃ (فقر و محتاجگی) تو جو کچھ بھی اہلِ عرب کے پاس تھا وہ کم ہی تھا (سب کے سب فقر و افلاس میں تھے) مگر کچھ لوگ! حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں، تمام اہلِ عرب کے پاس بہت کم مال تھا یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ پر اور ان لوگوں پر جو اسلام لائے اور اسلام میں فوج در فوج داخل ہوئے، فتوحات کے دروازے کھول دیئے (یعنی سب کو غنی کر دیا) پھر نبی کریم ﷺ دنیا سے رخصت ہو گئے مگر دنیا کی کسی چیز سے تعلق نہ ہوا، اور آپ ﷺ تشریف لے گئے، اور سب کچھ چھوڑ گئے اور مال سے اور مال کے فتنوں سے بچ گئے! اور فرمایا اللہ تعالیٰ کا قول ﴿وَلَسَوْفَ يُعْطِيْكَ رَبُّكَ فَتَرْضٰى﴾ کا مطلب یہ ہے کہ دنیا (کوئی ایسی چیز نہیں ہے کہ) اس سے اللہ آپ کو راضی کرتا، (جبکہ) نبی کریم ﷺ خود اپنی پوری امت کے لئے اس سے راضی نہیں، اور نبی کریم ﷺ تو

اس سے ڈرتے تھے اور آپ ﷺ پر اس کو پیش کیا گیا تو آپنے (قبول کرنے سے) ان کار کر دیا، بلکہ یہ تو وہ ثواب ہے جو آپ کو دیا جائے گا، اور آپ ﷺ پر اور آپ کی امت پر قیصر و کسری کی حکومت کا فتح ہونا اور لوگوں کا دینِ اسلام میں داخل ہونا اور دین کا (ہر سوء) ظاہر ہونا تو یہ اللہ تعالیٰ کا آپ ﷺ سے محبت و رضاء (کی وجہ سے) ہے۔

حضرت سفیان ثوریؒ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت فرماتے ہیں، نبی کریم ﷺ نے فرمایا، میں ان حکومتوں کو دیکھ رہا ہوں جو میرے بعد یکے بعد دیگرے مفتوح ہوں گی، اس بات نے مجھے بہت خوش کر دیا، تو یہ سورت نازل ہوئی ﴿وَالضُّحٰى. وَاللَّيْلِ اِذَا سَجٰى﴾ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: مجھے موتی کے ہزاروں محل عطا کئے گئے ہیں جس کی مٹی مشک ہے ہر محل میں وہ (حور و خدّام) ہیں جو اس کے شایانِ شان ہے۔

یہ حضرات فرماتے ہیں اور جو کچھ تم نے زہد فی الدنیا اور دنیا کے قلّت (حصول) کو ذکر کیا ہے تو وہ زہد غناء کے منافی نہیں بلکہ غنی کا زہد یہ فقیر کے زہد سے کامل و اکمل ہے اس لئے کہ غنی قدرت و طاقت (کے باوجود) زہد اختیار کرتا ہے اور فقیر عجز کی وجہ سے زہد اختیار کرتا ہے اور ان دونوں کے مابین مشرق و مغرب کا بُعد ہے اور نبی کریم ﷺ حالتِ غناء میں لوگوں میں سب سے زیادہ زاہد تھے، اور اسی طرح حضرت ابراہیم علیہ السلام کثیر المال تھے اور لوگوں میں سب سے زیادہ زاہد فی الدنیا تھے۔

ترمذی شریف میں حضرت ابو ذر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے نبی کریم ﷺ نے فرمایا: زہد فی الدنیا حلال کو حرام بنانے اور مال کو ضائع کرنے کا نام نہیں ہے بلکہ زہد یہ ہے کہ جو کچھ تیرے پاس (مال و دولت) ہے اس پر اعتماد نہ کرے بلکہ اس پر اعتماد کرے جو اللہ کے پاس ہے، اور زہد یہ ہے کہ جب تجھ پر کوئی مصیبت پڑے تو تو اس مصیبت میں ثواب کا طالب ہو اور اگر وہ مصیبت تیرے لئے باقی رکھی جائے تو اس میں بہت راغب ہو۔

حضرت امام احمدؒ سے پوچھا گیا اس آدمی کے بارے میں جس کے پاس ایک ہزار دینار ہو تو کیا وہ زاہد ہے؟ تو حضرت امام احمدؒ نے فرمایا: ہاں بشرطیکہ جب مال زیادہ ہو جائے تو خوشی نہ ہو اور جب مال کم ہو جائے تو غم نہ ہو۔

بعض سلف صالحین فرماتے ہیں زاہد وہ شخص ہے کہ حلال (مال) اس کے شکر کو مغلوب نہ کرے اور حرام (مال) اس کے صبر کو مغلوب نہ کر دے۔

اور یہ بہترین حد ہے جس کی حقیقت صبر و شکر سے مرکب ہے بس وہ شخص زاہد کہلانے کا مستحق نہیں جو ان

دونوں سے متصف نہ ہو، لہٰذا وہ شخص جس پر حلال مال وسیع کردیا جائے تو اس شخص کا شکر غالب آجائے اور جب اس کو حرام مال پیش کیا جاوے تو اس کا صبر غالب آجائے، تو وہ حقیقت میں زاہد ہے، برخلاف وہ شخص کہ حلال مال اس کے شکر پر غالب آجائے اور حرام مال اس کے صبر پر غالب آجائے، تو اس کا شکر و صبر مغلوب ہے تو یہ شخص زاہد بھی نہیں۔

میں (علامہ ابن قیم) نے شیخ الاسلام (ابن تیمیہؒ) سے سنا ہے وہ فرماتے ہیں کہ تیرا اس چیز کو ترک کردینا جو نافع نہیں ہے یہ زہد ہے اور اس چیز کو ترک کرنا جو مضر ہے تقویٰ ہے۔

(الغرض) زہد دنیا سے فارغ البال ہونا ہے نہ کہ دنیا سے فارغ ہاتھ! اور اس کے مقابل حرص و طمع ہے، اور وہ تین قسم پر ہے، زھد فی الحرام (حرام چیزوں سے بے رغبتی) ''زھد فی الشبھات والمکروھات'' (مشتبہ و مکروہ چیزوں سے پرہیز) زھد فی الفضلات (بے کار اور فضول چیزوں سے پرہیز) تو پہلی قسم فرض ہے، دوسری فضیلت ہے اور تیسری قسم پہلی دو قسموں کے درمیان ہے درجاتِ شبہہ کے اعتبار سے! اور (قسم سوم) مضبوط ہوجائے تو پہلی قسم کے ساتھ لاحق ہوجاتی ہے ورنہ تو قسم سوم کے ساتھ لاحق ہوجاتی ہے، اور کبھی کبھی قسم سوم (سے بچنا بھی) واجب ہوتا ہے بایں معنی کہ اس سے بچنا بھی ضروری ہے اور یہ اس شخص کے لئے ہے جو اللہ اور دارِ آخرت کا زیادہ راغب و کوشاں ہو تو فضولیات کو خیر آباد کرنا ضروری ہے، اس لئے کہ دنیا کا ارادہ آخرت کے ارادہ میں زبردست نقصان دہ ہے، اور بندے کے لئے (دنیا کا) ارادہ کرنا صحیح نہیں ہے یہاں تک کہ وہ اپنی طلب و ارادہ میں اور مطلوب میں متفرد نہ ہوجائے کہ مطلوب و طلب منقسم نہیں ہوسکتے۔

اور توحید (سے) مطلوب یہ کہ بندے کی طلب و ارادہ غیر اللہ کے ساتھ متعلق نہ ہو، اور نہ اس سے قرب و نزدیکی کے ساتھ متعلق ہو، اور بندے کی طلبِ واحد یہ ہے کہ بندہ طلب و ارادہ سے شہوات و خواہشات کی قوّت کو اور دل فریبی کو جڑ سے اکھیڑ دے، اور عزم اطرافِ قلب میں سکون پزیر ہوجائے، اور قلب کو بھرپور کردے پھر وہ دل اللہ جل جلالہ کی جاذبیت و قربت کے علاوہ کسی بھی فضول شیٔ کو نہ چھوڑے (یعنی دل کو فضول سے صاف کردے) اور اسی اللہ کے لئے ارادہ خالص ہوجائے! اور جب ارداہ محض (اللہ کے لئے) ہوجائے گا تو زہد زاہد کے لئے یقینی ہوجائے گا، پھر وہ اپنے وقت کی آبادی کے لئے اس کو فارغ کردے گا، اور اس کا دل

اس چیز پر مطمئن ہو جائے گا جس کے وہ درپے ہے، اور وہ اپنی اس حرص وطمع کو بھی ترک کردے گا جو مفسدِ قلب ہے، بلکہ گناہ وفساد کی اور فسق وفجور کی اصل وجڑ ہی طمع ہے، لہٰذا زہد طمع کو قطع کرے گا، اور فارغ البال ہو جائے گا، اور دل کو بھر دے گا اور اعضاء کو بھی آمدہ کرے گا اور اس وحشت کو دور کردے گا جو بندہ اور مولیٰ کے درمیان ہوتی ہے اور مولیٰ کے ساتھ انس پیدا کردے گا اور اگر اللہ سے قربت ونزدیکی کی رغبت اور اس کی محبت ومعرفت کی حلاوت کو چکھنے کی رغبت کمزور ہے تو زہد اس کے حصول کی رغبت کو مضبوط وقوی کرے گا۔

لہٰذا زاہد لوگوں میں سب سے زیادہ جسم ودل کے اعتبار سے مطمئن وخوش ہوتا ہے پھر اگر زاہد کا دنیا سے بے رغبت وفارغ ہونا اس کو اللہ اور دارِ آخرت کے ارادہ میں قوّت وطاقت دیتا ہو بایں طور کہ اس کا دل اللہ ہی کے لئے فارغ ہو، اور اس کی حرص وطمع تقربِ الٰہی میں صرف ہوتی ہو، اور اپنے وقت کے بارے میں اس بات کا حریص ہو کہ وقت کو ان کاموں میں ضائع نہ کرے جس سے نہ اللہ راضی ہوتا ہے اور نہ اس کو پسند کرتا ہے تو وہ لوگوں میں سب سے زیادہ راحت یافتہ ہوتا ہے اور سب سے زیادہ اس کو آنکھوں کی ٹھنڈک حاصل ہوتی ہے، اور اس کا دل سب سے زیادہ مسرور ہوتا ہے اس لئے کہ دنیا کی رغبت دل کا انتشار ہے اور دلجمعی کی تباہی ہے اور خیالات وغم وحزن کو طویل کرنے والی ہے، اور یہ نقدی عذاب ہے جو اس مؤخر عذاب تک پہونچانے والا ہے جو اس (نقدی عذاب) سے بھی زیادہ سخت ہے، اور دنیا کی رغبت بندے سے وہ بہت سی نعمتوں کو فوت کردیتی ہے جو بندے کو دنیا سے بے رغبتی کی صورت میں حاصل ہوتی ہے۔

امام احمدؒ نے کہا کہ طاؤس سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا، دنیا سے بے رغبتی دل وجسم کو راحت بخشتی ہے اور دنیا سے رغبت غم وحزن کو طویل کرتی ہے۔

اور بلاشبہ یہ خیالات اور غم وحزن دو وجہ سے حاصل ہوتے ہیں، اوّل دنیا سے رغبت اور دنیا کی حرص، دوم نیک کام اور عبادات میں کوتاہی، حضرت عبداللہ بن احمدؒ فرماتے ہیں، حضرت حکم سے روایت ہے، نبی کریم ﷺ نے فرمایا، جب بندہ اعمال میں کوتاہی وکمی کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کو غم میں مبتلی فرمادیتے ہیں۔

اور جس طرح دنیا کی رغبت ظاہری گناہوں کی جڑ ہے تو اسی طرح وہ (دنیا کی رغبت) دل کے گناہ نفرت، حسد، تکبّر، فخر، خود پسندی، کثرتِ دنیا پر فخر وغیرہ کی اصل وجڑ ہے، اور یہ سب کے سب (گناہ) دل کا دنیا سے بھر جانے کی وجہ سے ہے نہ کہ ہاتھ کا دنیا سے بھر جانے کی وجہ سے! اور دنیا سے دل کا بھر جانا یہ شکر کے منافی ہے! اور شکر کی اصل دل کا دنیا سے فارغ البال ہونا ہے۔

اور مال کا زیادہ ہونا عمر اور جاہ کے زیادہ ہونے کی طرح ہے لہٰذا تم میں وہ شخص بہتر ہے جس کی عمر طویل ہو اور اچھے و نیک اعمال کرتا ہو، بس اسی طرح وہ شخص جس کا مال بڑھا ہوا اور زیادہ ہو تو یہ اس کے لئے خیر ہے، لہٰذا آدمی کی عمر اور اس کے مال و جاہ کا بڑھنا یا تو اس کے درجات کو بلند کرتا ہے اور یا تو اس کے درجات کو گھٹاتا ہے۔

اور (اس) مسئلہ کا راز یہ ہے کہ فقر و افلاس کی راہ یہ سلامتی کی راہ ہے صبر کے ساتھ! اور غناء و وسعت کی راہ غالباً راہِ ہلاکت ہے، تو اگر جو شخص مال (کے خرچ کرنے) میں اللہ سے ڈرتا ہے اور صلہ رحمی کرتا ہے، مال سے حقوق اللہ ادا کرتا ہے، اور اللہ کا حق صرف زکوٰۃ پر ہی منحصر نہیں، بلکہ اس کے حقوق میں سے بھوکوں کو شکم سیر کرنا، برہنہ کو کپڑا پہنانا، ستم رسیدہ کی مدد کرنا، محتاج و مجبور کی حاجت روائی کرنا وغیرہ بھی ہے، تو اس غنی کی راہ راہِ غنیمت ہے اور یہ راہِ سلامت سے بھی مافوق ہے۔

لہٰذا صاحبِ فقر کی مثال اس مریض کی سی ہے جو اپنے مرض کی وجہ سے اپنے مقاصد (کے حصول) سے رک گیا ہے لہٰذا وہ اپنے حبس پر اچھے صبر کی وجہ سے ثواب پائے گا، اور غنی و مالدار تو مال کو جمع کرنے، مال کو کمانے اور مال کو صرف کرنے کے بارے میں خطرۂ عظیم میں ہے لہٰذا مال کمانے میں (حرام سے) محفوظ ہے، اور مال جمع کرنے میں حسنِ نیت ہے اور مال کو اللہ کے حقوق میں صرف کرتا ہے تو یہ (غناء و مالداری) اس کے لئے بہت ہی نافع و مفید ہے۔

لہٰذا فقیر اس عابد کی طرح ہے جو (عبادت کے لئے) لوگوں سے گوشہ نشیں ہو گیا ہو، اور مالدار جو تمام اچھے کاموں میں خرچ کرنے والا ہو، وہ معین و مددگار اور عالم و مجاہد کی طرح ہے، اور اسی وجہ سے نبی کریم ﷺ نے مالدار کو اس شخص کا قرین و مصاحب قرار دیا جس کو اللہ تعالیٰ نے حکمت (علم) عطا کیا ہو پھر وہ علم کے مطابق فیصلہ کرے اور اس کی تعلیم دے تو یہ ان دو شخصوں میں سے ہے جن پر حسد و غبطہ کیا جاتا ہے، جن کا کوئی تیسرا شریک نہیں! اور جہلاء حضرات اس شخص پر حسد و غبطہ کرتے ہیں جس نے اپنے آپ کو عبادت کے لئے گوشہ نشیں کر لیا ہو جس کا نفع اسی پر منحصر ہوتا ہے اور اس کو غنیِ منفق اور عالمِ معلّم سے زیادہ قابل رشک قرار دیتے ہیں۔

پھر اگر کہا جائے کہ ان دونوں (صابر و شاکر) میں سے افضل کون ہے؟ وہ شخص جو اس غناء و مالداری کو اختیار کرے جس میں سے صدقہ کیا جائے اور تمام اعمالِ خیر میں صرف کیا جائے یا وہ شخص جو فقر و افلاس کو

اختیار کرے تا کہ فتنوں سے دور رہے اور آفات سے محفوظ رہے اور اس کا دل آخرت کی صلاحیت کے لئے خوشگوار ہو جائے، اور دنیا میں مشغول نہ ہو، یا وہ شخص جو نہ اس (فقر) کو اختیار کرے اور نہ اس (غنا) کو اختیار کرے بلکہ اسی حالت کو اختیار کرے جس کو اللہ نے اس کے لئے اختیار کی ہے؟ لہٰذا وہ دونوں (فقر وغناء) میں سے کسی کو اپنے اختیار سے متعین نہیں کرتا؟۔

تو جواب دیا جائے گا، یہ وہ مقام ہے جس میں سلف صالحین مختلف فیہ رہے ہیں، لہٰذا اس میں سے بعض وہ حضرات ہیں جنہوں نے مال کو جہاد کے لئے اور اس کو اعمالِ خیر میں خرچ اور صرف کرنے کے لئے اختیار کیا، جیسے حضرت عبد الرحمٰن ابن عوف رضی اللہ عنہ اور دیگر مالدار صحابہ! اور حضرت قیس بن سعد فرمایا کرتے تھے "اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ مِنْ عِبَادِكَ الَّذِیْنَ لَا یُصْلِحُهُمْ اِلَّا الْغِنٰی" اور اس میں سے بعض حضرات وہ ہیں جنہوں نے فقر وافلاس کو اختیار کیا جیسے حضرت ابو ذر رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھ صحابہ کی ایک بڑی جماعت! اور ان حضرات نے دنیا کی آفتوں وتکالیف کی طرف نظر کی اور یہ حضرات مال کے فتنوں سے ڈرتے تھے، اور ان (مالدار) حضرات نے انفاق کی مصلحتوں کو اور اس کے دنیوی واخروی فوائد وثمرات کو دیکھا اور جماعت سوم انہوں نے کسی چیز کو اختیار نہیں کیا بلکہ اسی حالت کو پسند کیا جو اللہ نے ان کے لئے پسند فرمائی۔

اسی طرح دنیا میں طویل زندگی کو اختیار کرنا، تا کہ اللہ کے دین کو قائم کرے اور اس کی عبادت کرے تو ایک جماعت نے اس کو اختیار کیا اور اس کی تمنا کی اور ایک جماعت نے موت کو، اللہ کی ملاقات کو، اور دنیا سے (جلدی) راحت کو پسند کیا اور جماعتِ سوم نے نہ اس کو اختیار کیا اور نہ اس کو پسند کیا بلکہ اسی کو اختیار کیا جس کو اللہ نے (ان کے لئے) پسند کیا اور ان کا اختیار اللہ کی مراد کے تابع تھا نہ کہ (ان کی طرح) متعین مراد! اور حالتِ سوم حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کی تھی، لہٰذا جب حضرات صحابہ نے حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کو ان کی مرضِ وفات میں کہا کہ کیا ہم آپ کے لئے طبیب کو نہ بلائیں؟ تو حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا، وہ تو مجھ کو دیکھ کر گیا، تو صحابہ نے پوچھا اس نے کیا کہا، تو حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا، اس طبیب نے مجھ کو کہا کہ میں جو چاہتا ہوں کرتا ہوں۔

اور پہلی حالت حضرت موسیٰ علیہ السلام کی ہے جب ملک الموت ان کے پاس (قبضِ روح کے لئے) پہونچے تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ان کو ایسا طمانچہ مارا کہ ان کی ایک آنکھ پھوٹ گئی! اور یہ کوئی دنیا کی محبت اور

اس میں عیش و آرام کے لئے نہیں تھا، بلکہ اس لئے تھا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اپنے رب کے اوامر کو نافذ کرے اور اس کے دین کو قائم کرے، اور اللہ کے دشمنوں سے جہاد کرے تو گویا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ملک الموت سے یہ کہا کہ تو بھی عبدِ مامور ہے اور میں بھی اپنے رب کے اوامر کی تنفیذ میں اور اس کے دین کی اقامت میں مامور ہوں، پھر جب حضرت موسیٰ علیہ السلام کو طویل حیات پیش کی گئی اور انہوں نے جان لیا کہ اس کے بعد بھی موت ہے تو اس چیز کو اختیار کر لیا جس کو اللہ نے ان کے لئے پسند کیا۔

اور ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے رب نے جب فرشتہ کو بھیجا تا کہ آپ کو اختیار دیا جائے، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم مخلوق میں سب سے زیادہ علیم تھے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جان لیا کہ رب العالمین آپ کی ملاقات کو چاہتے ہیں اور اسی کو آپ کے لئے پسند کیا ہے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اللہ کی ملاقات ہی کو اختیار کیا، اور اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم یہ جانتے کہ رب العالمین آپ کے لئے یہ چاہتے ہیں کہ آپ دنیا میں باقی رہے تا کہ اللہ کے اوامر کو نافذ کرے اور دین کو قائم کرے تو آپ اسی کو اختیار کرتے، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا اختیار رب العالمین کے اختیار کے تابع تھا، جیسے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ اختیار دیا تھا کہ یا تو آپ نبی (اور) بادشاہ بن کر رہیں یا تو نبی (اور) بندہ بن کر رہیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم جانتے تھے کہ اللہ تعالیٰ آپ کے لئے بندہ اور نبی بننے کو پسند کرتے ہیں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی کو اختیار کیا جو اللہ نے آپ کے لئے پسند فرمایا تھا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا تمام امور میں اختیار اللہ کے اختیار کے تابع تھا، اسی وجہ سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حدیبیہ میں سخت حال کو برداشت کیا، اور اس مقام کو اس کا پورا پورا حق عطا کیا، اور سواءِ حضرتِ صدیق کہ کوئی من کل وجوہ اس (پر راضی ہونے) پر ثابت نہیں تھا! تو اس میں آپ کا کوئی اختیار نہیں تھا، سواءِ اس کے کہ اللہ ہی نے آپ کے لئے اور تمام صحابہ کے لئے اس حالت کو اختیار و پسند کیا تھا جس سے آنکھیں ٹھنڈی ہونے والی تھی! بس آپ صلی اللہ علیہ وسلم بھی اسی حال پر راضی تھے اور اسی کو آپ نے اختیار کیا اپنے رب کے اختیار کا مشاہدہ کرتے ہوئے! اور یہ غایت درجہ کی عبدیت و بندگی ہے، پھر اللہ تعالیٰ نے بھی اس کی قدر کی اور قبول کیا، اور اس کے شکرانہ کے طور پر وہ بشارتیں عطا کی جس کا تذکرہ سورۂ فتح کے شروع میں ہے یہاں تک کہ صحابہ کرام نے مبارک بادی دی اور صحابہ نے فرمایا: اے اللہ کے رسول آپ کے لئے خوش خبری (مبارک بادی) ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم زیادہ حقدار ہے اس بات کے کہ اس سے زیادہ مبارک بادی دی جائے جتنی کہ آپ کو خوشخبری دی گئی ہے۔

﴿فصـــل﴾

مناسب یہ ہی ہے کہ یہ معلوم ہو جاوے کہ خصالِ فضیلہ اور اخلاقِ حمیدہ میں سے ہر خصلت و خُلُق اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ میں اعلیٰ معیار پر ودیعت فرمائی تھی، اور آپ کو اخلاق کے اعلیٰ و بلند مرتبہ کے ساتھ مخصوص فرمایا تھا، لہٰذا امت کی جماعتوں میں سے کوئی جماعت جب نبی کریم ﷺ کی (کسی مخصوص) حالت سے استدلال کرے گی اور دوسرے کے مقابلہ میں اپنی افضلیت پر اس حالت کو تقسیم کرے گی تو دوسری جماعت کے لئے بھی ممکن (جائز) ہے کہ وہ بھی اپنی افضلیت پر نبی کریم ﷺ کی (مخصوص) حالت سے استدلال کرے۔

لہٰذا جب غازی و مجاہد نبی کریم ﷺ کی حالتِ (جہاد) سے اس بات پر استدلال کرے کہ وہ تمام جماعتوں میں افضل ہے تو علماء بھی (اپنی فضیلت پر) اسی طرح استدلال کریں گے جس طرح انہوں نے احتجاج کیا۔

اور جب زہّاد اور تارک الدنیا حضرات نبی کریم ﷺ کی حالتِ (زہد) سے اپنی افضلیت پر استدلال کریں گے تو دنیا کو حاصل کرنے والے اور رعیت کے والی اور امراء اللہ کے دین کی اقامت و تنفیذ میں نبی کریم ﷺ کی کسی حالت سے استدلال کریں گے!

اور جب فقیرِ صابر نبی کریم ﷺ کی حالتِ (فقر) سے استدلال کریں گے تو غنیٔ شاکر نبی کریم ﷺ کی حالتِ (شکر) سے استدلال کریں گے۔

اور جب عابدین حضرات نبی کریم ﷺ کی حالت (عبادت) سے عبادتِ نافلہ کی افضلیت پر اور اس کے راجح ہونے پر استدلال کریں گے تو عارفین حضرات بھی کسی حالت سے معرفت کی افضلیت پر استدلال کریں گے۔

اور جب متواضع اور حلیم حضرات نبی کریم ﷺ کی حالتِ (تواضع و حلم) سے استدلال کریں گے تو باطل پرست لوگوں پر غلبہ اور رعب ڈالنے والے اور ان پر سخت معاملہ کرنے والے اور ان کی پکڑ کرنے والے بھی نبی کریم ﷺ کی کسی حالت سے استدلال کریں گے۔

اور جب باوقار اور سنجیدہ خاموش طبعیت والے حضرات نبی کریم ﷺ کی حالتِ (وقار و سنجیدگی) سے استدلال کریں گے تو وہ حضرات جو حسنِ اخلاق والے ہیں اور جو اپنے اہل و عیال اور دوستوں و احباب کے ساتھ جائز مزاق و مزاح کرنے میں حسنِ معاشرت کی حد سے اور حق سے تجاوز نہیں کرتے وہ بھی نبی کریم ﷺ کی حالتِ (مزاح) سے استدلال کریں گے۔

اور جب حق اور حق باتوں کو آدمی کے حضور وغیبت میں بے دھڑک کہنے والے نبی کریم ﷺ کی کسی حالت سے استدلال کریں گے تو وہ حضرات جو غیرت منداور باحیاءوکریم ہیں جو اس بات سے غیرت کرتے ہیں کہ آدمی کو اس کے سامنے بے دھڑک وہ بات کہہ دی جائے جو اس کو ناپسند و بری معلوم ہو یہ حضرات بھی نبی کریم ﷺ کی حالت سے ہی استدلال کریں گے۔

اور جب متقی ومتورع حضرات نبی کریم ﷺ کی حالت (تقوی وورع) سے استدلال کریں گے تو وہ حضرات جن کو آسانی وسہل کی راہ پسند ہیں جو شریعت کی (عطا کردہ) وسعت ورخصت سے تجاوز نہیں کرتے وہ بھی نبی کریم ﷺ کی ہی حالت سے استدلال کریں گے۔

اور جب وہ حضرات جو اپنے دین ودل کی اصلاح میں سعی وکوشش کو صرف کرتے ہیں وہ نبی کریم ﷺ کی حالت سے استدلال کریں گے، تو وہ حضرات بھی جو اپنے بدن اور اپنی معیشت ودنیا کی اصلاح کرتے ہیں وہ بھی نبی کریم ﷺ کی حالت سے استدلال کریں گے، اس لئے کہ نبی کریم ﷺ دین ودنیا (دونوں) کی اصلاح کے لئے مبعوث ہوئے ہیں۔

اور جب وہ حضرات جن کا دل نہ اسباب پر اٹکا ہے اور نہ وہ اسباب پر اعتماد کرتے ہیں وہ نبی کریم ﷺ کی حالتِ (توکل) سے استدلال کرتے ہیں، تو وہ حضرات جو اسباب کو اختیار کرتے ہیں اور اسباب کو ان کے (مناسب) مقام میں استعمال کرتے ہیں اور ان کے حقوق بھی ادا کرتے ہیں وہ بھی نبی کریم ﷺ کی حالت سے استدلال کرتے ہیں۔

اور جو شخص بھوکا ہو اور وہ اپنی بھوک پر صبر کرے جب وہ نبی کریم ﷺ کی حالتِ (جوع) سے استدلال کرے گا تو وہ شخص جو شکم سیر ہو اور اپنے رب کا شاکر ہو تو وہ بھی نبی کریم ﷺ کی حالت سے احتجاج کرے گا۔

اور عفو ومعافی اور حلم کو اختیار کرنے والا جب وہ نبی کریم ﷺ کی حالتِ (عفو) سے استدلال کرے گا تو وہ شخص جو مقامِ انتقام میں انتقام لیتا ہو وہ بھی نبی کریم ﷺ کی حالتِ (انتقام) سے استدلال کرے گا۔

اور وہ شخص جو اللہ کے لئے عطا کرتا ہو اور اللہ کے لئے دوستی رکھتا ہو جب وہ نبی کریم ﷺ کی حالت سے استدلال کرے گا تو وہ شخص جو اللہ کے لئے منع کرتا ہو اور اللہ کے لئے عداوت رکھتا ہو وہ بھی نبی کریم ﷺ کی حالت سے استدلال کرے گا۔

اور وہ شخص جو آئیندہ کل کے لئے بھی جمع نہیں کرتا وہ نبی کریم ﷺ کی حالت سے استدلال کرتا ہو تو وہ شخص جو اپنے اہل وعیال کے لئے ایک سال پیشگی جمع کر لیتا ہو وہ بھی نبی کریم ﷺ کی ہی حالت سے استدلال کرے گا۔

اور جو حضرات سادہ و معمولی روٹی سالن کھاتے ہیں جیسے جَو کی روٹی سرکہ وغیرہ جب وہ نبی کریم ﷺ کی اس حالتِ (سادگی) سے استدلال کرتے ہیں تو وہ حضرات جو لذیذ واچھا کھانا کھاتے ہیں جیسے بھونا ہوا گوشت وحلوی، میوے وغیرہ تو وہ بھی نبی کریم ﷺ کی حالت سے استدلال کرتے ہیں۔

اور وہ حضرات جو مسلسل روزہ رکھتے ہیں جب وہ نبی کریم ﷺ کی حالت سے استدلال کرتے ہیں تو وہ حضرات جو مسلسل افطار کرتے ہیں وہ بھی نبی کریم ﷺ کی حالت سے استدلال کرتے ہیں، کہ کبھی نبی کریم ﷺ مسلسل روزہ رکھتے تھے حتی کہ کہا جاتا تھا کہ آپ ﷺ افطار نہیں فرمائیں گے! اور کبھی آپ ﷺ مسلسل افطار فرماتے تھے حتی کہ کہا جاتا تھا کہ آپ ﷺ روزہ نہیں رکھیں گے۔

اور وہ حضرات جو مرغوب اور مشتہات چیزوں سے بے رغبت ہوتے ہیں جب وہ نبی کریم ﷺ کی حالت سے استدلال کریں گے تو وہ لوگ جو دنیا کی سب سے زیادہ پاکیزہ چیز جو عورت اور خوشگوار زندگی ہے اس کو محبوب رکھتے ہیں وہ بھی نبی کریم ﷺ کی حالت سے ہی استدلال کرتے ہیں۔

اور وہ شخص جو اپنی شریکِ حیات کے ساتھ نرمی کا برتاؤ کرتا ہے اور اس کے ساتھ خوشگوئی اور نرم گوئی سے پیش آتا ہے وہ نبی کریم ﷺ کی حالت سے استدلال کرے گا تو وہ شخص جو ان کو تادیب کرے اور طلاق دے اور چھوڑ دے اور ان کو اختیار دیدے وغیرہ وہ بھی نبی کریم ﷺ کی حالت سے ہی استدلال کرے گا۔

اور وہ شخص جو اسبابِ معیشت کو بالکلیہ ترک کردے جب وہ نبی کریم ﷺ کی حالت سے استدلال کرے گا تو وہ شخص جو اس کو اختیار کرے گا لہذا وہ اجرت پر دے گا یا اجرت پر لیگا اور بیع وشراء کرے گا اور سودا سلف کرے گا اور قرض دے گا اور رہن رکھے گا وغیرہ تو وہ بھی نبی کریم ﷺ کی حالت سے ہی استدلال کرے گا۔

اور جو شخص حیض وروزہ کی حالت میں بالکلیہ عورت سے مباشرت کرنے سے پرہیز کرنے والا جب وہ نبی کریم ﷺ کی حالت سے استدلال کرے گا تو وہ شخص جو بغیر وطی کے اپنی حائضہ عورت سے مباشرت کرے اور روزہ کی حالت میں بوس وکنار کرے وہ بھی نبی کریم ﷺ کی حالت سے ہی استدلال کرے گا۔

اور وہ شخص جو مجرموں پر رحم کرے جب وہ نبی کریم ﷺ کی حالتِ (رحم) سے استدلال کرے گا تو وہ شخص جو ان پر اللہ کے حدود کو قائم کرے لہٰذا چور کے ہاتھوں کو کاٹے اور زانی کو سنگسار کرے اور شراب پینے والے کو کوڑے مارے وغیرہ تو وہ بھی نبی کریم ﷺ کی حالت ہی سے استدلال کرتے ہیں۔

اور جب ظاہری حال سے فیصلہ کرنے والے استدلال کریں گے تو صاحبِ سیاست جو منصف ہو جو سیاست قرائنِ ظاہرہ پر مبنی ہو جو ظاہری حال کے خلاف ہو وہ بھی اسی حالت سے استدلال کرتے ہیں، لہٰذا (کسی کو) کسی تہمت کی سزا میں قید کیا ہے تو کسی کو تہمت کی سزا دی ہے حضرت سلیمان علیہ السلام کے بارے میں مذکور ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے ایک عورت کے لڑکے کے بارے میں قرائنِ ظاہرہ کے ذریعہ فیصلہ کیا، (کہ لڑکا اسی عورت کا ہے) باوجودیکہ وہ عورت یہ اعتراف کرتی تھی کہ وہ لڑکا اسی (دوسری عورت) کا ہے تو حضرت سلیمان علیہ السلام نے اس اعتراف پر فیصلہ نہیں فرمایا، جس اعتراف کا باطل ہونا قرائن کی وجہ سے ان کے سامنے ظاہر ہو چکا تھا، ابو عبدالرحمٰن نے اس مذکورہ حدیث پر دو باب قائم کئے ہیں، اوّل یہ کہ حاکم کے لئے وسعت ہے کہ وہ کسی ایسی چیز کے بارے میں جس کو نہ کیا جاتا ہو وہ کہے کہ ''اس کو کر'' تا کہ اس کے ذریعہ حق ظاہر ہو جائے، پھر دوم یہ کہ محکوم علیہ جس چیز کا اعتراف کرتا ہے اس کے خلاف فیصلہ کرنا، جبکہ حاکم کے سامنے یہ بات ظاہر ہو جائے کہ حق اعتراف کے خلاف ہے، اور اسی طرح صحابہ کرام نے آپ ﷺ کی حیات میں اور بعد الحیات قرائنِ ظاہرہ پر عمل کیا، لہٰذا حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اس عورت کو جو حاطب کا خط لیکر جا رہی تھی اس کو کہا، کہ تو خط دیدے ورنہ ہم تجھ کو (تلاشی کے لئے) برہنہ کریں گے! اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے زناء میں حمل (کے ظاہر ہونے) سے حد کو قائم کیا، اور شراب میں بدبو (کے ظاہر ہونے) پر سزا قائم فرمائی، اور اللہ تعالیٰ نے حضرت یوسف علیہ السلام کے قصہ کے شاہد (بچہ) کا قصہ بیان فرمایا بطور اثبات بغیر نکیر کے (جس میں یہ بات بیان فرمائی) کہ حضرت یوسف علیہ السلام کا قمیص پیچھے سے شق ہونے کے قرینہ پر حضرت یوسف علیہ السلام کی براءت کا فیصلہ فرمایا، اور نبی کریم ﷺ نے ابن ابی الحقیق سے فرمایا: اور وہ (ابن ابی الحقیق) یہ سمجھ رہا تھا کہ نفقہ نے حیّ بن اخطب کے مال کو ختم کر دیا ہے، آپ ﷺ نے فرمایا: ﴿العهد قريب والمال اكثر من ذالك﴾ تو بقاءِ مال پر دو قرینۂ دالہ کا اعتبار فرمایا اور اس کو سزا دی حتی کہ اس کا اقرار کر لیا، اور مقتول کے اولیاء کے لئے اس بات کو جائز قرار دیا کہ وہ

اس شخص پر حلف اٹھوائے جس نے اس کو قتل کیا ہے، اور اس کو ان قرائن کے بناء پر قتل کردے جو قرائن ان کے صدق کو ترجیح دیتے ہو اور اللہ تعالیٰ نے عورت کی سنگساری کو مشروع فرمایا، جبکہ لعان میں شوہر اپنی بیوی کے خلاف چار شاہد قائم کردے، اور عورت لعان سے ان کار کردے (اس لئے کہ) شوہر کے صدق پر قرینۂ ظاہرہ ہے۔

نبی کریم ﷺ کی شریعت بھری پڑی ہے ایسی مثالوں سے اگر لوگ غور وفکر کریں، لہٰذا قرائنِ ظاہرہ سے فیصلہ کرنا یہ نفسِ شریعت اور نبی کریم ﷺ کے لائے ہوئے دین (کے عین مطابق) ہے تو یہ قاضی حق اور ولیٔ عادل کے لئے حجت ودلیل ہے جس طرح یہ قاضیٔ سوء اور ظالم ولی کے خلاف حجت ودلیل ہے۔

اس فصل سے مقصود یہ ہے کہ فقراءِ صابرین نبی کریم ﷺ کے حالات سے استدلال کرنے میں اغنیاءِ شاکرین سے زیادہ حقدار نہیں، نبی کریم ﷺ کے حالات سے استدلال کرنے کے سب سے زیادہ حقدار وہ ہیں جو نبی کی سنتوں کو زیادہ جانتے ہیں اور جو سب سے زیادہ سنتوں کی اتباع کرتے ہیں۔........واللہ اعلم۔

﴿پچیسواں باب﴾

وہ امور جو صبر کے مخالف اور صبر کے منافی اور صبر میں ناپسندیدہ ہیں

جب صبر غیر اللہ کو شکوی کرنے سے زبان کو، اور ناراض ہونے سے دل کو، اور چہرہ پر طمانچہ مارنے سے اور کپڑہ وغیرہ پھاڑنے سے ہاتھوں کو روکنے کا نام ہے تو یہ چیزیں (غیر اللہ سے شکوی، دل تنگی، طمانچہ وغیرہ مارنا) واقعۃً صبر کے مخالف اور صبر کی ضد ہوگی۔

لوگوں کو شکوی گلہ کرنے کا مطلب:۔ یہ کہ جب بندہ اپنے رب کا شکوی اپنی جیسی مخلوق سے کرے تو اس نے اس ذات کا شکوی جو اس پر رحیم ہے اس آدمی سے کیا جو اس پر مہربان نہیں ہے، اور اللہ تعالیٰ کو شکوی کرنا یہ صبر کے منافی نہیں ہے جیسے کہ پہلے گزر چکا کہ حضرت یعقوب علیہ السلام نے (اللہ سے) شکوی کیا تھا باوجود یکہ اللہ تعالیٰ نے ان کے بارے میں فرمایا: ﴿فَصَبْرٌ جَمِيلٌ﴾ اور ہاں، لوگوں کو اپنی حالت کی خبر دینا تو اگر وہ (خبر دینا) اس لئے ہے تا کہ اعانت و مدد چاہی جائے اور اپنی ضرورت کو زائل کرنے میں مدد چاہے تو یہ بھی صبر میں قدح و برائی پیدا نہیں کرتا جیسے کہ مریض کا طبیب کو اپنی تکلیف (مرض) کی خبر دینا، اور مظلوم کا اپنے ظلم کی اس شخص کو خبر دینا جو اس کو اس کی حالت میں مدد کر سکے، اور بلاؤں میں مبتلی شخص کا اس شخص کو اپنی تکلیف کی خبر دینا جس سے یہ (قوی) امید ہو کہ تکالیف کو دور کرنا اس کے ہاتھ میں ہے، اور بلا شبہ نبی کریم ﷺ کسی مریض کے پاس جاتے تھے تو اس سے اس کی حالت دریافت کرتے تھے اور فرماتے تھے "کیف نجدك" تو یہ اپنی (حالت کی) خبر لینا اور اپنے حالات سے آگاہ کرنا ہے۔

اور رونا اور آہ بھرنا:۔ تو کیا یہ صبر میں عیب پیدا کرتا ہے؟ تو اس کے بارے میں امام احمدؒ سے دو روایت مروی ہے، ابوالحسین فرماتے ہیں صحیح قول یہ ہے کہ مکروہ ہے، حضرت طاؤس سے مروی ہے کہ وہ مرض و بیماری میں کراہنے اور آہ بھرنے کو ناپسند فرماتے تھے! اور حضرت مجاہد فرماتے ہیں کہ فرزندانِ آدم کی ہر چیز جو کچھ وہ کلام کرتا ہے لکھا جاتا ہے حتی کہ وہ مرض میں آہ بھرتا ہے وہ بھی لکھا جاتا ہے، یہ حضرات فرماتے ہیں کہ کراہنا اور آہ بھرنا وغیرہ یہ زبانِ حال سے شکوی ہے جو صبر کے منافی ہے! حضرت عبداللہ بن امام احمد فرماتے ہیں میرے

والد نے مجھ کو اپنے مرضِ وفات میں کہا کہ میرے پاس عبداللہ بن ادریس کی کتاب لاؤ، تو میں کتاب لایا، تو انہوں نے فرمایا، کہ لیث بن ابی سلیم کی احادیث کو نکالو، تو میں نے لیث کی احادیث نکالی، تو کہا میرے سامنے لیث بن ابی سلیم کی احادیث پڑھو، تو لیث فرماتے ہیں کہ میں نے طلحہ سے کہا کہ حضرت طاؤس مرض میں کراہنے کو ناپسند فرماتے تھے، تو ان سے کوئی آہ اور کراہ نہیں سنی گئی یہاں تک کہ وہ وفات پا گئے، تو میں (عبداللہ) نے میرے والد (امام احمد) سے مرض میں کوئی آہ اور کراہ وغیرہ نہیں سنی یہاں تک کہ امام احمدؒ کی وفات ہوگئی۔

اور دوسری روایت (امام احمد سے) یہ ہے کہ یہ آہ بھرنا، کراہنا صبر میں نہ تو مکروہ ہے اور نہ کوئی عیب ہے، بکر بن محمد اپنے والد سے روایت فرماتے ہیں، امام احمد سے اس مریض کے بارے میں پوچھا گیا جو (مرض سے) حاصل ہونے والی تکالیف کا شکوی کرتا ہو، تو کہا، کیا آپ نبی کریم ﷺ کی کسی حدیث کو اس کے بارے میں جانتے ہیں؟ تو امام احمدؒ نے فرمایا: ہاں، حضرت عائشہؓ کی حدیث "وارأساه" اور اس کو مستحسن قرار دیتے ہیں۔

حضرت مَرْوزیؒ فرماتے ہیں، میں ابوعبداللہ کے پاس آیا جو مریض تھے، تو میں نے ان کی خیریت دریافت کی تو ان کی آنکھیں نمناک ہوگئی، اور جو مرض (کی تکلیف) رات کو ان کو پہونچی تھی مجھے اس کے بارے میں خبر دینے لگے۔

اور تحقیق اس بارے میں یہ ہے کہ آہ بھرنا اور کراہنا دو قسم کا ہوتا ہے، ایک شکایۃً تو یہ کراہنا مکروہ و ناپسند ہے اور ایک راحت و آرام اور فرحت سے کراہنا، آہ بھرنا، یہ مکروہ نہیں۔

اور تحقیق کہ حدیث میں منقول ہے کہ جب مریض الحمدللہ سے ابتداء کرتا ہے پھر اپنے حال کی خبر دیتا ہے تو یہ شکوی نہیں ہے، حضرت شقیق بلخیؒ فرماتے ہیں جو شخص خود پر نازل شدہ تکلیف کا شکوی غیر اللہ سے کرتا ہے تو وہ اپنے دل میں کبھی بھی اللہ کی اطاعت و عبادت کی حلاوت نہیں پائے گا۔

فصل

اور شکوٰی دو قسم پر ہے ایک زبان قال سے شکوی کرنا، اور زبان حال سے شکوی کرنا، اور شاید زبانِ حال سے شکوی کرنا یہ پہلی قسم سے اعظم و اشدّ ہے، اور اسی وجہ سے نبی کریم ﷺ نے اس شخص کو حکم دیا جس کو اللہ نے نعمتیں عطا کی ہو کہ وہ اپنے اوپر اللہ کی نعمتوں کے اثر کو ظاہر کرے، اور اس سے بھی زیادہ سخت وہ شخص ہے جو

اپنے رب کا شکوی (کسی اور سے) کرے حالانکہ وہ خیریت سے ہو، ایسا شخص اللہ کے نزدیک مخلوق میں سب سے زیادہ قابلِ نفرت ہے۔

حضرت امام احمدؒ فرماتے ہیں، حضرت کعب بن احبار رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حسنِ عمل میں سے ''سبحۃ الحدیث'' ہے اور برے عمل میں سے ''تحذیف'' ہے۔

حضرت عبداللہ سے پوچھا گیا کہ یہ ''سبحۃ الحدیث'' کیا ہے؟ تو فرمایا: گفتگو کے دوران سبحان اللہ بحمدہ کہنا ہے، پھر پوچھا گیا کہ یہ ''تحذیف'' کیا ہے، تو فرمایا کہ لوگ خیر و عافیت سے صبح کرے پھر ان سے پوچھا جائے تو وہ کہتے ہیں کہ وہ مصیبت و تکلیف میں ہے۔

﴿فصل﴾

من جملہ وہ چیزیں جو صبر کے منافی ہیں، ایک مصیبت کے وقت کپڑے وغیرہ کو پھاڑنا، چہرے پر طمانچے مارنا، دونوں ہاتھوں میں سے ایک کو دوسرے پر مارنا، بالوں کا حلق کرانا، واویلہ پکارنا ہے، اور اسی وجہ سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان لوگوں سے برأت کا اظہار فرمایا ہے جو زور سے چیخیں، حلق کرائے اور کپڑوں کو چاک کرے، ''سَلَقَ'' کہتے ہیں مصیبت کے وقت اپنی آواز کو بلند کرنا، اپنے سر کا حلق کرانا اور کپڑوں کو پھاڑنا! اور (لیکن) محض رونا اور غم کرنا یہ صبر کے منافی نہیں ہے، اللہ تعالیٰ نے حضرت یعقوب علیہ السلام کے بارے میں فرمایا: ﴿وابیضت عیناہ من الحزن فھو کظیم﴾ حضرت قتادہ فرماتے ہیں کظیم کہتے ہیں غم سے بھر جانا، پھر وہ خیر خواہی اور اچھی ہی بات کہے۔

حماد بن سلمہؒ فرماتے ہیں، ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو کچھ آنکھ سے (آنسوں) نکلے اور جو دل سے (غم) ہو تو وہ اللہ کی جانب سے ہے اور رحمت و رقت کی وجہ سے ہے، اور جو کچھ ہاتھ سے (مارنا، پھاڑنا) ہو اور زبان سے (واویلہ) ہو تو وہ شیطان کی طرف سے ہے۔

ہشیم فرماتے ہیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس نے (بالوں کو) منتشر کر دیا، تو اس نے صبر نہیں کیا۔

خالد بن ابی عثمانؒ فرماتے ہیں، میرے بیٹے کا انتقال ہو گیا تو سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ نے مجھ کو چہرہ چھپاتے دیکھا تو انہوں نے کہا کہ چہرہ چھپانے سے بچو یہ تو عجز (کی دلیل) ہے۔

حضرت بکر بن عبداللہ مزنیؒ فرماتے ہیں، استکانت کی صورت یہ ہے کہ مصیبت کے بعد گھر ہی میں گوشہ نشیں ہو جائے۔

حضرت عبید بن عمیرؒ فرماتے ہیں کہ آہ و فغاں یہ نہیں کہ آنکھوں سے آنسوں بہے اور دل غمگین ہو، بلکہ جزع وفزع بد کلامی و بدگمانی ہے۔

قاسم بن محمدؒ سے جزع وفزع کے بارے میں پوچھا گیا تو فرمایا بدکلامی اور بدگمانی جزع وفزع ہے۔

بصرہ کے کسی قاضی کے بیٹے کا انتقال ہو گیا تو ان کے پاس علماء وفقہاء جمع ہو گئے اور وہ حضرات اس چیز میں بحث و مباحثہ کرنے لگے کہ وہ کونسی چیز ہے جو جزع وفزع اور صبر میں فرق کر دے؟ تو ان حضرات کا اس بات پر اتفاق ہو گیا کہ جب آدمی اس چیز کو ترک کر دے جس کو وہ کیا کرتا تھا تو یہ جزع وفزع ہے۔

حسین بن عبدالعزیز الحوریؒ فرماتے ہیں کہ میرے ایک خوبصورت بیٹے کا انتقال ہو گیا تو میں نے اس کی والدہ کو کہا، اے اللہ کی بندی اللہ سے ڈر اور ثواب کی امید رکھ اور صبر کر، تو اس نے کہا میرے بیٹے کی موت کی وجہ سے مجھ پر جو مصیبت آئی ہے وہ اتنی بڑی ہے کہ میں اس کو جزع وفزع سے ختم نہیں کر سکتی۔

حضرت عبداللہ بن مبارکؒ فرماتے ہیں کہ ایک آدمی یزید بن یزید کے پاس آیا اور وہ نماز پڑھ رہے تھے اور ان کا بیٹا قریب الموت تھا تو اس آدمی نے کہا کہ تیرا بیٹا انتقال کر گیا اور تو نماز پڑھ رہا ہے؟ تو انہوں نے کہا آدمی جب اس کا کوئی عمل ایسا ہو جس کو وہ کرتا ہو پھر وہ اس کو ایک دن بھی ترک کر دے تو یہ اس کے عمل میں خلل ہے۔

ثابت فرماتے ہیں کہ عبداللہ بن مطرفؒ کو ایک مصیبت پہونچی تو میں نے ان کو دیکھا کہ وہ کسی اچھے کام میں مشغول ہیں، اور اچھی خوشبو لگا رہے ہیں، تو میں نے جو کچھ دیکھا ان سے اس کا تذکرہ کیا، تو انہوں نے فرمایا: اے ابو محمد تو مجھ کو اس بات کا حکم دیتا ہے کہ میں شیطان کا تابع بن جاؤں، اور میں اس کو یہ بتاؤں کہ مجھ کو کوئی تکلیف پہونچی ہے؟ اللہ کی قسم اے ابو محمد اگر میرے پاس پوری کی پوری دنیا ہو پھر وہ مجھ سے لے لی جائے پھر مجھ کو قیامت کے دن ایک گھونٹ پانی پلایا جائے تو بھی میں اس پوری دنیا کو اس گھونٹ کی قیمت نہیں سمجھتا۔

اور من جملہ ان چیزوں میں سے جو صبر میں عیب پیدا کر دیتی ہے، مصیبت کا اظہار کرنا ہے اس کو بیان کرنا، اور صبر کو چھپانا ہے، حسن بن صلاح اپنی مسند میں حضرت ابن عمرؓ سے روایت فرماتے ہیں، نبی کریم ﷺ

نے فرمایا: مصائب کو، امراض کو، صدقات کو پوشیدہ رکھنا نیکی میں سے ہے، اور یہ بھی ذکر کیا کہ جو شخص (مرض کی) شکایت کرے تو وہ صابر نہیں ہے اور حسن بن صلاح سے دوسری مرفوع روایت میں ہے، نیکی میں سے مصائب کو چھپانا ہے، اور جو ظاہر کردے وہ صابر نہیں ہے۔

اور حضرت عطاءؒ کی ایک آنکھ میں پانی اتر آیا، تو بیس سال تک ان کے گھر والوں کو معلوم نہیں ہوا، یہاں تک کہ ایک دن ان کا بیٹا ان کے سامنے آیا، تو اس کو معلوم ہوا کہ شیخ کو آنکھ میں تکلیف پہونچی ہے۔

ایک آدمی حضرت داوٗدِ طائیؒ کے پاس آیا، وہ اپنے بستر پر تھے تو اس نے ان کو دیکھا کہ وہ کانپ رہے ہے، تو اس نے "اِنَّـا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ" پڑھا، تو داوٗد طائی نے کہا، خاموش ہو جا، تو یہ بات کسی کو مت بتانا، اور مجھے اس سے پہلے چار مہینہ تک مرضِ قعاد لگ گیا تھا کہ اس کا کسی کو علم نہ ہوا۔

مغیرہ فرماتے ہیں احنف نے اپنے چچا سے دردِ داڑھ کی شکایت کی اور اس کو بار بار لوٹایا، تو انہوں نے کہا مجھ کو بار بار مت کہہ تحقیق کہ چالیس سال سے میری آنکھ چلی گئی ہے کہ میں نے اس کا کسی کو شکوی نہیں کیا۔

فصل

صبر کی ضد گھبراہٹ جزع وفزع ممانعت و بزدلی ہے اور "ھلع" بمعنی مصیبت کے پیش آنے کے وقت گھبرا جانا، اور حصول نعمت کے وقت بخل و کنجوسی کرنا، اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿اِنَّ الْاِنْسَانَ خُلِقَ هَلُوْعًا اِذَا مَسَّهُ الشَّرُّ جَزُوْعًا وَاِذَا مَسَّه الْخَيْرُ مَنُوْعًا﴾ اور یہی ھلوع کی تفسیر ہے۔

جوہری فرماتے ہیں ھلع (گھبراہٹ و بزدلی) بدترین جزع وفزع ہے اور حدیث میں ہے ﴿شر ما فی العبد شح ھالع و جبن خالع﴾ (بندے میں سخت بری بات حواس باختہ لالچ اور سخت بزدلی ہے)۔

میں (علامہ ابن قیم) کہتا ہوں کہ یہاں (حدیث میں) دو امر ہے ایک امر لفظی ہے اور ایک امر معنوی ہے۔

اوّل:۔ امر لفظی، یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ نے شحّ (حرص) کو ھالعاً (کمزوری) کے ساتھ موصوف کیا ہے اور ھالع تو صاحب شح ہے اور زیادہ سے زیادہ ھلوعاً کہا جاتا اس کو ھالع نہیں کہا جاتا اس لئے کہ وہ متعدی نہیں ہوتا! پھر اس میں دو صورت ہیں۔

اوّل یہ کہ یہ (شح ھالع) اسمِ منسوب ہو جیسے کہ اہلِ عرب بولتے ہیں"لیل نَائِمٌ، سر کا تمٌ، نہار صائم، نوم عاصف" ان سب جملوں میں یہ اسم منسوب ہونا امام سبویہ کے قول کے مطابق ہے یعنی حواس باختہ طمع وحرص والا، جیسے اہلِ عرب کہتے ہیں'' تامر (کھجور والا) لابن (دودھ والا)۔

اور دوم یہ ہے کہ لفظ (ھالع) کو اس کے باب سے خالع کے ساتھ ہم شکل ہونے کی وجہ سے بدل دیا ہے (یعنی ھالع بھی خالع ہی کے معنی میں ہے یعنی سخت مریض اور سخت بزدل)۔

اورامر معنوی:۔تو وہ یہ ہے کہ شحّ (طمع) اور جبن (بزدلی) یہ دونوں صفتیں بندے میں بہت ہی رذیل ہے خاص کر اس وقت جبکہ اس کی صفتِ شحّ ھلوع کے ساتھ موصوف ہو جائے، یعنی بندہ گھبراہٹ و بے قراری میں ضرورت سے زیادہ اظہار کرے، اور اس کی صفتِ جبن خلوع کے ساتھ موصوف ہو، یعنی اس کا دل ہی اپنی جگہ سے ہٹ جائے، لہٰذا نہ وہ فراخ دل ہوتا ہے اور نہ بہادر ہوتا ہے اور نہ وہ اپنے مال سے فائدہ اٹھاتا ہے، اور نہ بدن سے! جیسے کہ کہا جاتا ہے کہ نہ تیراندازی ہے اور نہ تلوار بازی، نہ ہٹاتا ہے نہ منتشر کرتا ہے بلکہ شحّ اس کو دباتا ہے چھوٹا وحقیر کرتا ہے اور روندڈالتا ہے، اور جب تو ھلوع کو پہچاننا چاہے تو یہ وہ شخص ہے جس کو بھوک لگی ہو مثلاً تو بار بار کھانے کا اظہار کرتا ہے اور اس میں جلدی کرتا ہے اور جب اس کو رنج پیش آتا ہے تو جلدی شکایت کرنے لگتا ہے اور اظہار بھی کرتا ہے اور جب مغلوب ہوتا ہے تو اطاعت اور تواضع کا اظہار کرتا ہے اور بہت جلد اختیار کرتا ہے اور جب بھوک ستاتی ہے تو پہلو کے بل لیٹ کر شکایت کا اظہار کرنے لگتا ہے اور جب موقع حرص حاصل ہوتا ہے تو اس کی طرف جلد اڑنے لگتا ہے اور جب اس پر قابو پالیتا ہے تو اس میں پیوست ہو جاتا ہے جان میں روح کے پیوست ہونے کی طرح، پھر نہ برداشت کرسکتا ہے اور نہ چھوڑ سکتا ہے یہ سب نفس کی حقارت و کمنگی اور مکر وفریب ہے۔

چھبیسواں باب

صبر وشکر صفات رب میں سے ہے اور اللہ تعالیٰ کا نام صبور وشکور ہے

اور صبر وشکر کی دوسری کوئی اور فضیلت نہ ہوتی تو بھی یہی اس کی فضیلت کے لئے کافی ہے۔

صبر تو اس کا اطلاق اللہ تعالیٰ پر مخلوق میں سے سب سے معروف وعظیم ذات ﷺ نے کیا ہے اللہ کی بطور تقدیس وپاکیزگی کے مبالغہ کے صیغہ کے ساتھ ہے، صحیحین میں حضرت ابوموسیٰ سے مروی ہے نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ﴿مَا اَحَدٌ اَصْبِرُ عَلٰی اَذیٰ سَمِعَهٖ مِنَ اللّٰهِ عَزَّ وَجَلَّ یَدْعُوْنَ لَهٗ وَلَداً وَهُوَ یُعَا فِیْهِمْ وَیَرْزُقُهُمْ﴾ اذاد ہندہ باتوں پر اللہ تعالیٰ سے زیادہ صابر کوئی نہیں، کہ لوگ اس کے لئے اولادوں کو مقرر کرتے ہیں، حالانکہ اللہ ان کو عافیت دے رہا ہے اور روزی پہونچا رہا ہے۔

اور اللہ تعالیٰ کے اسماءِ حسنیٰ میں سے ایک نام ''صبور'' ہے اور صیغہ مبالغہ ہے، اور یہ صبور صابر وصبّار سے بھی زیادہ بلیغ ہے، اور اللہ تعالیٰ کا صبر مخلوق کے صبر سے بالکل جدا اور الگ ہے اور اللہ کا صبر مخلوق کے صبر جیسا چند وجوہ سے نہیں ہے، اس میں سے ایک یہ ہے کہ اللہ کا صبر قدرتِ تامّہ کے ساتھ ہوتا ہے، اور نہ اس کو مدد کی امید ہوتی ہے، اور بندہ امید میں مدد کی جلد بازی کرتا ہے، اور ایک (وجہ) یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کو اپنے صبر میں نہ کوئی تکلیف پہونچتی ہے اور نہ کوئی غم اور نہ کسی طرح کا کوئی نقص لاحق ہوتا ہے اور اس نام کا اثر دنیا میں روزِ روشن کی طرح واضح ہے جیسے کہ اس کے اسم حلیم کا اثر ظاہر ہے۔

اور صبر وحلم میں یہ فرق ہے کہ صبر یہ حلم کا ثمرہ اور اس کا نتیجہ ہے، لہٰذا بندہ کے حلم کی مقدار کے مطابق اس کا صبر ہوگا، لہٰذا اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی صفات میں حلم یہ صبر سے بھی زیادہ وسیع ہے، اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ کا اسم ''حلیم'' قرآن میں بہتر ے مقامات پر ہے (تقریباً ۱۵ مقامات پر ہے) اور اس کی وسعت کی وجہ سے اس کو اسم ''علیم'' کے ساتھ متصل فرمایا جیسے کہ اللہ تعالیٰ کا قول ﴿وَ كَانَ اللّٰهُ عَلِيماً حَلِيماً﴾ اور ﴿اَللّٰهُ عَلِيمٌ حَلِيمٌ﴾۔

اور حدیث میں ہے، حاملینِ عرش چار فرشتے ہیں، دوفرشتے کہتے ہیں ”سبحانك اللهم وبحمدك لك الحمد على حلمك بعد علمك “ اور دوفرشتے کہتے ہیں ”سبحا نك اللهم بحمدك

لك الحمد علی عفوك بعد قدرتك" اور مخلوق جہالت ونادانی کی وجہ سے حلم وبردباری کا اور عجز وکمزوری کی وجہ سے عفو ومعافی کا معاملہ کرتی ہے اور اللہ تعالیٰ اپنے کمالِ علم کے باوجود حلیم اور مکمل قدرت کے باوجود معاف کرنے والے ہیں، اور کسی چیز کو کسی چیز کی طرف منسوب کرنا اتنا خوبصورت اور بہترین نہیں جتنا حلم کو علم کی طرف منسوب کرنا اور عفو کو قدرت کی طرف منسوب کرنا خوبصورت ہے، اور اسی وجہ سے ''دعاء کرب'' میں اللہ تعالیٰ کے حلم کو صفتِ عظمت کے ساتھ موصوف کیا گیا ہے، اور اللہ تعالیٰ کا حلیم ہونا یہ تو اس کی ذات کے لوازمات میں سے ہے۔

اور اللہ تعالیٰ کا صبر، بندوں کے کفر وشرک اور بندوں کا اللہ سبحانہ وتعالیٰ کو سبّ وشتم کرنے اور بندوں کا قسما قسم کے فسق وفجور کرنے کے ساتھ اللہ کا صبر متعلق ہوتا ہے اور یہ سب کے سب (اعمال) اللہ تعالیٰ کو جلد سزا دینے پر بے قرار وآمدہ نہیں کرتے، بلکہ اللہ تعالیٰ اپنے بندے پر صبر کرتے ہیں اور ان کو مہلت دیتے ہیں اور اللہ تعالیٰ اس کی رعایت کرتے ہیں اور اس پر نرمی فرماتے ہیں اور اس سے درگزر کرتے ہیں یہاں تک کہ جب اس میں اطمنان کا کوئی مقام باقی نہیں رہتا اور مہلت اور نرمی اور حلم پر کوئی درستگی نہیں کرتا اور نہ اپنے رب کی طرف رجوع کرتا ہے اور نہ اس کے پاس آتا ہے نہ احسان ونعمت کے باب سے اور نہ بلاؤں وناراضگی کے باب سے! تو اللہ تعالیٰ بے انتہاء اس کے (قبول) اعذار کے بعد اور اس کو وعظ ونصیحت کے بعد اور اس کو ہر طرف سے اپنی طرف دعوت کے بعد سخت پکڑتے ہیں! اور یہ سب کچھ اس کی صفتِ حلم کے باعث ہے اور یہ اس کی لازوال صفتِ ذاتی ہے۔

اور صبر تو جب اس کا متعلق زائل ہوجائے تو یہ ان دوسرے افعال کی طرح ہوجاتا ہے جو کسی حکمت ومصلحت کے پیشِ نظر موجود ہوتا ہے اور اس (حکمت ومصلحت) کے زوال سے وہ افعال بھی زائل ہوجاتے ہے "فتأمل" بلاشبہ اس میں باریک فرق ہے جس پر ماہر حذاق بھی اس کے عشر عشیر پر مطلع نہیں ہوسکتا، اور بہت کم حضرات ہیں جو متنبہ ہوکر تنبیہ کرتے ہیں، اور بہت سے لوگوں پر یہ اسم مشتبہ ہوگیا اور انہوں نے کہا یہ نام قرآن میں نہیں آیا، اور ان لوگوں نے اس نام کی تلاشی میں مشغول ہونے سے بالکل منہ پھیر لیا، پھر وہ لوگ بندے کے صبر اور اس کی اقسام کے بحث ومباحثہ میں مشغول ہوگئے اور اگر یہ لوگ اس نام کو اس کا حق عطا

کرتے تو وہ جان لیتے کہ رب العالمین اس (مشغلہ) کے مخلوق سے زیادہ حقدار ہیں، جس طرح اللہ تعالیٰ اپنے نام" علیم، رحیم، قدیر، سمیع، بصیر، حیّ" اور دیگر تمام اسماءِ حسنیٰ کے مخلوق کی بنسبت زیادہ حقدار ہے! اور اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے صبر اور مخلوق کے صبر کے مابین اسی طرح فرق وتفاوت ہے جس طرح اللہ کی حیات اور مخلوق کی حیات کے مابین اور اللہ کے علم اور مخلوق کے علم کے مابین اور اللہ کی صفت سمیع اور مخلوق کے سمع کے مابین اسی طرح دیگر تمام اسماء کے مابین فرق وتفاوت ہے۔

اور جب خالق کی یہ بات مخلوق کے سب سے اعرف ﷺ شخصیت نے جانی تو فرمایا: ﴿لا احد اصبر علی اذی سمعه من الله﴾ تو پھر اہل بصیرت حضرات نے صبر الٰہی کو جانا جیسے کہ انہوں نے اس کی رحمت وعفو اور ستاری کو جانا، باوجودیکہ وہ کمالِ علم وقدرت اور کمالِ عظمت وعزت کے ساتھ صابر ہیں اور یہ صبر مصبور علیہ سے بالا و برتر ہے، اس لئے کہ اعظم العظما اور ملک الملوک اور اکرم الاکرمین اور وہ ذات جس کا احسان ہر احسان سے مافوق ہے اس ہستی سے مقابلہ نہایت ہی قبیح ہے، اور اعظم الفجور اور افحش الفواحش (فعل انجام دینا) اور اس ذات کو ایسی چیزوں کی طرف منسوب کرنا جو اس کی شیانِ شان نہیں اور اس کے کمال میں اور اس کے اسماء وصفات میں اتہام وعیب جوئی کرنا اور اس کی آیات میں تغیر وتبدّل کرنا اور اس کے رسولوں کی تکذیب کرنا اور ان رسولوں کو سبّ وشتم کرنا اور تکالیف پہونچانا اور اس ذات کے محبوب لوگوں کو جلانا اور ان کو قتل کرنا اور ان کی اہانت وبے عزتی کرنا یہ ایک ایسا معاملہ ہے جس پر سواءِ اس ذاتِ صبور کے اور کوئی صبر نہیں کرسکتا، جس ذات سے بڑھ کر کوئی صابر نہیں ہے تمام اوّل وآخر مخلوق کے صبر کی اس ذات کے صبر کے سامنے کوئی نسبت نہیں ہے۔

اور اے مخاطب جب تو اپنے رب کے صبر وحلم کی معرفت چاہتا ہو اور ان کے مابین فرق سمجھنا چاہتا ہو تو تو اللہ تعالیٰ کے قول ﴿اِنَّ اللّٰهَ يُمۡسِكُ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضَ اَنۡ تَزُوۡلَا وَلَئِنۡ زَالَتَاۤ اِنۡ اَمۡسَكَهُمَا مِنۡ اَحَدٍ مِّنۡۢ بَعۡدِهٖ اِنَّهٗ كَانَ حَلِيۡمًا غَفُوۡرًا﴾ ترجمہ: ''یقینی بات ہے کہ اللہ تعالیٰ آسمانوں اور زمین کو تھامے ہوئے ہے کہ وہ موجودہ حالت کو چھوڑ نہ دیں اور اگر وہ موجودہ حالت کو چھوڑ بھی دیں تو پھر خدا کے سوا کوئی ان کو تھام بھی نہیں سکتا، وہ حلیم غفور ہے'' میں اور اللہ تعالیٰ کے قول ﴿وَقَالُوا اتَّخَذَ الرَّحۡمٰنُ وَلَدًا. لَقَدۡ جِئۡتُمۡ شَيۡئًا اِدًّا.

تَكَادُ السَّمٰوَاتُ يَتَفَطَّرْنَ مِنْهُ وَتَنْشَقُّ الْاَرْضُ وَتَخِرُّ الْجِبَالُ هَدًا. اِنْ دَعَوْا لِلرَّحْمٰنِ وَلَدًا﴾ ترجمہ: ''اور یہ لوگ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اولاد اختیار کر رکھی ہے، تم نے یہ ایسی سخت حرکت کی ہے کہ اس کے سبب کچھ بعید نہیں کہ آسمان پھٹ پڑیں، اور زمین کے ٹکڑے اڑ جاویں، اور پہاڑ ٹوٹ کر گر پڑیں، اس بات سے کہ یہ لوگ خدا تعالیٰ کی طرف اولاد کی نسبت کرتے ہیں'' میں اور اللہ تعالیٰ کے قول ﴿وَاِنْ كَانَ مَكْرُهُمْ لِتَزُوْلَ مِنْهُ الْجِبَالُ﴾ ترجمہ: ''اور واقعی ان کی تدبیریں ایسی تھیں کہ ان سے پہاڑ بھی ٹلجاویں'' (**بفتح اللام کی قراءۃ** کے مطابق) میں غور وفکر کر۔

تو اللہ تعالیٰ نے اس بات سے آگاہ فرمایا، کہ اللہ جَلَّ جَلَالُہٗ کا حلم ومغفرت آسمانوں وزمین کے زوال سے مانع ہے، اور اللہ تعالیٰ کا ان دونوں کو زائل ہونے سے تھامے رکھنا یہ اس کا صبر ہے اور اپنے دشمنوں کی گوشمالی نہ کرنا یہ اس کا حلم ہے۔

اور آیات میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ آسمان وزمین بندوں کے بڑے بڑے اعمالِ (بد) کی وجہ سے زائل ہونے کا ارادہ رکھتے ہیں اور اجازت چاہتے ہیں (لیکن) اللہ تعالیٰ نے اپنی (صفت) حلم ومغفرت کے ذریعہ تھام رکھا ہے اور یہ (تھامنا) اللہ تعالیٰ کا ان کو سزا دینے سے رکنا ہے اور یہی اللہ تعالیٰ کے صبر کی حقیقت ہے، لہٰذا وہ چیز جس سے آسمان وزمین برقرار ہے وہ صفتِ حلم ہے اور تھامنا یہ صفت صبر ہے، اور وہ سزا کو روکتا ہے! لہٰذا سزا (دینے) سے رکنا اور وہ چیز جس سے اس کا رکنا صادر ہوا! ان دونوں کے درمیان فرق واضح ہے۔

مسند احمد میں مرفوعاً روایت ہے **"مَا مِنْ يَوْمٍ اِلَّا وَالْبَحْرُ يَسْتَأْذِنُ رَبَّهٗ اَنْ يُغْرِقَ بَنِيْ آدَمَ"** ہر دن سمندر اپنے رب سے یہ اجازت طلب کرتا ہے کہ وہ فرزند آدم کو غرق کردے، اور یہ طبعی تقاضی ہے اس لئے کہ کرۂ سمندر طبعی طور پر کرۂ زمین سے بلند ہے لیکن اللہ تعالیٰ نے اس کو اپنی قدرت اور صفت حلم وصبر سے تھامے رکھا ہے۔

اور اسی طرح پہاڑوں کا پگھلنا، آسمان کا پھٹنا، اللہ تعالیٰ نے اس کو اپنی (صفتِ) حلم وصبر سے روکے رکھا ہے اس لئے کہ (اللہ کی) عظمت وجلال اور اکرام وانعام کے مقابلہ میں (بندوں کا) جو کفر وشرک اور فسق فجور جو صادر ہوتے ہیں وہ اسی کا تقاضی کرتے ہیں (لیکن) اللہ تعالیٰ نے ان اسباب (عذاب) کے مقابلہ میں کچھ ایسے اسباب (رحمت) مقرر فرمادئے ہیں جو اللہ کو محبوب ہے اور اللہ اس سے راضی ہوتے ہیں اور اللہ تعالیٰ ان (اسباب) کے ذریعہ بہت ہی خوش ہوتا ہے تو یہ (اسباب رحمت) ان اسباب کے مقابل ہوجاتے ہیں جو

دنیا کے زوال وہلاکت کا سبب ہے لہٰذا یہ اسباب (رحمت) ان اسباب (عذاب) کو رفع کردیتے ہیں اور دنیا کے قائم رہنے کا (سبب) بنتے ہیں۔

اور یہ اثر ہے دوسری بات کا اور وہ یہ کہ اللہ تعالیٰ کی رحمت غضب کے لئے دافع اور اس پر غالب اور سابق ہے! لہٰذا اثر (رحمت) بھی اثر غضب پر غالب ہوگا، جیسے کہ رحمت غضب پر غالب ہے، اور اسی وجہ سے نبی کریم ﷺ نے (اللہ کی) صفتِ رضاء کی (صفت) سخط (ناراضگی) سے پناہ چاہی اور فعل عفو کی فعل سزا سے پناہ چاہی، پھر دونوں معاملہ کو ایک ذات میں جمع کردیا، اس لئے کہ وہ دونوں صفتیں اس کے ساتھ قائم ہے، لہٰذا فرمایا "اعوذ برضاك من سخطك واعوذ بعفوك من عقوبتك واعوذ بك منك" اس لئے کہ جس چیز کی پناہ چاہی جارہی ہے وہ اسی کی مشیت وتخلیق سے ہی اور اس کی اجازت وفیصلہ ہی سے صادر ہونے والی ہے، لہٰذا وہ ذات جو ان اسباب کو (جس سے پناہ چاہی گئی ہے) واقع ہونے کی خلقاً وتکویناً اجازت عطا کردے، تو اسی کی جانب سے سبب بھی ہوگا اور (وہی) مسبب بھی ہوگا! اور وہی ذات ہے جس نے دلوں کو اور جسموں کو حرکت (کی طاقت) دی اور اسی نے ان (دل وجسم) کو قوّت تاثیر بھی عطا کی اور وہی ذات ہے جس نے ان (دل وجسم) کو وجود بخشا اور ان کو تیار کیا اور ان کو بڑھایا، اور اپنی منشیٰ کے مطابق ان (دل وجسم) کو اقتدار واختیار عطا کیا اور وہی ذات ہے جو جب چاہتا ہے ان کو تھام لیتا ہے اور ان کے اور ان کے قوت وتاثیر کے مابین حائل ہوجاتا ہے۔

لہٰذا تو نبی کریم ﷺ کے قول "اعوذبك منك" میں غور کر جس میں محض توحید ٹپکتی ہے اور غیر اللہ سے توجہ بھی منقطع ہے، اور اسی پر توکل کی تکمیل ہے اور اسی "وحدہٗ لا شريك له" سے طلب اعانت ہے، اور خوف وامید میں، اور دفع مضرت اور جلب منفعت میں وہی منفرد ہے، اور وہی ذات ہے جو اپنی مشیٔت وارادہ سے ضرر ونقصان پہونچاتا ہے، اور وہی ہے جو اپنی مشیٔت وارادہ سے ضرر کو دفع بھی کرتا ہے اور وہی ذات ہے جس کی مشیٔت وارادہ کی اسی کی مشیٔت وارادہ سے طلب پناہ ہوسکتی ہے اور وہی ذات ہے جو اپنے فعل سے اپنے فعل کی پناہ عطا کرسکتا ہے، اور وہی ذات سبحانہ وتعالیٰ ہے جس نے ان افعال کی تخلیق کی ہے جس پر وہ صبر کرتا ہے اور جس سے وہ راضی ہوتا ہے، لہٰذا جب اللہ سبحانہ وتعالیٰ کو مخلوق کے معاصی اور کفر وشرک اور ان کا ظلم غضبناک کرتے ہیں تو اس کو فرشتوں کی تسبیح اور اپنے مؤمن بندوں کی عبادت اور ان کی حمد وثناء اور ان کی اطاعت وفرمانبرداری راضی کردیتے ہیں، لہٰذا وہی اپنی رضاء کی اپنے غضب سے پناہ عطا کرتا ہے۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں، تمہارے رب کے نزدیک کوئی دن رات نہیں ہے، آسمان وزمین کا نوراسی کے نور کی وجہ ہے اور تمہارے ایام میں سے ایک یوم کی مقدار اللہ کے نزدیک بارہ گھنٹے ہیں، پھر اللہ کے سامنے تمہارے گذشتہ دن کے اعمال آج شروع دن میں پیش کئے جاتے ہیں، تو اللہ تعالیٰ ان (اعمال) میں تین گھنٹے غور کرتا ہے تو جب اللہ اعمالِ مکروہ پر مطلع ہوتا ہے تو سب سے پہلے حاملین عرش اللہ کے غضب کو جان لیتے ہیں (چونکہ) وہ اپنے اوپر ثقل اور بوجھ کو محسوس کرتے ہیں، تو حاملین عرش اورعرش کی دیواریں اور مقرّب فرشتے اور تمام ملائکہ تسبیح پڑھنا شروع کرتے ہیں، یہاں تک حضرت جبرئیل علیہ السلام قرن (سنگ) میں پھونک مارتے ہیں جس کو ہر شئی سنتی ہے بس وہ تمام (چیزیں) تین گھنٹے اللہ کی تسبیح پڑھتی ہے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ رحمت سے بھر جاتے ہیں (غضب ٹھنڈا ہو جاتا ہے) تو یہ (کل) چھ گھنٹے ہوئے، راوی فرماتے ہیں، پھر قرابت داریوں کو پیش کیا جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس میں تین گھنٹے غور کرتا ہے، یہی تو اللہ کا قول ہے ﴿هُوَ الَّذِيْ يُصَوِّرُكُمْ فِي الْاَرْحَامِ كَيْفَ يَشَاءُ﴾ اور ﴿يَهَبُ لِمَنْ يَّشَآءُ اِنَاثًا وَيَهَبُ لِمَنْ يَشَآءُ الذُّكُورَ. اَوْ يُزَوِّجُهُمْ ذُكْرَانًا وَّاِنَاثًا وَّيَجْعَلُ مَنْ يَشَآءُ عَقِيمًا﴾ تو یہ (کل) نو گھنٹے ہوئے پھر رزق کو پیش کیا جاتا ہے تو اللہ اس میں تین گھنٹے غور کرتا ہے یہی تو اللہ کا قول ہے ﴿يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَّشَآءُ وَيَقْدِرُ﴾ اور اللہ تعالیٰ کا قول ﴿كُلَّ يَوْمٍ هُوَ فِي شَأْنٍ﴾ ہے! راوی فرماتے ہیں یہ ہے تمہاری شان اور یہ ہے تمہارے رب کی شان۔

اور جب اللہ تعالیٰ نے سورۂ انعام میں اپنے دشمنوں کا اور ان کے کفر وشرک کا اور ان کا رسولوں کی تکذیب کا ذکر فرمایا، تو اسی کے بعد اپنے دوست حضرت ابراہیم علیہ السلام کی حالت کو ذکر فرمایا، اور اس آسمان و زمین کی مخلوقات کا ذکر فرمایا جو اللہ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو (بچشمِ معرفت) دیکھایا تھا، اور اس طریقہ ودلیل کو ذکر فرمایا جس کے ذریعہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اللہ کے دین اور توحید کو ظاہر کرنے کے لئے اپنی قوم سے حجت بازی فرمائی تھی، پھر ان کی اولاد میں انبیاء کا ذکر فرمایا اور اس بات کا بھی ذکر فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو ہدایت دی اور ان کو کتاب وحکمت ونبوت بھی عطا فرمائی، پھر اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿فَاِنْ يَّكْفُرْ بِهَا هٰٓؤُلَاءِ فَقَدْ وَكَّلْنَا بِهَا قَوْمًا لَّيْسُوْا بِهَا بِكَافِرِيْنَ﴾ اور اللہ نے اس بات سے بھی آگاہ کیا کہ جس طرح اللہ جل جلالہ نے زمین میں ان لوگوں کو پیدا کیا جو اس کا انکار کرتے ہیں اور اس کی توحید کے منکر ہے اور اس کے رسولوں کی تکذیب

کرتے ہیں تو اسی طرح زمین میں اپنے ان بندوں کو بھی مقرر فرمایا جو ان چیزوں کا اقرار کرتے ہیں جن کا وہ لوگ انکار کرتے ہیں اور ان چیزوں کی تصدیق کرتے ہیں جن کی وہ لوگ تکذیب کرتے ہیں اور وہ بندے اللہ کے محرمات وشعائر کی حفاظت کرتے ہیں جن کو وہ لوگ ضائع کرتے ہیں۔

اور اسی سے عالمِ علوی اور عالمِ سفلی کو محفوظ رکھا ہے، ورنہ تو حق اگر اللہ کے دشمنوں کی خواہش کے مطابق ہو جائے تو آسمان وزمین اور ان کے درمیان کی تمام چیزیں ویران ہو جائے اور دنیا برباد ہو جائے اور اسی وجہ سے اگر اللہ تعالیٰ فناء عالم کے اسباب میں سے بعض ان اسباب کو زمین سے اٹھالے جس سے بقاءِ عالم ہے، اور وہ بعض اسباب اللہ کا کلام (قرآن) اور اللہ کا گھر (کعبہ) اور اس کا دین (اسلام) اور دین اسلام کو قائم رکھنے والے ہیں، تو دنیا کی بربادی کے متقاضی اسباب کے مقابلہ میں کوئی ایسا سبب (زمین پر) باقی نہیں رہے گا، جو زمین کو قائم رکھنے اور دنیا (کی ہلاکت) کے لئے مانع ہو۔

اور جب (اللہ کا) اسمِ حلیم اوصاف میں سے ہے اور اسمِ صبور افعال میں سے ہے تو حلم یہ صبر کی اصل ہے، لہٰذا قرآن مجید میں اسمِ حلیم کے ذکر کی وجہ سے اسمِ صبور کے ذکر کی کوئی ضرورت نہیں۔ واللہ اعلم۔

﴿فصــــل﴾

اور اللہ عزوجل کا نام ''شکور'' بھی ہے، لہٰذا وہ حدیث ابی ہریرہ میں ہے اور قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ کا نام ''شاکر'' بھی ہے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا﴿وَكَانَ اللّٰهُ شَاكِرًا عَلِيمًا﴾ اور اللہ کا نام شکور بھی ہے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿وَاللّٰهُ شَكُورٌ حَلِيمٌ﴾ اور اللہ نے فرمایا: ﴿إِنَّ هٰذَا كَانَ لَكُمْ جَزَاءً وَّكَانَ سَعْيُكُمْ مَّشْكُورًا﴾ لہٰذا اللہ تعالیٰ نے بندوں کے لئے دونوں امر کو جمع کر دیا، کہ ان کی سعی کی قدردانی ہوگی اور اس پر ان کو ثواب بھی عطا ہوگا اور اللہ تعالیٰ اپنے بندے کے قدرداں ہوتے ہیں، جب وہ اچھی طرح اس کی اطاعت کرتا ہے اور اس کی مغفرت فرما دیتا ہے جب اللہ سے توبہ کرتا ہے، لہٰذا اللہ تعالیٰ نے بندے کے لئے اس کے اعمال خیر پر قدردانی اور اس کے گناہوں پر مغفرت دونوں کو جمع کر دیا، ﴿إِنَّ رَبَّنَا لَغَفُورٌ شَكُورٌ﴾۔

اور بلاشبہ بیسویں باب میں بندے کے شکر کی حقیقت اور اس کے اسباب اور اس کی صورتوں کا ذکر گزر چکا ہے اور اللہ تعالیٰ کا شکر تو اس کی ایک الگ ہی شان ہے، جیسے کہ صبر کی شان تھی، پس اللہ تعالیٰ صفت شکر

کے ساتھ ہر شا کرسے اولیٰ واعلیٰ ہے، بلکہ اللہ ہی حقیقت میں شکور ہے، اس لئے کہ وہی بندے کو عطا کرتا ہے اور وہی بندے کو توفیق دیتا ہے کہ وہ اس (عطاء خداوندی) پر شکر ادا کرے، اور اللہ تعالیٰ قلیل اعمال وقلیل انفاق کرنے والے کو بھی بدلہ عطا کرتا ہے، سو اللہ تعالیٰ بندہ کی شکر گزاری کو کم نہیں سمجھتے اور اللہ تعالیٰ ایک نیکی کا بدلہ دس نیکیوں سے (بلکہ) اس سے بھی کئی گنا زیادہ نیکیوں سے قدر دانی کرتا ہے، اور اللہ تعالیٰ اپنے بندے کو اس کے قولِ (ذکر) کے عوض اس طور پر قدر دانی کرتا ہے کہ اس کی حمد وثناء ملائکہ کے درمیان اور ملأ اعلیٰ میں فرماتا ہے اور اللہ تعالیٰ اپنے بندوں میں (شاکر بندے) کو شکر کی توفیق ودیعت کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ بندے کے فعلِ (اعضاء) کی بھی قدر دانی کرتا ہے کہ جب بندہ کسی چیز کو اللہ کے لئے ترک کرتا ہے تو اللہ اس کو اس (متروک) سے بھی افضل و بہتر چیز عطا کرتا ہے اور جب اللہ کے لئے کسی چیز کو خرچ کرتا ہے تو اللہ اس کو چند دو چند (بلکہ) اس سے بھی زیادہ کر کے واپس کرتا ہے حالانکہ وہی ذات ہے جس نے اس کو (کسی چیز کے) ترک کرنے کی اور خرچ کرنے کی توفیق عطا کی، اور اسی نے اس پر اس کی قدر دانی بھی کی اور جب اللہ کے نبی حضرت سلیمان علیہ السلام نے گھوڑوں کو قتل کر دیا تھا محض غصہ کی وجہ سے اس لئے کہ گھوڑوں نے اللہ کے ذکر سے غافل کر دیا تھا، تو اس ارادہ سے (قتل کر دیا) کہ کہیں دوسری مرتبہ اللہ کے ذکر سے غافل نہ کر دے، تو اللہ نے اس کے عوض میں ہوا کی حکومت عطا کی اور جب صحابۂ کرام نے اپنے وطنوں کو ترک کیا اور اللہ کی مرضیات کی تلاش میں نکل گئے تو اللہ تعالیٰ نے اس کے عوض میں حضراتِ صحابہ کو دنیا کی حکومت عطا کی اور ان کے (ہاتھوں) پر ملکوں کو فتح فرمایا، اور جب حضرت یوسف علیہ السلام نے قید و بند کی تکالیف کو برداشت کیا تو اللہ تعالیٰ نے اس کے بدلہ میں حضرت یوسف علیہ السلام کو یہ قوت عطا فرمائی کہ وہ سرزمین مصر میں جہاں چاہے آزادی سے رہن سہن کرے اور جب شہداء نے اپنے جسموں کی اللہ کے لئے قربانی دی حتی کہ دشمنوں نے ان کے جسموں کو پارہ پارہ کر دیا تو اللہ تعالیٰ نے ان کو اس کے عوض میں یہ بات عطا فرمائی کہ ان کے جسم سبز پرندوں میں متشکل ہو جاتے ہیں اور شہداء کی روحیں اسی میں رہتی ہے، پھر (وہ پرندے ان کو) جنت کی نہروں پر لے جاتے ہیں جس سے پیتے ہیں اور جنت کے پھلوں کو کھاتے ہیں (اور وہ اسی طرح) قیامت تک رہیں گے، تو اللہ تعالیٰ نے ان کی پہلی حالت کے بدلے میں کامل وخوبصورت و بہتر حالت عطا کی اور اللہ کے رسولوں نے اپنے مال ودولت کو خرچ کیا اپنے

دشمنوں کے مقابلہ میں تو انہوں نے پیغمبروں کی بے عزتی کی اوران کو قیدی بنایا تو اللہ تعالیٰ نے اس کے عوض میں یہ بات عطا کی کہ ان پیغمبروں پر اللہ تعالیٰ بذاتِ خود درود و رحمت فرماتے ہیں اور اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے ملائکہ صلوٰۃ وسلام کی دعا فرماتے ہیں اور اللہ تعالیٰ نے ان رسولوں کی آسمان و زمین میں بہترین حمد وثنا ودیعت فرمادی۔

اور اللہ تعالیٰ کے شکر واحسان میں سے یہ بھی ہے کہ وہ اپنے دشمن کو بھی کی ہوئی نیکی و بھلائی کا بدلہ دنیا میں عطا کرتا ہے، اور قیامت کے دن اس کی وجہ سے (پریشانیوں میں) تخفیف کردے گا، لہٰذا اس کے کئے ہوئے احسان کو اللہ ضائع نہیں کرے گا حالانکہ وہ شخص اللہ کو مخلوق میں سب سے زیادہ مبغوض ہے۔

اور اللہ تعالیٰ کے شکر میں سے یہ بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ایک بدکار عورت کی صرف اس بناء پر مغفرت فرما دی کہ اس نے ایک پیاس میں تڑپتے ہوئے کتے کو جو تر زمین کو چاٹ رہا تھا اس کو سیراب کیا تھا اور ایک دوسرے شخص کی صرف اس بناء پر مغفرت فرمادی کہ اس شخص نے مسلمانوں (کی راہ) سے کانٹے دار ٹہنی کو ہٹا دیا تھا۔

تو اللہ سبحانہ وتعالیٰ بندے کو اس نیک عمل کا بھی بدلہ عطا کرتا ہے جو (عمل) بندے نے اللہ کے لئے کیا ہو، جس میں مخلوق کا فائدہ ہو اور مخلوق تو وہ صرف انہی لوگوں کے ساتھ بھلائی کرتی ہے جو ان کے ساتھ بھلائی کرے اور اللہ جل جلالہ اس سے بھی زیادہ غیور ہے کہ وہ (تو) اس بندے کو بھی اس نیکی کا بدلہ عطا کرتا ہے جو بندہ خود اپنی ذات (کے نفع) کے لئے کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ بندے کو قلیل (عمل) پر بھی اتنا زیادہ بدلہ (ثواب) عطا کرتا ہے کہ اس عوض کے سامنے بندے کے نیکی کی کوئی بساط نہیں ہوتی، لہٰذا وہی ذات محسن ہے جو نعمت بھی عطا کرتی ہے اور شکر کی توفیق بھی دیتی ہے، تو پھر کون ہے جو اللہ سے زیادہ "شکور" نام کا مستحق ہو۔

اور تو اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے قول ﴿مَا يَفْعَلُ اللّٰهُ بِعَذَابِكُمْ اِنْ شَكَرْتُمْ وَآمَنْتُمْ وَكَانَ اللّٰهُ شَاكِراً عَلِيْماً﴾ میں غور کر تو اس خطاب کے ضمن میں کیا محسوس کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا شکر اس بات سے مانع ہے کہ وہ اپنے بندوں کو بغیر جرم کے سزا دے جیسے کہ اللہ کی قدردانی بندوں کی سعی ومحنت کو باطل وضائع کرنے سے مانع ہے، لہٰذا (ذات) شکور نیکیوں کے اجر کو ضائع نہیں کرتا اور بغیر گناہ کے سزا نہیں دیتا۔

اور اس (تشریح) میں تردید ہے ان لوگوں کے قول کی جو یہ سمجھتے ہیں کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ بندے کو اس کی طاقت سے زیادہ مکلّف بناتے ہیں، پھر ان (اعمال کے ترک) پر عذاب وسزا دیتا ہے (جن اعمال کا کرنا)

اس بندے کی طاقت میں نہیں ہوتا، اللہ تعالیٰ کی ذات اس جھوٹے اور باطل گمان سے پاک ومنزہ اور بلند وبالا ہے، (بلکہ) اللہ تعالیٰ کا شکر اس کا تقاضی تو یہ ہے کہ وہ مؤمن شاکر بندے کو سزا ہی نہ دے اور نہ اس کے عمل کو ضائع کرے اور یہ تو اس کی صفت کے لوازمات میں سے ہے اور اللہ تعالیٰ کی ذات اس کی مخالفت سے بری وپاک ہے، جس طرح اللہ کی ذات دیگر سارے ان عیوب ونقائص سے منزہ ہے جو (عیوب) اس کی کمالِ ذات اور اس کی (صفتِ غنا وحمد کے) خلاف ہے۔

اور اللہ تعالیٰ کی (صفت) شکر میں سے یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ بندے کو ادنی سی بھلائی کے نتیجہ میں بھی جہنم سے نکال دے گا، اس کی اتنی سی مقدارِ (خیر) کو بھی ضائع نہیں کرے گا۔

اور اللہ تعالیٰ کے شکر میں سے یہ ہے کہ اللہ کے بندوں میں سے کوئی بندہ جب لوگوں کے درمیان اللہ کے لئے وعظ ونصیحت کرے جو اللہ کو پسند ہو تو اللہ تعالیٰ اس کی تعریف فرماتے ہیں اور اس کے ذکر کو (ہر سو) چمکاتے ہیں اور اللہ تعالیٰ اس کی خبر فرشتوں اور مؤمن بندوں کو دیتا ہے، جیسے اللہ تعالیٰ نے آلِ فرعون کے اس مؤمن کی اس تقریر پر تعریف فرمائی اور اس کی حمد وثنا بیان فرمائی اور اس کے ذکر کو اپنے بندوں کے درمیان چمکا دیا اور اسی طرح اللہ تعالیٰ نے صاحبِ یٰس (وہ بندہ جس کا سورۂ یٰسین میں ذکر ہے) کی (اس تقریر پر) تعریف فرمائی اور اس نے لوگوں کو اللہ کی طرف دعوت پیش کی اس کی بھی تعریف فرمائی، لہٰذا کوئی شخص اللہ کے شکر ومغفرت کے مابین ہلاک نہیں ہوتا، مگر ہلاک ہونے والا، اس لئے کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ غفور وشکور ہے وہ بہت سی لغزشوں کو یوں ہی معاف کر دیتا ہے اور عملِ قلیل (کی قدر) قبول کرتا ہے (اور کثیر بدلہ عطا کرتا ہے)۔

اور جب اللہ تعالیٰ وہی حقیقت میں ''شکور'' ہے تو اللہ تعالیٰ کو اپنی مخلوق میں سب سے زیادہ وہ شخص محبوب ہے جو صفتِ شکر کے ساتھ متصف ہو جیسے کہ اللہ تعالیٰ کو اپنی مخلوق میں سب سے مبغوض وہ ہے جو (اس سے خالی ہو اور) صفت شکر کو معطل کر دے، اور اس کی ضد کے ساتھ متصف ہو اور یہ اللہ تعالیٰ کے اسماءِ حسنیٰ کی شان ہے مخلوق میں سے اللہ کے نزدیک سب سے زیادہ محبوب وہ ہوتا ہے جو اثراتِ صفات کے ساتھ متصف ہو اور مخلوق میں سے مبغوض وہ ہیں جو اضدادِ صفات کے ساتھ متصف ہو اور اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ کفور (ناشکر) کو ظالم کو، جاہل کو، سخت دل کو، بخیل کو، بزدل کو، حقیر کو اور کمینہ ورذیل آدمی کو مبغوض رکھتے ہیں اور اللہ تعالیٰ جمیل

ہے جمال کو پسند کرتے ہیں، علیم ہے علماء کو محبوب رکھتے ہیں، رحیم ہے رحم کرنے والوں کو پسند کرتے ہیں، محسن ہے احسان کرنے والوں کو پسند کرتے ہیں، شکور ہے شاکرین کو پسند کرتے ہیں، صبور ہے صابرین کو پسند کرتے ہیں، سخی ہے سخی حضرات کو محبوب رکھتا ہے، ستار ہے پردہ پوشی کرنے والوں کو پسند کرتا ہے، قادر (طاقتور) ہے کمزوری وضعف پر ملامت کرتا ہے (لہٰذا) مؤمن قوی اللہ تعالیٰ کو مؤمنِ ضعیف سے زیادہ محبوب ہے، معاف کرنے والا ہے معافی کو پسند کرتا ہے، وتر (یکتا) ہے وتر (یکتگی) کو پسند کرتا ہے اور ہر وہ چیز جو اللہ کو محبوب ہے وہ اس کے اسماء وصفات ہی کے آثار واسباب ہے اور ہر وہ چیز جو اس کو مبغوض ہے تو وہ ان چیزوں میں سے ہیں جو اس کے اسماء وصفات کے اضداد ومنافی ہے۔

﴿خاتمہ﴾

اے وہ شخص جو اللہ اور دارِ آخرت کے سفر کا پختہ ارادہ رکھتا ہے اور اللہ تعالیٰ نے تیرے لئے علم کو بھی بلند (واضح) کردیا ہے، بس تو اس کی طرف کمر بستہ ہوجا (جبکہ) سعی وکوشش ممکن بھی ہے، اور تو اپنی سیر کو اپنے مضبوط مطالعہ اور نفس کے عیوب اور عمل وگناہ کے مشاہدہ کے مابین پابند کر، کسی عارف کے لئے نعمت اور گناہ کا مشاہدہ نیکی سے بڑھ کر نہیں ہے، کہ وہ یہ کہے کہ یہ مجھ کو عذاب جہنم سے نجات دینے والا ہوگا، (حالانکہ) اعتماد وبھروسہ صرف اور صرف اللہ کے عفو ومغفرت پر ہی ہونا چاہئے، لہٰذا ہر ایک بندہ ان دونوں (عفو ومغفرت) کا محتاج وفقیر ہے اور جو نعمتیں تو نے (اے اللہ) مجھے عطا کی ہے اس کی وجہ سے تیری طرف رجوع کرتا ہوں، اور اپنے تمام گناہوں کا اقرار بھی کرتا ہوں، پس اب تو مجھے بخش دے میں ایک مسکین مجرم ہوں اور تو رحیم ہے، غفور ہے۔

اور تیرے اعمال کی اگر وہ عمل مبطلاتِ عمل سے محفوظ بھی ہو تو بھی اللہ کی تجھ پر عظیم نعمتوں میں سے ایک ادنیٰ نعمت کے سامنے کیا حیثیت وبرابری ہوگی! حالانکہ جس وقت تجھ پر وہ نعمت فرمائی تھی اس نعمت کے شکر کا بھی ابھی تو مقروض ہے پھر تو نے اس نعمت کا کیا کما حقہ حق ادا کیا؟ حالانکہ وہ نعمت تیرے تصرف میں اور تیرے قبضہ کے ماتحت ہے۔

لہٰذا تو امید کی ڈور سے لٹک جا اور توبہ اور عمل صالح کے دروازہ میں داخل ہوجا، بلاشبہ اللہ تعالیٰ غفور وشکور ہے، اس نے بندوں کے لئے طریقۂ نجات کو قائم کیا اور ان کے لئے بابِ نجات کو بھی کھول دیا، اور ان کو حصولِ سعادت کے طرق کی پہچان بھی عطا کی اور اس کے اسباب بھی عطا کئے اور ان کو گناہوں کے وبال سے بھی ڈرایا اور بندے کو خود اس کی ذات پر اور دیگر لوگوں پر گناہوں کی نحوست وسزا کا مشاہدہ بھی کرایا اور فرمایا (اے بندے) اگر تو اطاعت وفرمانبرداری کرے تو یہ میرے فضل کی وجہ سے ہے اور میں قدرداں ہوں اور اگر تو نافرمانی کرے تو میرے فیصلہ کی وجہ سے ہے اور میں مغفرت کرنے والا ہوں، اِنَّ رَبَّنَا لَغَفُوْرٌ شَکُوْرٌ.

اور اللہ تعالیٰ بندے سے امراض کو دفع کرتا ہے اور اس کو یہ حکم دیا کہ وہ اللہ سے عجز وکسل سے پناہ چاہے اور اللہ نے اس سے یہ وعدہ کیا کہ وہ اس کے عملِ قلیل پر بھی تعریف (قدر) کرے گا اور اس کی کثیر لغزشوں کو بخش دے گا، ﴿إِنَّ رَبَّنَا لَغَفُورٌ شَكُورٌ﴾۔

اور اللہ تعالیٰ نے بندہ سے موانع عمل کو دور فرمایا، پھر اللہ تعالیٰ بندے کے اس احسان (نیکی) کی بھی قدر کرتا ہے جو بندے نے اپنی ذات کے ساتھ کیا ہو، نہ کہ اللہ کے ساتھ احسان کیا ہو، اور اللہ نے بندے کا اپنی ذات کے ساتھ احسان کرنے پر بھی وعدہ فرمایا کہ وہ اس کے صلہ میں بہترین بدلہ عطا کرے گا اور اس کو اپنے نزدیک درجۂ قرب عطا کرے گا، اور یہ کہ اللہ اس بندے کی خطاؤں کو معاف کردے گا جب وہ اس سے توبہ کرے اور اس کو اپنے سامنے رسوانہیں کرے گا، ﴿إِنَّ رَبَّنَا لَغَفُورٌ شَكُورٌ﴾۔

اور گنہگاروں کی لغزشیں اللہ کی صفتِ عفو پر اعتماد کرتی ہیں تو اللہ کا عفو سب (لغزشوں) کو محیط ووسیع ہوتا ہے اور محسنین کی تمنائیں اسی کے کرم پر جمی ہوتی ہے تو اس کا مزہ (بدلہ) ختم نہیں ہوتا اور تائبین وسائلین کی دعائیں ساتوں آسمانوں کو پھاڑ دیتی ہے، سو وہ اس کو سنتا ہے، اور تمام مخلوق پر اللہ کی صفتِ عفو ومغفرت اور رزق وسیع ہے، لہٰذا روئے زمین پر جو بھی ذی نفس (جاندار) ہے اس کے رزق کی ذمہ داری اللہ پر ہے اور اللہ تعالیٰ اس کے ہمیشہ رہنے کے مقام کو اور چند روزہ رہنے کے مقام کو بھی جانتا ہے، ﴿إِنَّ رَبَّنَا لَغَفُورٌ شَكُورٌ﴾۔

اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر ماں کا اپنی اولاد پر مہربان ہونے سے کئی زیادہ رحیم ومہربان ہے اور وہ شخص جس کی سواری گم ہوجائے جس پر اس کا توشہ ہو اور اسبابِ زندگی ہو اور وہ مقامِ ہلاکت میں ہو تو جب وہ اپنی سواری کو واپس پالے تو اس کو کتنی خوشی ہوگی، اس سے کئی زیادہ اللہ تعالیٰ کو توبہ کرنے والے کی توبہ سے خوشی ہوتی ہے اور تمام مخلوق کے عملِ قلیل کا سب سے زیادہ قدرداں ہے، تو جو شخص قلیل نیکی سے بھی اللہ کا تقرب حاصل کرتا ہے تو اللہ اس کی قدر کرتا ہے اور اس کی تعریف کرتا ہے، ﴿إِنَّ رَبَّنَا لَغَفُورٌ شَكُورٌ﴾۔

اور اللہ تعالیٰ عبادتِ نافلہ کی وجہ سے بندوں پر مانگنے سے قبل ہی سخاوت فرماتے ہیں اور مانگنے والے کو اور

امید رکھنے والے کو اس کی امید سے کئی زیادہ عطا کرتا ہے اور اس شخص کی مغفرت کردے گا جو اس سے توبہ کرے گا اگر چہ اس کے گناہ (دریا کی) موجوں اور کنکریوں اور مٹی وریت (کے ذرات) کے برابر ہو، ﴿إِنَّ رَبَّنَا لَغَفُورٌ شَكُورٌ﴾۔

اور اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو اپنے اسماء واوصاف کی پہچان عطا کی اور اللہ تعالیٰ اپنے بندوں سے اپنی (صفتِ) حلم اور نعمتوں کے ذریعہ محبت کرتا ہے اور بندوں کے گناہ اللہ کو اس بات سے مانع نہیں کہ اللہ ان پر اپنی نعمتوں کی بارش کرے، اور اللہ تعالیٰ نے توبہ کرنے والے سے اور اس کی اچھی اطاعت کرنے والے سے قیامت کے دن اس کے گناہوں کی مغفرت کا وعدہ فرمایا ہے، ﴿إِنَّ رَبَّنَا لَغَفُورٌ شَكُورٌ﴾۔

ساری کی ساری سعادت ونیک بختی اللہ کی اطاعت ہی میں ہے اور مکمل منافع اسی کے معاملہ میں ہے اور مشقت ومصائب ساری کی ساری اللہ کی نافرمانی ومخالفت کرنے میں ہے، اللہ کے شکر اور توبہ سے زیادہ بندے کے لئے کوئی چیز نافع نہیں، ﴿إِنَّ رَبَّنَا لَغَفُورٌ شَكُورٌ﴾۔

اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوق پر نعمتوں میں فیاضی کا معاملہ فرمایا ہے اور اللہ نے اپنی ذات پر رحم کو لازم کرلیا ہے، اور نوشتۂ تقدیر میں اللہ کا لکھا ہوا یہ قول ''انّ رحمته تغلب غضبه'' اس کا ضامن ہے، ﴿إِنَّ رَبَّنَا لَغَفُورٌ شَكُورٌ﴾۔

اللہ کی اطاعت کی جائے تو وہ (شاکر) ہے، اس کی قدر کرتا ہے (عوض عطا کرتا ہے) حالانکہ اس کی اطاعت اسی کی توفیق وفضل سے (ادا ہوتی) ہے اور اس کی نافرمانی کی جائے تو وہ حلیم ہے اور بندے کا نافرمانی کرنا بندے ہی کے جہل وظلم کی وجہ سے ہے اور برے اعمال کرنے والا اللہ تعالیٰ سے توبہ کرتا ہے تو وہ اس کی مغفرت فرمادیتا ہے حتی کہ وہ ایسا ہو جاتا ہے گویا کہ وہ گنہگار تھا ہی نہیں، ﴿إِنَّ رَبَّنَا لَغَفُورٌ شَكُورٌ﴾۔

اللہ کے نزدیک ایک نیکی دس نیکی کے (ثواب) کے برابر ہے، یا تو اس سے بھی مضاعف ہوتا ہے بلکہ اس کا ثواب بے حساب وبے شمار بڑھا دیا جاتا ہے، اور اللہ کے نزدیک ایک بدی تو وہ ایک ہی بدی (کے گناہ) کے برابر ہے، اور وہ بھی عفو ومغفرت سے معاف ہو جاتی ہے اور توبہ کا دروازہ اس دن سے کھلا ہے جب سے اللہ نے آسمان وزمین کو پیدا کیا ہے اور قیامت تک کھلا رہے گا، ﴿إِنَّ رَبَّنَا لَغَفُورٌ شَكُورٌ﴾۔

کریم وسخی کا دروازہ ہی امید رکھنے والوں کی میخ ومدار ہے اور گناہوں کو بخشوانے کا مرکز ہے اور عطاؤں کا سائبان ہے جو کسی بہاؤ، سیلاب سے اکھڑنے والا نہیں، بلکہ وہ عطائیں موسلادھار (بارش کی طرح) برستی ہیں اور اس کے ہاتھ (عطاؤں سے) پُر ہے جس کو رات ودن کا خرچ کرنا اس میں سے کچھ بھی کم نہیں کرتا، ﴿اِنَّ رَبَّنَا لَغَفُوْرٌ شَکُوْرٌ﴾۔

اور اللہ تعالیٰ کی نصیحتیں صابرین ہی کو نصیب ہوتی ہے اور اس کے عطایا شاکرین ہی کو حاصل ہوتے ہیں اور اس کی ذات پر ہلاک ہونے والے ہی ہلاک ہوتے ہیں اور اس کے عذاب سے تو سرکشی اور حکم عدولی کرنے والے ہی بدبخت ہوتے ہیں، ﴿اِنَّ رَبَّنَا لَغَفُوْرٌ شَکُوْرٌ﴾۔

لہٰذا اے سرکش اور (اللہ کے) باغی ڈر اس بات سے کہ اللہ تعالیٰ تجھ کو غفلت وبے خبری میں پکڑ لے، اس لئے کہ وہ غیور ہے اور جب تو اللہ کی نافرمانی پر مصر ہو اور وہ تجھ کو اپنی نعمتیں زیادہ سے زیادہ عطا کر رہا ہوں تو ڈر اس لئے کہ اس نے تجھ کو مہمل نہیں چھوڑ دیا لیکن وہ صبور ہے اور اے توبہ کرنے والے تجھ کو اس کی مغفرت ورحمت کی خوشخبری ہے، اس لئے کہ وہ غفور وشکور ہے۔

جس شخص کو معلوم ہو جائے کہ رب العالمین شاکر ہے تو وہ اپنے معاملات میں جھومنے لگے اور جو شخص جان لے کہ اس کی مغفرت عام ووسیع ہے تو وہ اس کی مغفرت کے دامن سے چمٹ جائے، اور جس کو معلوم ہو جائے کہ اس کی رحمت اس کے غضب سے آگے ہے تو وہ کبھی اس کی رحمت سے مایوس نہ ہو، ﴿اِنَّ رَبَّنَا لَغَفُوْرٌ شَکُوْرٌ﴾۔

جو شخص اللہ کی صفت میں سے کسی صفت سے متعلق ہو جاتا ہے تو خود صفتِ (الٰہی) اس کا ہاتھ تھامتی ہے حتی کہ وہ صفات اس کو اللہ تک پہنچا دیتی ہے، اور جو شخص اللہ کے اسماءِ حسنی کے ذریعہ اللہ کی طرف چلتا ہے تو وہ اللہ تک پہونچ جاتا ہے اور اللہ تعالیٰ اس بندے کو محبوب بنا لیتے ہیں، جو بندہ اللہ کے اسماء واوصاف کو محبوب بناتا ہے اور یہ (محبت صفات وغیرہ) اللہ کے نزدیک سب سے قابلِ ترجیح چیز ہے۔

دلوں کی حیات اللہ کی معرفت ومحبت میں ہے اور اعضا وجوارح کا کمال اللہ کی اطاعت کے ذریعہ اللہ کا تقرب حاصل کرنے میں اور اللہ (کے دین) کی طاعت انجام دینے میں ہے اور زبان کا کمال اللہ کے ذکر سے تر رکھنے میں اور اللہ کی اور اس کے اوصاف کی حمد وثنا کرنے میں ہے۔

بس اہلِ شکر زیادہ (نعمتوں) کے حقدار ہیں اور اہلِ ذکر (اللہ کے) جلیس ہیں اور اہلِ طاعت اہلِ کرامت ہیں اور اہلِ معصیت کو اپنی رحمت سے ناامید نہیں کرتا، اگر وہ لوگ توبہ کرلیں گے تو وہ اللہ کے محبوب ہوں گے اور اگر وہ توبہ نہیں کریں گے تو اللہ ان کا معالج ہوگا وہ ان کو مختلف مصائب میں مبتلیٰ کرے گا تاکہ ان سے گناہ صاف ہوجائے اور ان کو (گناہوں کے) عیوب سے پاک صاف کردے گا، اِنَّ رَبَّنَا لَغَفُوْرٌ شَکُوْرٌ۔

والحمد للّٰہ رب العالمین حمداً کثیراً طیباً مبارکاً فیه کما یحب ربنا ویرضی و کما ینبغی لکرم وجهه وعز جلاله حمداً یملأ السمٰوات والارض وما بینهما وماشاء ربنا من شیئ بعد بمجامع حمده کلها ما علمنا منها ومالم نعلم علی نعمه کلها ما علمنا منها ومالم نعلم، عدد ما حمد الحامدون وغفل عن ذکره الغافلون وعدد ما جری به قلمه واحصاه کتابه واحاط به علمه.

وصلی اللّٰہ وسلم علی سیدنا محمد وآله وصحبه اجمعین وعلی سائر الانبیاء والمرسلین ورضی اللّٰہ عن التابعین لهم باحسان الی یوم الدین ولا حول ولاقوة الا باللّٰہ العزیز الحکیم وحسبنا اللّٰہ ونعم الوکیل.